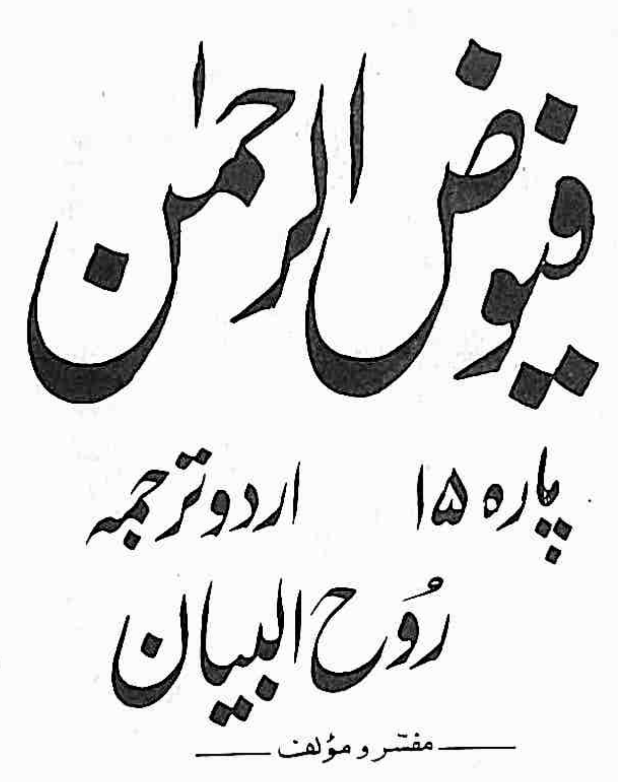


مفسر و مؤلف

سراج العلماء، زبدۃ الفضلا حضرت علامہ مولانا شیخ اسماعیل حقی البروسوی
قدس سرہٗ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد
اویسی رضوی

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ ○ ملتان روڈ ○ بہاولپور

نام کتاب ـــــــــــ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان، پارہ ۱۵
مصنف ـــــــــــ علامہ اسماعیل حقی رح
مترجم ـــــــــــ علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی
سن طباعت ـــــــــــ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء بار دوم سنہ ۱۹۹۱ء
مطبع ـــــــــــ
ناشر ـــــــــــ مکتبہ اویسیہ رضویہ، ملتان روڈ، بہاولپور

ساری رات سونا اور ایک ہزار مسائل = $\frac{103}{15}$

جنت کے ہر درجہ کا فاصلہ = $\frac{116}{15}$ $\frac{86}{16}$

نسب تبدیل کرنا = $\frac{122}{15}$

خوشبودار آنا = $\frac{128}{15}$

قرآن کی تلاوت نماز میں 100 آیات = $\frac{354}{15}$

قرآن کو کس طرح نازل کیا = $\frac{155}{15}$

جنت کا خصوصی بازار = $\frac{86}{16}$

شطرنج کے علاوہ = $\frac{102}{16}$

رب زدنی علما = $\frac{393}{16}$

پانچ کبیرہ شرح = $\frac{142}{15}$

گ [illegible] سبق کے دو شعر = $\frac{215}{15}$

[illegible] میں دوسرا آنا = $\frac{206}{15}$

قیامت میں اللہ تعالی ظاہر ہوگا = 259

ششم کلمہ رد کفر = $\frac{96}{16}$

تبلیغ دو بڑا جاہل = 260

جلال احمد جربل = 358/15

جہنم کا بیان گستر = 364/15

عالم دین اور گستر ابرار کتابیں = 379/15

شب النور کی گنبد اقبل = 312/16

قاری محمد عباس نظامی

اہل سنت کی باطن کا اور انگلے طالبے پیوکے ہیں ص ۲۸/16

قیامت کے دن خاں کے نام سے پکارا جائے گا ص ۲۱۸/15

عہد نامہ ص ۲۱۱/16

زمین کی زینت اولیاء کرام ص ۲۹۸

[signature]
10-12-98

فہرست مضامین پارہ نمبر ۱۵



سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا
حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○ وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ
ہُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ○ ذُرِّیَّۃَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّہٗ
کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ○ وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْکِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ
مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا کَبِیْرًا ○ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىہُمَا بَعَثْنَا عَلَیْکُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِیْ
بَاْسٍ شَدِیْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّیَارِ ؕ وَکَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ○ ثُمَّ رَدَدْنَا لَکُمُ الْکَرَّۃَ
عَلَیْہِمْ وَاَمْدَدْنٰکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَجَعَلْنٰکُمْ اَکْثَرَ نَفِیْرًا ○ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ
لِاَنْفُسِکُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَہَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْہَکُمْ وَلِیَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ
کَمَا دَخَلُوْہُ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّلِیُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِیْرًا ○ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ
وَجَعَلْنَا جَہَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ○ اِنَّ ہٰذَا الْقُرْاٰنَ یَہْدِیْ لِلَّتِیْ ہِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ
الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا ○ وَّاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ اَعْتَدْنَا
لَہُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ○

ترجمہ: پاکی ہے اس ذات کی جس نے اپنے پیارے بندے کو رات کے ایک حصہ میں سیر کرائی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے اردگرد کو ہم نے بابرکت کیا ہے تاکہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سمیع و بصیر ہے۔ اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنایت فرمائی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا (اور فرمایا) کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ سوار کیا۔ بے شک وہ بڑا شکرگزار بندہ تھا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا فیصلہ سنایا کہ تم ضرور زمین پر فساد برپا کرو گے اور ضرور بڑا غرور کرو گے۔ پھر جب ان پر پہلی بار کا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر سخت لڑائی والے بندے بھیجے تو وہ تمہاری تلاش میں شہر کے اندر گھس گئے اور یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہونا تھا۔ پھر ہم نے الٹ کر ان پر تمہارا حملہ کر دیا اور ہم نے مالوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تمہارا جتھا بڑھا دیا۔ اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنا ہی بھلا کرو گے اور اگر برا کرو گے تو بھی اپنا، پھر جب دوسری بار کا وعدہ آیا تاکہ دشمن تمہارا منہ بگاڑ دیں اور تاکہ مسجد میں داخل ہوں جیسے پہلی بار داخل ہوئے اور تاکہ جس پر وہ غالب ہوں اسے مکمل طور پر تباہ و برباد کر دیں۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تعالٰے تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر شرارت کی طرف عود کرو گے تو پھر ہم بھی عذاب کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنایا ہے۔ بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور ان ایمان والوں کو خوشخبری دیتا ہے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان کے لئے بہت بڑا ثواب ہے۔ اور یہ کہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔[1]

سورۃ الاسراء کی ایک سو گیارہ آیات ہیں اور یہ سورۃ مکیہ ہے اور الکواشی میں ہے کہ و ان یکادو یستفزونک تا نصیرا آیاتِ مدنیہ ہیں یا قل رب ادخلنی مدخل صدق و ان الذین اوتوا العلم من قبلہ و ان ربک احاط بالناس وان کادوا لیفتنونک ولولا ان ثبتناک اور اس کے قریب والی آیت مدنیہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر عالمانہ

سُبْحٰنَ یہ تسبیح کا اسم ہے بمعنے التنزیہ اور تعجب کے معنے کو متضمن اور اس کا منصوب ہونا فعل مضمر سے ہے اور وہ دائمی طور پر ظاہر نہیں ہوتا دراصل اسبح اللہ عن صفات المخلوقین سبحانا بمعنے تسبیحا یعنے اللہ تعالٰے کو مخلوق کی صفات سے بالکل منزہ مانتا ہوں۔ پھر یہی اسم گویا فعل کا قائم مقام ہے جیسے معاذ اللہ میں مصدر کو فعل کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے اسی طرح غفرانک وغیرہ میں۔

---

[1] ترجمہ از فقیر اویسی۔

ف: بعض نے کہا، سبحان۔ غفران کی طرح مصدر ہے بمعنے التنزہ۔

نکتہ: کلام کا آغاز اس کلمہ سے اس لئے کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کے مابعد کے مضمون سے اللہ تعالٰے کو عجز سے منزہ سمجھنا لازمی اور ضروری ہے۔ نیز تنزیہ تعجب کے منافی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کلام کو تعجب سے شروع کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کے اور محبوب علیہ السلام کے مابین جو واقعہ ہوا نہایت ہی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔

نکتہ[۱]: اسئلۃ الحکم میں ہے کہ اللہ تعالٰے نے اسراء کے بیان میں لفظ تنزیہ (سبحان) میں جیسے عقل والوں کو تنبیہ ہے۔ اسی طرح وہمی مزاج کو بھی کہ شب معراج کے واقعات اگرچہ تمہارے عقول وافہام کو وسوسہ میں ڈالیں تو بھی دامن حق کو نہ چھوڑنا اس لئے کہ بظاہر ہم نے ان واقعات کو تمہارے امتحان کے لئے بیان کیا ہے تاکہ تم کو جہاں عقل وفہم جکڑ دیں تو فوراً کہہ دیا کرو: سبحان اللہ۔ اس سے خیال کے پجاریوں اور اہل تشبیہ وتجسیم کا رد ہو گیا یعنے ان مذاہب کا جو اللہ تعالٰے کے لئے جہت وحد ومکان ثابت کرتے ہیں۔

(اسی طرح پرویزیوں، نیچریوں، مرزائیوں و دیگر بد مذاہب کی بھی تردید ہوئی جو عقل کے پیش نظر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی کے منکر ہیں[۱])

سوال: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج سے تعجب ہوا لیکن نزول سے نہیں حالانکہ دونوں معاملے تعجب خیز اور حیرت انگیز ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: چونکہ عروج میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد دیدار الٰہی تھا اور نزول خلق خدا کے لئے تھا اور عروج کے مقصد میں اللہ تعالٰے کے لئے تشبیہ وتجسیم ومکانیت کا وہم پڑتا تھا اور نزول میں کسی قسم کا خدشہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا اسی لئے عروج میں لفظ تنزیہ مذکور ہوا ہے۔

نکتہ[۲]: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم کثیف میں رونق افروز تھے۔ عالم کثیف کا عالم بالا کی طرف جانا واقعی تعجب ناک ہے بخلاف اوپر سے نیچے تشریف لانے کے۔ اسی لئے تعجب کا کلمہ (سبحان) لایا گیا۔

الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ تفسیر کاشفی میں ہے کہ پاکی اور بے عیبی ہے اس ذات کے لئے جو از راہ کرامت اپنے محبوب بندے حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو لے گیا۔

حل لغات الاسراء بمعنے رات کو چلنا یہی اسری کا معنے ہے مثلاً کہا جاتا ہے: اسری وسری ای سار لیلاً یعنے وہ رات کو گیا اسی سے السریۃ السرایا کا واحد ہے اس لئے کہ وہ لشکر دشمن پر حملہ کرنے کے لئے

---

[۱] اضافہ از فقیر اویسی

خفیہ جانا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت سیر کرائی۔

ازالۂ توہمات حضرت نے فرمایا کہ اسریٰ کہنے سے وہمیوں کے تمام توہمات کافور ہوگئے اس لئے کہ اگر سا سرٰی کہا جاتا تو وہ کہتے کہ نبی علیہ السلام بشر ہو کر اوپر کیسے گئے اور پھر آن کی آن میں کیسے واپس آگئے اور کرات زمہریر و نار وغیرہ سے کیسے گزرے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمادیا کہ جسے اس کی قدرت پر ایمان ہے وہ کبھی ایسے اوہام باطلہ دل میں نہیں لائے گا۔ اس کی مثال یہ حدیث ہے:

حبب الی من دنیاکم ثلاث

اس میں اگر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم احببت فرماتے تو بعض گندے مزاجوں میں وہم پیدا ہوتا کہ حضور نبی کریم علیہ السلام بھی دنیوی امور کی محبت میں گرفتار رہیں (معاذ اللہ) لیکن حضور علیہ السلام نے اس وہم کو دفع فرمایا کہ مجھے دنیوی امور سے اگر کوئی تعلق ہے تو وہ نفسانیت سے نہیں بلکہ امورِ الٰہی سے ہے۔

نکتہ بعبدہ میں ایک نکتہ ہے ورنہ نبیہ کہا جاتا۔ وہ یہ کہ امت کے بعض پاگل دماغوں میں توہم نہ ہو کہ (معاذ اللہ) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی ہیں اور خدا بھی؛ جیسے نصرانیوں نے اپنے نبی علیہ السلام کے لئے سمجھا جب بعبدہ کہا گیا تو تصریح ہوگئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبی اور عبد ہیں خدا یا خدا تعالیٰ کے بیٹے نہیں۔

عیسائیوں کے عقیدہ کی تفصیل عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے جسم سمیت عالمِ اکوان سے نکل کر ملأِ اعلیٰ کی طرف تشریف لے گئے اور یہ بظاہر بشریت کی عادات و اطوار کے منافی ہے اسی لئے معاذ اللہ وہ عبدیت میں نہ رہے بلکہ معاذ اللہ خدا ہوئے یا خدا کے بیٹے۔

نکتہ بعبدہ میں لفظ باء اس لئے داخل کیا گیا ہے کہ باء کو عبدیت سے مناسبت ہے کہ جیسے عبدیت میں انکسار و عجز ہے ایسے ہی باء میں کہ حروف کے نیچے رہنا اس کا خاصہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ عبدیت کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ اسی لئے امام صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا:

العبودیۃ افضل من الرسالۃ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت ان کی رسالت سے افضل ہے اس کی دلیل یوں بیان فرمائی کہ عبودیت میں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خلق سے حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ مرتبہ مقام الجمع ہے اور رسالت میں حق سے خلق کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے اور یہ مرتبہ مقام الفرق ہے[1] اور ظاہر ہے کہ مقام الجمع مقام الفرق سے افضل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عبودیت میں رسول علیہ السلام اپنے جملہ امور کا کفیل اللہ تعالیٰ کو بناتا ہے اور رسالت میں رسول علیہ السلام اپنی امت کے جملہ امور کا کفیل

---

[1] ۔ جیسے یہودیوں اور نصرانیوں اور پھر جیسے نجدیوں وہابیوں دیوبندیوں، مودودیوں اور پرویزیوں نے کہا۔ (اویسی)

ہو کر اللہ تعالےٰ سے ملانے کی محنت میں ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں میں امر اول بہتر ہے۔

معراج چونتیس بار حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج چونتیس بار ہوئی صرف ایک بار جسمانیت سے باقی روحانیت سے اور یہ گنتی قبل نبوت اور اس کے بعد تا وصال مکمل ہوئی۔

ف: وحی کے نزول سے پہلے آپ کو معراج (روحانی وغیرہ) کا سلسلہ شروع ہوا تاکہ آپ پر وحی کے امور آسان ہوں جیسے روایاتِ صحیحہ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو آغاز نبوت سے قبل رویا صادقہ (سچے خواب آتے تھے)۔

معراج جسمانی کی عقلی دلیل جسمانی معراج کی دلیل لفظ عَبْدِہٖ سے واضح ہے اس لئے کہ عبد روح مع جسد کو کہا جاتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے براق لایا گیا اور براق جسم (ثقیل شے) اٹھانے کے لئے ہوسکتا ہے ورنہ روح کے لئے براق کس لئے؟ تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر روح سے معراج ہوتی تو پھر معراج کے منکرین کو انکار کیسا اس لئے کہ روح سے معراجی واقعات کو منکرین بھی محال نہیں سمجھتے انہیں انکار تھا تو جسمانیت سے (وہو المقصود)

بدعتی کی علامت کاشفی نے لکھا کہ وہ بدعتی گروہ ہے جو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم کو ثقیل سمجھ کر جسمانی معراج کا انکار کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ نہ صرف شان نبوت کا منکر ہے بلکہ اسے قدرت حق کا بھی انکار ہے

؎

آنکہ سرشت تنش از جان بود

سیر و عروجش بتن آسان بود

[ترجمہ: جس کی تخلیق ہی روحانی ہو اس کے لئے جسم کے ساتھ معراج کو جانا کیا مشکل ہے۔]

نبی علیہ السلام کی بشریت بھی نوری تھی [صاحب روح البیان صفحہ ۱۰۳ جلد ۵۔ آیت ہٰذا کے تحت لکھتے ہیں کہ]

وقد ذکروا ان جبریل علیہ السلام اخذ طینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجنہا بمیاہ الجنۃ وغسلہا من کل کثافۃ و کدورۃ فکان جسدہ الطاہر من العالم

احادیث میں مذکور ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کے جسم مبارک کا خمیر لیا تو اسے بہشت کے پانیوں سے دھویا یہاں تک کہ اس سے جملہ کثافتیں اور کدورتیں دور ہوئیں اس اعتبار سے آپ کا جسم بھی آپ کی روح پاک کی طرح علوی ہوگا۔[1]

---

[1] : اسی لئے ہم حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کہتے ہیں کہ آپ نور ہیں اور آپ کی بشریت بھی نوری ہے۔ فافہم ولا تکن من الوہابین الجاہلین ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ۔

العلوی۔(کروسنا الشریف)

سوال: کس شے میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی؟

جواب: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا:

اسریٰ بی فی قفص من لؤ لؤ فراشہ من ذھب مجھے موتیوں والے پنجرے میں سیر کرائی گئی جس کا بستر موتیوں کا تھا۔ (کذا فی بحر العلوم، روح البیان ص ۱۰۳، ج ۵)

لَیۡلًا رات کے وقت اس کا منصوب ہونا علےٰ الظرفیہ ہے اسے تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے کہ الاسراء رات کو ہوتا ہے اس میں بال برابر بھی شک نہیں کہ دن کو ہوا ہوگا اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ معراج خواب میں ہونے کا وہم بھی غلط ہے۔ (کذا فی لسان العرب)

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اسرار رات کے تھوڑے سے وقت میں ہوا اس لئے کہ لَیۡلًا کی تنکیر لبعضیت پر دلالت کرتی ہے۔ لفظ لیلاً کے مفرد ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں معراج ہوئی اسی طرح وہ رات کے ایک ہی فرد میں ہوا۔ بخلاف اس کے کہ کہا جائے: سرت اللیل یعنے لیل کو معرف باللام لایا جاتا تو اس میں مذکورہ بالا معنےٰ صحیح نہ ہوتا بلکہ اس سے ثابت ہوا کہ معراج ساری رات ہوئی۔ اس معنے پر لیلاً اسراء کے لئے معیار ہوگی نہ ظرف۔ حالانکہ مقصود یہ ہے کہ لیلاً اسرار کے لئے ظرف ہو۔

ف: معراج ستائیسویں رجب سوموار کی شب کو ہوئی۔ اسی پر اکثر امت کا اتفاق ہے۔

اعجوبہ: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو پیر کی رات معراج ہوئی اور پیر کے دن مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے روانہ ہوئے تو پیر کے دن مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے اور پیر کے دن ہی آپ کی وفات (وصال) ہوئی۔

نکتہ صوفیانہ اس میں حضور علیہ السلام کے لئے اشارہ ہے کہ آپ کا تعین ثانی ہے جب کہ سوموار کو یوم الاثنین کہا جاتا ہے۔ الف اور یوم الاحد میں بمنزلہ تعین الذات کے لئے مانے گئے ہیں اور 'با' اور یوم الاثنین بمنزلہ تعین الصفات کے۔ (فافہم ولاتکن من المنکرین)۔

شبِ معراج کی تعریف میں حضرت جامی قدس سرہٗ نے لکھا: ؎

(۱) ز قدر او مثالے لیلۃ القدر

ز نور او براتے لیلۃ البدر

(۲) سواد طرہ اش خجلت دہ حور

بیاض غرہ اش نور علے نور

(۳) نسیمش جعد سنبل شانہ کردہ
ہوائیش اشک شبنم دانہ کردہ

(۴) بسمار ثوابت چرخ سیار
بہ بستہ در جہان درہائے ادبار

(۵) طرب راچون سخن خندان از ولب
گریزاں روز محنت زو شباشب

(۱) اس کی قدر و منزلت یہ ہے کہ لیلۃ القدر اس کی ایک مثال اور لیلۃ البدر کو اس کے نور سے تھوڑا سا حصہ ملا۔

(۲) اس کی سیاہی حور کو شرمندہ کن ہے اس کی سفیدی نور علیٰ نور ہے۔

(۳) نسیم نے سنبل زلفوں کو کنگھا کیا اس کی ہوا نے شبنم کے دانے بنائے۔

(۴) آسمان کے ثوابت کی میخوں سے بدبختی کے دروازے جہان سے بند کر دیئے۔

(۵) خوشی کے اسی سے لب خندان۔ اسی سے رات و رات محنت کے ایام بھاگ نکلے۔

سوال: معراج دن کے بجائے رات کو کیوں ہوئی۔ بہتر تھا کہ دن کو ہوتی تاکہ کسی کو طعن و تشنیع کا موقعہ نہ ملتا؟

جواب (۱) رات محبوبوں کے ساتھ رل بیٹھنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ گویا رات حظ الفراش و الوصال اور دن حظ اللباس والفراق ہے یا یوں کہو رات مظہر البطون اور دن مظہر الظہور ہے۔

(۲) رات راحت کا موجب ہے اور رات بہشت کا نمونہ ہے اور دن کاروبار و دیگر ضروریات کے لئے تھکان کا موجب ہے اور تھکان والی شے محبوبی شان کے خلاف تھا اسی لئے بجائے دن کے رات کو معراج ہوئی۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے ایک سال پہلے معراج ہوئی یعنے بعثت مبارکہ کے بارہویں سال معراج کو تشریف لے گئے۔

مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ صحیح تر روایات سے یونہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بی بی ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر سے معراج ہوئی اور بی بی کا گھر حرم شریف میں ہے اور ظاہر ہے کہ حرم شریف سارے کا سارا مسجد شریف ہے۔

مسئلہ: فقہاء فرماتے ہیں حرم شریف کا احاطہ مدینہ طیبہ کی طرف سے تین میل اور عراق سے سات میل اور جعرانیہ سے نو میل اور طائف سے سات میل اور جدہ سے دس میل ہے۔

مسئلہ: میقات کے مواقیت خمسہ خود حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے کہ ان پانچوں مقامات سے

حرم شریف کے لئے احرام باندھا جائے اور وہ مقامات حرم میں اور حرم شریف مسجد حرام میں فنا ہے۔

نکتہ صوفیانہ بیتِ ذات کی طرف اور مسجد حرام صفات کی طرف اور حرم افعال کی طرف اور مواقیت کا خارج آثار کی طرف اشارہ ہے یعنے جو مکہ معظمہ کا ارادہ کرتا ہے زیارت کے لئے یا ویسے تو اسے چاہیئے کہ ان ہی مقامات سے احرام باندھے بغیر تجاوز نہ کرے اس طرح سے ان مقامات کی تعظیم مطلوب ہے۔

مسئلہ: جیسے ان مقامات کی تعظیم ضروری ہے ایسے ہی مساجد کی تعظیم بھی لازمی اور ضروری ہے اسی طرح مشائخ کے حضور کی حاضری میں ان کی مجالس کے آداب ظاہراً و باطناً ضروری ہیں۔

اعجوبہ: مروی ہے کہ حجرِ اسود کو جب بہشت سے نکال کر حرم شریف میں لایا گیا تو اس کے اندر نور تھا اس کے نور کی روشنی جہاں تک پہنچی وہی حرم کا احاطہ مقرر ہوگیا۔

ف: مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے زمین کی طرف تشریف لائے تو اللہ تعالٰے سے بامید قبولیت توبہ چالیس سال سربسجود رہے۔ چالیس سال کے بعد اللہ تعالٰے نے جبریل علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے ہاں بھیجا کہ آپ کی توبہ قبول ہوگئی ہے اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ اے الٰہ العالمین! عرش معلٰے کے گرد میرے چالیس سال کے طواف قضا ہوگئے۔ اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام کی درخواست پر بیت المعمور کو زمین پر اتارا تاکہ آدم علیہ السلام اس کا طواف کرکے اپنی قضا پوری کریں۔ وہ بیت المعمور سرخ یاقوت کا تھا اس کی روشنی سے مشرق و مغرب چمک اٹھے اس کے نور سے جن و شیاطین بھاگے اور گھبرا کر خلاء آسمان پر پھیل گئے جب دیکھا کہ اس نور کا مرکز مکہ معظمہ ہے تو مکہ میں اترنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالٰے نے مکہ معظمہ پر ملائکہ کرام کا پہرہ لگا دیا۔ ملائکہ کرام کعبہ معظمہ کے گرد پہرہ کے لئے کھڑے ہوگئے اس وقت جہاں تک ملائکہ کرام نے کھڑے ہو کر پہرہ دیا اسی جگہ تک حرم مقرر ہوا چونکہ ملائکہ کرام نے اس جگہ تک شیاطین و جن کو روکے رکھا اسی وجہ سے اس کا نام حرم شریف ہوگیا۔

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا مسجدِ اقصٰی سے بیت المقدس مُراد ہے اور اسے اقصٰی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اقصٰی بمعنے ابعد اور چونکہ مسجد حرام سے یہاں تک سوائے اسی مسجد اقصٰی کے اور کوئی مسجد نہیں تھی اسی لئے اسے اقصٰی بمعنے ابعد کے نام سے موسوم کیا گیا یعنے اقصٰی بمعنے ابعد المساجد من مکہ۔

مسجد حرام اور مسجد اقصٰی کی درمیانی مسافت ایک مہینے کی راہ تھی۔

صوفیانہ تحقیق بعض عارفین کا ارشادِ گرامی ہے کہ مسجد حرام سے مقام قلب مُراد ہے اس لئے کہ یہاں قوائے بدنیہ حیوانیہ کے مشرکین پر طواف کرنا حرام کر دیا گیا ہے اور انہیں روکا گیا کہ قلب کے حرم میں فواحش و خطایا کا ارتکاب نہ کریں اور اللہ تعالٰے کا حکم ہے کہ قلب کے حرم میں قوائے حیوانیہ یعنے صفات بہیمیہ و سبعیہ نہ آنے پائیں اور مسجد اقصٰی میں مقام روح کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ شہود تجلیات الذات کی وجہ سے عالم جسمانی سے بہت بعید ہے۔

مسئلہ مدینۃ المہدین میں لکھا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک بیداری میں تشریف لے جانا نص قطعی سے ثابت ہے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔ اس کے بعد آسمانوں تک آپ کا تشریف لے جانا اخبار مشہورہ سے ہے اس کے بعد جنت یا عرش یا تمام عوالم کی سیر (معراج) اخبار احاد سے ثابت ہے۔

مسئلہ کاشفی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک تشریف لے جانا نص قطعی سے ثابت ہے اسی لئے اس کا منکر کافر! اور آسمانوں تک اس کے بعد مرتبۂ قربت تک پہنچنا اخبار مشہورہ سے ثابت بلکہ روایاتِ حد تواتر کے قریب پہنچتی ہیں اسی لئے اس کا منکر گمراہ اور بدعتی ہے[1]

ے

① شاہد معراج نبی وافر است
و آنکہ مقر نیست بدین کافر است

② دست کہ سلطنت این وصال !
نیست بہ پامردی خیل خیال

③ عقل چہ داند چہ مقامست این
عشق شناست کہ چہ دامست این

① نبی علیہ السلام کے معراج کے شاہد بہت ہیں جو اس کا اقراری نہیں وہ اسی وجہ سے کافر ہے۔
② اس وصال کی سلطنت پر کسی کو قابو نہیں دیا گیا۔
③ عقل بیچارہ کیا جانے کہ یہ کیا مقام ہے عشق کو معلوم ہے کہ یہ کیسا دام ہے۔

الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ وہ مسجد کہ جس کے گرد ہم نے برکات نازل فرمائی ہیں یعنے اس مسجد کا ماحول دنیوی و دینی برکات سے مالامال ہے اس لئے کہ یہاں وحی اور ملائکہ کا نزول ہوتا رہا اور موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے تا خاتم الانبیاء حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ رہی اور ہر طرف سے انہار اور پھلدار اشجار ہیں۔ دمشق، اردن اور فلسطین جیسے آباد اور مشہور بلاد اس کے قرب میں واقع ہیں۔ **لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا** تاکہ ہم انھیں اپنی آیات دکھائیں۔ یہ اسراء کی غایۃ ہے اس میں اشارہ ہے کہ اسراء کی ایک حکمت یہ بھی تھی کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی اور مخصوصہ آیات دکھائی جائیں اور یہ وہ شرف ہے کہ سوائے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نہ پہلے کسی کو نصیب ہوا اور نہ بعد میں کسی کو

---

[1] غیر مقلد وہابی صرف آسمانوں کے معراج کے قائل ہیں قربت کے منکر ہیں۔ مرزائی چکڑالی نیچری وغیرہ سرے سے معراج جسمانی کے منکر ہیں۔ اس معنی پر ان کو کیا لقب ملا۔ (اویسی)

نصیب ہو سکتا ہے اگرچہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی معزز ترین تھے لیکن انھیں ملکوت السموات والارض تک محدود رکھا۔ کما قال :

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموات
والارض

اور حبیب کریم رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کو ربوبیت کی بڑی بڑی آیات دکھائیں ۔
کما قال :

فقد رای من آیات ربہ الکبریٰ

وہ اس لئے تاکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر دونوں مراتب یعنے مرتبہ محبیّت اور مرتبۂ محبوبیت حاصل ہو جائیں ۔

ف : آیت میں مِن تبعضیہ ہے یہی وجہ ہے کہ شب معراج حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی غیر منتہیٰ آیات عظیمہ میں سے بعض آیات دکھائی گئیں ۔

نکتہ : آیات کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف اسی لئے مضاف فرمایا ہے تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ وہ آیات بہت عظیم الشان تھیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ :

المضاف الی العظیم عظیم

یعنے مضاف الیہ عظیم الشان ہو تو مضاف بھی عظیم الشان ہوگا۔

سوال : ملکوت السموٰات والارض میں ابراہیم علیہ السلام کی معراج کا ذکر ہے اور اس میں علی الاطلاق ملکوت السموٰت والارض دکھلانے کا ذکر ہے اور حضور نبی کریم علیہ السلام کے معراج میں من اٰیاتنا فرما کر بعض آیات دکھلانے کا بیان ہے اس موازنہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی معراج حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے معراج سے افضل و اعلیٰ ہے ۔

جواب : ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی ہوئی آیات کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آیات باعظمت ہیں اسی لئے کہ اللہ تعالےٰ کی طرف مضاف ہیں اگرچہ بعض سہی لیکن مطلق ملکوت السموٰات والارض سے افضل اور اشرف و اعلیٰ ہوئیں کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کو دکھائی ہوئی آیات اگرچہ کل ہیں لیکن وہ اللہ تعالےٰ کی مخصوص آیات نہیں اس معنے پر حضور علیہ السلام کی آیات کو اللہ تعالےٰ نے بہت بڑی عظمت شان والی خود بیان فرمایا :
کما قال :

لقد رایٰ من اٰیات ربہ الکبریٰ

آیاتِ کبریٰ کی تفصیل

بعض تفاسیر میں ہے کہ آیات کبریٰ یہ ہیں :

① بیت اللہ سے بیت المقدس کی ایک ماہ کی مسافت کو تھوڑے سے لمحے کو طے کرنا۔

(۲) بیت المقدس کا مشاہدہ۔

(۳) انبیاء علیہم السلام کا متمثل ہو کر حاضر ہونا۔

(۴) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کے بلند مقامات سے واقفیت حاصل کرنا۔ اسئلۃ الحکم میں ہے کہ آیات کبریٰ سے مُراد وہی ہے جو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمایا اور

(۵) ستاروں کا دیکھنا۔

(۶) آسمانوں کی سیر۔

(۷) معارجِ عُلیا پہ جانا۔

(۸) رفرف اَدنیٰ۔

(۹) اقلام قضا و قدر کی آواز سننا۔

(۱۰) الواح کا مشاہدہ۔

(۱۱) ان انوار کو جو سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں، دیکھنا۔

(۱۲) ارواح۔

(۱۳) علوم۔

(۱۴) اعمال کے انتہائی مقام کا معائنہ۔

(۱۵) قابَ قوسین کے مقام پر فائز ہونا وغیرہ۔

(۱۶) آیات الانفس کا مشاہدہ:

کما قال تعالےٰ:

سنریھم آیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم

یاد رہے کہ قاب قوسین کا مقام آیات آفاق میں داخل ہے۔

(۱۷) اَوْ اَدْنٰی کا مقام طے کرنا۔ یہ مقام آیات الانفس میں شامل ہے یہ مقام المحبۃ اور مختص بالھُو ہے۔

(۱۸) مقام فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ کا مشاہدہ اور اسے مقامِ مسامرہ دھُوَ الْھُوْ یا غیب الغیب کہتے ہیں۔ چنانچہ خود خداوند قدوس نے فرمایا:

ماکذب الفؤاد ما رآی

دراصل فواد قلب کے قلب کو کہا جاتا ہے اور قلب کو بھی رؤیت حاصل ہے اور الفؤاد کو بھی۔ رؤیتِ قلب وہ ہے جس کا نابینا بھی ادراک کرتا ہے۔

کما قال تعالےٰ :

ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور

لیکن وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں اور فواد نابینا نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اسے کون (مخلوق) سے کسی قسم کا تعلق ہی نہیں اسے صرف اپنے آقا دمولیٰ سے تعلق ہے اور بس۔ :

فاوحیٰ الی عبدہٖ سے مطلق عبد مراد ہے اور وہ ہے جو ہر طرح سے عبد ہو جس طرح اللہ تعالےٰ اپنی الوہیت میں تمام وجوہ سے منزہ ہے اسی طرح عبد بھی عبودیت میں من کل الوجوہ منزہ ہے اسی لئے انھیں ایک مکان سے دوسرے مکان کی جانب لایا گیا تاکہ انھیں ان آیات کا نظارہ کرائیں جو ان سے غائب تھیں گویا اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے عبد محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو اس لئے سیر کرائی تاکہ آپ میری خاص آیات دیکھیں میں نے اپنے لئے نہیں بلایا اس لئے کہ میں تو حدود و مکانات سے پاک و منزہ ہوں بلکہ اس کے لئے زمان و مکان کی نسبت ایک حیثیت رکھتا ہے۔

حدیث قدسی ہے :

انا الذی وسعنی قلب عبدی فکیف اسری بہ الی

میں بندے کے قلب میں ہوں جب میں اس کے قلب میں ہوں تو پھر اسے معراج کے لئے دور بلانے کا کیا معنے؟ ہاں یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا عروجاً بھی نزولاً بھی اور استواً بھی۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ بے شک وہ اللہ تعالےٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سنتا ہے لیکن کان کے بغیر جیسے وہ بولتا ہے آلۂ تکلم کے بغیر یعنے اللہ تعالےٰ کو نہ زبان کی محتاجی ہے نہ کان کی۔ اسی طرح ہر شئے کو جانتا ہے یعنے علم کے آلہ کے بغیر یعنے اسے قلب کی بھی ضرورت نہیں جیسے انسان کسی شئے کو جاننے سمجھنے میں قلب کا محتاج ہے۔ الْبَصِيْرُ ○ اور وہ بلا بصر ہر شئے کو دیکھتا ہے یعنے اپنے محبوب علیہ السلام کی جس طرح چاہتا ہے تعظیم و تکریم کرتا ہے اور اسے اپنا مقرب بناتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معراج صرف نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کے اظہار کے لئے ہوئی ورنہ اللہ تعالےٰ تو اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو ہر وقت سنتا دیکھتا ہے اسے ان امور میں معراج کے سبب کی ضرورت نہیں ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے :

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سمیع و بصیر

اشارۃ الی ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم — آیت میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام سمیع ہیں۔

ھو السمیع [1]

---

[1] :- روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۶!

اس کے متعلق دلیل دیتے ہوئے فرمایا :

حدیث قدسی میں ہے :

کنت له سمعا فبی یسمع و بی یبصر

میں اسی کی سمع ہوں مجھ سے سنتا اور مجھ سے دیکھتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ

فتحقیقه لنریه من آیاتنا المخصوصة بجمالنا وجلالنا انه هو السمیع بسمعنا البصیر ببصرنا فانه لا یسمع کلامنا الا بسمعنا و لا یبصر جمالنا الا ببصرنا۔[1]

اس کی تحقیق یہ ہے کہ ہم انہیں اپنے جمال و جلال سے اپنے آیات مخصوصہ دکھائیں کیونکہ وہ ہماری سمع سے سمیع اور ہماری بصر سے بصیر ہیں وہ ہمارا کلام ہماری سمع سے سنتے اور ہمارا جمال ہماری بصر سے دیکھتے ہیں۔

ے

چوں در مکتب بے نشانے رسید
چگویم کہ آنجا چہ دید و شنید
ورق در نوشتند وگم شد سبق
شنیدن بحق بود و دیدن بحق !

ترجمہ : جب وہ بے نشان مکتب میں پہنچے تو میں کیسے کہوں کہ وہاں کیا دیکھا اور کیا سنا وہاں اوراق لپیٹ لئے گئے اور سبق بھی گم تھا حق سے سننا اور حق سے دیکھنا ہوا اور بس ۔

واقعہ معراج ۲۷ رجب شب سوموار کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بی بی ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر آرام فرما تھے مشہور قول یہ ہے کہ بی بی مذکورہ کا نام فاختہ تھا۔ فتح کے دن مسلمان ہوئیں۔ آپ کا شوہر جبیرہ فتح مکہ کے دن بھاگ کر نجران کی طرف چلا گیا اور وہیں پر کفر پہ مرگیا۔ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم عشار کی دو رکعتیں (سنت) بعد فرض والی) پڑھ کر وہیں پہ سو گئے۔ بی بی ام ہانی کے گھر کی چھت چیر کر گھر کے اندر جبریل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام داخل ہوئے اور ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ستر ستر ہزار فرشتہ تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے پروں سے جگایا۔

حضرت عارف جامی قدس سرہ نے فرمایا :

ے

---

[1] :۔ روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۶

① درین شب آن چراغ چشم بینش
سزائے آفرین از آفرینش

② چوں دولت شد زبد خواہاں نہانے
سوئے دولت سرائے اُم ہانی

③ بہ پہلو تکیہ بر مہد زمین کرد
زمین را مہد جان نازنین کرد

④ دلش بیدار چشمش در شکر خواب
ندیدہ چشم بخت ایں خواب درخواب

⑤ در آمد ناگہاں ناموس اکبر !
سبک روتر ازیں طاؤس اخضر

⑥ برو مالیدہ پر کافور خواجہ برخیز
کرا امشب خوابت آمد دولت انگیز

⑦ بروں بر یک زماں زیں خوابگہ رخت
تو بخت عالمے بے خواب بہ بخت

[ترجمہ : ① اسی رات وہ دانائی کے چشم وچراغ جو آفرین والے سے آفرین وتحسین کئے ہوئے ہیں ۔

② جب یہ دولت دشمنوں سے پوشیدہ ام ہانی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے ۔

③ پہلو مبارک زمین پر رکھا اور زمین کو آپ کے پہلو مبارک سے زینت نصیب ہوئی۔

④ آپ کا دل بیدار اور آنکھ خواب میں تھی ۔نہیں دیکھا کسی بخت والی آنکھ نے ایسا خواب ۔

⑤ اچانک جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے جو اسی آسمان سبز رنگ سے زیادہ تیز رفتار ہیں ۔

⑥ آپ کے قدموں پر کافور لگا کر عرض کی : آج رات آپ کی نیند بخت آور ہے ۔

⑦ تھوڑی دیر کے لئے اس خواب گاہ سے تشریف لے چلئے ۔ آپ جملہ عالم کے لئے بخت ہیں ۔]

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : میں بیدار ہوا دیکھا کہ میرے ہاں جبریل علیہ السلام حاضر ہیں میں نے ان سے کہا : اے جبریل علیہ السلام ! کیوں آئے ؟ عرض کی :

یا محمد ان ربی تعالی بعثنی الیك امرنی — اے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم ! رب تعالے نے مجھے بھیجا

ان اتیہ بك فی هذه اللیلۃ بکرامۃ لمیکرم — تاکہ میں آپ کو اسی شب تعظیم وتکریم سے لے جاؤں ۔ آپ

بہا احد قبلک ولا یکرم بہا احد بعدک فانک ترید ان تکلم ربک وتنظر الیہ و تری فی ہذہ اللیلۃ من عجائب ربک و عظمتہ وقدرتہ[1]

سے پہلے کسی کی تعظیم نہ ہوئی اور نہ آپ کے بعد ہوگی آپ چاہیں تو آج رات اپنے رب سے کلام کریں اس کے عجائبات دیکھیں اور اس کی قدرت وعظمت کا معائنہ ومشاہدہ فرمائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (جبریل علیہ السلام کے اس بیان کے بعد) میں نے اٹھ کر وضو کرکے دوگانہ پڑھا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا یعنے حلقوم کے نیچے سے لے کر پیٹ مبارک تک چاک کیا بلکہ جبریل علیہ السلام نے ایسے ہی انگلی سے اشارہ کیا تو مقام مذکورہ چر گیا آپ کے سینہ مبارک سے خون بھی جاری نہ ہوا اور نہ ہی آپ کو اس سے درد محسوس ہوا اس لئے کہ یہ بطور خرق عادت کے منجملہ معجزات کے آپ کا یہ بھی معجزہ تھا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک تھال زمزم شریف کے پانی کا لائے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر نکال کر اسے تین بار دھویا اس کے اندر جو شئے نبوت کی شان کے لائق نہیں تھی اسے باہر نکال کر پھینکا۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ زمزم کا پانی تمام پانیوں سے افضل ہے خواہ وہ بہشت کا پانی ہو یا کوئی اور۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام ایک اور تھال سونے کا لائے جو ایمان وحکمت سے پُر تھا اسے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر ڈال دیا۔

ف: ہمارے نزدیک معانی کو اجسام میں متمثل کرکے دکھایا جاتا ہے جیسے علم کو دودھ کی شکل میں دکھایا پھر اس کے اندر سکینہ ڈالی گئی اس کے بعد آپ کے قلب اطہر کو اس کے اصلی مقام پر رکھا گیا اسی وجہ سے آپ کے سینے مبارک پر دھاگے کے برابر نشان نظر آتا تھا یہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ہاتھ مبارک کا نشان تھا۔

ف: حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک تین بار شق ہوا۔

(۱) آپ جب بنی سعد کے ہاں تھے اس وقت آپ کی عمر پانچ سال تھی۔ کذا قال ابن عباس رضی اللہ عنہما اس بار آپ کے دل سے وہ سیاہ ٹکڑا نکالا گیا جہاں شیطان انسان کے دل پر بیٹھ کر وسوسے ڈالتا ہے اسے حظ الشیطان سے تعبیر کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں شیطان کا کچھ حصہ نہ تھا جیسے عام انسانوں میں ہوتا ہے! ورنہ ہی آپ کو کھیل کود کی طرف رغبت تھی وغیرہ وغیرہ اور یہ صرف حضور علیہ السلام کے خواص سے ہے ورنہ دوسرے پیغمبران عظام علیہم السلام کو یہ مرتبہ حاصل نہیں تھا اس لئے کہ ان کا اس طریقہ سے سینہ چاک نہیں ہوا تھا۔

شان ولایت: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین اولیاء کاملین کو بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہی مرتبہ

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۶

نصیب ہوا کہ ان کے قلوب میں بھی شیطان کا کوئی حصہ نہیں تھا اور ان کے قلوب سے شیطان کا حصہ نکلنے کا موجب ان کی سیاہ نقطے ہوتی ہے جو بعض کو بیداری کی حالت میں ہوتی ہے اور بعض کو حالت فنا میں اور بعض کو کسی دوسرے طریقے سے۔ لیکن ان میں سے پہلا طریقہ زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ اس سے قلب صحیح طریقہ سے صاف ہوکر ان سے عبادات عادات کی طرح ادا ہوتے ہیں۔

ف: اسی موقعہ پر حضرت جبریل علیہ السلام نور کی مہر لائے کہ جسے دیکھ کر دیکھنے والے حیران ہو جاتے اس سے حضور علیہ السلام کے قلب پر مہر لگائی اس کی وجہ سے آپ کا قلب محفوظ رہا اس کے بعد آپ کے دونوں کاندھوں کے درمیان مہر نبوت لگائی جس سمجھا جاتا تھا کہ یہ نبوت کی علامت ہے اسی مہر کے گرد سیاہ تل جن میں چند سیاہ بال تھے جن کا میلان بارگاہ حق کی طرف محسوس ہوتا تھا اور وہ مہر نبوت سیب یا کبوتر کے انڈے کی طرح معلوم ہوتی تھی۔

ف: الجلا ایک پرندہ ہے قطاہ (چڑیا) کی طرح کبوتر سے چھوٹا جس کے پاؤں اور چونچ سرخ ہوتی ہے۔ اسے جنگلی مرغی بھی کہا جاتا ہے اور زر بمعنے اسی پرندے کا انڈہ۔

ف: ترمذی نے فرمایا کہ اس سے حجلہ السریر مراد ہے اور حجلہ حجال کا واحد ہے بمعنے دلہن کا چھپر کھاٹ۔ (کذا فی حیوۃ الحیوان)

ف: مہر نبوت پر لکھا تھا: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا لکھا تھا: محمد نبی امین (وغیرہ وغیرہ)۔

ف: روایات کے اختلاف کی وجہ یہ نہیں کہ واقعی مہر نبوت میں اختلاف تھا بلکہ دیکھنے والوں کے مختلف حالات تھے وہ اس لئے کہ بندوں کے حالات مختلف ہوتے اور انھیں تجلیات مختلف نظر آتے تھے۔ کچھ ان تجلیات کے کوائف بھی بدلتے رہتے تھے۔

نشان ولایت اور شیطان کی حکایت

حضرت امام دمیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے کسی ولی نے سوال کیا کہ اسے وہ کیفیت دکھائی جائے جس سے انھیں مشاہدہ ہو کہ وہ بندوں میں کس طرح وسوسہ ڈالتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اسے بلور کی صورت دکھائی جس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سیاہ تل پرندے کے گھونسلے کی طرح نظر آتا تھا اس پر شیطان آکر پہلے اسے ہر طرف سے سونگھتا ہے پھر دل کی جانب اپنی سونڈ داخل کر کے وسوسہ ڈالتا ہے جب انسان اللہ تعالےٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اپنی سونڈ پیچھے ہٹا لیتا ہے اس لئے اس کا نام خناس پیچھے ہٹانے والا ہے۔ اسے جب دل میں اللہ تعالےٰ کے ذکر کی شعاعیں نظر آتی ہیں تو پیچھے بھاگ جاتا ہے اسی وجہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کاندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے بلکہ امت کے لئے بھی حکم فرماتے اور فرمایا کہ اسی طرح مجھے جبریل علیہ السلام نے نصیحت فرمائی تاکہ شیطان کا راستہ بند ہو اور وہ دل میں سونڈ داخل نہ کر سکے اس لئے کہ وہ انسان میں وسوسہ ڈالنے کے لئے سارے جسم میں ایسے گھومتا ہے جیسے انسان میں ہر جگہ خون کا دورہ ہوتا ہے۔ مہر نبوت کا دونوں کاندھوں کے درمیان میں ہونے میں بھی یہی راز تھا تاکہ امت کو معلوم ہو کہ اگرچہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہر طرح کے گناہوں سے معصوم تھے اور خود حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہوگیا ہے اس میں اللہ تعالےٰ نے میری مدد فرمائی ہے۔ یعنے مہر نبوت سے آپ کی نبوت کی تائید ہوئی اور اسی سے آپ اللہ تعالےٰ کے مخصوص مشرف اور مکرم ہوئے اور شیطان کے وسوسے سے بھی

بالکل محفوظ تھے اس لئے کہ آپ کے ساتھ رہنے والا شیطان مسلمان ہوگیا اگرچہ آدم علیہ السلام کا شیطان بھی مسلمان ہوگیا لیکن اس نے ان پر وسوسہ کرکے حملہ کر لیا۔

(۲) دوبارہ شق صدر اس وقت ہوا جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کے ہوئے اس وقت آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا تاکہ آپ نبوت کا بوجھ آسانی سے اٹھا سکیں۔

(۳) تیسری بار آپ کا شق صدر ہوا جب آپ کو معراج ہوئی اس وقت آپ کی عمر باون سال تھی۔ اس سے آپ کے قلب میں توسیع کی گئی تاکہ آپ اسرار الٰہی و کلمات ربانیہ کو پورے طور پر محفوظ کر سکیں۔

شب معراج جبریل علیہ السلام ابتداً ایک سفید رنگ کی سواری لائے جسے براق سے تعبیر کیا جاتا ہے (البراق بضم الموحدہ اور اسے براق اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سخت چمکدار تھا یا بہت جلد باز تھا جیسے بجلی بادل میں چمکتی ہے اور بہت بڑی جلد باز ہوتی ہے یہ براق بھی اسی کی طرح تیز رفتار تھا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

(۱) پیسیج راہ عرشت کردم اینک
براق برق سیر آوردم اینک

(۲) جہندہ برزمین خوش بادپائے
پرندہ در ہوا فرخ ہمائے

(۳) چو عقل کل سوئے افلاک گردے
چو فکر ہندسہ گیتی نوردے

(۴) نہ دست کس عنان او بسودہ
نہ از پائے رکابش گشتہ سودہ

ترجمہ : (۱) میں آپ کو آسمان کی طرف لے جانے کی نیت سے حاضر ہوا ہوں لیجئے یہ براق برق رفتار حاضر ہے

(۲) زمین پر خوب دوڑتا ہے اور آسمان پر بھی بہت اڑتا ہے

(۳) عقل کی طرح آسمان پر جاتا ہے ہندسے کی طرح زمانہ کو لپیٹتا ہے۔

(۴) کسی ہاتھ نے اس کی باگ کو نہیں پکڑا اور نہ ہی اس کے رکاب میں کسی کے پاؤں لگے۔

شب معراج جس براق پر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے وہ گھوڑے سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا۔

نکتہ : صاحب المنتقی نے لکھا ہے کہ اسے خچر کی شکل میں لانے میں حکمت ہے ورنہ اسے گھوڑے کی شکل میں لانا چاہیئے تھا ایک تو اس لئے کہ آپ کو اس پر سوار ہونے میں آسانی ہو اور اس سے آپ کو ملال بھی نہ ہو کہ اونچی سواری سے طبعاً وحشت

ہوتی ہے دوسرے اس لئے کہ اظہار معجزہ ہوکہ باوجودیکہ یہ سواری اتنا تیز رفتار بھی نہیں لیکن اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اسے ایسا تیز رفتار بنایا کہ عقل والے دنگ اور حیران رہ گئے۔ اور براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ تا حدِ نگاہ براق کے قدم پہنچتے تھے زمین سے آسمان تک اس کا ایک قدم ہوا اس لئے کہ ہم جب نگاہ اٹھاتے ہیں تو ہماری نگاہ آسمان پر پڑتی ہے تو اس معنے پر اس کا ایک قدم زمین پر تھا تو آنکھ جھپکتے ہی اس کا دوسرا قدم آسمان پر پہنچ گیا گویا اس نے ساتوں آسمانوں کو ساتوں قدموں سے طے کر لیا۔

ردِّ وہابیہ جو لوگ اولیاء کرام کے طے الارض (طے المسافۃ) کی کرامات کے منکر ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بڑوں (معتزلہ) نے آصف برصفیا کی کرامت کا انکار کر دیا اور دلیل یہ بتائی کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت کس طرح لایا جانا محال ہے۔

[صاحب روح البیان ان کے رد میں لکھتے ہیں کہ]

و بہ یرد علی من استبعد من المتکلین احضار عرش بلقیس فی لحظ واحدۃ [1]	اس سے اس کا رد ہوا جو بعض متکلمین کہتے ہیں کہ بلقیس کا تخت ایک لحظ میں لایا جانا محال ہے۔

ف: ربیع الابرار میں ہے کہ براق کا چہرہ انسان کے چہرے کی طرح تھا اور اس کے پاؤں اونٹ کے پاؤں کی طرح اور پنڈلیاں گھوڑے کی طرح اور اس کی زین سفید موتیوں کی اور دونوں رکاب سبز زبرجد اور لگام سرخ یاقوت کی اور اس سے نور چمکتا تھا۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ وہ نہ نر تھا نہ مادہ یعنے ایسی جنس سے تھا جسے نہ ذکورۃ سے موصوف کیا جا سکتا ہے نہ انوثت سے۔ و من شی خلقنا زوجین کے قاعدے سے ملائکہ کرام کی طرح خارج تھا اس لئے کہ وہ بھی نہ نر ہیں نہ مادہ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس جیسا جانور نہ میں نے پہلے دیکھا نہ بعد میں اور میں اس کے دیدار کا اشتیاق رکھتا ہوں اور میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیسا جانور ہے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ براق ہے آپ اس پر سوار ہو کر اللہ تعالےٰ کے ہاں تشریف لے چلئے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو دعوت دی ہے۔ جبریل علیہ السلام نے لگام سے پکڑا، میکائیل علیہ السلام نے اس کے رکاب اور اسرافیل اس کے پیچھے۔ میں نے جب اس پر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو براق بدکنے لگا۔ جبریل علیہ السلام نے اس کی ران پر ہاتھ رکھا اور اسے فرمایا یہ کیا؟ اللہ تعالےٰ کی قسم اس جیسا تیرے اوپر نہ پہلے کوئی سوار ہوا اور نہ بعد میں، امید رکھی جا سکتی ہے یہی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ براق جبریل علیہ السلام کی بات سن کر پسینہ پسینہ

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۰۸

ہوگیا۔

ف: ابن دحیہ نے فرمایا کہ اس براق پر حضور علیہ السلام سے پہلے کوئی بھی سوار نہ ہوا تھا۔ امام نووی اسی کے موافق فرماتے ہیں۔

ازالۂ وہم: جبریل علیہ السلام کا فرمانا کہ اے براق! ان سے پہلے تیرے اوپر سوار ہوا نہ ہوگا۔ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ براق پر کوئی سوار نہیں ہوا اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اور سوار ہوئے تھے لیکن ان جیسے نہیں تھے وغیرہ وغیرہ۔

براق کی دانشمندی براق کو جب جبریل علیہ السلام نے جھڑکا تو براق نے کہا: اے جبریل علیہ السلام میں اس لئے نہیں بدکتا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ اٹھاؤں بلکہ اس لئے بدکتا ہوں کہ آپ سے ضمانت لوں تاکہ آپ قیامت میں میری شفاعت کی ذمہ داری لیں اور ابھی سے میرے ساتھ وعدہ فرمائیں اس لئے کہ مجھے معلوم ہے حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے براق سے شفاعت کا وعدہ فرمالیا۔

اعجوبہ: منقول ہے کہ سفید گلاب جبریل علیہ السلام کے پسینے سے اور زرد گلاب براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے آسمان پر معراج کے لئے بلایا گیا تو زمین رونے لگی اس کے رونے سے اس کی انگوری زرد ہوگئی۔ جب میں معراج سے زمین پر واپس ہوا تو میرے پسینہ کے قطرات زمین پر پڑے تو اس سے گلاب کا پھول پیدا ہوا۔ اب جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ سرخ گلاب سونگھے۔

ف: ابوالفرج نہروانی نے فرمایا کہ اس حدیث شریف سے یہ نہ سمجھنا کہ اللہ تعالےٰ نے جتنا اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکرم بنایا ہے وہ اسی حدیث کے مطابق انتہائی مقام ہے بلکہ آپ کے فضائل و کمالات کا یہ ادنیٰ کمال ہے ورنہ اللہ تعالےٰ نے اس سے مکرم ترکئی درجات اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا ہے۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ)

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے یہ بھی نہ سمجھنا کہ ان واقعات سے پہلے گلاب سفید، زرد اور سرخ کے پھول نہیں تھے لیکن ان حضرات کے اعزاز میں اسی رنگ کے پھول ان کے پسینوں سے پیدا ہوگئے۔ اس کی مثال بی بی حوا کا واقعہ ہے کہ جب وہ زمین پر اتریں تو گریہ زاری فرمائی ان کے جتنے آنسو ٹپکے ان سے دریا کے موتی پیدا ہوئے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بی بی سے پہلے دریا کے موتی نہ تھے بلکہ بی بی حوا سے پہلے بھی موتی تھے۔ ایسے ہی مذکورہ رنگ جیسے پھول پہلے بھی تھے۔

ف: نمک کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہشت کا کافور ایک مٹھی بھر دیا گیا تو انھوں نے زمین پر پھینکا جہاں جہاں اس کافور کے ذرات پڑے وہیں پر نمک کی کان بن گئی لیکن اس سے قبل بھی نمک موجود تھا ان واقعات کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے ان حضرات کے اعزاز میں بہت بڑی بہترین اشیاء پیدا فرمائیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسی براق پر سوار ہوگیا:

ے

از ان دولت سرا چوں خواجۂ دین
خراماں شد بعزم خانۂ دین
شد از سبوحان گردوں صدا داد
کہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ

ترجمہ: اسی دولت سے وہ دین کے سردار، زینت والے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ آسمانی فرشتے آسمان سے آواز دینے لگے: سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ۔

ف: اختلاف ہے کہ کیا جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہوئے یا نہ۔ صاحب المنتقیٰ نے فرمایا کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جبریل علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار نہیں ہوئے تھے اس لئے کہ وہ براق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور صرف معراج کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔

شب معراج میں زمین کے مختلف مقامات کی سیر

جب حضور علیہ السلام براق پر سوار ہوئے تو وہ اڑتا ہوا چلا جہاں نگاہ پڑتی وہاں اس کا قدم پہنچتا۔ آپ کا ایک زمین پر سے گزر ہوا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ براق سے اتر کر یہاں ایک دوگانہ پڑھیے۔ جب آپ نے دوگانہ پڑھ لیا تو پھر براق پر سوار ہوئے۔ تو پھر جبریل علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ کون سا مقام تھا۔ آپ نے فرمایا: میں نہیں جانتا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ مقام مدین تھا۔ یہ شجرۂ موسیٰ علیہ السلام کے قریب اور اس کے بالمقابل ایک جگہ کا نام ہے یہ مدین بن موسیٰ کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوا جب کہ مدین اسی مقام پر مقیم ہوئے۔

اس کے بعد براق چل پڑا تھوڑی سی مسافت طے ہوئی تو پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہاں اتر کر دوگانہ پڑھیے آپ نے دوگانہ پڑھا۔ جبریل نے عرض کی کہ یہ کون سا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نہیں جانتا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ بیت لحم ہے یہ ایک بستی ہے جو بیت المقدس کے بالمقابل ہے یہیں پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اس کے بعد آپ براق پر سوار ہوئے۔ براق کے پیچھے سے ایک بہت بڑا قوی ہیکل جن نظر آیا جس کے ہاتھ میں آگ کی چنگاری تھی۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ میں آپ کو چند کلمات عرض کروں جب آپ انہیں پڑھیں گے تو اس جن کی آگ بجھ جائے گی بلکہ خود جن بھی منہ کے بل گر جائے گا۔ آپ نے فرمایا: وہ کلمات کیا ہیں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی وہ کلمات یہ ہیں:

اعوذ بوجہ اللہ الکریم و بکلمات اللہ التامات الّتی لا یجاوزہن بر ولا فاجر من شر ما ینزل من السماء و من شر ما یعرج	ہم اللہ تعالےٰ کی ذات اور اس کے ان کلمات کی برکت سے (جن سے نہ نیک تجاوز کر سکتا ہے نہ بد) ان امور سے پناہ مانگتا ہوں جو آسمان سے اترتے ہیں اور ان شرور سے جو

فیها ومن شر ما ذرا فی الارض ومن شر ما یخرج منها ومن فتن اللیل والنهار الا طارقا یطرق بخیر یا رحمٰن ۔ آسمان پر چڑھتے ہیں اور ان شرور سے جو زمین سے نکلتے اور اس زمین میں پھیلتے ہیں اور رات دن کے فتنوں اور فتنے لانے والوں سے ۔ اے اللہ ہمیں خیر عطا ہو ۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے کلمات پڑھے تو شیطان یعنے وہ پیچھے آنے والا قوی ہیکل جن منہ کے بل گر پڑا اور اس کی آگ کے شعلے بھی بجھ گئے ۔

اس کے بعد حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے مجاہدں کے حالات منکشف ہو گئے ۔ آپ نے بہشت کے اندر انھیں جو جزا نصیب تھی اپنی آنکھوں مبارکہ سے معائنہ فرمایا اور انھیں ایک مثال کے طور پر بیان کیا گیا کہ وہ ایک قوم کی طرح ہیں جو اسی وقت کھیتی باڑی کرتی ہے پھر اسی وقت مکمل ہو جاتی ہے وہ اسے کاٹ لیتے ہیں پھر وہ پہلے کی طرح ہو جاتی ہے ۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں ۔ عرض کی یہی مجاہد فی سبیل اللہ ہیں کہ جنھیں نیکی سات سو گناہ زائد نصیب ہوتی ہے جو کچھ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے راہ پر خرچ کیا اس کا انھیں صلہ یونہی ملے گا اس سے مُراد یہ ہے کہ انھیں بے حساب ثواب نصیب ہوگا ۔ اس کے بعد دائیں طرف سے ایک ندا آئی : یا محمد انظرنی اسألک اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھئے میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ نے اسے جواب نہ دیا ۔ آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام یہ کیا ہے ؟ عرض کی یہ یہودیت کا داعی تھا اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت یہودیت سے مانوس ہو جاتی یعنے انھیں تورات پر عمل کرنے کا شوق ہوتا اس سے آپ کی اکثر امت مُراد ہے اس کے بعد آپ کو بائیں طرف سے ندا آئی آپ نے اسے بھی جواب نہ دیا ۔ آپ نے فرمایا جبریل علیہ السلام یہ کیا ہے ؟ عرض کی : یہ نصرانیت کا داعی تھا اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی اکثر امت کو انجیل پر عمل کا شوق ہوتا ۔ اس کے بعد آپ پر دنیا کا حال منکشف ہوا اور اسے ایک بوڑھی عورت کی صورت میں دکھایا گیا کہ جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور دونوں کہنیوں سے کپڑا اترا ہوا تھا اس لئے کہ جو کسی دوسرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اس کی یہی حالت ہوتی ہے اور اس پر ہر قسم کا ہار سنگار تھا اور ظاہر ہے کہ زینت کا صرف ایک سبب بھی اپنی طرف کھینچ لیتا ہے پھر اس کا کیا حال ہوگا جس میں زینت کے تمام اسباب موجود ہوں ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

خوش عروسیست جہاں از سر صورت لیکن
ہر کہ پیوست بدو عمر خودش کابین داد

ترجمہ : یہ دنیا عجیب نہیں ہے کہ جو اس سے ملا اس نے اپنی زندگی مہر میں دے دی ۔

؎

از رہ مرد بعشوہٗ دینی کہ این عجوز
مکارہ نشیند و محتالہ می رود !

ترجمہ: سیدھی راہ چھوڑ کر بوڑھی دلہن کے اشاروں پہ نہ چل یہ دھوکہ باز تجھے فریب دے کر تجھے تباہی کی طرف لے جائے گی

دنیا کا حال دنیا نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ میرا آپ سے ایک سوال ہے لیکن آپ نے اس کی طرف توجہ نہ دی آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی: یہ دنیا تھی اگر آپ اسے جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔

بوڑھی دنیا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کونے میں بڑھیا کو دیکھا وہ آپ کو پکار رہی تھی آپ نے اس کی طرف بھی توجہ نہ دی آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ عرض کی کہ یہ دنیا ہے اس کی مثال بڑھیا کی ہے کہ جس طرح بڑھیا اپنی زندگی کی آخری منزل طے کر رہی ہے ایسے ہی دنیا اب ختم ہونے والی ہے اس کی عمر اتنی رہ گئی ہے جتنی اس بڑھیا کی۔

ف: دنیا کو کبھی نوجوان اور کبھی بوڑھی عورت سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ ذاتی طور پر نہ جوان ہے نہ بوڑھی اس کی یہ تعبیریں بوجہ متعلقات کے ہیں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک اسے شابہ (نوجوان) کہا جاتا۔ اس کے بعد حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ تک اسے کہلہ (ادھیڑ عمر کی عورت) کہا جاتا رہا! اس کے بعد تا قیامت اسے عجوز (بڑھیا) کہا جائے گا۔ اور یہ بھی صرف انسانی نشو ونما اور ان کے مختلف ادوار کی وجہ سے ہے ورنہ یہ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہی عجوز (بڑھیا) تھی اس کا شباب اور تر و تازگی آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت سے ختم ہوگئی (کذا فی بعض الاخبار)

سوال: شباب یا بڑھاپا تو حیوانات میں ہوتا ہے دنیا کے لئے کون سا شباب اور کونسا بڑھاپا ہے؟

جواب: پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ یہ محض مثالی طور پر کہا گیا ہے۔

خیانتی کا بُرا حال حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو خیانتی انسان کی مثال دکھائی گئی کہ ایک مرد لکڑیوں کا گٹھڑا اٹھاتا ہے لیکن اٹھا نہیں سکتا باوجود ایں ہمہ گٹھڑے میں اور لکڑیاں ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ اس خیانتی کی مثال دی گئی جو لوگوں کی امانتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا لیکن مزید امانتوں کو اپنے پاس رکھنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہے؟ عرض کی کہ یہ آپ کا وہ امتی ہے جس کے پاس امانتیں رکھی جائیں اور وہ انھیں ادا نہیں کرتا الٹا دیگر امانات کے درپے رہتا ہے۔

اعجوبہ: بزرگانِ دین فرماتے ہیں:

انقوا الواوات

یعنی ان امور سے ڈرو جن کے اوّل لفظ واو آتا ہے جیسے ولایت (حاکم بننا)، وزارت، وصایت (کسی کی وصیت کا بوجھ اٹھانا)، وکالت، ودیعت یعنی امانت رکھنا۔

بے نمازی کا بُرا حال: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بے نماز کی کیفیت دکھائی گئی کہ ایک قوم کے سر پتھروں سے

پھوڑا جاتا ہے جب تک ان کے سر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں تو پہلے کی طرح صحیح و سالم جوڑ دیئے جاتے ہیں۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے سر فرض نمازوں کے وقت بوجھل ہو جاتے تھے۔

تارک زکوٰۃ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تارک زکوٰۃ کا حال دکھایا گیا جن کے آگے پیچھے بہت بڑے زخم ہیں وہ اونٹ بکریوں کی طرح بھاگتے ہیں اور انہیں تھوہر کا درخت کھلایا جاتا ہے۔ الضریع ایک خشک درخت کو کہا جاتا ہے جو کانٹے دار ہوتا ہے۔ الزقوم اس کے ثمر کو کہا جاتا ہے جو کانٹوں کے ساتھ سخت کڑوا بھی ہے بعض کے نزدیک ایسا درخت دنیا میں نہیں بلکہ یہ صرف جہنم میں ہے جسے اللہ تعالےٰ نے قرآن میں یوں بیان فرمایا:

انہا تخرج من اصل الجحیم — وہ ایسا درخت ہے جو دوزخ کے اندر پیدا ہوتا ہے۔

جن لوگوں کو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اونٹ اور بکریوں کی طرح دوڑتا دیکھا انہیں جہنم کے انگارے کھلائے جا رہے ہیں۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ عرض کی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اموال سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

زانیوں کا بُرا حال

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زانی دکھائے گئے جن کے سامنے بھنے ہوئے بہترین گوشت ہانڈیوں کے اندر رکھے ہیں اور دوسری طرف کچا اور بدبودار گوشت پڑا ہے وہ لوگ بھنے ہوئے اور بہترین گوشت کو چھوڑ کر کچا اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ عرض کی کہ یہ آپ کے وہ امتی ہیں جو شادی شدہ ہو کر غیر عورتوں کے پاس شب باشی کرتے اور اپنی عورتوں کے پاس نہیں جاتے اور ان کے ساتھ وہ عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کے بجائے غیر مردوں کے پاس رات گزارتی تھیں یعنے زناکار مرد اور زانی عورتیں۔

ڈاکووں کا حشر

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈاکووں کا حال دکھایا گیا کہ ایک لکڑی ایسی ہے کہ وہ جس کپڑے یا کسی شے سے گذرتی ہے تو اسے چیر پھاڑ دیتی ہے آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ عرض کی کہ یہ آپ کے اس امتی کی مثال ہے جو لوگوں کے راستے پر چھپے رہتے تھے جونہی لوگ وہاں سے گزرتے تو وہ ان سے مال چھین لیتے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے انہیں اس بُرے فعل سے روکا تھا:

ولا تقعدوا بکل صراط توعدون — ایسے راستوں پر مت بیٹھو کہ تم لوگوں کو ڈراتے رہو۔

بدعمل علماء اور پیر

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا حالات ظاہری زانی اور ڈاکوؤں کے تھے کچھ یہی حال معنوی زانی اور باطنی ڈاکووں کا ہے وہ علماء اور پیر ہیں جو اندرونی طور پر قوم کو تباہ و برباد کرتے ہیں اور ظاہری شکل علماء و مشائخ کی دکھاتے ہیں ایسے لوگ دجال و کذاب ہیں ایسے لوگ اپنی ظاہری صورتیں نیک اور بہتر رکھتے ہیں حالانکہ ان کی طلب کی استعداد غلط ہوتی ہے جس سے خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ایسے مکّار پیر اور غدار (بدعمل) علماء کو ایسے زانیوں اور ڈاکووں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

سود خوار حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو سود خوار کی حالت اس شخص کی سی دکھائی گئی جو خون کی نہر میں تیرتا جا رہا تھا اور اس کے منہ میں جہنم کے پتھر ڈلے جا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی یہ آپ کا سود خوار امتی ہے۔

بے عمل واعظ و مبلّغ اور مقرّر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو واعظ بے عمل کی کیفیت دکھائی گئی کہ ایک قوم کی زبانیں اور ہونٹ جہنم کے مقراضیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ ایک دفعہ کاٹ لئے جاتے ہیں تو وہ پھر پہلے کی طرح صحیح و سالم ہو جاتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطبار، مقررین، مبلغین اور واعظین ہیں جن کی تقریر سے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے اور جو خود بے عمل ہوتے اور دوسروں کو اعمال صالحہ کی تلقین کرتے: ؎

از من بگوئے عالم تفسیر گوئی را
گر در عمل نکوشی تو نادان مفسرے
باز درخت علم ندانم بجز عمل
با علم اگر عمل نکنی شاخ بے برے

ترجمہ: تفسیر دان عالم کو میری طرف سے کہہ دو۔ اگر تم عمل میں کوشش نہ کروگے تو تم بے وقوف مفسر ہو۔ علم بے عمل اس درخت کی طرح ہے جس پر پھل نہ ہو۔

غیبت کرنے والے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو غیبت کرنے والوں کی صورت دکھائی گئی کہ وہ اپنے چہرے اور سینے تانبے کے ناخنوں سے نوچ رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو غیبت کرنے اور لوگوں کی عزت گھٹانے کے درپے رہتے تھے۔

فحش بکنے والے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو فحش بکنے والے دکھائے گئے کہ ایک پتھر سے ایک بہت بڑا بیل نکلتا ہے پھر وہ ارادہ کرتا ہے کہ جہاں سے نکلا ہے وہاں واپس لوٹ جائے لیکن بڑی جد و جہد کے باوجود نہیں جا سکتا۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کا وہ امتی ہے جو چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق تھا یعنے ایسی بات کرتا جو اس کے لائق نہیں ہوتی تھی پھر اس پر پچھتاتا کہ کاش! وہ نہ کہتا لیکن اب اسے لوٹانا چاہتا ہے لیکن بات گئی ہوئی کیسے واپس ہو۔

بہشت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہشت کے کنارے پر لایا گیا آپ ایک وادی پر تشریف لائے اس کی ٹھنڈی ہوا اور بہتر خوشبو سے جی باغ باغ ہو جاتا ہے اور اس سے خوش آواز سنائی دیتی۔ آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ بہشت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ بہشت کا وعدے پورے کرائیے

لیئے چل کر میں اسے دیکھ لوں ۔

جہنم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جہنم کی کیفیت دکھائی گئی آپ کو ایک وادی پہ لایا گیا اس سے بہت بڑی مکروہ آواز سنائی دی اور اس سے بہت بڑی گندی آواز آئی ۔ آپ نے پوچھا : یہ کیا ہے ؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ جہنم کی آواز ہے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

ذره ذره کاندرین ارض و سما ست

جنس خود را ہر یکی چون کھربا ست

معده نانرا می کشد تا مستقر

می کشد مر آب را تف جگر

چشم جذاب بتان زاین کوہاست

مغز جویاں از گلستان بوہاست

ترجمہ : (۱) زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ ہر ایک اپنی جنس کے لئے کہربا کی طرح ہے ۔

(۲) معدہ طعام کو اپنے مستقر تک کھینچتا ہے ایسے ہی جگر کی گرمی کو پانی ۔

(۳) آنکھ کی کشش اسی قبیل سے ہے ۔ مغز باغ کی خوشبو اسی لئے کھینچتا ہے ۔

ابلیس حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس سے گزرے جو راستے سے ہٹ کر علیحدہ کھڑا تھا اور پکارتا ہے : یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جبریل علیہ السلام نے عرض کی چلیئے اس کی طرف توجہ نہ دیجئے ۔ آپ نے پوچھا : یہ کون ہے ؟ عرض کی کہ یہ خبیث لعین ابلیس آپ کا دشمن ہے چاہتا ہے کہ آپ کو اپنی طرف جھکا دے :

؎

آدمی را دشمن پنہاں بسیست

آدمیٔ باحذر عاقل کیست

ترجمہ : آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں ۔ پر خوف انسان دانا ہے ۔

موسٰی علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت موسٰی علیہ السلام سے گزر ہوا وہ سرخ ٹیلے کے نزدیک اپنی مزار میں نماز پڑھ رہے تھے جونہی حضور علیہ السلام کو وہاں سے گزرتا ہوا دیکھا تو بلند آواز سے کہا :

اکرمته و فضلته (میں نے انہیں افضل و اکرم بنایا ہے)

آپ نے فرمایا یہ کون ہیں ؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ موسٰی بن عمران علیہ السلام ہیں ۔ آپ نے پوچھا : اسے کون جھڑک

رہا تھا۔عرض کی کہ آپ کے بارے میں اللہ تعالےٰ انھیں جھڑک رہا تھا۔

ف: یہاں عتاب اور جھڑک محبت اور پیار کی تھی۔

مزارات کی زیارت اور مزارات کے نزدیک نوافل[1] وہابی دیوبندی مزارات اولیاء سے نہ صرف روکتے بلکہ اسے شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔صاحب روح البیان کے مندرجہ ذیل قول سے ان کی تردید ہوتی ہے۔انھوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا:

و الظاھر انہ علیہ السلام نزل عن قبر فصلی رکعتین[2] — حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک کے قریب اترے اور دوگانہ پڑھا۔

ایک درخت کے نیچے ایک بوڑھے بزرگ پر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا جن کے گرد اگرد بہت بڑا

ابراہیم علیہ السلام کنبہ ہے۔آپ نے فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ آپ کے دادجان حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔آپ نے ان کے قریب جاکر انھیں سلام کیا۔ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دے کر جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے عرض کی کہ یہ آپ کے صاحبزادے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ابراہیم علیہ السلام نے کہا:

مرحبا بالنبی الامی العربی

یہ کہہ کر حضور علیہ السلام کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں جس درخت سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا وہیں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مزار مبارک تھا۔حضور علیہ السلام اسی درخت کے نزدیک اترے اور وہیں دوگانہ ادا فرمایا۔
(معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی مزارات کی زیارت اور وہیں پر نفل دوگانہ پڑھنا سنت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔[3])

بیت المقدس میں تشریف آوری اور ملائکہ کرام کا استقبال! حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کی مزار کی زیارت سے فراغت پاکر براق پر سوار ہوئے اور بیت المقدس کے قریب ایک وادی پر پہنچے جہاں آپ کو جہنم کی صورت وسائد (تکیوں) کی طرح دکھائی گئی۔جبریل علیہ السلام نے پوچھا یا حضرت آپ کو جہنم کی کیفیت کیسی محسوس ہوئی؟ آپ نے فرمایا سیاہ کوئلے کی طرح نظر آتی تھی یہاں سے حضور علیہ السلام آگے بڑھے اور ایلیاء (بالکسر) میں داخل ہوئے یہی مدینۃ القدس ہے جو ارض شام میں واقع ہے یہاں پر آپ کے استقبال کے لئے ملائکہ کی ایک بہت بڑی جماعت موجود تھی۔

---

[1]:- اضافہ از فقیر اویسی۔

[2]:- روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۱۱۔

[3]: از فقیر اویسی

وہ فرشتے گنتی اور شمار سے باہر تھے آپ ایلیاء کے باب یمانی سے داخل ہوئے اور مسجد اقصیٰ میں پہنچے یہاں دروازے کے آگے ایک پتھر پڑا تھا جسے جبریل علیہ السلام نے چیر کر براق کو باندھا۔

اعجوبہ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کا قبل اسلام ایک عجیب واقعہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے قیصر (بادشاہ) کے ہاں چند باتیں سوچ کر بتائیں اس نیت پر کہ اس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت میں کمی آئے گی یعنے ان کی ایسی باتیں بتاؤں کہ جن سے ان کا جھوٹ ثابت ہو اور قیصر (بادشاہ) ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان سے نفرت کرے گا۔ چنانچہ میں نے قیصر (بادشاہ) سے کہا کہ میں تمہیں اس نبی کی ایک ایسی بات بتاؤں جس سے تمہیں یقین ہو جائے گا کہ واقعی وہ جھوٹا ہے۔ قیصر نے کہا، وہ کیا؟ ابوسفیان نے کہا کہ وہ کہتا ہے کہ وہ ایک ہی رات میں بیت اللہ (مکہ) سے بیت المقدس پہنچ کر واپس لوٹ آیا ہوں۔ کیا عقل باور کرتی ہے کہ انسان اتنا لمبا سفر ایک رات میں طے کرلے؟۔ ابوسفیان یہ ماجرا بیان کرکے خاموش ہوا تو بیت المقدس کا خاص لول پڑا اور قیصر (بادشاہ) سے کہا کہ اس رات کی کہانی مجھ سے سنئے۔ ہوا یوں کہ میری عادت تھی کہ بیت المقدس (مسجد) کے تمام دروازے بند کرکے سوتا تھا اس رات بھی میں نے تمام دروازے بند کئے لیکن ایک دروازہ بند نہ ہوسکا بہت بڑی جدوجہد کے باوجود کھلا رہا۔ اور وہ فلاں دروازہ جو اب بھی ہے اس کے بعد میں نے ہمسائیگان کی مدد چاہی اور اسے ہر چند بند کرنے کی کوشش کی گئی مگر بند نہ ہوسکا بالآخر ہم نے اسے ایسے ہی چھوڑ دیا اور سمجھا کہ اسے کچھ خرابی ہے تو کل بنوالیں گے۔ چنانچہ میں اس دروازے کو کھلا چھوڑ کر چلا گیا۔ جب صبح حاضر ہوا تو دیکھا کہ وہ پتھر جو دروازے کے آگے پڑا تھا جس میں سوراخ نہیں تھا اب اس میں سوراخ پایا گیا اور ایسے محسوس ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ کسی سواری کو باندھا گیا۔ اور مذکورہ دروازے کے بند نہ ہونے کا بظاہر کوئی سبب نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے کتب سماویہ میں پڑھا تھا کہ جب نبی آخر الزماں (صلے اللہ علیہ وسلم) کو آسمان کی سیر کرائی جائے گی تو وہ بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے جائیں گے۔ چنانچہ میں نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو اس وقت کہہ دیا تھا کہ آج شب نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی ہے اور دروازے کے بند نہ ہونے کا سبب بھی یہی تھا۔

ف: دروازے کا بند نہ ہونا بھی حضور علیہ السلام کے معراج کی تصدیق کے لئے ہوا ورنہ جبریل علیہ السلام کے آگے ایسے دروازے حائل نہیں ہوسکتے تھے۔ اسی طرح ان کا پتھر کو چیرنا اور براق کا باندھنا بھی حضور علیہ السلام کی صداقت پر دلالت کے لئے ہوا، ورنہ براق کو باندھنے کے کیا معنے۔ اولاً تو وہ براق ہمارے دنیوی جانوروں کی طرح نہیں۔ ثانیاً وہ براق حضور علیہ السلام پر سوجان فدا تھا وہ حضور علیہ السلام کے بغیر کہاں جاسکتا تھا۔ ثالثاً خود اللہ تعالے نے اس براق کو صرف اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھیجا تھا اور صرف انہی کے لئے مسخر کرلیا گیا۔ ان وجوہ کی بنا پر اس کے باندھنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی سوائے اس کے کہ وہ بھی حضور علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ بنے۔

حورانِ بہشت کی حاضری جب حضور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجر مذکور پر تشریف لائے تو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ اپنے رب تعالے سے دعا کیجئے تاکہ آپ کو حورانِ بہشت دکھائے۔ آپ نے دعا فرمائی

تو آپ کے اور حوران بہشت کے درمیان سے پردے ہٹا دیے گئے۔ آپ نے انھیں السلام علیکن کہا۔ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انھیں نے عرض کی کہ ہم ان نیک لوگوں کی عورتیں ہیں جو دنیا میں پاکباز رہے گناہوں کی میل کچیل ان کے قریب نہ پھٹکی اور وہ بہشت میں آکر دائمی طور پر مقیم ہوں گے یہاں سے کوچ نہیں کریں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے ان پر موت نہیں آئے گی۔

انبیاء علیہم السلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں اس کے بعد حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بیت المقدس تشریف لے گئے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد اللہ تعالے نے تمام انبیاء علیہم السلام کو زندہ کر کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ یاد رہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو عالم برزخ سے عالم دنیا میں صورت مثالی کے ساتھ لایا گیا سوائے حضرات عیسےٰ، ادریس، خضر اور الیاس علیہم السلام کے۔ وہ چونکہ ابھی زندہ ہیں اسی لئے وہ دنیوی اجسام کے ساتھ حاضر ہوئے! ور تحقیق یہی ہے کہ مذکورہ بالا چاروں حضرات تا حال زندہ ہیں۔ ان تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو سلام عرض کیا آپ کو بہت بڑے مراتب سے فائز المرام ہونے پر مبارکباد پیش کی اور کہا:

الحمد لله الذی جعلك خاتم الانبیاء	جملہ تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لئے جس نے آپ کو خاتم الانبیاء
فنعم النبی انت ونعم الاخ انت و	بنایا آپ بہتر پیغمبر اور اچھے ساتھی اور آپ کی امت خیر الامم
امتك خیر الامم	ہے۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ آگے بڑھ کر ان سب حضرات انبیاء علیہم السلام کو دوگانہ پڑھایئے آپ نے جب انھیں دوگانہ پڑھایا۔ آپ کے پیچھے بالکل قریب حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے ان کی دائیں جانب حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے بائیں جانب حضرت اسحاق علیہ السلام کھڑے تھے۔ حضور علیہ السلام کے پیچھے انبیاء و رسل علیہ السلام نے سات صفیں بنائیں۔ پہلی تین صفیں رسل و انبیاء علیہم السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کی صفیں تھیں۔

مسئلہ: انسان العیون میں ہے کہ یہ مطلق نفل تھی۔ (واللہ اعلم)

فقہاء کرام کا یہی قول زیادہ قوی ہے۔

سوال: نوافل میں جماعت مکروہ ہے اور یہ دوگانہ نفلی تھا تو جماعت کیسی؟

جواب: انبیاء علیہم السلام کے لئے کراہت کا خیال کسی مکروہ دماغ میں آئے گا ورنہ ان کا ہر عمل محبوب ہوتا ہے اور یہ ان کا خاصہ ہے اگرچہ عوام کے لئے نوافل کی جماعت مکروہ ہے۔

مسئلہ: منیۃ المفتی میں بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو دوگانہ پڑھانا نفلی عبادت تھی۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بیت المقدس میں پہنچ کر دو رکعت نفل پڑھے یعنے انبیاء علیہم السلام کا اور ملائکہ کرام کا امام بن کر۔ اس کے بعد مجھے سخت پیاس لگی تو میرے سامنے دو پیالے لائے

گئے ایک دودھ کا دوسرا شراب طہور کا تھا۔ میں نے وہ پیالہ لیا جس میں دودھ تھا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تھا۔ دودھ سے تھوڑا سا پیا لیکن شراب والے پیالے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی:

اصبت الفطرۃ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم   اے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ فطرت کو پہنچے۔

اس لئے کہ فطرت کے لئے علم وحلم وحکمت موزوں ہے۔

اگر آپ شراب کے پیالے سے کچھ نوش فرماتے تو آپ کی امت بالکل گمراہ ہو جاتی اور اگر دودھ کا سالم پیالہ پی لیتے تو آپ کے وصال کے بعد آپ کی امت کا کوئی فرد بھی گمراہ نہ ہوتا۔ میں نے کہا، لائیے جبریل علیہ السلام دودھ کا وہی پیالہ کہ میں اسے پی لوں تاکہ میری امت گمراہ نہ ہو۔ کہا کہ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسے ہی لکھا تھا اس کے خلاف ہونا مشکل ہے! اس لئے اب رہنے دیجئے جس نے ہلاک ہونا ہے وہ ضرور ہلاک ہوگا اور جس نے نجات پانی ہے وہ بچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم ہے۔

ف: اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آپ بیت المقدس سے قبۃ الصخرۃ سے روانہ ہوئے۔ اس لئے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ صخرۂ بیت المقدس بہشت کے پتھروں سے ہے۔

ف: اسی پتھر پر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان موجود ہے۔

اعجوبہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ دنیائے عالم کا کوئی ایسا میٹھا پانی نہیں جسے اس صخرۂ بیت المقدس سے تعلق نہ ہو یعنے تمام روئے زمین کے چشموں کا پانی اسی صخرہ سے جاتا ہے یہ صخرہ (پتھر) اللہ تعالیٰ کے عجائبات قدرت کا ایک اعجوبہ ہے۔

ف: یہ بیت المقدس کے درمیان میں ایک بکھرا ہوا پتھر ہے۔ اسے صخرۂ بیت المقدس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بیت المقدس کی ہر جہت سے منقطع ہے اسے انہی چیزوں سے روکا جا سکتا ہے جن سے پانی کو روکا جاتا ہے اس لئے کہ اس کی ہیئت وکیفیت پانی کی سی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سہارا کے بغیر ویسے ہی کھڑا ہے۔

ف: اسی پتھر کے نیچے ایک غار ہے جو دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور وہ پتھر اس کے اوپر زمین و آسمان کے درمیان لٹکا ہوا ہے۔

ف: حضرت امام ابوبکر ابن العربی نے شرح مؤطا میں لکھا ہے کہ مجھے خیال ہوا کہ میں اسی پتھر مبارک کے نیچے سے گزروں لیکن اس کی ہیبت سے اس کے نیچے سے نہ گزر سکا اس خطرہ سے کہ شاید وہ میرے گناہوں کی نحوست سے میرے اوپر گر جائے پھر ایک مدت کے بعد جرأت کر کے اس کے نیچے سے گزرا تو بڑے عجائبات نظر آئے منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ مجھے ہر طرف سے چلتا ہوا نظر آیا باوجود اس کے کہ اس کا کوئی ٹکڑا زمین سے متصل نہ تھا بلکہ اس کے اپنے بعض ٹکڑے اس سے بہت جدا نظر آتے تھے۔

ف: بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ بیت المقدس آسمان کے بالکل قریب ہے۔ بعض نے صرف اٹھارہ میل کی مسافت فرمائی ہے۔
اعجوبہ: وہ دروازہ جس سے فرشتے زمین سے آسمان پر جاتے ہیں وہ بیت المقدس کے بالمقابل ہے۔

نکتہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر لے جانے کا پروگرام بھی بیت المقدس سے اسی وجہ سے بنایا گیا کہ یہی ٹکڑا آسمان کے قریب تر ہے اور اسی دروازے کے لئے جو آسمان پر جانے کے لئے کھلا ہوا ہے اس کے لئے آپ کو ٹیڑھا سفر کرکے نہ آنا پڑے۔

شانِ رسالت فقیر (حقی) کہتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کے راستے سے لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے بیت المقدس کو بھی برکت نصیب ہو اس لئے کہ یہی مدینۃ القدس اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ ہے اسے حضور علیہ السلام کی برکات سے بھی متبرک کیا گیا۔ اس سے یہ ضروری نہیں کہ آپ کو بیت المقدس سے سفر کی سہولت مطلوب تھی، یہ تو قیاس الغائب علے الشاہد کے قبیل سے ہے سفر کی سہولت اجسادِ ثقیلہ کو ضرورت ہوتی ہے اجسامِ لطیفہ کو سہولت کا کیا معنے؟ بالخصوص ملکوتی حضرات اور ارواحِ طیبہ تو اس قسم کی تکالیف سے منزہ اور پاک ہیں اس لئے کہ لطیف اشیاء ایسی ضرورتوں کی محتاج نہیں ہوتیں اور عاشقِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تمام کائنات یہاں تک کہ ملکوت و لاہوت اور قدوسی اور ملاالاعلیٰ و دیگر تمام مقربین ملائکہ سے لطیف ترین ہیں جسم شریف بھی روحِ مقدسہ کی طرح لطیف ہے۔

(یہ وہابیہ دیوبندیہ پارٹی کا رد ہے کہ وہ آپ کی بشریت کو کثیف سمجھتے ہیں۔)[1]

اور فائدہ ہے کہ اجسامِ لطیفہ کے لئے کوئی شے حائل نہیں ہوتی اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہنا کہ بیت المقدس کا سیدھا راستہ تھا اور ٹیڑھا راستہ اختیار نہ کرنا وغیرہ وغیرہ تکلفات رکیکہ ہیں اور معراج کے مناسب حال کے خلاف ہے۔

نزولِ عیسےٰ علیہ السلام یہ مسئلہ بھی اپنے مقام پر مسلّم ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام قربِ قیامت میں منارہ بیضاً دمشق میں نزولِ اجلال فرمائیں گے اگر آسمان کے راستے والی بات ہوتی تو وہ بھی بیت المقدس میں اترتے حالانکہ دمشق اور شام کے درمیان کافی فاصلہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا بیت المقدس سے آسمانوں پر تشریف لے جانا راستے کی وجہ سے نہ ہوا سے عقل بھی نہیں مانتی۔

آسمان پر روانگی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب میں انبیاء علیہم السلام کو دوگانہ پڑھا کر فارغ ہوا تو مجھے جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے محمد! صلے اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے جانے کے لئے تیاری کیجئے۔ میں تیار ہو گیا سامنے دیکھا کہ ایک سیڑھی آسمانوں کی طرف بچھائی گئی ہے وہ سیڑھی سونے کی تھی اس کے پائے

---

[1]: از فقیر اویسی

چاندی کے تھے اس میں لؤلؤ اور یاقوت کا جڑاؤ تھا وہ موتی نور کی طرح چمکتے تھے اس کا پہلا پایہ صخرۂ بیت المقدس کے اوپر تھا اور اس کا آخری پایہ آسمان سے ملا ہوا تھا مجھے جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم! آپ اس سیڑھی کے ذریعے آسمان پر تشریف لے چلیئے۔ (کذا فی ربیع الابرار)

ف: انسان العیون میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کی سیر اسی سیڑھی کے ذریعے ہوئی اس وقت آپ کو براق نہیں سے گیا تھا۔

ف: المعراج بکسر المیم وبفتحہا ہر وہ شے جو بنو آدم کے ارواح آسمانوں پر لے جائے دراصل وہ سونے کی ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعے سے آسمانوں پر جاتے ہیں یہ وہ سیڑھی ہے جس سے حسین ترین اور کوئی سیڑھی نہیں۔

مرنے کے بعد آنکھ کیوں کھلی رہتی ہے

میت کے جسم سے جب روح خارج ہوکر آسمان پر جاتی ہے تو اس وقت میت کی آنکھ کھلی رہتی ہے اس وقت میت کو وہی سیڑھی نظر آتی ہے جس سیڑھی کے ذریعے اس کی روح کو آسمان پر لے جاتے ہیں یہ سلسلہ مؤمن وکافر ہر دونوں کے لئے ہوتا ہے صرف فرق اتنا ہے کہ مؤمن کی روح آسمان کے اوپر اعلےٰ علیین میں چلی جاتی ہے اور کافر کی روح کو دھکیل کر زمین کے اندر سجین میں پھینکا جاتا ہے اس سے کافر کی آنکھ حسرت اور حزن کے مارے کھلی رہتی ہے اور اپنی دھکیلی ہوئی روح سے بھی گویا اسے سزا دی جا رہی ہے۔

ف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ جنت الفردوس سے لائی گئی اور اسے بہترین موتیوں کا جڑاؤ تھا اس کے دائیں طرف بھی فرشتے اور بائیں طرف بھی فرشتے تھے۔ اس شان وشوکت سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم آسمان پر تشریف لے گئے۔ جبریل علیہ السلام خدمت گزاری کے لئے ہر وقت آپ کے ساتھ رہے۔

صوفی کے نزدیک معراج کا مفہوم

بعض مشائخ کرام کا فرمان ہے کہ معراج بمعنے صورت الجذب والانجذاب وتمثیل الصعود ورنہ وہاں ظاہری سیڑھی کا کیا معنے وہ ملکوتی سیر تھی اور ملکوتی سیر کو سیڑھی کی کیا ضرورت! ہاں عالم ملک کو سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے اور عالم ملکوت کو عالم ملک پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ اگر غور کیا جائے تو یقین ہو جائے گا کہ عالم ملکوت عالم ملک پر بھی مشتمل ہوتا ہے صورۃً بھی معنیً بھی اور قاعدہ یہ ہے کہ صورت معنے کے تابع ہوتی ہے جیسے اسیر والاسرا کا حال تھا کہ ان کی ظاہری صورت معنوی صورت کے تابع تھی اسی لئے کہ اگر آپ کا جسم روح کے تابع نہ ہوتا تو آسمان کا عروج مشکل ہو جاتا جیسے آپ کی صورت مبارکہ کی صورت ایک تھی اسی طرح آپ کی حقیقت کی بھی ایک حقیقت ہے ہر شے کو اپنی حقیقت حال پہ رکھنا ضروری ہے لیکن حضور علیہ السلام کی ظاہری صورت اور حقیقت کا تصور کسی کے وہم وگمان میں نہیں آسکتا اسی طرح آپ کے متعلقات بھی اوہام وخیالات سے ورا ہیں۔

ف: معدن، نباتات، حیوان مرکبات ہیں انہیں موالید ثلاثہ سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے آبار اثیریات ہیں یعنے اجرام اثیریہ جسے افلاک سے تعبیر کیا جاتا ہے ان میں اجرام نیرہ ہیں ان کی تاثیر سے ان موالید ثلاثہ کو فیض نصیب ہوتا ہے اور ان کے امہات

عنصریات ہیں اور عناصر چار ہیں :

① زمین
② ماء (پانی)
③ ہوا
④ نار (آگ)

زمین علے الاطلاق ثقیل ہے اور پانی بہ نسبت ہوا اور نار کے ثقیل ہے اور پانی اکثر زمین کو محیط ہے اور ہوا پانی اور نار کے لحاظ سے خفیف ہے اور پانی اور آگ علے الاطلاق خفیف ہے اور نار ہوا کے کرّہ کو محیط ہے اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے شب معراج ان تمام عناصر کو حرکۃ قسریہ سے طے فرمایا اور حرکۃ قسریہ کا ہمیں انکار نہیں ۔

ازالۂ اوہام ① اسرائے جسمانی کے منکرین کہتے ہیں کہ پتھر کو اوپر پھینکا جائے تو وہ نیچے گرتا ہے اور ہوا کے اوپر جانا پتھر کی طبع کے خلاف ہے ۔ ہم انھیں کہیں گے کہ پتھر کی طبع کا تقاضا اگرچہ اوپر جانا ہے لیکن اس کی یہ بھی طبع کا تقاضا ہے کہ وہ حرکت کو اختیار کرے اسی وجہ سے وہ خود اگرچہ اوپر نہیں جا سکتا لیکن اگر اسے اوپر لے جایا جائے تو وہ جا سکتا ہے ۔ اوّلاً تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو پتھر پر قیاس نہ کیا جائے کیونکہ آپ کا جسم اطہر کثیف نہیں بلکہ نہ صرف لطیف بلکہ لطیف ترین تھا ۔

② الفلک الاثیری یعنے کرّۂ نار سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزرنا بھی محال نظر آتا ہے ۔ اس لئے کہ کرّۂ نار کا کام جلانا ہے اور انسانی جسم آگ میں جلنے کا مادہ رکھتا ہے پھر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا اس کرہ سے بچ کر جانا عقل نہیں مانتی ۔

جواب (۱) ضروری نہیں کہ آگ ہر ایک شے کو جلا دے مثلاً بہت سی ادویہ ہیں کہ جنہیں جسم انسانی پر مل لیا جائے تو آگ جسم پر اثر انداز نہیں ہو سکتی اور اسے مخالفین بھی مانتے ہیں اس معنے پر اگر عام انسان ادویہ مل کر آگ میں چلا جائے تو آگ اثر نہ کرے تو پھر نبوت کے حامل اور بلانے والے خود خالق کائنات پر غلط گمان کیوں ۔

جواب (۲) آگ ایسے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے جو کثیف ہو اور لطیف جسم کو آگ نہیں جلا سکتی بلکہ جسم انسانی کے لئے اللہ تعالےٰ کی قدرت سے نہ صرف آگ کے تاثرات مٹ جاتے ہیں بلکہ اس کے اندر اس کی ضد یعنے پانی کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام پر نار نہ صرف گلزار ہو گئی بلکہ اسے بردًا وسلامًا سے بدل دیا گیا ۔

سبز رنگ کا دریا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک سبز رنگ کے دریا پر پہنچا جو بڑے بڑے دریاؤں سے بھی عظیم تر تھا میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کیسا دریا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اے حبیب محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ دریا ہے، نہ اس کے اوپر کوئی شے ہے نہ ہی نیچے، یہ خلا میں ایسے ہی چل رہا ہے ۔ اس کی

عظمت اور گہرائی کو اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اگر یہی دریا دنیا والوں کو حائل نہ ہوتا تو سورج کی گرمی دنیا والوں کو جلا کر راکھ بنا دیتی۔

آسمان دنیا یعنی پہلا آسمان

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آسمان دنیا پہ پہنچا حضرت جبریل علیہ السلام نے میرے دونوں بازو پکڑ کر اپنے انگوٹھے سے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

آپ کے بازوں مبارک کے ذریعے اس لئے دروازہ کھٹکھٹایا تا کہ آسمان والوں کو معلوم ہو کہ ان کے ساتھ کوئی انسان یعنے نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اگر وہ اکیلے ہوتے تو دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت ہی نہیں تھی دوسرا اس لئے کہ وہ ایسے وقت دروازہ کھلوانے کے لئے کہہ رہے تھے جو ان کے خلاف معمول تھا انھیں باور کرانا مطلوب تھا کہ واقعی حضور تاجدار رسل صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملائکہ کرام کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار تھا بلکہ انھیں آپ کی تشریف آوری تک کے لئے پہرہ داری کے لئے مامور کیا گیا تھا چنانچہ مندرجہ ذیل روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

ملائکہ کی استقبالیہ کمیٹی اور جبریل علیہ السلام

جونہی حضرت جبریل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا تو دنیا کے نگران فرشتے نے پوچھا: کون؟ جبریل علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا تو اس نے پوچھا:

وَمَن مَّعَكَ — آپ کے ساتھ اور کون ہیں؟

وہ اس لئے کہ وہ فرشتہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانتا تھا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ حضور آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نے کہا:

او قد بعث محمد — کیا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا علم تو رکھتا تھا لیکن اسے آپ کی بعثت کی خبر نہیں تھی۔ چنانچہ وہ فرشتہ جبریل علیہ السلام سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مژدۂ بہار سن کر کہنے لگا الحمد للہ۔ اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہم پہلے آسمان کے اندر داخل ہوئے تو استقبالیہ کمیٹی کے صدر فرشتہ نے عرض کی:

مرحبا بك يا محمد ولنعم المجيء مجيئك — مرحبا اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ کا تشریف لانا مبارک۔

حضرت جبریل علیہ السلام سے میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا ان کا نام اسماعیل ہے اور آسمان دنیا کے خازن (صدر) ہیں، یہ آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں ہے۔ آپ آگے چلئے اور اسے السلام علیکم سے نوازیئے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ میں نے اس کے قریب ہوکر السلام علیکم کہا، انھوں نے سلام کا جواب دے کر خوش آمدید کہا۔ جب میری اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا:

ابشر یا محمد فان الخیر کله فیك و فی امتك فحمد لله علی ذالك
اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ کو مبارک ہو کہ کل بھلائی آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز دوسرے رنگ میں یہ اسماعیل فرشتہ زمین پر کبھی نہیں آیا صرف حضرت ملک الموت علیہ السلام کے ساتھ اس وقت زمین پر آیا جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہوا۔

استقبالیہ کمیٹی کے افراد اسماعیل فرشتے کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ستر ستر ہزار فرشتے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پہلے آسمان پر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس فرشتہ اسماعیل کی نگرانی میں ملائکہ کا بہت بڑا لشکر صف بصف کھڑا تھا اور بلند آواز سے پڑھ رہے تھے[1]

سبوحا سبوحا لرب الملائکه والروح قدوسا قدوسا لرب الارباب سبحان العظیم الاعظم
تمام تسبیحیں رب الملائکہ والروح کے لئے ہیں اور تمام تقدیس رب الارباب عظیم اعظم کے لئے۔

یہ ملائکہ سورۂ ملک پڑھا کرتے ہیں۔ ان میں میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی صورت (مثالی) دیکھی میں نے ان سے پوچھا آپ یہاں کیسے پہنچے؟ انھوں نے عرض کی کہ تہجد کی نماز کی برکت سے[2]

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ
از یمن دعائے شب و ورد سحری بود

(ترجمہ: ہر وہ خزانہ سعادت جو حافظ کو نصیب ہوا وہ دعائے شب اور سحر کے ورد کی برکت ہے۔)

---

[2]: حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا آسمان پر تشریف لے جانا اسی حیثیت سے ہے جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بہشت میں تشریف لے گئے ۱۲۔

[1]: اسے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر استقبالیہ نعروں سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے ۱۲۔ (اویسی)

حضرت آدم علیہ السلام کی ملاقات

حضور سرورِعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں پہنچا تو وہ ایسے تر و تازہ اور جوان معلوم ہوتے تھے گویا اللہ تعالے نے انہیں ابھی پیدا فرمایا ہے یعنے نہایت ہی حسین وجمیل نظر آئے۔ ان کی تسبیح یہ تھی:

سبحان الجلیل الاجل سبحان الواسع الغنی سبحان الله العظیم وبحمدہٖ
جلیل واجل کی پاکی واسع غنی کی پاکی اللہ عظیم کی حمد کے ساتھ پاکی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے جب کفار کی ارواح پیش کی جاتی ہیں تو فرماتے ہیں کہ یہ ارواح خبیثہ اجسام خبیثہ میں رہیں انھیں سجین میں دھکیل دو۔

سوال: کفار کی ارواح کے لئے تو آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے تو پھر وہ آدم علیہ السلام کے ہاں کیسے پیش ہوتی ہیں؟۔

جواب: چونکہ آسمان شیشے کی طرح صاف وشفاف ہے اس لئے حضرت آدم علیہ السلام اپنی مسند سے ہی انھیں آسمان کے اندر سے دیکھ لیتے ہیں۔

سوال: ایک روایت میں ہے کہ مومنین کی ارواح علیین میں ہوتی ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ بعض گنہگاروں کی ارواح آسمان وزمین کے درمیان لٹکی ہوتی ہے ان دونوں روایتوں میں تطبیق کیسی؟

جواب: سعادتمندوں کی ارواح کا مبدأ آسمان دنیا ہے پھر اعلٰے علیین تک مختلف درجات ومراتب ہوتے چلے جاتے ہیں اور اشقیاء کے مراتب آسمان دنیا کے اندر سے شروع ہو کر سجین تک پہنچتا ہے اس کے درمیانی درجات ومراتب مختلف ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ سجین جہنم کے طبقات کے نیچے ہے وہی ابلیس اور اس کی ذریت کا مسکن ہے کافروں کی ارواح گنہگاروں کی ارواح سے نیچے ہیں۔ اس معنے پر بعض گنہگاروں کی روحیں فی الحال آسمان وزمین کے درمیان لٹکی ہوئی ہیں انھیں سزا کے بعد صاف ستھرا کر کے دوسری ارواح کے ساتھ علیین پر پہنچائی جائیں گی۔

آدم علیہ السلام نے خوش آمدید کہا

حضور سرورِعالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر آدم علیہ السلام کو السلام علیکم کہا۔ انھوں نے سلام کے جواب میں کہا:

مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح
جی آئے میرے صاحبزادے اور نبی نیک بخت۔

ف: مرحبًا مصدر ہے اس کا عامل محذوف ہے دراصل "لقیت رحبًا وسعہ" تھا یعنے آپ نے بہت بڑی فراخی اور وسعت کو پالیا۔

نکتہ: حضرت آدم علیہ السلام کی مسند فلکِ قمر میں ہے۔

ف: حضرت آدم علیہ السلام کو چاند سے سرعت کی وجہ سے مناسبت ہے اسی لئے آپؑ کی مسند وہاں مقرر ہوئی اس لئے کہ چاند ایک مہینے میں وہ تمام بروج طے کر لیتا ہے جو سورج ایک سال کے بعد طے کرتا ہے اور آدم علیہ السلام کی حرکات ذہنیہ اور انتقالات

باطنیہ میں بہت بڑی تیزی رکھتے ہیں۔

نکتہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف آدم علیہ السلام سے پہلے آسمان کی ملاقات کی ایک وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو حضور علیہ السلام سے صفاتیہ یا فعلیہ اور حالیہ مناسبت ہے اگرچہ بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام سے بھی ملاقات ہوئی ہوگی تو وہ اس طرح کی مخصوص ملاقات نہیں ہوگی اور نہ انھیں اس طرح کی مناسبت ہے اسی طرح آنے والے مقامات پہ مخصوص انبیاء علیہم السلام کی ملاقات کا حال ہے۔

نکتہ تفسیر المناسبات فی سورۂ نجم میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے حضور علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اس لئے کہ وہ امن و جوار الٰہی میں ہیں اور چونکہ انھیں ان کے دشمن ابلیس نے بہشت سے نکالا تھا اس لئے انھیں اللہ تعالےٰ نے اپنے امن و جوار میں لے لیا اسی طرح حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ نے ہجرت پر مجبور کر دیا تو آپ کو اللہ تعالےٰ نے امن و سلامتی بخشی ان دونوں قصوں کو آپس میں مشابہت کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے ملاقات کا موقعہ بخشا گیا۔

نکتہ چونکہ آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے ہر نیک اور بد کے روح کو دیکھنا تھا اور اس کے لئے پہلا آسمان موزوں تھا اس لئے کہ کفار کی روح کو آسمان کے اوپر جانے کی اجازت نہیں اسی لئے وہ پہلے آسمان میں مسند نشین ہوئے تاکہ نیکوں کی روحوں کے ساتھ کفار کی روح آسمان کے اندر سے دیکھ سکیں اس کی تشریح گزشتہ اوراق میں ہم نے بیان کی ہے۔

یتامےٰ کے اموال کھانے والے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح ہیں، ہر ایک کے دونوں ہاتھ جہنم کے انگاروں سے پُر ہیں وہ اپنے منہ میں ڈالتے ہیں تو وہی انگارے ان کی دبروں سے نکل آتے ہیں میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، انھوں نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم کر کے اور ناحق یتامیٰ کا مال کھاتے تھے۔

ف: پہلے مختلف عذاب میں مبتلا ہونے والے مثالی طور پر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے ان میں یہ لوگ نہیں تھے اور حدیث شریف میں آجال سے د. اشخاص مراد ہیں اور اس سے بھی یتیموں کے وہ متولی مراد ہیں جو یتامیٰ کے اموال کے متولی ہو کر ناجائز طور پر ان پر ہاتھ صاف کرتے تھے [1]

سود خوار حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بعض ایسے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے پیٹ بہت موٹے ہیں دور سے ان میں سے ہر ایک کا پیٹ بہت بڑا کمرہ (کسی کا گھر معلوم ہوتا ہے) اور ان کے اندر بڑے بڑے سانپ نظر آتے ہیں وہ فرعون والوں کے راستوں پر پیاسے اونٹ کی طرح پڑے ہیں انھیں بجائے پانی کے آگ کے انگارے پیش کئے جاتے ہیں وہ اس جگہ سے بھاگنے کی بہت کوشش کرتے ہیں لیکن وہ سے بھاگ نہیں سکتے۔

---

[1] : یہاں پر مدارس عربیہ اور یتیم خانوں کے منتظمین توجہ دیں کہ یتامےٰ کے نام پر چندے جمع کر کے خُرد بُرد کر جاتے ہیں ۱۲۔

ف : انھیں فرعون والوں کے راستوں پر اس لئے ڈالا جائے گا کہ ان پر آمد و رفت بکثرت ہے سود خوار اس آمد و رفت سے پیسے جاتے ہیں جس سے انھیں سخت عذاب ہوتا ہے۔

حل لغات : حدیث شریف میں الابل المنھومۃ واقع ہوا ہے یعنے ہر وہ اونٹ جنھیں الھیام کی بیماری ہو اور اسے ہودا کی بیماری گھیر لیتی ہے یا المنھود بمعنے پیاسا اونٹ۔

ایک روایت میں ہے کہ مذکورہ بالا لوگ جونہی اٹھنے کی جرأت کرتے ہیں تو گر جاتے ہیں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ سود خوار ہیں۔

ف : سود خوروں کو پہلے بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر شب معراج دیکھا تھا لیکن اس میں یہ تھا کہ ان میں سے ایک دریا میں تیرتا تھا اور اس پر پتھر پڑتے تھے ان میں مطابقت یہی ہے کہ زمین میں انھیں ایسے ہی دریا میں ڈال کر دوسری طرف نکال لیا جاتا ہو اور ان کی وہی کیفیت ہو جو مذکور ہوئی اور اسی طرح انھیں دائمی عذاب میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔

حرام خور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسی قوم گزرا جن کے لئے بہترین اور لذیذ گوشت کے دسترخوان پڑے ہیں اور وہ بدبودار اور گندے گوشت کے خوانچوں سے گوشت کھا رہے ہیں میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہا، یہ وہ لوگ ہیں جو حلال چھوڑ کر حرام کھاتے تھے یہ اعم ہے یتامے کا مال ہے یا کسی اور کا! اور ان کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔

زانی عورتیں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سی عورتیں پستانوں سے بندھی ہوئی دیکھیں میں نے پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی یہ وہ عورتیں ہیں جو ایسے مردوں کے پاس جاتی تھیں جو ان کی اولاد سے نہیں تھے یعنے زنا کی مرتکب ہوتی تھیں۔

دریائے نیل و فرات حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے آسمان پر میں نے نیل و فرات کو دیکھا وہ اس لئے کہ ان دونوں کا سرچشمہ سدرۃ المنتھیٰ کے نچلے حصے سے ہے اور وہ دونوں تمام بہشتوں سے گزرے ہوئے پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں وہاں سے زمین پر ان کا پانی گرتا ہے تو یہ دونوں نہریں جاری ہوئی ہیں۔

ف : الجامع الصغیر کے زوائد میں ہے کہ دریائے نیل جنت سے نکلتا ہے اگر اس میں تیر کر بہشت کے پتوں سے کچھ تلاش کرو تو اس میں سے بہشت کا کوئی ایک پتہ پالو گے۔

دوسرے آسمان کی سیر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں دوسرے آسمان پر لے جایا گیا حضرت جبریل علیہ السلام نے دوسرے آسمان کا دروازہ کھٹکھٹایا آسمان کے نگران فرشتے نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: میرے ساتھ حضور تاجدار رسل صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نگران فرشتے نے کہا، کیا حضور علیہ السلام مبعوث ہو چکے ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا، ہاں۔ یہ سن کر آسمان کے نگران فرشتے نے دروازہ کھول دیا

اور ہم اندر چلے گئے دیکھا تو وہ وہاں دو خالہ زاد بھائی یعنے حضرت عیسےٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہم السلام تشریف فرما ہیں اور ہر دونوں آپس میں ہم شکل ہیں اور لباس کے علاوہ بال بھی ایک جیسے ہیں اور ان کے ساتھ ان کی امت کے افراد بھی تھے انھوں نے مجھے خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر فرمائی ۔

ف : عیسےٰ و یحییٰ علیہما السلام دونوں خالہ زاد بھائی بایں معنیٰ ہیں کہ ان کی مائیں آپس میں بہنیں تھیں اس کی تفصیل ہم نے سورہ آل عمران کی تفسیر میں عرض کر دی ہے

ف : تفسیر المناسبات میں ہے کہ حضرت عیسےٰ و یحییٰ یہودیوں کی وجہ سے آزمائش میں ڈالے گئے یعنے عیسےٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے انھیں ایذا دی اور انھیں قتل کرنے کی سازشیں کیں لیکن اللہ تعالےٰ نے انھیں آسمان پر اٹھا لیا اور یحییٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے شہید کر ڈالا ۔

مثنوی شریف : ؎

چوں سفیہانراست ایں کار و کیا
لازم آمد یقتلون الانبیاء

ترجمہ : ان پاگلوں کے دل میں یہ بات گھر کر گئی کہ انبیاء کو قتل کرنا لازم ہے ۔

نکتہ یہودیوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی جب مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے اس معنے پر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دوسرے امتحان سے گزرنا پڑا اس لحاظ سے آپ سے عیسےٰ علیہ السلام کو مناسبت ہوئی اس اعتبار سے ان کی آپ کے ساتھ دوسرے آسمان پر ملاقات ہوئی ۔

یہودیوں کی ایذا کی تفصیل حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر یہودیوں نے سخت ترین مظالم کئے ۔ ایک دفعہ بہت بڑا پتھر اٹھا کر آپ کو قتل کرنے کا پروگرام بنایا لیکن اللہ تعالےٰ نے آپ کو محفوظ فرما لیا جیسے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو نجات بخش کر انھیں آسمان پر اٹھا لیا ایسے ہی انھوں نے سرکار کونین صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بکری کے گوشت میں زہر ملا دی اس زہریلے لقمے کا اثر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر زندگی بھر رہا یہاں تک کہ وصال شریف کا ایک سبب یہی زہر بلا لقمہ بھی تھا چنانچہ آپ نے بوقت وصال فرمایا کہ یہودیوں نے جیسے عیسےٰ و یحییٰ علیہما السلام سے کیا میرے ساتھ بھی وہی کیا ۔

حل لغات : حدیث شریف میں لفظ تعادہ وارد ہوا ہے یہ عادتہ اللسعۃ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ شے اپنے وقت معین پر دورہ کرے ۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ما زالت اکلۃ خیبر تعادنی فھذا اوان قطعت ابھری

خیبر کا لقمہ میرے اوپر دورہ کرتا ہے اب وقت آگیا ہے کہ اس نے میری کمر توڑ ڈالی ہے۔

ف: ابہر وہ رگ جو قلب سے متصل انسان کی پیٹھ میں واقع ہے اس کے متعلق قانون قدرت ہے کہ جب وہ ٹوٹ جائے تو انسان مرجاتا ہے۔

یہودیہ کا زہر کھلانا اور حضور علیہ السلام کا علم غیب مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہودی عورت بکری کے گوشت میں زہر ملا کر طعام لے آئی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے کچھ کھایا ہی تھا کہ آپ نے تمام صحابہ کرامؓ سے فرمایا:

ارفعوا اید یکم فانھا اخبرتنی انھا مسمومۃ

کھانے سے ہاتھ اٹھا لو اس لئے کہ بکری نے مجھے عرض کیا ہے کہ مجھ میں زہر ملایا گیا ہے۔

اسی زہریلے طعام سے بشر بن البراء شہید ہوئے۔ اسی یہودیہ عورت کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا آپ نے اس سے طعام میں زہر ملانے کا سبب پوچھا اس نے عرض کی کہ میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کو قتل کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے میرے قتل کرنے پر کسی کو مسلط نہیں کیا۔

نکتہ صوفیانہ وصال کے وقت تک زہر کا اثر نہ کرنے کا موجب یہ ہوا کہ آپ اگرچہ ارشاد و تبلیغ کے لئے عالم سفلی میں تشریف رکھتے تھے لیکن آپ کی روح کا تعلق بدستور عالم بالا میں رہا اور اس اعلیٰ المراتب میں زہر کا اثر کیسا پھر موت کا وقت قریب ہوا تو آپ نے ادنیٰ المراتب کی طرف رجوع فرمایا اس لئے کہ موت نے صرف بشریت پر اثر ڈالنا تھا آپ جب عالم سفلی کی طرف گئے تو زہر نے اثر ڈال لیا۔

تیسرے آسمان کی سیر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ہم تیسرے آسمان پر پہنچے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو اندر سے آواز آئی کہ آپ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے اپنا تعارف کرایا۔ آواز آئی آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا، حضرت محمد مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا آپ مبعوث ہو چکے ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا، ہاں۔ دروازہ کھولا گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ان کے ساتھ ان کے امتی تھے۔ یوسف علیہ السلام کو آدھا حسن دیا گیا یعنے انھیں دنیائے عالم کا آدھا حسن یوسف علیہ السلام کو اور باقی آدھا حسن تمام لوگوں پر تقسیم ہوا۔

ف: اس سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہر فضل و کمال میں علے الاطلاق تمام کائنات سے افضل ہیں۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حسن سے آدھا حسن دیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام املح (بلیح تر) ہیں اور یوسف علیہ السلام ابیض سفید رنگ والے تھے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

دبیر صنع نوشت کرد عارض تو
بمشک ناب کہ الحسن والملاحۃ لک

ترجمہ : کاریگر حقیقی کے قلم نے تمہارے چہرے اقدس پر مشک خالص سے لکھا کہ حسن آپ کے لئے اور ملاحت یوسف علیہ السلام کے لئے ہے۔

نکتہ حسن و ملاحت عالم صفات سے ہیں اور یہ کمال صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اس لئے کہ آپ تجلیات الصفات علے الکمال جامع ہیں صورۃً اور معنًے بھی اس لئے کہ آپ افضل من الکل ہے۔ اس لئے کہ آپ کی ہر تجلی اکمل تھی اور اس میں کسی کو شک و شبہ نہیں۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے مجھے ملتے ہی خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر فرمائی۔

ف : تفسیر المناسبات میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی ملاقات میں مناسبت یہ تھی کہ جس طرح یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے گھر سے نکالا لیکن یوسف علیہ السلام برسرِ اقتدار تو انھیں فرمایا :

لا تثریب علیکم الیوم — اے بھائیو! تمہارے اوپر کوئی ملامت نہیں۔

اسی طرح حضور علیہ السلام کے ساتھ آپ کے رشتہ داروں نے کعبہ معظمہ سے ہجرت کرائی پھر جب وہ بدر میں قیدی ہوکر آئے تو ان میں آپ کے رشتہ دار بھی تھے مثلاً حضرت عباس اور ان کے صاحبزادے عقیل وغیرہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے انھیں معاف فرما دیا ان سے فدیہ وغیرہ لیا لیکن یوم فتح (فتح مکہ کے دن) آپ نے سب کو جمع کرکے فرمایا :

۰ لا تثریب علیکم الیوم

یعنے اے میرے رشتہ دارو! آج میں وہی کہہ رہا ہوں جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا۔

چوتھا آسمان

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :
ہم چوتھے آسمان پر پہنچے اس کے دروازے پر بھی وہی سوال و جواب ہوئے جیسے پہلے آسمانوں پر ہوئے تھے۔ اس آسمان میں مجھے حضرت ادریس علیہ السلام ملے۔ انھوں نے مجھے دیکھ کر مرحبا کہا اور دعائے خیر فرمائی۔ انھیں کے حق میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

ورفعناہ مکانا علیا — اور ہم نے ادریس علیہ السلام کا مکان بلند کیا۔

یعنے انھیں چوتھے آسمان پر زندہ اٹھالیا جیسا کہ اس طرح کی ایک اور روایت ہے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ اس وقت بہشت میں ہیں۔ اس روایت کے مطابق آپ کا چوتھے آسمان پر پہنچ جانا بھی ان کے بہشت میں ہونے کے منافی نہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق مروی ہے کہ آپ جب مصر سے باہر تشریف لے گئے تو آپ کو

آسمان پر لے جایا گیا اس کے بعد آپ نے روئے زمین کی سیر کی اور اللہ تعالےٰ کی مخلوق کو دعوت دی آپ بہتر لغات جانتے تھے اور مختلف اقوام کو مختلف لغات میں وعظ و تبلیغ فرمائی اور انہیں بہت زیادہ علوم سکھائے ۔

علم نجوم سب سے پہلے عالم دنیا میں علم نجوم حضرت ادریس علیہ السلام نے ظاہر فرمایا یعنے وہ علم جو آنے والے واقعات سے تعلق رکھتا ہے اور انہیں ستاروں کے حساب سے معلوم کیا جاتا ہے ۔

مسئلہ: علم نجوم حق ہے بشرطیکہ اس کے حساب میں غلطی اور خطا واقع نہ ہو ورنہ بہت سے لوگ اس میں بہت بڑی بڑی غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں ۔

سب سے پہلا قلم سے لکھنے والا تفسیر المناسبات میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی رمز یہ ہے کہ ادریس علیہ السلام نے ہی سب سے پہلے قلم سے لکھا اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کے لئے قلم سے کام لیا اور یہ آپ کے لئے چوتھا نمبر ہے ۔ چنانچہ آپ نے بادشاہوں کو خطوط و مراسلات سے خوف خداوندی سنایا اور اسی ذریعہ سے انہیں دعوت اسلام بھجوائی یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا جب والانامہ ابوسفیان کے سامنے ہرقل کے ہاں پہنچا تو ابوسفیان نے کہا مجھے اس خط سے ہرقل کا خطرہ ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کا خط پڑھ کر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول نہ کرے اور ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں اس وقت حیران ہو گیا کہ ابن ابی کبشہ (یعنے حضور علیہ السلام) کا اتنا بڑا اثر کہ ابن ابی الاصفر (ہرقل) بھی ان کا نام سُن کر گھبرایا ہوا ہے ۔ بہرحال آپ نے دعوت اسلام قلم کے ذریعہ سے بھی فرمائی ہے جو اس وقت کے مشاہیر بادشاہوں کو خطوط لکھے ۔

اس وقت کے جن بادشاہوں نے آپ کی اتباع قبول فرمائی وہ یہ ہیں :

(۱) نجاشی

(۲) عمان کا بادشاہ

بعض وہ ہیں جنھوں نے آپ سے نیازمندی و عقیدت مندی کا ثبوت دیا اور آپ کے ہاں ہدایا و تحائف بھیجے جیسے المقوقس بعض وہ ہیں جنھوں نے آپ کی نافرمانی کی ۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ان پر فتح و نصرت دی اسی کو مقام علیّ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ادریس علیہ السلام کی طرح قلم سے لکھ لیتے تھے ۔

پانچواں آسمان حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پانچویں آسمان پر پہنچے تو وہاں بھی وہی گفتگو ہوئی جو گذشتہ آسمانوں میں ہوئی وہیں پر آپ کو ہارون علیہ السلام ملے انھوں نے آپ کو خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر کی چونکہ ہارون علیہ السلام سے ان کی قوم محبت کرتی تھی اس لئے کہ آپ ان سے نرمی کرتے تھے بخلاف موسےٰ علیہ السلام کے کہ وہ ان سے سختی کرتے تھے اس لئے قوم نے آپ کو سخت ایذائیں بھی پہنچائیں ۔ ہارون علیہ السلام کی نرمی کی وجہ سے آسمان پر ان کی قوم ان کے ساتھ تھی اور آپ انہیں قصہ سنا رہے تھے اور ہارون علیہ السلام جب آسمان پر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ان کی آدھی ریش مبارک سفید

اور آدھی سیاہ تھی اور لمبی اتنی تھی کہ ناف تک پہنچتی تھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات کی مناسبت یہی ہے کہ جیسے ہارون علیہ السلام اپنی قوم کو محبوب تھے حضور علیہ السلام بھی اپنی قوم قریش کے محبوب تھے یعنے اسلام کے غلبہ کے بعد ورنہ اس سے قبل تو آپ سے سخت بغض و عداوت رکھتے تھے۔ (کذا فی مناسبات التفسیر)

عقل مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت کا بیان

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ میں نے اکہتر کتابوں میں دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے ابتدائے دنیا سے تا انتہائے دنیا جتنا عقول لوگوں کو عطا فرمائے ہیں وہ حضور علیہ السلام کے مقابلے میں وہی نسبت رکھتے ہیں جو ریت کے ایک ذرہ کو دنیائے عالم کے تمام ریت کے ٹیلوں سے۔

دیوبندیوں اور مودودیوں و دیگر مذاہب کے اوہام کا ازالہ!

ظاہر ہے کہ انسان عقل کے ذریعے ہی فضائل حاصل اور رذائل سے اجتناب کرتا ہے اور اصابۃ الرائی اور جودت فطنت وحسن سیاست اور بہتر تدبیر عقل سے ہوتی ہے اور ان امور میں جتنا کمال حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا دوسروں کو ذرہ برابر بھی نصیب نہ ہوا[1] مثلاً عرب کے وحشی وحشت میں ضرب المثل تھے لیکن سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی حسن تدبیر سے وہ ایسے بہت بڑے کمالات کو پہنچے کہ جنھیں بہت بڑے فلاسفر اور بڑے بڑے بادشاہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اگرچہ ابتدا میں انھوں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ کو سخت اذیتیں دیں لیکن آپ نے ان کی تکالیف پر صبر فرمایا اور ان کو ایسی حکمت عملی سے ایسا گرویدہ بنایا کہ بعد میں آپ پر سو جان قربان تھے بلکہ صرف آپ کی خاطر اپنے اہل و عیال بلکہ ماں باپ اور آل اولاد کی گردن اڑانے کو اپنی سمجھتے جب دیکھتے کہ وہ حضور علیہ السلام کی مخالفت کرتے ہیں اور تمام دنیا نے دیکھ لیا کہ عرب کے ان وحشیوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا بلکہ آپ کی خاطر پیارے وطن (مکہ معظمہ) کو خیر باد کہہ کر مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے وغیرہ وغیرہ۔

چھٹا آسمان

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم چھٹے آسمان پر پہنچے حسب دستور سابق جبریل علیہ السلام نے آسمان کے نگران فرشتے سے گفتگو کر کے دروازہ کھلوایا تو میری ملاقات حضرت موسےٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ انھوں نے مجھے خوش آمدید کہہ کر دعائے خیر فرمائی۔

حضرت موسےٰ علیہ السلام کا تعارف

موسےٰ علیہ السلام گندمی رنگ اور لمبے قد اور بہت زیادہ بالوں والے تھے! اور آپ کے بال تھے بھی بہت سخت یہاں تک کہ دو قمیص پہننے کے باوجود ان کے بال

---

[1] اس سے دیوبندیوں و دیگر مذاہب کی غلط فہمی کا اندازہ لگائیے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سے دنیوی امور اور سیاسی معاملات میں عوام میں بعض لوگ فائق ہو جاتے ہیں ملاحظہ ہو: الاضافات الیومیہ تھانوی وغیرہ۔

کپڑوں سے باہر نکل آتے۔ آپ کو جب سخت غصہ ہوتا تو آپ کے سر کے بال آپ کی ٹوپی سے باہر نکل آتے بلکہ شدت غضب سے ٹوپی اوپر کو اٹھ جاتی۔ ایک دفعہ آپ کے کپڑے پتھر اٹھا کر بھاگا تو آپ اس کے پیچھے دوڑے اور اسے جا کر چھ یا سات درّے مارے یہ ان کے شدتِ غضب کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ پتھر ایک جماد ہے لیکن آپ کا غصہ اس سے بھی نہ روک سکا۔

لطیفہ: جب پتھر موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے اٹھائے بھاگا تو وہ ایک سواری کے مشابہ ہو گیا! اور قاعدہ ہے کہ سواری اگر بے قاعدگی کرے تو اسے سوار ڈنڈے سے سیدھا کرتا ہے۔

جمادات میں بھی ایک روح ہے

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ پتھر اس لئے کپڑے اٹھا کر بھاگا تھا کہ عند المحققین جمادات میں بھی حقیقی روح ہے یہی اہل اللہ (اولیاء اللہ) کا مذہب ہے اور لبسا اوقات ان کے حقیقی روح کی علامات مشاہدہ میں آجاتی ہیں۔ چنانچہ مثنوی شریف میں ہے:

شعر

باد را بے چشم اگر بینش نداد
فرق چون می کرد اندر قوم عاد
گر نبودے نیل را آن نور دید
از چہ قبطی را ز سبطی می گزید
گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد
پس چرا داؤد را یار شد!
این زمین را گر نبودے چشم و جان
از چہ قارون را فرا خوردے چنان

ترجمہ: ۱۔ ہوا کو اگر عقل نہ ہوتی تو وہ عاد کی قوم میں کیسے فرق کرتی۔
۲۔ اگر دریائے نیل کو آنکھ نصیب نہ ہوتی تو وہ قبطی و سبطی کے درمیان کیسے امتیاز کرتا۔
۳۔ اگر پہاڑ و پتھر میں عقل نہ ہوتی تو وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح و تہلیل میں کیسے شریک ہوتے۔
۴۔ زمین کو چشم و جان نہ ہوتی تو وہ قارون کو کیسے نگل جاتی۔

موسیٰ علیہ السلام کا گریہ اور اس کا موجب

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب چھٹے آسمان کو عبور کر کے اوپر کو جانے لگا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے اور کہا کہ یہ نوجوان میرے بعد تشریف لایا لیکن میری امت سے ان کی امت بدرجہا زائد بہشت میں جائے گی۔ نہ صرف میری امت سے بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے ان کی امت گنتی میں بڑھ جائے گی۔ اس لئے بہشت کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں حضور سرورِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کی اسّی اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کی صرف چالیس صفیں ہوں گی ۔

ازالۂ وہم : بعض لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس رونے کو موسیٰ علیہ السلام پر بد گمانی کرتے ہوئے ایک غلط تصویر پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے رد میں فقیر (حقی) کہتا ہے کہ :

قال ابن الملك انما بكى موسى اشفاقا علے امته حيث قصر عددها عن عدد امة محمد صلے الله عليه وسلم لا حسدا عليه لانه لا يليق به[1]

ابن الملک نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی امت پر شفقت کرتے ہوئے روتے تھے جب کہ ان کی امت کی تعداد امت محمدیہ کی تعداد سے بہت کم دکھائی دی ۔ یہ حسد نہ تھا نہ حسد آپ کی شان کے لائق ہے ۔

سوال : اگر (معاذ اللہ) موسیٰ علیہ السلام کا رونا حسد پر مبنی نہیں تھا تو ان غلاما بعث بعدی جیسے حقیر الفاظ استعمال نہ کرتے؟

جواب (۱) : فقیر (صاحب روح البیان اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ یہ کلمہ تحقیر انہیں تھا بلکہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر رب تعالیٰ کے فضل و احسان کا اظہار تھا کہ باوجودیکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی عمر رکھتے ہیں لیکن بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام سے برگزیدہ اور افضل ہیں اور بہت سے تھوڑے عرصے میں اتنے بڑے فضائل و کمالات حاصل کر لئے ۔

جواب (۲) : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا رونا مناسب مقام کے مطابق صحیح تھا اور واقعی یہ مبنی بر غیرت تھا جو آپ پر بوجہ غلبہ غیرت ایسا کلمہ منہ سے نکلا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو محبوبانہ عتاب فرمایا جب حضور علیہ السلام کا ان کے مزار سے گزر ہوا تو زور زور سے پکارنے لگے "اکرمته فضلته" میں نے انہیں مکرم و افضل بنایا ہے جیسا کہ ابتدا میں ہم نے یہ روایت لکھی اور اس کا مناسب جواب بھی عرض کر دیا لیکن اس سے بھی موسیٰ علیہ السلام کا حسد ثابت نہیں ہوتا اور نہ ہی تحقیر پر محمول کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ یہ تو بفضلہ تعالیٰ جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر (صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں ان سے درجات و فضائل میں کم شان والے حضرات اولیاء کرام سے بھی حسد اور دوسرے کو حقارت سے دیکھنے کا مادہ ختم کر دیا جاتا ہے ۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے لئے یہ گندہ مادہ کیسا ۔

جواب (۳) : پہلے ہم نے تفصیل سے لکھا ہے کہ اہل جنت کو ایک دوسرے کے بلند اور کم درجات کا احساس نہیں ہو گا ۔ اور نہ ہی یہ آرزو کریں گے کہ ہم اپنے سے بلند درجات نصیب ہوں بلکہ وہ اپنے ہر دیئے ہوئے درجہ و کمال پر راضی ہوں گے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو سمجھئے کہ انہیں بلند درجات کی نہ آرزو ہوتی ہے اور نہ ہی دوسرے کے بلند درجات کا احساس کرتے ہیں اسی طرح اولیاء کرام کا حال ہے ۔ اگر ایسی بات ہے تو پھر انہیں اطمینان قلب کیسا حالانکہ وہ اطمینان قلبی کے بلند مراتب کے مالک ہوتے ہیں ۔ اگر مخالف کے قول کو مان لیا جائے تو پھر ان کے لئے اطمینان قلبی کی بجائے بیقراری اور بے چینی ثابت کی جائے اور اس کا ثبوت کسی بے دین کے ہاں ملے گا ۔ ورنہ قرآن مجید کے نصوص اس کے مخالف ہیں (مثلاً) الا بذكر الله تطمئن القلوب ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس پر مقام

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۱۸ ۔

یہ ملاقات کی مناسبت یوں ہے کہ جیسے موسے علیہ السلام کو غزوہ شام کا حکم ہوا اور آپ ان جبابرہ پر غالب ہوئے پھر جس شہر سے نکالے گئے تھے اس شہر میں انھیں حکم ہوا کہ اپنی قوم کو لے جاؤ جب کہ آپ کے دشمن تباہ و برباد ہوگئے ایسے ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علاقہ شام کے لئے غزوہ تبوک کا حکم ہوا تاکہ آپ دومۃ الجندل سے جنگ کریں چنانچہ آپ اس پر غالب آئے اور اسے قید کرکے لایا گیا تو اسے جزیہ پر صلح کرنی پڑی اسی طرح فتح مکہ کے موقعہ پر آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاں (مکہ) سے نکالے گئے آپ انھیں لے گئے۔

ساتواں آسمان

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ساتوں آسمان پر پہنچے وہاں پر جبریل علیہ السلام سے وہی گفتگو ہوئی جو پہلے آسمانوں پر ہوئی دروازہ کھلا تو وہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا، یہی آپ کے جد امجد ہیں آپ انھیں السلام علیکم کہیئے۔ میں نے انھیں السلام علیکم کہا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دے کر فرمایا (جی آئے) میرے صاحبزادے اور نبی صالح۔

نکتہ

امام تورپشتی رحمہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام پر السلام علیکم کی سبقت کا حکم اس لئے ہوا کہ آپ ان سے گزر کرنے والے تھے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ قائم قاعد پر السلام علیکم کہے۔

قاعدہ: حضرات انبیاء علیہم السلام کی ارواح متشکل ہو کر تشریف لائے سوائے حضرت عیسے علیہ السلام کے کہ وہ اپنی اصلی جسمانی شکل میں ملے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف

حضرت ابراہیم علیہ السلام گھنگرالے بالوں والے تھے اور بہشت کے دروازے پر بیٹھے تھے یعنے بہشت کی سمت سے اس لئے کہ بہشت تو ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کرسی نشین تھے اور بیت المعمور سے سہارا لگائے بیٹھے تھے۔ بیت المعمور عقیق کا ہے اور عین کعبہ معظمہ کے عین اوپر ہے کہ اگر وہ گرے تو عین کعبہ معظمہ کے اوپر گرے گا۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس کے اندر ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے خارج ہوتے ہیں جو ایک بار داخل ہوتے ہیں انھیں قیامت تک دوبارہ باری نہیں ملے گی جیسے انسان کی سانس ایک بار نکل جائے تو دوبارہ اس کے اندر داخل نہیں ہوتی ملائکہ کرام کا بیت المعمور ستاروں کے مطالع سے داخل ہوتے ہیں اور ان کے غروب ہونے کے مقام سے نکلتے ہیں۔

اُمّتِ مصطفویہ علٰی صاحبہا التحیہ

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات کے بعد مجھے میری امت دو گروہوں میں ملی ایک گروہ پر سفید کاغذ کی طرح بہترین سفید پوشاکیں دوسرے گروہ کے کپڑے میلے کچیلے تھے جب میں بیت المعمور میں داخل ہوا تو سفید کپڑوں والے میرے ساتھ چلے اور میلے کچیلے لباس والوں کو بیت المعمور کے داخلے سے روک دیا گیا۔ میں نے بیت المعمور میں دوگانہ پڑھا میرے ساتھ سفید کپڑے والوں نے بھی دوگانہ پڑھا۔

ف: حدیث شریف مذکورہ میں دوگروہوں کے لئے لفظ شطرین کہا گیا ہے اس سے نصف ونصف مُراد نہیں یہاں تک کہ یہ سمجھا جائے کہ عاصی اور نیک برابر تھے بلکہ فقیر (حقی) کے نزدیک شطرین سے دو گروہ مراد ہیں (جیسے فقیر اویسی غفرلہ نے ترجمہ کیا ہے۔ بایں معنی کہ سفید کپڑوں والے ایک گروہ علیحدہ تھا اور میلے کپڑوں والے ایک اور علیحدہ گروہ تھا۔)

نکتہ حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہے کہ اہلِ عصیاں نیکوں سے زائد ہوں اس لئے کہ مقصود تھا انسانِ کامل کا ظہور وہ تو ہو چکا (یعنے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی) وہ اگرچہ ایک ہیں لیکن یہی سوادِ اعظم ہیں اس معنے پر اہلِ طاعت اگرچہ تھوڑے سہی لیکن اہلِ عصیان کے مقابلہ کا ایک گروہ تھا۔

اللہ تعالٰے ہمیں بیت القلب کے داخل ہونے والوں سے بنائے اور اپنے محبوب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمارے وجود سے میل کچیل دور فرمائے۔ (آمین)

ف: سُہیلی نے فرمایا کہ اہلِ ایمان اور کفار کے بچے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کفالت میں ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان غیر بالغ لڑکوں کو ابراہیم علیہ السلام کے ہاں دیکھ کر جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ عرض کی کہ یہ اہلِ ایمان کی وہ اولاد ہے جو صغر سنی میں فوت ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ کفار کی اولاد۔ جبریل علیہ السلام نے جواب دیا کہ کفار کی اولاد بھی ان میں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ کفار کی اولاد بہشت میں اہلِ جنت کے خدام ہوں گے۔

ابراہیم علیہ السلام کا امّتِ نبویؐ کو سلام مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ اپنی امت کو میرا سلام کہہ دینا اور انھیں فرمانا کہ بہشت کی مٹی اور پانی بہترین ہے اور اس کے باغات سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔

حضرت عارف جامی نے لکھا: ؎

یاد کن آنکہ در شب اسرا
با حبیب خدا خلیل خدا
گفت گو دے از من اے رسول کرام
امتِ خویش را ز بعد سلام
کہ بود پاک و خوش زمین بہشت
لیک آنجا کسے درخت نکشت
خاک او پاک و طیب افتادہ
لیک ہست از درخت ہا سادہ!

غرس اشجاران بسی جمیل !
بسملہ حمدلہ است پس تہلیل
ہست تکبیر نیز ازان اشجار
خوش کسے کش جزین نباید کار
باغ جنات تحتہا الانہار !
سبز و خرم شود ازان اشجار

ترجمہ : اے حبیب من ! یاد کیجئے کہ شبِ اسرا میرے اور آپ کے درمیان گفتگو ہوئی. اور بہشت کی زمین خوش اور پاک ہے لیکن اس میں درخت نہیں ہیں اس کے درخت بھی عمل صالح ہیں یعنے بسملہ و حمدلہ و تہلیل ہے

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی نامزد حور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ایک نوجوان عورت ملی جو ہونٹوں پر سرخی لگائے ہوئے تھی وہ مجھے بہت خوش لگ رہی تھی میں نے اس سے پوچھا تو کس کے لئے ہے؟ عرض کی کہ حضرت زید بن حارثہ کے لئے ۔

ف : حدیث شریف میں جاریۃ لعساء وارد ہوا ہے لعساء لعس سے مشتق ہے بمعنے ہونٹوں کی سرخی جس میں تھوڑی سی سیاہی کی ملاوٹ ہو یہ حسن کی ملاحت پہ دلالت کرتی ہے ۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا تعارف یہ وہی حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں جنھیں حضور علیہ السلام نے متبنّی (پروردہ) بنا رکھا تھا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا پہلے ان سے نکاح ہوا تھا. انھوں نے طلاق دی تو ان کو حضور علیہ السلام نے نکاح کا شرف بخشا. اللہ تعالےٰ نے حضرت زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ان کے بدلہ میں حسین و جمیل اور ملیح حوران کو عطا فرمائی. اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ ہر غنا اور ترک مشروع پر معنوی اثر مرتب ہوتا ہے جتنا ظاہر میں کمی ہو اتنا اس کا حصہ باطن میں منتقل ہو جاتا ہے اور آخرت بہ نسبت دنیا کے باطن ہے. جو شخص دنیا میں مشروعات کے حظوظ کا ترک کرتا ہے اسے اتنا بلکہ بہت زائد آخرت میں بہتر حصہ نصیب ہوتا ہے ۔

عجیب و غریب فرشتے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ساتویں آسمان میں فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو دیکھا کہ جن کا آدھا حصہ (بدن کا) نار ہی ہے اور آدھا برف کا، نہ برف نار پر اثر انداز ہوتی ہے اور نہ آگ برف پر! اور وہ مندرجہ ذیل دعا پڑھ رہے تھے :

اللّٰھم کما الفت بین النار و الثلج فالف بین قلوب عبادک المومنین	اے اللہ! جیسے آگ و برف کو آپس میں اتفاق بخشا ایسے ہی اہلِ ایمان کو آپس میں اتفاق عطا فرما ۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ان ملائکہ کا نصف نار اور نصف برف کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کو ایک جسم میں رکھا تو اگرچہ بظاہر ذو اضداد ہیں لیکن اس نے اپنی قدرت کاملہ سے انھیں ایک مزاج بنا دیا۔ لیکن پہلی تعبیر زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ قدرت کاملہ پر وہی تعبیر زیادہ دلالت کرتی ہے ذو اضداد اپنی تاثیر کے ساتھ جمع ہوں یہی قدرت الٰہی کا کمال ہے ورنہ جو بعض بزرگوں نے تعبیر فرمائی ہے وہ تو اکثر مرکبات میں موجود ہے جیسے ہم میں اربع عناصر موجود ہیں لیکن ان کا مزاج ایک بنا دیا گیا ہے۔ یہ گویا عادۃً جاریہ ہو کر عام ہو گیا حالانکہ مقصود یہ ہے کہ ایسی صورت پیدا کی جائے جس میں انوکھاپن ہو۔

ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات کی حکمتیں

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کی دو حکمتیں ہیں:

(۱) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور سے سہارے لگاتے ہوئے بیٹھا دیکھا اور بیت المعمور کعبہ معظمہ کے عین بالمقابل ہے اور ملائکہ کرام یہیں پر حج ادا کرتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بنیاد ڈالی اور اس کے لئے حج کی لوگوں کو دعوت دی انہی دو کعبوں کی مناسبت پر اسی مقام پر ملاقات موزوں تھی۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری سال بیت اللہ کا حج تھا اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی تھے اس ملاقات سے وہی راز مضمر تھا کہ جس دعوت کا اعلان حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سینکڑوں سال قبل فرمایا تھا اسے آج حضور نبی علیہ السلام نے پورا کر دکھایا۔ اس طرح معراج کی شب ملاقات کی مناسبت پوری ہوتی کہ حضور علیہ السلام اور داعیٔ حج و بانیٔ کعبہ معظمہ کی ملاقات ہوگئی۔

سدرۃ المنتہیٰ

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پر لے گئے سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جو ساتوں آسمانوں کے اوپر بہشت کے انتہائی مقام پر واقع ہے یہاں پر ملائکہ کرام سعادتمندوں کے اعمال پہنچاتے ہیں اور عرش والوں سے یہیں پر احکام نازل ہوتے ہیں اور انوار رحمانیہ کا مورد بھی یہی ہے اور سدرۃ المنتہیٰ کے اوراق ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں: "الفیلۃ"، فیل کی جمع ہے یعنے ہاتھی کے کانوں کی ہم شکل ہیں یعنے ان کا گھیرا ہاتھی کے کانوں جیسا تھا۔ اس سے کانوں کی وسعت مراد نہیں ورنہ سدرہ المنتہیٰ کا صرف ایک پتہ تمام مخلوق کو محیط ہو سکتا ہے۔ (کذا فی بعض الروایات) اور سدرہ المنتہیٰ کے ثمرات مٹکوں کی طرح ہیں۔

ف: القلال، القلۃ کی جمع بمعنے بڑا گھڑا سدرہ المنتہیٰ دارین (دار دنیا اور دار آخرت) کے لئے بمنزلہ برزخ کے ہے اس کی ٹہنیاں اہلِ جنت کی نعمتیں اور اس کی جڑیں اہلِ نار کی زقوم ہیں اور ان سے تسبیحات و تحمیدات و ترجیعات (انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا) کی ایک عجیب خوش آواز سنائی دیتی ہے کہ جسے سن کر روح میں ایک عجیب وغریب سرور وکیف پیدا ہوتا ہے اور ان سے بہتر احوال ظاہر ہوتے ہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ پر ملائکہ کی امامت

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر آسمان کے ملائکہ کو ایک رکعت نماز

پڑھائی بیت المقدس میں امام الانبیاء اور سدرۃ المنتہیٰ پر امام الملائکہ ہوئے۔

عقیدہ : اس سے واضح ہوا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمیع اہل اسماء والارض سے افضل ہیں۔

چار نہریں : سدرۃ المنتہےٰ سے چار نہریں جاری ہوتی ہیں دو باطنی اور دو ظاہری۔ دو باطنی بہشتی ہیں جو سدرۃ المنتہےٰ سے نکل کر بہشت میں چلی جاتی ہیں وہ (مندرجہ ذیل ہیں) :

(۱) نہر کوثر

(۲) نہر الرحمہ

اور دو ظاہری نہریں جو سدرہ المنتہیٰ سے نکل کر بہشت سے بہتی ہوئی زمین پر اترتی ہیں وہ (مندرجہ ذیل ہیں) :

(۱) نہر مصر یعنے دریائے نیل

(۲) نہر الکوفہ یعنے دریائے فرات

اعجوبہ : بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ اگر دریائے نیل دریائے ملح (جسے بحر اخضر کہا جاتا ہے) میں داخل نہ ہوتا یعنے بحیرۃ الزنج سے پہنچنے سے پہلے اگر بحر اخضر سے نہ گزرتا تو اسے کوئی نہ پی سکتا اس لئے کہ وہ بہت ہی زیادہ میٹھا ہے اس کی مٹھاس میں بحر اخضر کی نمکینی ملی تو پینے کے لائق بنا۔

اعجوبہ : دریائے فرات میں ایک مرتبہ انار اونٹ کے برابر پائے گئے بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ وہ انار بہشت کے تھے۔

ف : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ وہ انار ان باغات کے تھے جو زمین کی بہشت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ انار فاسد ہو جاتے تھے اور بہشت کے ثمرات میں فساد ناممکن ہے۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ فرات میں بہشت کے اناروں کا ہونا بعید از قیاس نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ وہ واقعی انار بہشت تھے اس لئے کہ عقل والوں کو عبرت کے طور پر انار بھجوائے گئے تاکہ انہیں اللہ تعالےٰ کی قدرت پر زیادہ سے زیادہ یقین ہو۔

بہشت میں تشریف لے جانا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بہشت میں گیا تو وہاں موتیوں کے قبے نظر آئے نظر جن کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کے انار بوکے کی شکل میں محسوس ہوتے تھے اور اس کے پرندے عربی اونٹوں کے برابر تھے۔ ہم بہشت کی سیر کرتے کرتے حوض کوثر پر پہنچے اس کے برتن سونے چاندی کے تھے اس سے میں نے تھوڑا سا پانی پیا وہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مشک سے زیادہ خوشبو ناک تھا۔

حدیث شریف دنیا میں جو میوے کڑوے تھے وہ بہشت میں میٹھے ہو جائیں گے یہاں تک حنظل (اندرائن) بھی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ بہشت کا کوئی ثمرہ توڑے گا تو وہ ثمر ٹوٹتے ہی فوراً توڑنے والے کے منہ میں آجائے گا۔ یہاں تک کہ اسے اس جیسا اور کوئی ثمر میٹھا محسوس نہ ہوگا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ بہشت کا ہر میوہ میٹھا ہوگا اور بہشت کا ہر میوہ کھانے کے قابل ہوگا ان کی ظاہری شکل ان دنیوی ثمرات ومیوہ جات کے مشابہ ہوگی سدرۃ المنتہیٰ کو نور الٰہی نے گھیرا ہوا ہے اس نور الٰہی کی چمک سے سدرۃ المنتہیٰ کے حسن و جمال میں اضافہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنی نظیر آپ ہوگا۔ علاوہ ازیں اس کے عجائب وغرائب ایسے بے مثال ہیں جن کی نظیر پیش نہیں جا سکتی اس لئے اسے دیکھنے کے بعد اس کی دہشت چھا جاتی ہے جسے کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت سدرۃ المنتہیٰ پر حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو پر ہیں ان کا ایک پر مشرق و مغرب میں ڈھانپ لیتا ہے ان کے ہر ایک پر میں موتی اور یاقوت جڑتے ہیں۔

جبریل علیہ السلام ازو باز ماند حضرت جبریل علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ پہ ٹھہر گئے اور عرض کی اس سے آگے میں نہیں چل سکتا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی هذا المقام یترك الخلیل خلیله — کیا ایسے مقام پہ دوست دوست کو چھوڑ سکتا ہے۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی:

لو تجاوزت لاحرقت بالنور — اگر میں اس سے آگے بڑھوں تو نور الٰہی کے جلووں سے جل جاؤں گا

ایک اور روایت میں ہے:

لو دنوت انملة لاحرقت — اگر میں انگلی کے برابر اوپر جاؤں تو جل جاؤں۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ؎

چنان گرم در تیہ قربت براند
کہ در سدرہ جبریل ازو باز ماند
بدو گفت سالار بیت الحرام
کہ اے حامل وحی برتر خرام
چون در دوستی مخلصم یافتی
عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فرا تر مجالم نماند
بماندم کہ نیروی بالم نماند
اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

ترجمہ : قربت کے جنگل میں ایسے تیز تر تشریف لے گئے کہ جبریل علیہ السلام عاجز ہوکر رہ گئے ۔ انہیں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے وحی لانے والے ! اوپر چلئے کیونکہ دوستی میں مجھے تو نے مخلص پایا ہے تو پھر میری رفاقت سے کیوں گریز کر رہا ہے ۔ عرض کی کہ اگر ایک بال کے برابر بھی اوپر اڑوں تو تجلی مجھے جلا کر راکھ بنا دے ۔

جبریل علیہ السلام کے حاجت روا

نبی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر فرمایا :

یا جبریل ھل لك حاجة الی ربك — اے جبریل علیہ السلام ! کوئی ضرورت ہو تو بتائیے ۔

جبریل علیہ السلام نے عرض کی :

یا محمد سل اللہ لی ان ابسط جناحی علی الصراط لامتك حتی یجوزوا علیہ — اے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم ! اللہ سے میرے لئے سوال کیجئے کہ قیامت میں مجھے اپنے پر بچھانے دے جس پر آپ کی امت کا گزر ہو ۔

نورانی حجابات حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد مجھے نور میں ڈھانپ لیا گیا جس کے ستّر ہزار حجابات تھے ہر ایک حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت تھی ۔ اس کے بعد مجھ سے ملائکہ کے نام ونشانات بھی نظر نہیں آتے تھے اس پر مجھے وحشت ہوئی ۔

ابوبکر کی آواز ان حجابات سے مجھے ابوبکر صدیق کی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ

قف یا محمد فان ربك یصلی — اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! ٹھہریئے تمہارا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے ۔

یعنے سبحانی فرمارہا ہے آواز آتی تھی :

سبقت رحمتی علی غضبی — میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے ۔

ادن منی کی آواز : اور وہاں سے میں نے سنا کہ مجھے کہا جا رہا تھا :

ادن منی یا خیر البریۃ ادن یا احمد ادن یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) — اے خیر البریہ ! اے احمد ! اے محمد ! صلی اللہ علیہ وسلم قریب آجاؤ ۔

قاب قوسین اس کے بعد مجھے میرے رب تعالےٰ نے اپنے قریب تر کر دیا چنانچہ فرمایا :

ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی — پھر وہ قریب ہوئے ایسے جیسے قاب قوسین ۔

اعجوبہ : مروی ہے کہ ساتویں آسمان سے سدرۃ المنتہیٰ تک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام کے پروں پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اس کے بعد رفرف کے ذریعے تشریف لے گئے۔

ف : رفرف ایک بہت بڑا بچھونا ہے حضرت شیخ عبدالوہاب امام شعرانی قدس سرہٗ نے فرمایا، وہ ایک کجاوے کی شکل میں ہے۔

ثنائے حق بر نبی حق صلے اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ کی مدح و ثنا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اسے سنئے اور اس کی اطاعت کیجئے اور ان کے کلام فیض ترجمان سے گھبرانا نہیں۔

تشہد : اس کے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھا :

التحیات للہ و الصلوٰت و الطیبات	عبادات قولیہ، بدنیہ اور مالیہ اللہ تعالےٰ کے لئے ہیں۔
اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا :	
السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ	اے نبی علیہ السلام آپ پر اللہ تعالےٰ کے سلام اور رحمت و برکات ہوں۔
حضور علیہ السلام نے اپنی تمام امت کو اپنے ساتھ ملایا :	
السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین	ہم پر اور اللہ تعالےٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔
جبریل علیہ السلام نے کہا :	
اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کے پیارے بندے اور محبوب رسول ہیں۔

جبریل علیہ السلام کی متابعت میں تمام ملائکہ نے بھی یہی مل کر کہا۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے راستے کھولے گئے تو آسمان بدستور متحرک بھی رہا اور اس سے عبور بھی فرمایا جیسے ہوا اور پانی میں چلنے والا چلے تو راستہ خود بخود کھلتا جاتا ہے اسی طریق سے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ کر رفرف پر بیٹھے اور اس کے ذریعے تمام عوالم انوار کو طے فرمایا یہاں تک کہ آپ عرش معلےٰ پر پہنچے یعنے اس اعلےٰ مقام پر جسے : الرحمن علے العرش استویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ تمام سفر جسم مبارک سے طے فرمایا۔

ف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب عالمِ خلق اور عالمِ تدبیر سے گزرے تو آپ کا کوئی ساتھی نہ تھا اسی لئے آپ کو وحشت ہوئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آواز میں آپ کو ندا دی گئی۔

قف یا محمد ان ربك یصلی — ٹھہرئیے آپ کا رب صلوٰۃ پڑھ رہا ہے۔

یہاں پر آپ ٹھہرے بسکون پاکر پڑھا:

هو الذی یصلی علیکم و ملائکته لیخرجکم — وہ اللہ اور اس کے فرشتے تم پر رحمت بھیجتے ہیں تاکہ تمہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جائیں۔

ف: اسی طرح احباء و اصدقاء آپس میں گفتگو کرتے ہیں حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم عالم ظواہر سے نکل کر عالم معنوی میں بہیں سے قدم رکھ رہے تھے یعنے اس مقام سے بحرالاشارات والمعانی میں غوطہ زن ہوئے اسی سے اسرائے بسیط کا آغاز ہوا۔

رفرف کا مقام ختم — یہاں سے مقاماتِ مشاہدہ کا آغاز ہوا جسے بصر جسمانی سے نہیں بلکہ روحانی بصیرت سے دیکھا جاتا ہے اسی لئے رفرف کی ضرورت نہ تھی اس لئے رفرف کو چھوڑ دیا اور جسمانی طور پر مشاہدہ ترک کر دیا اب نہ اَیْنَ رہا نہ کَیْفَ نہ این نہ آن نہ زمان نہ مکان نہ دایاں نہ بایاں حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حجاب عزت کے ورا پہنچا وہ ایسے پردے تھے کہ جنھیں اٹھایا جا سکتا تھا جس ترکیب کو عرش الٰہی پر چھوڑا وہاں سے واپس لوٹا چنانچہ مذکورہ بالا ترتیب قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا ہے:

دنی یہ عروج و وصول کی طرف فتدلی میں نزول و رجوع کی طرف اشارہ ہے۔ فکان قاب قوسین یہ بمنزلۂ نتیجہ کے ہے اور مرتبۂ ذات واحدیہ یعنے عالم صفات جس کا اشارہ الله الصمد میں ہے کے وصول کی طرف او ادنیٰ مرتبہ ذاتِ احدیہ یعنے عالم ذات جس کا اشارہ الله احد میں ہے کی طرح اشارہ ہے اس سے ثابت ہوا کہ معراج صعوداً بھی تھا اور نزولاً بھی، اور یہ ہر دونوں الروح مع الجسد ہوا ورنہ عالم ملک وملکوت ہر دونوں وجود انسانی میں موجود ہیں اور حضرت انسان کو جو تجلی بھی نصیب ہوتی ہے وہ داخل سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ خارج سے۔

علم غیب کلی کا ثبوت از حدیث شریف مع شرح الحدیث

حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سألنی ربی فلم استطع ان اجیبه فوضع یده بین کتفی بلا تکییف و تحدید — میرے رب نے مجھ سے پوچھا تو میں جواب نہ دے سکا پھر اس نے اپنا مبارک ہاتھ رکھا میرے دونوں کاندھوں کے درمیان جسے نہ کیف سے تعبیر کر سکتے ہیں نہ حد سے۔

یعنے اللہ تعالےٰ نے میرے دونوں کاندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا، اس سے ہاتھ مراد نہیں بلکہ اس کی قدرتِ کاملہ مراد ہے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ ہاتھوں سے پاک اور منزہ ہے۔

فوجدت بردها فاورثنی علم الاولین و الآخرین و علمنی علوما شتی فعلم اخذ — میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اس کی برکت سے مجھے اولین وآخرین کے علوم کا وارث بنایا اور مختلف علوم سکھائے

علی کتمانہ اذعلم انہ لا یقدر علی حملہ غیری وعلم خیرنی فیہ وعلم امرنی بتبلیغہ الی العام والخاص من امتی[1]

(۱) وہ علم جس پر مجھے مخفی رکھنے کا وعدہ لیا جب کہ اسے معلوم ہے کہ میرے سوا کوئی اس کا حامل نہیں ہو سکتا۔
(۲) وہ جس کی مجھے اجازت بخشی کہ میں چاہوں تو بتاؤں یا نہ بتاؤں۔
(۳) امت کے ہر عام و خاص تک پہنچانے کا امر فرمایا۔

حدیث مذکورہ میں عام و خاص جن و انسان مُراد ہیں۔ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ علوم شتی سے یہی تینوں علوم مُراد ہیں جیسا کہ فار سے بھی واضح ہوتا ہے۔

(ردِّ وہابیہ و دیوبندیہ) اوّلاً دیوبندی وہابی اس تقسیم مذکور کے قائل نہیں اگرچہ یہی روایت متعدد محدثین ومفسرین نے سند کے ساتھ بیان کی ہے اور اصول حدیث کے مطابق یہ روایت معناً صحیح تر ہے[2] اگر دیوبندی فرقہ کچھ قائل ہوتے ہیں تو صرف اتنا کہ اس سے صرف علوم شرعیہ مراد ہیں اور ان کے نزدیک اولین و آخرین سے یہی علوم شرعیہ مراد ہیں۔ صاحب روح البیان ان ہر دونوں فرقوں کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؛

وھی زائد علی علوم الاولین والاٰخرین[3] — وہ علوم اولین و آخرین کے علاوہ دیگر کوئی اور علوم ہیں۔

[یعنے علوم اولین و آخرین اور ہیں اور حدیث شریف میں جو تین علوم مذکور ہیں ان سے کوئی دیگر علوم مراد ہیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل خود صاحب روح البیان نے بیان فرمائی کہ]

فالعلم الاول من باب الحقیقۃ الصرفۃ و الثانی من باب المعرفۃ والثالث من باب الشریعۃ

پہلا علم باب حقیقت خالصہ سے ہے دوسرا معرفت۔ تیسرا شریعت۔

(پ 103/16)

شبِ معراج بعض قرآنی آیات کا نزول اسی مقام دنی فتدلی پر قرآنی آیات وسور وحی کے طور پر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں وہ آیات وسور یہ ہیں :

(۱) خواتیم سورۃ البقرۃ
(۲) سورہ والضحیٰ کے بعض آیات

---

[1] :- روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۲ -
[2] :- تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے ۱۲ -
[3] :- روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۲ -

(۳) سورۂ الم نشرح کے بعض آیات

(۴) آیت، و ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ لیخرجکم من الظلمات الی النور۔

کلام واسطہ کے بغیر یہ وحی بلا واسطہ ملائکہ تھی اور بلا واسطہ کلام خطاب کا مقتضی ہے اس معنے پر اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بلا واسطہ کلام فرمایا جیسے موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر بلا کیف اور از ہر طرف کلام سنی ایسے ہی حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بلا کیف اور از ہر جانب کلام سنا :

کلام سرمدی بے نقل بشنید

خداوند جہان را بے جہت دید

بدید آنچہ ز حد دیدن برون بود

مپرس اما ز کیفیت کہ چون بود

(ترجمہ : سرمدی کلام کو بلا نقل سنا۔ اللہ تعالےٰ کو جہت کے بغیر دیکھا۔ اسے دیکھا جو دیکھنے کی حد سے باہر ہے مجھ سے وہ کیفیت مت پوچھ کہ وہ کیسی تھی ۔)

حضور علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کو سر کی آنکھوں مبارکہ سے دیکھا امام نووی نے لکھا کہ

الراجح عند اکثر العلماء انہ رای ربہ یعنی راسہ[1]	اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب تعالےٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ۔

(صاحب روح البیان اپنی تحقیق لکھتے ہیں کہ)

یقول الفقیر یعنی بسرہ وروحہ فی صورتہ الجسم بان کل جزء منہ سمعا واتحد البصر والبصیرۃ فھی رویۃ بھما معاً من غیر تکییف فافھم فانہ جملۃ ماینفصل	فقیر (اسماعیل حقی) کے نزدیک اس سر وروح سے دیکھا جو حضور علیہ السلام کے جسم اقدس میں ہے اس لئے کہ آپ کے جسم کا ہر جز سمع تھا آپ کی بصر وبصیرت ایک تھی اسی لئے بلا کیف آپ نے ہر دونوں (بصر وبصیرت) سے دیکھا۔

سوال : باب الرویۃ یعنے دیدار الہٰی کے متعلق حضور علیہ السلام اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مابین کیا فرق ہے جب کہ

---

[1] روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۲

[2]: روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۲

تم نے پہلے لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنے سے انسلاخ کلی یعنے فنار کے بعد اللہ تعالے کا مشاہدہ فرمایا اسی طرح دیگر انبیار علیہم السلام بھی انسلاخ کلی سے مشاہدہ کرتے ہیں پھر فرق کیا رہا حالانکہ حضور سید الانبیار علیہم السلام کا شان بلند و بالا ہونا لازمی ہے بالخصوص شب معراج کے بارے میں۔

جواب : انسلاخ یعنے فنا کلی میں دیدار صرف بصیرت سے ہوتا ہے اور ہماری مراد حضور علیہ السلام کے لئے انسلاخ کلی سے یہ ہے کہ آپ نے دیدار صرف بصیرت سے نہیں بلکہ انسلاخ کلی سے جس طرح بصیرت سے دیدار کیا ایسے ہی سر مبارک کی آنکھوں سے بھی اور یہی امتیاز ہے ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیار علیہم السلام کے مابین

مسئلہ جنت میں دیدار الٰہی ملائکہ کو ہوگا یا نہ، بعض علمار ملائکہ کے لئے دیدار الٰہی کے قائل ہیں اور بعض منکر ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صرف جبریل علیہ السلام کو نصیب ہوگا وہ بھی صرف ایک بار۔

ف : جن لوگوں نے ملائکہ کے دیدار الٰہی کا انکار کیا ہے انھوں نے ملائکہ کو جنّات پر قیاس کیا ہے اس لئے کہ جنات کے لئے دیدار الٰہی کی نفی میں حدیث وارد ہوئی ہے۔

ف : فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اختلاف مذکورہ کی وجہ یہ ہے کہ ملائکہ اور جنات کو صرف ایک جلوہ نصیب ہوگا یعنے جمال کا جلوہ اور انسان دونوں تجلیوں یعنے جلال وجمال کا جامع ہے ان ہر دونوں کو کمال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ ملائکہ وجنات انسان کے مرتبہ کمال کو نہ پہنچنے کی وجہ سے بہشت میں اسی مرتبہ کی حیثیت سے دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے ورنہ انھیں اپنے مرتبہ کے مطابق مشاہدہ حق ضرور نصیب ہوگا۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لو)۔

ف : جو لوگ ملائکہ وجنات کے لئے بالکلیہ مشاہدۂ حق کے منکر ہیں وہ غلطی پر ہیں اہل حق سے کسی نے ان کے اس قول کا اعتبار نہیں کیا۔

مسئلہ : تمام علمار کرام متفق ہیں کہ خواب میں دیدارِ الٰہی نہ صرف جائز بلکہ واقعتاً ہوگا اور بہت سے خوش بختوں کو خواب میں دیدارِ الٰہی نصیب ہوا اس لئے کہ خواب میں ذات نہیں دیکھی جاتی بلکہ وہ صفۃ من صفاتہ تعالٰی ہوتی ہے۔

حکایت : حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالے کو خواب میں دیکھ کر عرض کی کہ اے اللہ تعالے تیرے تک پہنچنے کا کونسا راستہ ہے اللہ تعالے نے فرمایا کہ نفس کو گم کرکے میرے ہاں آجایئے یعنے فنار کے بعد بقا حاصل ہوتی ہے۔

حکایت : حضرت حمزہ قاری رحمہ اللہ تعالے نے خواب میں اللہ تعالے کو تمام قرآن مجید خواب میں سنایا جب آیت " وھو القاھر فوق عبادہ " پر پہنچے تو اللہ تعالے نے فرمایا کہ اے حمزہ اب چونکہ تم مجھے دیکھ کر پڑھ رہے ہو اس لئے ھو القاھر کے بجائے انت القاھر کہو۔

حکایت : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ میں نے اپنے شیخ و مرشد قدس سرہ سے فرماتے سنا کہ میرے شیخ (جن کا اسم گرامی عبداللہ

ذاکر زادہ قدس سرہ ہے) نے چاہا کہ مجھے اپنا خلیفہ بنائیں لیکن میں نے از راہِ ادب انکار کر دیا۔ اسی رات اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید دے کر فرمایا کہ یہ قرآن مجید لے کر میرے بندوں کو دعوت حق دو۔

ف: یہ اسی خواب کی صداقت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیر و مرشد کو احیاء علوم کی توفیق بخشی اور سر چہار سلاسل میں آپ کو اجازت حاصل تھی یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام میں ان کے اپنے دور میں ایک سو پچاس خلفاء تھے اور بفضلہ تعالیٰ تمام صاحبان مفسرین قرآن تھے اور بحمدہٖ تعالیٰ یہ مرتبہ صرف ہمارے شیخ کامل کو نصیب ہوا ان کے ہمعصر مشائخ اس مرتبہ کو نہ پہنچ سکے۔

پچاس نمازیں

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اللہ تعالیٰ نے دن رات کی پچاس نماز فرض فرمائیں۔ بعض کا قول ہے کہ ہر نماز کا ایک ایک دوگانہ فرض تھا ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص منت مانے کہ للہ علی صلوٰۃ یعنے میں منت مانتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھوں گا تو اس پر دوگانہ پڑھنا ضروری ہے لیکن یہ اس قول کے خلاف ہے۔ منقول ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم شب و روز پچاس رکعت پڑھتے تھے، آپ کی یہی نماز معراج کی پچاس نماز کے حکم کے مطابق ہے اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج پچاس رکعات کا حکم ہوا تھا جس کی ایک رکعت کو متصل نماز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی قول زیادہ معتبر معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم شب و روز فرائض و نوافل نمازیں پچاس رکعتوں پر مشتمل تھیں۔

ف: بعض لوگوں نے ان اوقات کی بھی تصریح کی ہے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز دوگانہ ہو اس لئے ایک وقت میں صرف ایک رکعت تو نہیں پڑھی جاتی بلکہ دوگانہ پڑھا جاتا ہے اس کی تائید اس قاعدہ سے بھی ہوتی ہے کہ ابتدائے اسلام میں صرف دو[۲] دو رکعت فرض تھی بعد میں حکم ہوا کہ حضر میں چار رکعتیں پڑھی جائیں اور سفر میں دو۔

پچاس نمازوں سے پانچ رہ گئیں

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے رب تعالیٰ سے پچاس نمازوں کا تحفہ لے کر واپس لوٹا اولاً ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انھوں نے تو کچھ نہ فرمایا لیکن جونہی چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کی امت پر کل کتنی نمازیں فرض ہوئی ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ پچاس۔ موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کریں اس لئے کہ آپ کی امت اتنی نمازیں برداشت نہیں کر سکے گی۔ بخدا میں اپنی امت کو آزما چکا ہوں اور مجھے بنی اسرائیل سے بہت بڑا تجربہ حاصل ہوا ہے یعنے میں نے ان سے بہت بڑی تکلیفیں دیکھی ہیں یہ لوگ طاعت الٰہی کے بارے میں بہت بڑی غفلت کرتے ہیں۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے اپنے رب تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوا یعنے اسی مقام پر پہنچا جہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کی یعنے سدرۃ المنتہیٰ کے اوپر پہنچ کر میں نے بارگاہِ حق میں سجدہ کیا اور عرض کی

اے الہ العالمین میری امت کی نمازوں میں تخفیف فرمائیے۔ اللہ تعالےٰ نے پانچ نمازیں معاف فرما دیں۔ واپسی پر موسیٰ علیہ السلام سے پھر ملاقات ہوئی، انھیں پانچ نمازوں کی تخفیف کی خبر دی تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کی امت ان کی بھی حامل نہیں پھر میں واپس لوٹا اسی طرح پانچ پانچ نمازیں معاف ہوتی رہیں اور مجھے موسےٰ علیہ السلام وہی مشورہ دیتے رہے یہاں تک کہ باقی پانچ رہ گئیں۔ موسےٰ علیہ السلام نے فرمایا، پھر جائیے اور اللہ تعالےٰ سے تخفیف کا سوال کیجئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اب مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے سے حیا آتی ہے اب جو کچھ عطا ہوا ہے اس پر میں راضی ہوں اور اسی پر میرا سر تسلیم خم ہے۔

پانچ نمازوں پر پچاس کا ثواب

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں موسےٰ علیہ السلام سے الوداع ہو کر نیچے والے آسمانوں کی طرف روانہ ہوا تو ندا آئی کہ امضیت فریضتی یعنے اللہ تعالےٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے میرے پیارے محمد صلے اللہ علیہ وسلم آپ کی امت پانچ نمازیں پڑھے گی تو میں انھیں پچاس نمازوں کا ثواب عطا فرماؤں گا۔

کما قال:

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها — جو ایک نیکی کرے گا اسے ایک کے بدلے میں دس نیکیاں عطا ہوں گی۔

نکتہ: ان پانچ نمازوں پر ثواب پچاس کا ملے گا بشرطیکہ وہ حضور قلب سے ادا کی جائیں۔

مسئلہ جو شخص نیکی کا صرف ارادہ کرے تو اس کے اعمال نامے میں ایک ثواب لکھا جائے گا پھر جب اسے عمل میں لاتا ہے تو اسے ایک کی بجائے دس کا ثواب عطا ہوتا ہے اگر برائی کا ارادہ کرے تو کچھ نہیں لکھا جاتا۔ ہاں! جب اس پر عمل کرتا ہے تو اس کے اعمال نامے میں ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

لطیفہ جیسے پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں ایسے ہی جنابت کا غسل سات بار اور کپڑے کو پیشاب کی نجاست سے پاک کرنا سات بار دھونا، رحمۃ العالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالےٰ سے تخفیف کا سوال کرتے کرتے پچاس نمازوں سے پانچ نمازیں اور سات بار کے غسل سے ایک بار اور سات بار نجاست کو دھونا ایک بار کی اجازت منظور کرائی۔ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا احسان

حدیث شریف (۱) حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

موسےٰ علیہ السلام کو بہت دعائیں دو کہ انبیاء علیہم السلام میں سے انہی کو میں نے اپنی امت کے لئے محتاط پایا۔

حدیث شریف (۲): حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شبِ معراج موسیٰ علیہ السلام سے جب میں گزرا تو میرے لئے سب انبیاء علیہم السلام سے سختی سے پیش آئے لیکن جب واپس لوٹا تو سب سے بہت زیادہ خیرخواہ تھے۔ اے میرے اُمتیو! موسیٰ علیہ السلام تمہارے لئے بہترین سفارشی ہیں۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کی سختی سے وہ واقعہ مُراد ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم شبِ معراج موسیٰ علیہ السلام سے گزرے تو وہ رو پڑے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! کیوں روتے ہو؟ عرض کی:

رب هذا غلام بعثتہ بعدی یدخل الجنۃ — یہ نوجوان میرے بعد تشریف لائے لیکن ان کی امت بہ نسبت

من امتہ اکثر ممن یدخل من امتی — میری امت کے بہشت میں بہت زیادہ داخل ہوگی۔

ف: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اُو صغر سنی کے غلام کہا ہے اس لئے کہ اس وقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نوجوان تھے! اس کے متعلق سوال وجواب ہم نے گذشتہ اوراق میں تفصیل سے لکھے ہیں۔

سوال: پچاس سے پانچ نمازوں کا نسخ قبل از بلاغ واقع ہوا ہے اور قاعدہ ہے کہ حکم قبل از بلاغ منسوخ نہیں ہوسکتا اس قاعدہ پر معتزلہ کے ساتھ اہلِ سنت کا بھی اتفاق ہے۔

جواب: چونکہ یہ حکم حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوا تھا اور بلاغ کے لئے اتنا کافی ہے اگرچہ امت تک بلاغ نہیں ہوا لیکن اُمت کے سربراہ تک پہنچا ہے اور بلاغ کے لئے اتنا کافی ہے اس لئے کہ اگرچہ آپ حقیقتاً کسی فعل کے مکلف نہیں لیکن مکلفانہ احکام آپ کے لئے صادر ہوتے تھے اسی لئے آپ کے لئے احکام کی منسوخی گویا تمام امت کے لئے ہے اسی طرح ہر نبی علیہ السلام کی امت کے لئے یہی قانون تھا۔ ہاں، اگر خصوصیت کی تصریح ہو تو وہ حکم مستثنیٰ ہوگا۔

جمعہ کی فضیلت کی بہترین حدیث

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج عرش کے نیچے ستر شہر دیکھے ہر شہر تمہاری تمام دنیا سے ستر گنا بڑا تھا اور وہ تمام ملائکہ کرام سے پُر تھے جو ہر ایک تسبیح وتقدیس میں ہے اور اپنی تسبیح میں عرض کرتے ہیں:

اللهم اغفر لمن شهد الجمعۃ — اے اللہ تعالیٰ! انہیں بخش دے جو جمعہ پر حاضر ہوتے ہیں۔

اللهم اغفر لمن اغتسل یوم الجمعۃ — اے اللہ! اسے بخش دے جو نماز جمعہ کا غسل کرتے ہیں۔

کسی کو قرض دینے کی فضیلت

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شبِ معراج جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ پر دس گنا اور قرض اٹھارہ گنا زیادہ ثواب ہے میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ قرض کا صدقہ سے زیادہ ثواب ہے انہوں نے فرمایا کہ سائل سوال کرتا ہے تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ مال ہوتا ہے اور قرض لینے والا خالی ہاتھ ہوکر اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے قرض اٹھاتا ہے! اسی لئے اس کا صدقہ سے ثواب زیادہ ہے۔

نکتہ: اس کی ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ قرض کے طور پر ایک دام دینا صدقہ کے دو دام کے برابر ہوگا اور ایک دام کا

ثواب دس گنا اس معنے پر قرض دینے کا ثواب بیس گنا ہو گیا اور قرض والے کو دو دام کا ثواب لوٹا اس اعتبار سے اسے اٹھارہ نیکیاں باقی رہ گئیں۔

رضوان جنت حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت کے رضوان کو دیکھا کہ وہ مجھے دیکھ کر بہت مسرور ہوا بلکہ مرحبا کہتے ہوئے مجھے بہشت میں لے گیا اور بہشت کے وہ عجائبات دکھائے جن کا اللہ تعالےٰ نے اپنے اولیا کے لئے وعدہ فرمایا ہے وہ ایسی نعمتیں تھیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ اس میں میں نے اپنے ساتھیوں کے درجات بھی دیکھے اور اس کی نہریں اور چشمے بھی۔ بہشت سے مجھے ایک خوش آواز سنائی دی جو کہنے والا کہہ رہا تھا: امنا برب العلمین۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ فرعون کے جادوگر ہیں جو بعد میں موسےٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور ساتھ ہی ان کی ازواج ہیں۔ اس کے بعد مجھے ایک اور آواز سنائی دی جو کہنے والا کہہ رہا ہے: لبیک اللھم۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا کہ یہ حج پڑھنے والوں کی آواز ہے۔ پھر میں نے تکبیر کی آواز سنی میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ غازی ہیں۔ پھر میں نے تسبیح کی آواز سنی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں اس کے بعد میں نے نیک لوگوں کے محلات کا معائنہ کیا۔

دوزخ کا داروغہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میرے سامنے پیش کی گئی اگرچہ وہ اس وقت ساتوں زمینوں کے نیچے ہے لیکن صورت مثالی میں میرے سامنے پیش ہوئی میں نے اس کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ:

و ان جھنم لموعدھم اجمعین   کافروں کی قیام گاہ جہنم ہے۔

میں نے دوزخ میں ایسا فرشتہ دیکھا کہ مجھے دیکھ کر نہ ہنسا۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کون ہے؟ کہا کہ دوزخ کا داروغہ ہے اسے جب سے اللہ تعالےٰ نے پیدا فرمایا ہے کبھی نہیں ہنسا اگر ہنستا تو آپ کو دیکھ کر ہنستا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ اے خازن النار یہ ہیں محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم انہیں سلام عرض کیجئے۔ اس نے مجھے السلام علیکم کہہ کر مبارکباد پیش کی کہ آپ اللہ تعالےٰ کے بہت بڑے برگزیدہ اور معزز ترین رسول ہیں۔

نکتہ: خازن نار سے السلام علیکم اس لئے کہوایا گیا تاکہ آپ سے دوزخ کے دہشت ناک منظر دور رہوں نیز اس طرف بھی اشارہ تھا کہ آپ پر ایمان لانے والے نیک بخت لوگ دوزخ سے نجات پائیں گے۔

دوزخ کا منظر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے دوزخ کے مالک سے کہا کہ دوزخ کے مناظر دکھایئے چنانچہ میرے کہنے پر دوزخ کے اندرونی حصے کو مکمل طور پر کھولا گیا تو اس سے اللہ تعالیٰ کے غضب و قہر کی جھلک دکھائی دی اگر دوزخ میں دنیا بھر کے پتھر اور لوہے ڈالے جائیں تو وہ ایک سیکنڈ میں ان سب کو راکھ بنا دے۔

غیبت کرنے والے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایک قوم کو دیکھا جو بد بو دار مردار کھا رہی ہے۔ پوچھنے پر جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ غیبت کرنے والے لوگ ہیں جو لوگوں کی عزت وآبرو پر حملہ کرتے تھے۔

جھوٹی قسمیں کھانے والے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم میں ایک ایسی قوم کو دیکھا جن کی زبانیں گدّی سے نکالی جا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ جواب ملا یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔

پردہ نہ کرنے والی عورتیں حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایسی عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے بالوں سے جہنم میں لٹکائی گئی ہیں میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو غیر محرم سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔

بین کرنے والی عورتیں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے دوزخ میں ایسی عورتیں دیکھیں جنھیں سیاہ اور گرم تیل کا لباس پہنایا جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا، یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ یہ وہ عورتیں ہیں جو میت پر میّت کے مبالغہ کے طور پر محاسن ومناقب بیان کر کے بین کرتی ہیں۔

مسئلہ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ دوزخ اور جنت اب بھی موجود ہیں اور یہ عقل کے بھی عین مطابق ہے کہ انسان جب سنے گا کہ اسے نیکی پر ثواب اور برائی پر سزا ملے گی تو نیک اعمال کے لئے جد وجہد اور برائی سے اجتناب کرے گا۔

اعجوبہ: منقول ہے کہ بہشت ایک صاف میدان ہے اس کے مکانات بندوں کے اعمال سے تیار ہوتے ہیں جیسا کہ اس پر حدیث الفراس دلالت کرتی ہے یعنی اعمال سے باغات تیار ہوتے ہیں وہ حدیث ہم نے مختصراً پہلے لکھ دی ہے۔

فائدہ عجیبہ اور اجمال برائے معراج حضور نبی کریم رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک براق پر تشریف لے گئے اور بیت المقدس سے آسمان دنیا تک سیڑھی پر۔ آسمان دنیا سے ساتویں آسمان تک ملائکہ کرام کے پروں پر ساتوں آسمان سے سدرۃ المنتہٰی تک جبریل علیہ السلام کے پروں پر سدرۃ المنتہٰی سے عرش معلّٰی تک رفرف پر اور ظاہری روایات کے مطابق نزول (واپسی) بھی اسی ترتیب سے ہوئی۔

ف: بعض اکابر مشائخ فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہٰی تک براق پہ تشریف لے گئے۔

شیطانوں کی انسان دشمنی حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جونہی واپس تشریف لائے تو آسمان دنیا سے نیچے دیکھا تو شور وغل، دھواں اور سخت آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ آپ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کیا ہے انھوں نے عرض کی کہ یہ شیاطین کی شرارت ہے صرف اس غرض پر کہ انسان (آپ) ملکوت السموات کو نہ دیکھ سکیں اور نہ ہی ان کی علامات دیکھ کر عبرت حاصل کریں اگر ان کی مذکورہ بالا شرارت نہ ہوتی تو انسان آسمانوں کے عجائبات کو دیکھ لیتے۔

آنکھ جھپکنے سے پہلے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا دُور دراز سفر صرف ایک لمحہ میں طے فرمایا چنانچہ آسمانوں سے پہلے آپ بیت المقدس میں تشریف لائے وہاں سے بھر مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ اپنے دولت کدہ پر تشریف لائے جو کہ وہ بھی حرم شریف کے اندر کعبہ معظمہ کے حجر اسود کے قریب تھا یا پھر بی بی اُمِ ہانی کے گھر جیسا کہ ابھی ہم نے قصہ کی تفصیل میں عرض کی! اور یہ واپسی بھی براق کے ذریعہ ہوئی۔

ازالۂ وہم حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا اتنا طویل سفر طے کرنا جلد تر تشریف لانا ممکن ہے بایں معنی کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں وہ قادر کریم اپنے محبوب رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس سے کم لحظہ میں لے جاکر واپس پہنچائے تو ممکن ہے۔

حکایت: حضرت ابو مدین قدس سرہٗ کے خلفاء سے ایک شیخ موسیٰ سدرانی قدس سرہٗ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ ایک دن اور رات میں ستّر ہزار قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

صاحب روح البیان کی دلیل بقول شیخ خویش فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ کامل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رات اور دن کے کل چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ بارہ گھنٹوں میں بینتیس ہزار قرآن مجید ختم ہو سکتے ہیں وہ اس طرح کہ ہر بارہ گھنٹے تینتالیس سال نو ماہ ہوں یا اس سے بھی زیادہ بر تقدیر اول ہر دن اور رات ساڑھے ستاسی سال ہوئے اس تقدیر پر مذکورہ وجہ صحیح ہوئی کہ آپ کا دن اور رات میں ایک ایک قرآن مجید ختم ہوا۔ نیز اس سے کم مدت کی بات ہو تو بھی روا ہے کہ قاری کو اللہ تعالےٰ ایسی قدرت بخشے کہ صرف ایک آن میں متعدد قرآن مجید ختم کرلے۔ اس تقریر پر شیخ مذکور کا قول مبنی بر صدق ہے اور مجھے کشف سے معلوم ہوا تو میں نے شیخ مذکورہ کی تصدیق فرمائی (ویسے یہ ایک راز ہے جسے صرف راز شناس قبول کریں گے عوام نہیں مانیں گے۔ (بلکہ میں کہتا ہوں وہابی غیر مقلد، کمیونسٹ اور نیچری وغیرہ تو مذاق اڑائیں گے۔ ہاں! دیوبندی فرقہ ممکن ہے کہہ دے :

ع

نہ انکار می کنم نہ این کار می کنم [1]

معراجِ جسمانی اور ایک لمحہ کے متعلق عقلی دلیل علم ہندسہ کا مسلّم قاعدہ ہے کہ سورج کے قرص کی دونوں طرفوں کے مابین کی عظمت و وسعت روئے زمین کے کرّہ سے ایک سو ساٹھ سے کچھ اوپر زائد ہے۔ سورج کی ایک طرف سے دوسری طرف تک ثانیہ سے کم وقت میں پہنچ جاتی ہے۔ ثانیہ دقیقہ کے ساٹھوں اجزاء کو کہتے ہیں اور دقیقہ درجہ کے ساٹھوں اجزاء کے ایک جز کا نام ہے اور درجہ ساعۃ کی پندرہ اجزاء سے ایک جز کو کہا جاتا

---

[1] :- اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

ہے جب یہ سرعت ایک جماد کے لئے ممکن ہے تو افضل الکائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کیونکر ممکن نہ ہو حالانکہ سب کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالے جملہ ممکنات پر قدر رکھتا ہے اس معنے پر اللہ تعالے نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر میں یا اس سواری میں جو آپ کو عرش تک لے گئی قدرت پیدا فرمادی ۔

پانی جاری تھا حضرت شیخ الشہیر بآفتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب معراج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر آپ کے لوٹے سے پانی ویسے ہی بہہ رہا تھا جیسے آپ اسے چھوڑ گئے تھے۔ معراج کے اس واقعہ کا انکار مؤمن تو نہیں کر سکتا البتہ جو عقل کی قید میں گرفتار ہے اس کو مشکل نظر آئے گا لیکن محققین کے نزدیک کوئی مشکل نہیں اور نہ ہی انھوں نے انکار کیا اس لئے کہ شئے لطیف آن واحد میں جمیع عوالم میں سیر کر لیتی ہے مثلاً انسان میں قلب لطیفہ ہے وہ آن واحد میں مشرق و مغرب بلکہ جمیع عوالم میں دورہ کرتا ہے اور یہ بدیہی امر ہے ۔ ادنےٰ تمیز رکھنے والا بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا بلکہ بے عقل اور چھوٹے بچے تک اس کا اقرار رکھتے ہیں ! اور حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم تو لطیف ترین ہیں ان کے لئے انکار کیوں : ؎

رہ ز اندازہ برون رفتہ
پے نتواں بردکہ بچون رفتہ
عقل درین واقعہ حاشا کند
عقل نہ حاشا کہ تمنا کند

ترجمہ : آپ اندازے سے باہر نکل گئے ہم اس کے درپے نہیں کہ آپ کیسے تشریف لے گئے ۔ اس واقعہ میں عقل یا کی بیان کرتی ہے عقل کی کیا مجال کہ وہ اس قسم کی آرزو کرے ۔

سب سے پہلے معراج کا انکار ابوجہل کی پارٹی نے کیا مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب معراج سے واپس لوٹے تو امّ ہانی سے واقعہ بیان کیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں اپنا واقعہ معراج اہلِ مکّہ (کفار) کو سناؤں ۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی کہ میں آپ کو اپنے خدا کی قسم دیتی ہوں یہ واقعہ کفار کو نہ سنائیے اس لئے کہ وہ آپ کی بات کو نہیں مانیں گے بلکہ الٹا مذاق کریں گے اور نہ صرف وہی بلکہ آپ کی نبوت کے مصدقین بھی بگڑ جائیں گے ۔ جب صبح ہوئی تو بی بی صاحبہ آپ کی چادر مضبوطی سے پکڑ کر بیٹھ گئیں اور عرض کی کہ میں آپ کو باہر نہیں جانے دیتی لیکن آپ چادر کو جھٹکا دے کر بی بی صاحبہ سے چادر کا حصہ چھڑا کر وہاں پہنچ گئے جہاں کفّار مکّہ کا مجمع تھا ۔ ان میں مطعم بن عدی ، ابوجہل بن ہشام اور ولید بن مغیرہ تھا ۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عشاء کی نماز یہاں مسجد حرام میں ادا کی اور مسجد اقصٰی و دیگر مقامات کی سیر کر کے پھر صبح کی نماز یہاں مسجد حرام میں پڑھی یعنے عشاء کے وقت یہاں تھا پھر درمیانی حصہ میں سیر کر کے پھر صبح کو یہیں پہنچ گیا یہ توجیہہ ہم نے اس لئے کی ہے کہ اس وقت نہ عشاء کی نماز

فرض ہوئی تھی اور نہ صبح کی۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام واقعات وعجائبات کفارِ مکہ کو سنائے جو آپ نے شبِ معراج مشاہدہ فرمائے مثلاً انبیاء علیہم السلام کی ملاقات اور بیت المعمور اور سدرۃ المنتہٰی پہ پہنچنا وغیرہ وغیرہ۔

عاشقانِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ سنتے ہی بلا تردّد مان لیا مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں شبِ معراج واپس تشریف لائے تو دل میں محسوس فرمایا کہ اگر میں یہ واقعہ لوگوں کو سناؤں گا تو لوگ انکار کریں گے لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت کا اظہار بھی ضروری تھا اور یہ بھی ظاہر کرنا لازمی تھا کہ میں نے حق تعالیٰ کی اتباع کی ہے تو کتنا بلند مرتبہ نصیب ہوا۔ اس وجہ سے آپ غمگین بیٹھے تھے کہ وہاں سے اللہ کے دشمن ابوجہل کا گذر ہوا اور حضور علیہ السلام کو غمگین دیکھ کر آپ کے قریب بیٹھ گیا اور از راہِ مزاح آپ سے پوچھا کہ اے بھتیجے کیا معاملہ ہے؟ آپ نے فرمایا! آج رات مجھے معراج کرایا گیا۔ ابوجہل نے پوچھا کہاں تک؟ آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس تک۔ ابوجہل نے کہا، کیا رات کو جا کر پھر صبح کو واپس بھی آگئے؟ آپ نے فرمایا؛ ہاں! ایسے ہی ہے۔ ابوجہل نے کہا کیا میں تیرے ماننے والوں کو یہی بات بتا دوں آپ نے فرمایا؛ ہاں، ضرور سنایئے۔ ابوجہل نے بہ بانگ دہل پکارا؛ اے کعب بن لوٴی والو! ابوجہل کی آواز سن کر بہت بڑا مجمع جمع ہوگیا ابوجہل نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ انھیں وہی سنایئے جو مجھے آپ نے بتایا ہے۔ آپ نے فرمایا، آج رات مجھے معراج ہوئی۔ لوگوں نے پوچھا، کہاں تک؟ آپ نے فرمایا کہ بیت المقدس تک اور وہاں پر میرے ہاں انبیاء علیہم السلام حاضر ہوئے اور میں نے انھیں دوگانہ پڑھایا اور ان سے گفتگو بھی ہوئی۔ ابوجہل نے بطور مذاق کہا کہ ان حضرات کی صفات بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام درمیانے قدوالے اور چوڑے سینے والے اور گھنگرالے بالوں تھے آپ کے بال اور چہرہ سرخی مائل تھے گویا ابھی غسل جانے سے نکلے ہیں۔

ف: دیماس بمعنے حمام۔ دیماس دراصل ایسے پوشیدہ مقام کو کہتے ہیں جہاں سے انسان ننگا ہو کر نکلے اور اس کا حقیقی معنٰی ظلمت ہے مثلاً کہا جاتا ہے: لَیْلٌ دَامِسٌ یعنے اندھیری رات۔ اور حمام عربی لفظ ہے۔ منقول ہے کہ سب سے پہلے حمام کی بنیاد جنات نے رکھی تا کہ سلیمان علیہ السلام پوشیدہ ہو کر غسل فرمائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حمام کا پہلا واضع بقراط حکیم ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلا واضع حمام کا وہ شخص ہے جس نے کسی دوسرے سے اس کا استفادہ کیا اس کی صورت یوں ہوئی کہ اسے ایک بیماری تھی وہ گرم پانی کے مٹکے میں نہایا تو اسے شفا نصیب ہوئی۔ اس سے بار بار نہانے سے اسے سکون ملا۔ اس طرح سے حمام کی عادت گئی جسے عوام نے استعمال کیا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس گھر سے بچو جسے حمام سے تعبیر کرتے ہیں اگر کوئی اس میں داخل بھی ہو تو اسے چاہیئے کہ کپڑا باندھ لے۔ یاد رہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم خود کبھی حمام میں داخل نہیں ہوئے اس لئے کہ ارضِ حجاز میں حمام کی رسم نہیں تھی بلکہ

یہ یمن اور شام میں ہوتا ہے ۔

حضرت موسٰے علیہ السلام

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار سے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ ضخیم اور گندمی رنگ والے تھے گندمی رنگ کے مخالف رنگ میں ید بیضا کا ظہور ہوا جس سے فرعونی گھبرائے اور اہل حق کے لئے معجزہ بن گیا وہ لمبے قد کے تھے گویا وہ شنوءۃ قبیلہ کے لوگوں سے ہیں ۔

شنوءۃ ایک قبیلے کا نام ہے جو یمن میں واقع ہے شنوءۃ کی طرف منسوب ہیں جس کا عبدالمطلب بن کعب نام تھا یہ ازد کی اولاد سے تھے اور اس قبیلہ کے لوگ طویل القامت تھے ۔حضرت موسٰے علیہ السلام کثیر بالوں والے اور نیچی آنکھوں والے اور ملے ہوئے دانتوں والے اور سکڑے ہوئے ہونٹوں والے تھے جن کے مسوڑھوں کے اوپر کا گوشت بھرا ہوا مکمل تھا ۔

کافروں کو معراج سے تعجب اور انکار کے عقلی دلائل

جب حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے کفار مکہ نے شب معراج کے واقعات سنے تو زور و شور سے چیخنے اور اسے مشکل ترین بات سمجھتے ہوئے ایک دوسرے کو سیٹی بجا کر ہنسی کرتے ہوئے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے اسی تعجب میں اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو گھور گھور کر دیکھ کر کہتے کہ ہم اپنے اونٹوں کو دوڑا بھگا کر بڑی مشکل سے ایک مہینے کے بعد بیت المقدس تک پہنچتے ہیں اسی طرح پھر واپسی کا حال ہے لیکن تعجب ہے کہ تم ایک رات میں گئے اور پھر آئے ۔ ہم آپ کی اس کہانی کو ایک افسانہ سمجھتے ہیں (معاذ اللہ) اور ہم کبھی ایسی بات ماننے کو تیار نہیں ۔ نہ صرف کفار نے تکذیب کی بلکہ بہت سے بدقسمت اسلام کا دم بھرنے والے مرتد ہوگئے ۔

عاشق صادق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

کفار مکہ نے جب دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات کہہ ڈالی ہے جو بالکل بعید از قیاس ہے جسے عقل لمحہ بھر بھی ماننے کے لئے تیار نہیں تو سمجھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ کہانی سنائی جائے اس لئے کہ وہ حضور علیہ السلام کی ہر بات کی تصدیق کرکے دوسروں کو دلائل سے منوائے پر مجبور کر دیتے اسی لئے کفار مکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں بھاگے اور معراج کا واقعہ متعجبانہ طور پر سنایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

ان کان قد قال ذالک فلقد صدق — اگر حضور علیہ السلام نے ایسے فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے ۔

کافروں نے کہا ۔

اتصدقہ علیٰ ذالک — کیا آپ ان کی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

انی اصدقہ علی ابعد من ذالک — میں تو ان کی اس سے بھی بڑھ کر تصدیق کرتا ہوں ۔

یعنے اگر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بیت المقدس تک آن واحد میں جاکر واپس آیا ہوں تو یہ کوئی بڑی بات نہیں

میں تو اس سے اور بعید از قیاس کی تصدیق کر چکا ہوں جو فرمایا کرتے ہیں کہ میرے ہاں آسمان کی خبریں صبح اور شام کو پہنچتی ہیں۔

ف: الغدوۃ بمعنے صلوٰۃ صبح اور طلوع شمس کا درمیانی وقت الروحۃ ھی اسم للوقت من الزوال الی اللیل یعنی روحۃ زوال سے رات تک کے لمحات کا نام ہے۔

اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ بیت المقدس تک لمحہ بھر میں بعید آنا جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے بڑی بات یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں ایک لمحہ میں آسمان سے زمین پر خبر پہنچتی ہے۔ اگرچہ ان کی یہ باتیں بھی بعید از قیاس ہیں لیکن ہم ان کی ان باتوں پر ہر وقت تصدیق کرتے ہیں اور یہی ہمارا ایمان ہے۔ پھر تم اسے کافرو! معمولی سی بات پر کیوں تعجب کرتے ہو تمہیں یقین کرنا چاہیئے کہ ہم ان کی تصدیق میں سر کی بازی لگانے کو تیار ہیں جب وہ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں فرشتہ ایک لمحہ میں آسمان سے زمین پہ خبر لایا ہے۔

حضرت ابوبکر کا نام "صدیق" اللہ تعالےٰ نے رکھا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کفار مکہ کو دندان شکن جواب دیئے جس سے وہ تو لاجواب ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا نام صدیق رکھا بمعنے کثیر الصدق یہ مبالغہ کا صیغہ ہے یعنے اللہ تعالےٰ نے ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا صدّیق اس لئے نام رکھا کہ انھوں نے ایک انوکھے اور عجیب واقعہ کو ایک ایسے لہجہ میں بیان فرمایا کہ جس سے کفار مکہ کو لاجواب ہونا پڑا در اصل صدق کامل وہی ہے کہ جس کی اکثر لوگ تکذیب کریں تو حقیقی سچا وہی ہے جو حق واضح کرنے کے لئے مخالف کو منہ توڑ جواب دے۔ (اور یہ شان صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو نصیب ہوئی)۔

شیعوں کا منہ کالا

حضرت علے المرتضےٰ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفعت شان کو دیکھ کر قسم کھاتے تو اپنی قسم میں اکثر یہ الفاظ کہتے:

بااللہ ان اللہ انزل اسم ابی بکر من السماء الصدیق[1]

مجھے اس خدا کی قسم جس نے ابوبکر کا نام صدیق آسمان سے اتارا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر کا اسم گرامی "صدیق" اللہ تعالےٰ کا منتخب کردہ ہے نہ مخلوق کا۔ [لیکن شیعوں نے کہا وہی تو ان کی شومئ قسمت کا موجب بنا۔]

بیت المقدس کو اٹھا کے سامنے لایا گیا

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کفار مکہ کو معراج شریف کے حالات سنائے تو ان میں سے بعض نے بیت المقدس کو دیکھا ہوا تھا تو وہ بولے کہ

---

[1]: روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۲۶

یامحمد صف لنا بیت المقدس کم لہ باب — اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتائیے کہ بیت المقدس کے دروازے کتنے ہیں۔

اس سے انہوں نے سمجھا کہ آپ بتا نہیں سکیں گے اس سے ان کی خفت ہوگی۔ اور انہیں یقین تھا کہ حضور علیہ السلام نے زندگی بھر بیت المقدس کو دیکھا اور نہ ہی کسی سے اس کے تفصیلی حالات سنے ہیں۔ اس لئے سوال کے جواب میں یوں ہوا کہ

فکربت کربا شدیدا لم اکرب مثلہ قط لانھم سألونی عن اشیاء لم اثبتھا وکنت دخلتہ لیلا وخرجت منہ لیلا فقمت فی الحجر فجلی للہ لی بیت المقدس — اس سے میں ایسا غمگین ہوا کہ زندگی بھر ایسا غم نہ دیکھا کیونکہ مجھ سے انہوں نے ایسا سوال کیا جو مجھے اس وقت خیال میں نہ تھا اور بیت المقدس میں رات کو داخل کیا اور رات کو آیا جب حجر اسود کے قریب کھڑا تو بیت المقدس کا نقشہ میرے سامنے کر دیا گیا۔

یعنے اللہ تعالےٰ نے بیت المقدس کو اصلی یا مثالی صورت میں میرے سامنے منکشف فرمایا جیسے جبریل علیہ السلام بیت المقدس کو اپنے پر اٹھا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے آئے یا اللہ تعالےٰ نے آپ سے بیت المقدس تک حجابات اٹھا دیئے جسے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بتایا۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو بیت المقدس اپنے مقام پر موجود رکھ کر اس کا نقشہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں منقش فرما دیا یا ایک آن کے لئے اللہ تعالےٰ نے بیت المقدس کا وجود اپنے اصلی مقام سے مٹا کر بیت اللہ میں ظاہر فرمایا پھر حضور علیہ السلام کے مشاہدہ کے بعد فوراً اسی مقام پر پہنچا دیا جیسے اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ کا تقاضا ہے کہ وہ شے کی جدید تخلیق میں دیر نہیں کرتا ایسے ہی یہاں پر۔

مسئلہ: اسی قاعدہ پر ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ بعض اولیاء اللہ کی زیارت کے لئے اپنے اصلی مقام سے چلا جاتا ہے[2]

مثنوی شریف میں ہے:

ے

ہر نفس نو می شود دنیا و ما

بے خبر از نو شدن اندر بقا

عمر ہمچوں جوئے نو نو می رسد!

مستمری می نماید در جسد

---

[1] اس حدیث کو لے کر وہابی دیوبندی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر حملہ کرتے ہیں۔ (اویسی)

[2] اس مسئلہ پر فقیر کی تحریر "القول الجلی فی ان الکعبۃ تذہب الی زیادۃ الولی" کا مطالعہ کیجئے (اویسی غفرلہ)

آن ز تیزی مستمر شکل آمده است
چوں شرر کش تیز جنبانی بدست
ایں درازی مدت از تیزی صنع
می نماید سرعت انگیزی صنع

ترجمہ: دنیا اور ہماری ہر آن نئے سانس پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کی بقا کی وجہ سے ان کے جدید ہونے کا علم نہیں ہوتا ہماری زندگی ایسی ہے جیسے نہر کا پانی جو ہر وقت چل رہا ہے لیکن ہر آن نیا ہے وہ ہمیشگی تیزی کی وجہ ہے جیسے بار بار کی جنبش سے پتہ نہیں چلتا۔ اور وہ کاریگر کی کاریگری ہے جس کاریگر نے اسے ایسا تیز چلایا ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہوتا۔

بیت المقدس کا مشاہدہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفار کے سوال پر میں بیت المقدس کو دیکھ کر جوابات دیتا رہا۔

سوال: مواہب لدنیہ شریف میں ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ کفارِ مکہ نے حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم سے آسمانوں کے متعلق سوالات کیوں نہ کئے صرف بیت المقدس پہ کیوں اکتفا کیا؟

جواب: چونکہ انھوں نے آسمانوں کو نہیں دیکھا تھا اس لئے ان سے کیا سوالات کرتے اور بیت المقدس چونکہ انھوں نے بارہا دیکھا تھا اور حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی انھیں یقین تھا کہ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) بیت المقدس کبھی نہیں گئے اسی لئے اس کے متعلق سوالات کئے۔

حضور علیہ السلام نے قافلوں کے حالات بھی بتا دیئے چونکہ معترض کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے خصم کو نیچا دکھائے اسی لئے اگر ایک بات سے لاجواب ہوتا ہے تو دوسرا اعتراض کھڑا کر دیتا ہے اسی طرح کفار مکہ نے جب دیکھا کہ آپ نے بیت المقدس کے پورے پورے حالات بتا دیئے تو کہا کہ آپ نے بیت المقدس کے حالات کسی سے سن کر یاد کر کے ہمیں بتا دیئے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ آپ وہاں گئے نہیں۔ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے وہاں جانے کی ایک اور ٹھوس دلیل یہ ہے۔:

انی مررت بعیر بنی فلان بوادی کذا میں فلاں وادی پر فلاں قافلے سے گزرا۔

یعنے میرا ادھر سے گزر ہوا یہ وادی مدینہ طیبہ کے قریب ہے جس کے سفر کے لئے مدینہ طیبہ سے دو راتیں صرف ہوتی ہیں۔ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قافلہ کی نشانی بتائی کہ قد اضلوا ناقۃ لھم یعنے میں بیت المقدس کی طرف جا رہا تھا تو تمہارے قافلے والوں کو دیکھا کہ وہ اپنی ایک اونٹنی کو گم کئے ہوئے تھے۔ اور انتھیت الی رحالھم واذ قدح ماء فشربت منہ

میں ان کے سامان کے قریب گیا اور وہاں پانی کا پیالہ بھرا ہوا رکھا تھا اسے میں نے پی لیا۔

اے کافرو! اگر میری بات پہ اعتبار نہیں آتا تو قافلے والوں سے پیالے کے بارے میں پوچھ لینا۔

سوال: پانی کا پیالہ غیر کا تھا اور غیر کا حق کسی عام آدمی کے لئے ناجائز ہے چہ جائیکہ نبی علیہ السلام کے لئے ایسی حرکت (معاذاللہ)

جواب: مسائل شرعیہ کا دارومدار عرف پر ہوتا ہے اور اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ دودھ کا پیالہ ہو تو بھی ہر ایک کو پی جانا مباح تھا بالخصوص مسافروں کے لئے اور جب دودھ جیسی قیمتی شے ان کے ہاں مباح تھی اور پانی بطریق اولیٰ جائز تھا۔ اور ہر مباح فعل ہر عام آدمی کے لئے جائز ہے تو نبی علیہ السلام کے لئے تو بطریق اولیٰ جائز ہو۔

ف: نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عمداً پیا ہوگا تاکہ منکرین کو نشانی دے سکیں۔

کفار کے قافلے کی آمد کی غیبی خبر

جب کفار کو یقین ہو گیا کہ نبی علیہ السلام نے بیت المقدس کو دیکھا۔ لیکن ضد اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج۔ ڈوبے کو تنکے کا سہارا، بالآخر ایک اور اعتراض مل گیا کہ اے نبی علیہ السلام اگر آپ واقعی ہمارے قافلے کو دیکھ کر چلے ہیں تو فاخبرنا عن عیرنا (ہمارے قافلے کی خبر دیجئے کہ وہ کہاں ہے)۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

مررت بها في التنعيم — میں ان کو تنعیم پر چھوڑ آیا ہوں۔

تنعیم ایک مقام ہے جو کہ مکہ کے قریب ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بیت المقدس سے واپس آرہا تھا تو میں نے تمہارے قافلے کو تنعیم کے مقام پہ دیکھا اور آپ نے انھیں قافلے کے اونٹوں کی گنتی اور ان کی چند علامات بھی بتائیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

انها تقدم مع طلوع الشمس يتقدمها جمل اورق[1] — وہ طلوع شمس کے وقت آجائے گا ان کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہے۔

ف: اورق وہ اونٹ جس کے بعض سفید اور بعض سیاہ بال ہوں۔

اور:

عليه غرارتان احدهما سوداء والاخرى برقاء — یعنی اس اونٹ پر دو بوریاں ہیں ایک سیاہ ہے اور دوسری دھاری دار یعنی اس کے بعض دھاگے سفید اور بعض سیاہ ہیں۔

---

[1] دیوبندی وہابی حضور علیہ السلام کے تنقیصی پہلو کو لے کر خوش ہوتے ہیں ذرا رفعت شان کے پہلو کو بھی دیکھ لیا کریں اس روایت میں واضح ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبل از وقت قافلے کی آمد کی خبر دے دی ۱۲۔

دشمن عیب کا متلاشی یہ سن کر کفار مکہ پہاڑوں پر چڑھ گئے کہ دیکھیں حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کہاں تک صحیح ہے چنانچہ جونہی سورج نکلا تو ایک کافر چیخا :

ھذہ و اللہ الشمس قد اشرقت — بخدا وہ دیکھو سورج نکل آیا ہے ۔

دوسرا کافر بے ساختہ ہو کر بولا :

ھذہ و اللہ العیر قد اقبلت یتقدمہا جمل اورق کما قال محمد علیہ الغرارتان ۔ — بخدا یہ ہے قافلہ جس کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ آرہا ہے اور اس پر دو بوریاں بھی ہیں ۔

یہ معجزہ دیکھ کر جو لوگ معراج کا واقعہ سن کر مرتد ہو گئے تھے وہ شرمسار ہو کر تجدید اسلام کرنے لگے اور منکرین نے نہ مانا بلکہ کہا کہ یہ تو جادو گر ہے ۔ (معاذ اللہ) ۔

معجزہ ردّ الشمس بعض روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالٰے نے سورج کو روک لیا تھا جب تک کہ قافلہ وہاں تک نہ پہنچا جہاں حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا یعنے سورج کو حرکت کرنے سے بالکل روک دیا گیا یا اس کی رفتار کم کر دی گئی یا اسے وہاں سے دوسرے علاقے میں پھیر دیا گیا ۔

سوال : سورج کو روکنا یا کسی اور جگہ پر منتقل کرنا ناممکن ہے اس لئے کہ علم الفلکیات کا قاعدہ ہے کہ سورج کو کسی مختلف علاقے میں بدلا جائے یا اسے روک جائے تو افلاک میں رد و بدل ہوگا اور ان میں اگر ذرہ برابر رد و بدل ہو تو نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا ؟

جواب : ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ ردِ شمس یا حبس شمس حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا اور وہ امور جو خرق عادت کے طور پر ہوا ہو اس میں قیاس آرائی گمراہی ہے ۔

ردّ الشمس کے دلائل (۱) داؤد و سلیمان و یوشع و موسےٰ علیہم السلام جیسے انبیاء کے لئے سورج روک دیا گیا ان کے واقعات تفاسیر میں موجود ہیں ۔

(۲) سورج ڈوب کر پھر نکل آیا یہ تو ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی خیبر کے موقعہ پر ہوا چنانچہ بی بی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور آپ کا سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بیدار کرنا بھی مناسب نہ سمجھا جب حضور علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے نماز پڑھی ہے ؟ انھوں نے عرض کی کہ نہیں ۔ حضور علیہ السلام نے دعا مانگی کہ

اللھم انہ کان فی طاعتک وطاعۃ رسولک فاردد علیہ الشمس — اے اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی طاعت میں تھا فلہٰذا سورج کو واپس لوٹائیے ۔

بی بی اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

فرأیتھا طلعت بعد ما غربت — میں نے سورج کو ڈوبنے کے بعد طلوع ہوتا ہوا دیکھا۔

سبق: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے اسے خوب یاد رکھنا چاہیئے۔

حکایت فضائل اہل بیت مروی ہے کہ بغداد میں ایک واعظ تقریر کر رہا تھا اور عصر کے بعد اہلِ بیت کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کر دیئے اچانک ایک ایسا بادل اٹھا جس نے سورج کو گھیر لیا لوگوں نے سمجھا کہ سورج ڈوب گیا اس لئے واعظ کی تقریر سے اٹھنے لگے اس سے واعظ کا دعظ پھیکا پڑنے لگا اس نے چاہا کہ یہ جانے والے واپس آئیں اور سننے والے مطمئن ہو جائیں چنانچہ اسی وقت وہ سورج سے مخاطب ہوا:

؎

لا تغربی یا شمس حتی ینتھی

مدحی لآل المصطفیٰ ولنجلہ

ان کان للمولی وقوفک فلیکن

ھذا الوقوف لولدہ و لنسلہ

ترجمہ: اے سورج! نہ ڈوب جب تک کہ میں اہلِ بیت کی تعریف پوری نہ کروں اگر تیرا ٹھہرنا اللہ کے حکم سے ہے تو ٹھہر جا۔ کیونکہ رسول اللہ کی آل کی مدح سرائی ہے۔

واعظ نے اشعار ختم کئے تو سورج بادل سے باہر آگیا، پھر تو واعظ کی پانچوں انگلیاں گھی میں والا معاملہ تھا کہ اسی وقت سامعین نے اس پر اپنے کپڑے اور عورتیں کے زیورات نچھاور کئے۔

[صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:]

وھو من الاتفاقات الغریبۃ — حسن اتفاق سے ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔

حکایت ایک نوجوان بدرالدین نامی پر کوئی شخص عاشق تھا۔ سوٗ اتفاق سے وہی نوجوان چودھویں شب کو فوت ہوا جب اس کے عاشق نے چودھویں شب کے چاند کو مکمل دیکھا اور وہ اس کے محبوب کے نام سے مشابہ تھا اس لئے محبت و عشق میں نہایت غمگین و حزیں ہو کر چودھویں شب کے چاند سے مخاطب ہو کر یہ اشعار پڑھے: ؎

شقیقک غیب فی لحدہ

و تطلع یا بدر من بعدہ

---

[1] : اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سورج بعد غروب لوٹ آیا بلکہ اہلِ بیت کے فضائل میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ بادل کے ہٹنے سے عوام پریشانی سے محفوظ ہو گئے اور یہ بھی ایک کمال ہے جو واعظ کے مرتبہ کے لئے اتنی کرامت کافی ہے ۱۲۔

فہلا نصفت وکان الخسوف

لباس الحداد علیٰ نقدہ

ترجمہ: تیری مثل تو قبر میں چھپا ہوا ہے اے چودھویں کے چاند تو کیوں طلوع ہو رہا ہے کیا تو اپنا نور چھپا نہیں لیتا اس لئے کہ کالا لباس سوگواروں کا ہوتا ہے۔

اس کے ان اشعار پڑھنے پر چاند فوراً بے نور ہو گیا۔

[صاحب روح البیان نے فرمایا:]

یہ اس کی سچی محبت کی دلیل ہے کہ اس کے جوش محبت نے چاند پر اثر ڈالا۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے فرمایا:

ان المحبۃ مقناطیس القلوب — محبت قلوب کے لئے مقناطیس ہے۔

حضرت کمال خجندی نے فرمایا: ؎

بچشم اہل نظر کم بود ز پروانہ
دلے کہ سوختۂ آتش محبت نیست

ترجمہ: اہل نظر کی نگاہ میں وہ شخص محبت میں پروانے سے کم ہے جس کا دل عشق سے سوختہ نہ ہو۔

اے اللہ ہمیں اہلِ محبت وعشق سے بنادے (آمین)

نمازوں کے اوقات

شب معراج کی صبح والے دن جب سورج کا زوال ہوا تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز کی امامت سکھائی تاکہ آپ کو نماز کے اوقات معلوم ہوں اور ظاہر ہو کہ نماز کی ہیئت اور ان کی تعداد یوں ہے۔ اس پر آپ نے صحابہ کرام کو بآواز بلند کہا: الصلوۃ جامعۃ۔ اس لئے کہ اس وقت اقامت معروفہ مشروع نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس کی مشروعیت مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلان پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی اس کا نام نماز ظہر پڑ گیا۔ اس لئے کہ وہ قیام الظہیرۃ یعنے سخت گرمی میں ادا کی گئی یا اس لئے کہ اس وقت زوال کے بعد سورج بہت اونچا تھا۔ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جبریل علیہ السلام کے نماز پڑھانے کے بعد نماز پڑھائی اور جبریل علیہ السلام حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں دو دن حاضر ہوتے رہے ایک دن اوّل وقت میں نماز پڑھائی اور دوسرے دن آخر وقت میں۔ جبریل علیہ السلام نے آپ کو صخرۃ اللہ کے نزدیک قبلہ کی جانب نماز پڑھائی تھی اور آخر میں عرض کی:

یا محمد ھذا وقتك ووقت الانبیاء من قبلك والوقت ما بین ھذین الوقتین — اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا وقت ہے اور ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کے اوقات ہیں۔

سوال : نمازِ صبح سے اس کا آغاز کیوں نہ کیا گیا حالانکہ معراج کے بعد پہلے صبح کی نماز تھی ؟

جواب : جب تک نماز کی کیفیت معلوم نہ ہو اس کی ادائیگی نہیں اور کیفیت پر ہی وجوب معلق ہوتا ہے اور کیفیت کا بیان فجر کی نماز میں ناممکن تھا اس کے بعد ظہر کا وقت آتا ہے اسی لئے نماز ظہر سے اس کا آغاز ہوا گویا جبریل علیہ السلام نے عرض کی :

اوجبت حیث ماتبین کیفیته فی وقته کیفیت کے معلوم ہونے کے بعد آپ پر نماز واجب ہوئی ۔

سوال : جبریل علیہ السلام کا عرض کرنا کہ ھذا وقتك و وقت الانبیاء من قبلك سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نماز بھی اسی طرح تھی حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے اس لئے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نمازیں اس طرح نہیں تھیں بلکہ نمازیں صرف حضور علیہ السلام کی امت کا خاصہ ہے ۔

جواب ① عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی نمازیں ان دونوں اوقات کے درمیان ہے جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اوقات انہی دونوں طرفوں کے درمیان تھے ۔

جواب ② دوسرے انبیاء علیہم السلام سے مجموعی طور پر مراد نہیں بلکہ بعض حضرات کی طرف اشارہ ہے ۔ چنانچہ مروی ہے کہ فجر کی نماز بعض حضرات کی طرف منسوب ہے تو اس کے بعد والی نمازیں دوسرے بعض حضرات کی طرف اس معنے پر کلی طور پر خصوصیت اسی امت کے لئے ثابت نہ ہوئی بلکہ بعض حیثیت سے ۔

پانچ نمازیں اولو العزم انبیاء علیہم السلام کی یادگار ہیں مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جب بہشت سے زمین پر تشریف لائے تو زمین پر اندھیرا چھا گیا اور رات کی تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے حضرت آدم علیہ السلام گھبرائے کہ ایسی شدت کی تاریکی آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی جب صبح کی روشنی پھیلی تو آپ نے شکرانہ کے طور پر دوگانہ پڑھا یا ظلمتِ لیل سے نجات پانے پر یا دن کی روشنی کے لوٹنے پر یا دوگانہ توبہ کی قبولیت پر پڑھا جب کہ ان کی توبہ صبح کے وقت قبول ہوئی اسی اعتبار سے کہ اللہ تعالٰے راضی ہوگیا اور مخالفت کی ظلمت دور ہوئی اور توفیق کا نور روشن ہوا وغیرہ وغیرہ ۔

ظہر کی نماز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے زوال شمس کے بعد چار رکعت پڑھیں اس خوشی میں ان کے صاحبزادے کا فدیہ قبول ہوا اور صاحبزادے کی جان بچ گئی اور اللہ تعالٰے بھی راضی ہوگیا جب کہ آواز سنی : قد صدقت الرؤیاء اور اس خوشی سے بھی کہ صاحبزادہ اگرچہ صغیر سن ہے لیکن قربان ہونے کے لئے تیار ہوگیا اور ذبح کی تکلیف سے نہ گھبرایا ۔

عصر کی نماز سب سے پہلے عصر کی نماز حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھی جب انہیں ظلمت سے نجات ملی تو یہی وقت تھا چونکہ وہ ظلمات چار تھیں :

① ظلمة الزلة ② ظلمة اللیل
③ ظلمة الماء ④ ظلمة بطن الحوت

اسی مناسبت سے آپ نے بھی شکرانہ کی چار رکعت ادا کیں۔

مغرب کی نماز سب سے پہلے مغرب کی نماز عیسےٰ علیہ السلام نے پڑھی پہلی رکعت اپنے سے نفی الوہیت کے شکر میں دوسری رکعت والدہ سے نفی الوہیت کے لئے تیسری رکعت اللہ تعالےٰ کی الوہیت کے اثبات کے لئے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو مغفرت کا پیغام مغرب کے وقت ملا تو انھوں نے شکرانہ کے لئے چار رکعت کی نیت باندھی جب تیسری رکعت پر پہنچے تو تھک گئے اسی پر سلام پھیر دیا اسی لئے ہمارے لئے بھی تین رکعتیں مشروع ہیں۔

عشاء کی نماز سب سے پہلے عشاء کی نماز حضرت موسےٰ علیہ السلام نے پڑھی جب وہ مدین سے چلے تھے تو راستہ بھول گئے آپ کو اپنی زوجہ اور بھائی ہارون علیہ السلام کی جدائی، فرعون کی دشمنی اور اولاد کی جدائی کا غم لاحق ہوا جب اللہ تعالےٰ نے انھیں ان تکالیف سے نجات بخشی یعنے راستہ مل گیا زوجہ، بھائی اور اولاد کی ملاقات ہوگئی اور دشمن پر فتح پائی تو چار رکعت شکرانے کی پڑھیں۔

وتر کی نماز سب سے پہلے وتر کی نماز ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھی چنانچہ تفسیر التیسیر میں ہے کہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ پر ملائکہ کو نماز پڑھائی اس معنے پر سدرۃ المنتہیٰ پر امام الملائکہ اور بیت المقدس میں امام الانبیاء تھے اسی بنا پر ہم کو افضل الخلائق مانتے ہیں۔

اعجوبہ حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم وتر کی تیسری رکعت پڑھ رہے تھے تو آپ کی نگاہ اپنے والدین پر پڑی کہ وہ جہنم میں ہیں (معاذ اللہ) اس گھبراہٹ سے آپ کے دونوں ہاتھ چھوٹ گئے اس پر آپ نے اللہ اکبر کہہ کر دعائے قنوت پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے نار اور اہل نار سے پناہ چاہی اس کے بعد پوری رکعت مکمل کر لی۔ اسی بنا پر وتر تین رکعت مقرر ہوئے۔ (کذا فی المقدمۃ شرح المقدمہ)۔

(یہ قول ضعیف ہے اسی لئے اسے کتاب مذکورہ میں قیل سے روایت کیا گیا ہے اور اصول حدیث و فقہ کا قاعدہ ہے کہ جو روایت لفظ قیل سے مروی ہو وہ ناقابل قبول ہوتی ہے۔ ۱۲)

ف: شب معراج پانچ نمازیں ۲ دو ۲ دو رکعتیں فرض ہوئیں یہاں تک کہ مغرب کی نماز بھی پھر حضر میں دو سے چار کر دی گئیں ہر ظہر چار رکعت سوائے جمعہ کے کہ اس دن دو رکعت فرض ہیں عصر کی چار رکعت اور مغرب کی تین رکعت اور عشاء کی چار رکعت اور فجر کی ۲ دو رکعت اصل پر برقرار رکھی گئیں۔

حدیث شریف بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابتداً سفر و حضر میں دو دو رکعت فرض تھیں پھر ہجرت کے ایک ماہ بعد یا ایک ماہ دس دنوں کے بعد دو دو رکعت کا اضافہ ہوا اور مغرب میں صرف ایک رکعت کا اور فجر کی نماز اصل حالت پر رکھی گئی اس لئے کہ اس میں قرآت طویل پڑھنے کا حکم ہے۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ ابتداً ہی ہر نماز چار چار رکعت فرض ہوئی سوائے صبح اور جمعہ کی نماز کے کہ وہ دو دو رکعتیں ہیں اسی طرح مغرب کی نماز کہ وہ تین رکعات فرض ہوئیں۔ پھر سفر کے لئے قصر کا ہوا کہ چار رکعت والی نمازوں کو دو دو رکعت پڑھا جائے اور سفر میں سفر نماز کا حکم ہجرت کے چوتھے سال نازل ہوا یہی حکم آیت

فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ

"یعنے تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو" سے مؤید ہے۔

لطیفہ: بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازوں کا حکم اس لئے ہوا کہ انسان کے گناہوں میں مبتلا ہونے والے پانچ اعضاء ہیں انسان اگر ان کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کرے تو پانچ نمازوں کے پڑھنے سے وہ گناہ دھل جائیں۔

حدیث شریف اس لطیفہ کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تمہارے کسی ایک کے گھر کے سامنے نہر جاری ہو اور وہ اس میں دن اور رات میں پانچ بار نہائے تو بتائیے کہ کیا اس کے جسم پر میل کچیل رہ سکتی ہے؟ سب صحابہ کرام نے عرض کی کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہی حالت پانچوں وقت نماز ادا کرنے والے کی ہے کہ جب وہ پانچ نمازیں (پابندی اور تعدیل ارکان اور صحیح طریق سے) پڑھتا ہے تو اللہ تعالٰے اس کے تمام گناہ مٹا دیتا ہے۔

نکتہ: بعض حضرات نے فرمایا کہ پانچ نمازیں دس گنا نیکیوں کے عطیے کے اظہار کے لئے ہیں اسی لئے اللہ تعالٰے نے فرمایا:

من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا — جو کوئی ایک نیکی کرتا ہے اُسے دس کا ثواب نصیب ہوتا ہے

اسی لئے جو پانچ نمازیں پڑھے گا تو وہ پچاس نمازوں کا ثواب پائے گا۔ یہی پچاس نمازیں شب معراج فرض ہوئیں پھر تخفیف کر کے پانچ پر اکتفا کیا گیا۔

نکتہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ کعبہ کی پانچ پہاڑوں سے بنیاد رکھی گئی ہے وہ پانچ پہاڑ یہ ہیں:

(۱) طور سینا

(۲) طور زیتا

(۳) الجودی

(۴) حراد

(۵) ابو قبیس

کعبہ کے گرد طواف کرنے کو نماز کا درجہ دیا جانا اسی راز کی وجہ سے ہے ۔

نکتہ نماز طواف سے افضل ہے صرف حج کرنے والے کے لئے نماز نفل سے طواف افضل ہے اور یہ خصوصی شرف صرف محل و مقام کی شرافت کی وجہ سے ہے ورنہ علے الاطلاق نماز طواف سے افضل ہے ۔

نکتہ : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ پانچ نمازیں انسان کو اربع عناصر اور جمعیۃ کے عطیہ کے شکرانہ پر واجب ہوئی ہیں۔ اسی لئے نماز کے چار ارکان مقرر کئے گئے :

(۱) قیام
(۲) رکوع
(۳) سجود
(۴) قعود یعنے قعدہ

نکتہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے کی مخلوق چار قسم کی ہے :

(۱) قائم جیسے اشجار
(۲) راکع جیسے جانور
(۳) قاعدہ (بیٹھنے والے) جیسے پہاڑ پتھر وغیرہ
(۴) ساجد جیسے ہوام یعنے کیڑے مکوڑے وغیرہ

اللہ تعالٰے نے امت مصطفویہ کو ان تمام کی عبادت کا بیک وقت طریقہ نصیب ہو تو انھیں نماز کی ہئیت کذائیہ کا حکم فرمایا اس طرح گویا نمازی کو جمیع عوالم کی عبادت کا مجموعہ نصیب ہوا ۔

نکتہ : نماز کی مختلف رکعات میں بھی یہی راز ہے کہ اللہ تعالٰے کے بعض فرشتے چار پروں والے ہیں بعض تین اور بعض دو والے۔ جب بندہ نماز ادا کرتا ہے تو اسے گویا کہا جا رہا ہے کہ یہ رکعات تیرے نورانی پر ہیں تو ان کے ذریعے اڑ کر اللہ تعالٰے سے واصل ہو جائے گا ۔

نکتہ صوفیانہ : حضرت شیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صبح کی دو رکعتیں جسم و روح کے مقابلہ میں اور چار رکعت والی نمازیں مراتب اربعہ یعنے

(۱) طبیعۃ (۲) نفس
(۳) قلب (۴) روح

کے مقابلہ میں اور مغرب کی تین رکعتیں عیسٰے علیہ السلام کے لئے تھیں چونکہ وہ مادۂ طبیعہ سے پاک تھے اسی لئے ان کے باقی تین مراتب کے مقابلہ میں یہی تین رکعتیں مقرر ہوئیں ۔

صاحب روح البیان کے پیر و مرشد قدس سرہٗ فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد نے کتاب "اللائحات الباقیات" میں فرمایا کہ اللیل لاتعین کی طرف اشارہ ہے اور جلال اطلاقی ذاتی حقیقی وجودی برائے کمال اطلاقی ذاتی حقیقی وجودی کا مرتبہ ہے اور النہار مرتبہ تعین کی طرف اشارہ ہے اور یہی جمال اطلاقی ذاتی حقیقی وجودی برائے کمال مذکورہ بالا کا مرتبہ ہے چونکہ فجر کی نماز اللیل و النہار پر مشتمل ہے اسی لئے اس کی دو رکعتوں میں دوئی اور نماز بین المرتبین المذکورتین کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی رکعت اُولیٰ مرتبۂ جلال اور دوسری رکعت مرتبۂ جمال کی طرف اشارہ کرتی ہے ان دونوں کو ملا کر پڑھنے میں کمال اور اجتماع جلال وجمال کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر دونوں مراتب بیک وقت اسی مذکورہ بالا کمال میں جمع ہو گئے ہیں۔

صلوٰۃ المغرب کا صوفیانہ نکتہ صلوٰۃ المغرب صلوٰۃ الفجر کے برعکس ہے تاکہ جو کچھ مرتبۂ الاحدیۃ الجامعۃ میں پوشیدہ ہے وہ ظاہر ہو۔ اس کی رکعت اولیٰ میں جلال اور رکعت ثانیہ میں جمال اور رکعت ثالثہ میں کمال جو جامع الجلال والجمال ہے) کی طرف اشارہ ہے۔

ف: مرتبہ لاتعین قوۃ کا مرتبہ ہے اور مرتبۂ تعین فعل کا مرتبہ ہے اگر مرتبۂ قوت نہ ہوتا تو مرتبۂ فعل کا ظہور نا ممکن تھا۔ یاد رہے کہ مرتبہ قوت اجمال ہے اس کی تفصیل مرتبۂ فعل ہے اور واضح رہے کہ اگر مرتبہ قوت کا خزانہ نہ ہوتا تو فعل کا کرم و فضل کے وجود کو ظاہر بھی نہ ہونے دیتا۔

صلوٰۃ العشاء کا صوفیانہ نکتہ عشاء کی نماز کی چاروں رکعتیں چاروں تعینات اربعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں وہ تعینات اربعہ یہ ہیں:

1. ذاتیہ
2. اسمائیہ
3. صفاتیہ
4. افعالیہ

یہ چاروں مراتب مرتبہ لاتعین اور جلال بالقوہ میں سے ہے۔

صلوٰۃ الظہر کا صوفیانہ نکتہ نماز ظہر کی چاروں رکعتیں انہیں چاروں مراتب کی طرف اشارہ کرتی ہیں لیکن یہ مرتبہ جمال کونی بالفعل میں سے متصور ہیں۔

دیگر عجیب نکتے فرائض وجود حقانی الٰہی (جو اکوان پر مطلقاً پھیلا ہوا ہے) کی طرف واجبات وجودات خلقیہ کونیہ اخصیہ کی طرف اور سنن وجودات خلقیہ کونیہ خاصیہ کی طرف اور مستحبات وجودات خلقیہ عامیہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اشارہ کرتے ہیں۔
(صاحب روح البیان کے شیخ اور پیر و مرشد کی کتاب اللآئحات الباقیات میں اس قسم کے لطیفے اور نکتے تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔)

ردّ پرویزی اور چکڑالوی[1] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا قرآن مجید میں پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آیت فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السموات والارض وعشیا وحین تظھرون میں پانچوں نمازوں کا صاف اور واضح بیان موجود ہے۔ اس لئے کہ تمسون سے مغرب وعشاء ہر دونوں نمازیں اور حین تصبحون سے فجر اور عشیا سے عصر اور حین تظھرون سے ظہر کی نماز اور تسبیح سے صلوٰۃ مراد ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں تسبیح بمعنے صلوٰۃ وارد ہوا۔

کما قال:

فلولا انہ کان من المسبحین

قرطبی نے المسبحین بمعنے من المصلین لکھا ہے۔

قاعدہ: کشاف میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ تسبیح بمعنے صلوٰۃ ہے۔

فائدہ صوفیانہ: اصلی نماز طہارت باطنیہ اور حضور قلب ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

روئے ناشستہ نہ بیند روئے حور
لا صلوٰۃ گفت الا بالطہور

حل لغات: طہور بالفتح مصدر بمعنے التطھیر۔ حدیث شریف میں ہے: مفتاح الصلوٰۃ الطھور۔ اور طہور وہ ہے کہ جس سے طہارت حاصل ہو۔ (کذا فی المغرب)

ترجمہ: منہ نہ دھونے والا سورج کو نہیں دیکھ سکتا اسی لئے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طہارت کے بغیر نماز ناجائز ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

طہارت ار نہ بخون جگر کند عاشق
بقول مفتی عشقش درست نیست نماز

---

[1] یہ فرقہ صرف قرآن مجید کو مانتا ہے اور حدیث کا منکر ہے اسی لئے وہ صرف تین نمازوں کا قائل ہے۔

ترجمہ : اگر عاشق خون جگر سے وضو نہ کرے تو عشق کے مفتی کا فتوے ہے کہ اس کی نماز عشق جائز نہیں ۔

تفسیر عالمانہ

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اور ہم نے موسے علیہ السلام کو کتاب دی۔ اس سے تورات مراد ہے ۔
موسے علیہ السلام کو تورات کوہ طور کی واپسی کے بعد ملی ۔

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بنی اسرائیل کے لئے ہدایت تھی یعنے یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو حق اور صواب کی ہدایت دینے والی تھی یعنے اس کے اندر جو احکام وخطابات تھے ان کے ذریعے سے بنی اسرائیل کو ہدایت نصیب ہوتی تھی ۔

اَلَّا تَتَّخِذُوْا یہ اَن مفسرہ ہے ان اوامر ونواہی کی تفسیر کے لئے واقع ہوا جنھیں کتاب متضمن ہے گویا یہ ان بمعنے (تفسیرہ) ہے جیسے کتبت الیہ ان افعل کذا۔ میں اَن تفسیریہ بمعنے ای تعبیر یہ ہے ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالے نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ نہ بناؤ :

مِنْ دُوْنِىْ میرے سوا وَكِيْلًا ایسے پروردگار جو تمھاری مشکلات حل کریں اور تم اپنی مشکلات ان کو پیش کرو۔ یہاں پر من دونی غیری ہے لاتتخذوا کا مفعول اول ہے اس میں من زائدہ ہے ذُرِّيَّةَ یہ دراصل یاذریۃ تھا۔ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اے وہ اولاد آدم جنھیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا یا ذریۃ اختصاص یعنے اعنی محذوف کی وجہ سے منصوب ہے ذریۃ کا مادہ ذَرَأَ ہے بمعنے خلق اس کا اطلاق نسے کی کثرت پر ہوتا ہے اسی ذراء سے ذریۃ (مثلثہ) ہے بمعنے نسل الثقلین (جن وانس) (کذا فی القاموس)

اس سے موجودہ بنی اسرائیل کو توحید کے عقیدہ پر برانگیختہ کرکے تاکید کرنا مطلوب ہے گویا اللہ تعالے نے انھیں فرمایا کہ ہم نے تمھارے آباؤ و اجداد کو طوفان کے غرق ہونے سے بچا کر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں بٹھایا اور یہ ان کے لئے اتنا بڑا انعام تھا کہ ان کے معاصرین کو نصیب نہ ہوا بلکہ ان کے معاصرین کو طوفان میں ڈبو دیا گیا فلہٰذا انھیں چاہیئے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کی اس نعمت عظمیٰ کو یاد کرکے توحید کا اقرار کرلو اور اسی پہ مضبوط ہو جاؤ ۔

ف : کواشی نے لکھا ہے کہ اس سے صرف بنی اسرائیل پر منت نہیں لگائی گئی بلکہ بنو آدم پر اس لئے کہ جو لوگ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان سے بچے وہ ان سب کے آباؤ و اجداد تھے ۔ آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ اے لوگو ا اپنے آباؤ و اجداد کی طرح مومن ہو جاؤ جیسے وہ ایمان میں کامل و مکمل تھے تم ان کی پیروی کرتے ہوئے سچے اور پکے مومن ہو جاؤ ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اس سے سام بن نوح علیہ السلام مراد ہیں اس لئے کہ یہی ابراہیم علیہ السلام کے جد اعلےٰ ہیں اور ابراہیم علیہ السلام بنی اسرائیل کے جد امجد ہیں گویا اللہ تعالے نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ ہم نے تمھارے جد کو طوفان سے نجات دی۔ یہ ایک بہت بڑی نعمت تھی تم اسے یاد کرکے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو ۔

اِنَّهٗ بے شک نوح علیہ السلام كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا تھے بندے بہت بڑے شکر گذار یعنے اپنے تمام معاملات

ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے تھے مثلاً جب طعام تناول فرماتے تو کہتے :

الحمد لله الذی اطعمنی ولو شاء اجاعنی. — سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے طعام کھلایا اور وہ چاہتا تو مجھے بھوکا رکھتا۔

جب پانی پیتے تو کہتے :

الحمد لله الذی سقانی ولو شاء اظمأنی — سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے پانی سے نوازا اگر چاہتا تو مجھے پیاسا رکھتا۔

جب کپڑے پہنتے تو کہتے :

الحمد لله الذی کسانی ولو شاء جردنی. — سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے مجھے لباس سے نوازا اگر چاہتا تو مجھے ننگا رکھتا۔

جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو پڑھتے :

الحمد لله الذی اخرج عنی اذاہ فی عافیة ولو شاء حبسه — سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے پاخانہ کی ایذا سے بچایا اور تندرستی بخشی اگر چاہتا تو اسے پیٹ کے اندر محبوس رکھتا۔

سیرتِ نوح علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ شام کو روزے کے افطار کے وقت جب آپ کی خدمت میں طعام پیش کیا جاتا تو آپ دیکھتے کہ آپ کے ساتھی اہل ایمان کو ان سے زیادہ طعام کا محتاج ہے تو آپ اپنا طعام اسے دے دیتے اور خود بھوکے رہ کر بھی شکر خداوندی بجالاتے۔

سبق : اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اہل ایمان کو ان کی پیروی کرنی چاہیئے اس لئے کہ طوفان سے بھی نجات ان کے شکر کی برکت سے نصیب ہوئی اور آپ کی اولاد کو برانگیختہ کیا گیا ہے کہ اپنے جدِ امجد کی اقتدا کر کے شرک سے بچو اس لئے کہ جرائم و معاصی میں سب سے بڑا جرم شرک ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ انہ کان عبدا شکورا حضرت نوح علیہ السلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دکھ تکالیف اور پریشانیوں کو بھی نعمتِ الٰہی سمجھ کر ایسے شکر بجالاتے جیسے انہیں نعمت نصیب ہو گویا وہ ہر دونوں حالتوں میں یکساں اور برابر طور پر شکر گزار رہتے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام شکور رکھا۔ پھر جیسے وہ شکرِ خداوندی میں بے نظیر ثابت ہوئے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمتوں سے انہیں مالامال فرمایا تاکہ ان کے شکر کا احسن بدلہ ہو بلکہ ان کے صدقے ان کی اولاد کو بھی نعمتوں سے نوازا مثلاً انہیں طوفان سے نجات دے کر کشتیٔ نوح میں جگہ دی اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کو بھی ان کے طفیل نعمتیں بخشیں مثلاً انہیں تورات جیسی معتبر کتاب عنایت فرمائی کہ جس سے وہ ہدایت و رہبری پا کر

توحید سے بہرہ ور ہوئے جس کی برکت سے شرک سے نجات پاکر بہشت کے مستحق ٹھہرے۔

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اور ہم نے بنی اسرائیل کے لئے فیصلہ فرمایا۔ قضا الیہ سے ہے بمعنے انہاہ و ابلغہ یعنے ہم نے انہیں وحی کے ذریعہ جتلایا اور واضح کیا۔ فِي الْكِتَٰبِ کتاب تورات میں۔

سوال : وحی موسٰے علیہ السلام کی طرف آئی نہ کہ بنی اسرائیل کی طرف۔ اور تم یہاں پر بنی اسرائیل کے لئے کہہ رہے ہو۔

جواب : نبی علیہ السلام کی طرف وحی گویا امت کی طرف ہوئی اس لئے ہم نے بنی اسرائیل کا نام لیا ورنہ حقیقی مراد تو موسٰے علیہ السلام ہیں۔

لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ یہاں قسم محذوف ہے یعنے بخدا تم علاقہ شام اور بیت المقدس میں فساد پھیلاؤ گے۔

مَرَّتَيْنِ یہ مصدر (مفعول مطلق) ہے لیکن اس کا عامل اپنا لفظ (فعل) نہیں گویا اس کا معنے ہے، افساداً بعد افساد فسادین ان کا پہلا فساد وہی ہے جب انھوں نے تورات کی مخالفت کی اور شعیا علیہ السلام کو شہید کر ڈالا اور ارمیا علیہ السلام کو قید کر دیا جب انھوں نے بنی اسرائیل کو تبلیغ اور وعظ و نصیحت کر کے اللہ تعالےٰ کے عذاب سے ڈرایا۔

ف : ارمیا بتشدید الیا مع ضم الھمزۃ علی روایۃ الزمخشری وبضم الھمزۃ وکسرھا مخففا علی روایۃ غیرہ اور قاموس میں ہے کہ ارمیا بالکسر ایک نبی علیہ السلام کا اسم گرامی ہے۔ اور ان کا دوسرا فساد پھیلانا وہی تھا جب کہ زکریا و یحیٰے علیہما السلام کو شہید کر ڈالا اور عیسٰے علیہ السلام کو شہید کرنے کے لئے بھی منصوبے بنائے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا اور تم اللہ تعالےٰ کی طاعت سے تکبر کرو گے یعنے تم سرکش اللہ تعالےٰ کی طاعت سے سرکشی کرو گے۔

ف : العلو یعنے العتو علی اللہ الجراۃ علیہ یعنی اللہ تعالےٰ کے سامنے سرکشی اور جرأت کرنا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس قصہ میں بہت بڑا اختلاف ہے جس مفسر کو جس طرح کی روایت پہنچی اسی طرح انھوں نے بیان فرمائی۔ زیادہ صحیح اور مشہور تر وہ روایت ہے جسے مختار القصص و دیگر سیر کی کتب میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق لکھا ہے کہ جب ولایت شام میں بنی اسرائیل کی سلطنت صدیقہ از اولاد سلما کو سپرد ہوئی چونکہ وہ ضعیف تھا اور اعرج بھی اسی لئے اطراف کے بادشاہوں کو ایلیاء کی سلطنت کا طمع دامنگیر ہوا انھوں نے سب سے پہلے سنجاریب موصل کے علاقہ پر قبضہ جمایا اس کے بعد سلما بادشاہ نے آذربیجان پر قبضہ پالیا ان ہر دونوں کو ایلیاء پر فتح کا بھوت سوار ہوا ہر دونوں آپس میں بر سر پیکار ہوئے اور بہت خون ریز جنگ ہوئی :

ے

سپہداران سپہ در ہم فگندند
صلائے مرگ در عالم فگندند
ز پیکاں عالمے را ژالہ بگرفت
ز خون روئے زمین را لالہ گرفت

ترجمہ : لڑنے والوں کی ـ نے گی موت کی صدا یہاں میں پہلی جنگیوں کی جنگ سے یہاں پر زالہ پڑا زمین پر خون نے لالہ پھیلایا ۔

ان دونوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر دونوں کو شکست ہوئی اور تمام غنیمت بنی اسرائیل کو نصیب ہوئی اس کے بعد پھر بادشاہ روم اور صقالیہ اور سلطان اندلس بہت بڑا لشکر لے کر بیت المقدس پر چڑھ دوڑا لیکن ہر تینوں کو اپنا اپنا لالچ تھا اس لئے بجائے بیت المقدس کو فتح کرنے کے آپس میں لڑائی شروع کر دی : ؎

در افتادند ہمچوں شیر غراں
بگرز و نیزہ شمشیر براں

ترجمہ : شیر مست کی طرح آپس میں لڑے ۔ گرز، نیزوں اور تلواروں سے ۔

بنی اسرائیل ان کی آپس کی لڑائی کے وقت یہ دعا مانگتے تھے :

اللھم اشتغل الظالمین بالظالمین واخرجنا من بینھم سالمین غانمین ۔ اے اللہ! ظالموں کو ظالموں سے مشغول رکھ اور ہمیں درمیان میں محفوظ و مامون فرما ۔

ان تینوں بادشاہوں کی لڑائی بڑے زوروں پر رہی ۔ بالآخر تینوں کو شکست ہوئی اور شکست کھا کر اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے گئے : ؎

نہ جائے قرار و نہ جائے ستیز
نہادند ناکام رو در گریز !

ترجمہ : نہ قرار نہ جنگ بالآخر بھاگنے پر مجبور ہو گئے ۔

ان ہر تینوں کے اموالِ غنیمت بھی بنی اسرائیل کو حاصل ہوئے ۔

بنی اسرائیل کی سرکشی کا آغاز جب بنی اسرائیل کو ان پانچوں بادشاہوں کی ان گنت دولت حاصل ہوئی تو اُن کے دماغوں میں سرکشی اور بغاوت نے جگہ لی جیسا کہ انسان کی فطرت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان الانسان لیطغی ان راٰہ استغنی ۔ بے شک انسان سرکشی کرتا ہے جب دولت مند ہو جاتا ہے ۔

اسی فطرت پر بنی اسرائیل پر سرکشی و بغاوت کا بھوت سوار ہوا تو انھوں نے تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ۔ حضرت ارمیا علیہ السلام نے انھیں ہر چند سمجھایا اور خوفِ الٰہی یاد دلایا اور عذاب خداوندی سے ڈرایا لیکن انھوں نے ایک نہ مانی ۔ پھر انھوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم نے تورات میں پڑھا ہے کہ تم لوگ دوبارہ فساد ڈالو گے ۔ یاد رکھو ان دونوں فسادوں کا آغاز تم کر رہے ہو اگر تم اس سے باز نہ آئے تو عذابِ الٰہی تمھاری بیخ کنی فرمائے گا لیکن چونکہ ان پر دولت کا بھوت سوار تھا اس لئے نہ مانے ۔

بخت نصر سنجاریب کا کاتب تھا جب کہ سنجاریب فوت ہوا تو اسے وصیت کی کہ جہاں تک ہو سکے بیت المقدس پر ضرور حملہ کرنا اور اسے اپنے قبضہ میں لینا۔ سنجاریب کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کر دیا۔ بالآخر فتحیاب ہوا۔ اس نے بیت المقدس کو خراب کر دیا اور تورات کو آگ میں جلا دیا اور بنی اسرائیل کے ستر ہزار آدمیوں کو قید کر دیا۔ یہ بنی اسرائیل کی بربادی و تباہی کا پہلا واقعہ ہے۔

بیت المقدس دوبارہ آباد ہوا کواشی ہمدانی نے بنی اسرائیل کی ایک عورت سے شادی کی ہوئی تھی اسے ایلیاء (بیت المقدس) کی آبادی کا خیال ہوا تو اس نے اپنی ذاتی جائیداد سے اسے دوبارہ آباد کیا۔ یہاں تیس ہزار مکان بنوائے تیس سال تک اس کی تعمیر میں مشغول رہا یہاں تک کہ پہلے کی طرح بیت المقدس آباد ہوا اس طرح بنی اسرائیل کو دوبارہ خوشحالی کا موقع ملا۔ اور پہلے کی طرح ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کرنے لگے لیکن انسان کو جب دولت ملتی ہے تو اپنی پچھلی حالت کو بھول جاتا ہے۔ بنابریں انہیں پھر سرکشی اور بغاوت کا بھوت سوار ہوا تو زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو شہید کر ڈالا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن ناکام رہے اللہ تعالیٰ کو ناراضگی ہوئی تو ان پر دوبارہ طرطوس رومی کو مسلط کر دیا اس نے دوبارہ بیت المقدس کو ویران کرایا اور بنی اسرائیل کے تمام اموال و اسباب چھین لئے۔

کما قال تعالیٰ :

فَإِذَا جَآءَ پس جب آیا وَعْدُ أُولٰىهُمَا ان کا پہلا وعدہ یعنے جب ان کے موعودہ عذاب کا وقت پہنچا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ تو ہم نے ان کی غلطیوں کے مواخذہ کے لئے کھڑا کیا۔ عِبَادًا لَّنَا اپنے بندوں کو۔

ف : اکثر عباد کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اور عبید کی مخلوق کی طرف آتی ہے۔

سوال : جنہوں نے بنی اسرائیل کو تباہ و برباد کیا وہ تو اللہ تعالیٰ کے باغی اور کافر و طاغی تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں بندے کیوں کہا ؟

جواب[1] : کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ اضافت تعظیم و تکریم کے لئے نہیں بلکہ یہ اضافت محض تخلیق کی وجہ سے ہے یعنے ہم نے اپنے وہ بندے ان پر مسلط کئے جنہیں ہم نے پیدا فرمایا۔ مفسرین فرماتے ہیں اس سے بخت نصر مراد ہے یہی قول صحیح تر ہے۔

جواب[2] : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ اضافت اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بنایا کہ ہم نے بنی اسرائیل کا مواخذہ صفتِ قہاری سے لیا اور اس کا مظہر انہیں بنایا جو قہر و غضب کے مصداق ہیں اس لحاظ سے یہ اضافت صحیح ہوئی ورنہ کفار کے لئے تعظیم و تکریم کا کیا معنے اور وہ تعظیم و تکریم کے اہل کہاں۔

أُولِىْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ وہ سخت گرفت والے تھے یہ ظلِ ظلیل کی طرح موصوف بصفت میں اور باس یعنے شدت بھی آتا ہے یعنے وہ بخت نصر وغیرہ جنگ وغیرہ میں سخت گرفت کرتے تھے۔

ف : دمیاطی نے لکھا کہ ان کی آواز رعد کی طرح گرج دار تھی۔ یاد رہے کہ بخت نصر بابل کے مجوسیوں میں سے تھا۔ بخت بالضم یہ

دراصل بوخت تھا بمعنے ابن اور نصر بفتح النون و الصاد المشدد و الراء المہملہ بت کا نام ہے۔ چونکہ بخت نصر اسی بت کے قریب پایا گیا اس لئے اسے اسی نام سے موسوم کیا گیا اور اس کے متعلق کسی کو علم تک نہ ہو سکا کہ اس کا باپ کون ہے کہ جس کی طرف اسے منسوب کیا جا سکے (گویا وہ ولد الزنا تھا)۔

بخت نصر اس وقت براست بن کے اجداد کی طرف سے عراق کا گورنر تھا چونکہ براست بن کے اجداد ترک کی جنگ میں معروف تھا اس نے اپنے اسی گورنر بخت نصر کو بنی اسرائیل کی سرکوبی کے لئے بیت المقدس کی طرف بھیجا اور بنی اسرائیل کی تباہی کا یہی پہلا واقعہ ہے۔

فَجَاسُوا الجوس سے ہے بمعنے استقصاء خلال الدور والبیوت فی الغارۃ یعنے وہ تمہارے برباد و تباہ کرنے کے لئے بار بار تمہارے ہاں آئے۔ **خِلَالَ الدِّيَارِ** قاموس میں ہے کہ الخلال منفرج ما بین الشیئین دو چیزوں کے مابین سوراخ کو خلال کہا جاتا ہے۔ اور با دل پر مستعمل ہو تو بمعنے مخارج الماء اور خلال الدار سے ان کے گھروں اور مکانات کے مخارج مراد ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ یہ مفرد ہو بمعنے الوسط اور اسے خلل کی جمع بھی کہا جاتا ہے بمعنے الاوساط جیسے جبل اور جبال بروزن خلل و جلال اور الدیار، الدار کی جمع ہے وہ جگہ جو مختلف عمارتوں کی جامع ہو اسی طرح خالی میدان کو بھی دیار کہا جاتا ہے اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ وہ تمہارے گھروں میں گھسے اور تمہارے بعض کو قتل اور بعض کو قیدی بنایا اور تمہارے اموال و اسباب لوٹے اور تمہارے علماء اور تمہارے لیڈروں کو مار مٹایا اور تورات کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا اور تمہارے ستر ہزار آدمیوں کو قید کیا یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ظالموں نے ایک دوسرے پر حملے نہیں کئے تھے اور یہی اللہ تعالٰے کا طریقہ رہا ہے کہ جس نے رعایا کو آرام پہنچایا اس کی سلطنت کو برقرار رکھا اور جس نے رعایا پر ظلم و ستم ڈھائے اس سے سلطنت چھین کر دوسرے کو دے دی۔ **وَكَانَ** اور ان کے عذاب کا تھا **وَعْدًا مَّفْعُولًا** ○ ایسا ضروری وعدہ کہ جس نے ہو کر رہنا تھا۔ **ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ** پھر ہم نے تمہاری باری کو لوٹایا پھر ہم نے دولت و سلطنت عطا کی جنھوں نے تمہارے اوپر غلبہ پایا تھا تم نے ان پر غلبہ پالیا جیسے انھوں نے تمہارے ساتھ سلوک کیا تم نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا یعنے جب تم نے گناہوں سے توبہ کی اور غلطیوں سے بالکل آزاد ہو گئے تو ہم نے تمہیں پہلے کی طرح خوشحال فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ ان کے غلبہ پا جانے کے بعد تمہیں غلبہ نصیب ہوا۔

ف: الکرۃ کا اصلی معنے المرۃ ہے اور عَلَيْهِمْ اسی کے متعلق ہے مثلاً کہا جاتا ہے کر علیہ ای عطف۔

حکایت کواش ہمدانی نے ایک بنی اسرائیل عورت سے نکاح کیا ہوا تھا اس نے بابل والوں سے جنگ کی اور ان پر فتح پائی تو اس کی عورت نے کہا کہ بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں آباد کیجئے۔ چنانچہ اپنی عورت کے کہنے پر کواش ہمدانی نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس واپس دے دیا اور اس میں پھر دوسری بار یہ لوگ رہنے لگے۔

الکرۃ سے مراد یہ ہے کہ بخت نصر نے قتل و غارت کی اور بنی اسرائیل کے لوگوں کو مقید کیا۔ کواش ہمدانی نے قید سے چھڑا

کرانھیں بیت المقدس واپس دے دیا اور بنی اسرائیل پہلے کی طرح اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کرنے لگے ۔

وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ اور ہم نے تمھاری مدد مال سے کی یہ امد الجیش سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب لشکر قوت اور کثرت پا جائے یعنی باوجویکہ تمھارے مال واسباب تم سے چھینے گئے لیکن ہم نے تمہیں بہت زیادہ مال عطا فرمایا۔ وَبَنِيْنَ اور بہت سے لڑکے باوجویکہ اس سے قبل وہ مقید ہوچکے تھے۔ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اور ہم نے تمھاری گنتی کو بڑھا دیا یعنے پھر تم پہلے سے زائد ہوگئے یا یہ معنےٰ ہے کہ تم اپنے دشمن کے لشکر سے بڑھ گئے۔ نفیرا ینفرالرجل من قومہ سے ہے یعنے فلاں اپنی قوم کے ساتھ جاتا ہے۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ط اگر تم نیکی کرو تو تمھارے فائدہ کے لئے اور اگر تم برائی کرو تو تمھارا نقصان ہے یعنے اعمال کا اچھا یا برا ہونا تمھارے ساتھ مخصوص ہے یعنے اس کا نفع یا نقصان صرف تمہیں ہوگا تمھارے سے متجاوز ہوکر دوسرے کو نہیں پہنچے گا۔ اعمال کا ثواب اور برائی کا وبال نیکی یا برائی کرنے والا خود پائے گا دوسرا اس کے ساتھ شریک نہ ہوگا۔ یہ لام اپنے اصل پر ہے یعنے بمعنے اختصاص ہے۔

ف: تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ اہلِ تصوف فرماتے ہیں کہ احسنتم کا تکرار اور اسأتم کو ایک بار لانے میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ احسنتم کا تکرار نہ ہو۔

فَاِذَا جَآءَ پس جب کہ آئے گا وَعْدُ الْاٰخِرَةِ آخری وعدہ یعنے بنی اسرائیل کو قبل ازیں فرمایا گیا کہ تم دو فساد پھیلاؤ گے تو تمہیں دوبارہ تباہ وبرباد کیا جائے گا جب ان کے آخری فساد کا وقت آگیا تو ہماری طرف سے مقرر کردہ سزا کا وقت بھی آ گیا۔ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ تاکہ برائیاں پہنچائیں تمھارے چہروں پر یہ ساءہ مساءۃً سے ہے فعل بہ ما یکرہ کسی سے وہ کام کرنا جس سے کسی کو پریشانی ہو اور لیسوءا فعل محذوف کے متعلق ہے جیسا کہ سابق مضمون اس پر دلالت کرتا ہے یعنے جب اے اسرائیلو! تم نے فساد پھیلانے کی حد کر دی تو ہم نے بھی تمھارے لئے مخالف کھڑے کر دیئے تاکہ تمھارے چہروں میں حزن وملال اور پریشانی ظاہر کر دکھلائیں یہاں پر وجوہ سے حقیقتاً چہرے مُراد ہیں وہ اس لئے کہ جب کسی کو قلب پر درد و آلام گھیرتے ہیں تو ان کے علامات چہرہ پر نمایاں ہوتے ہیں۔

ف: الکواشی میں ہے کہ چہروں کا نام لے کر ان کے اہل مراد لئے ہیں چونکہ حزن وملال کا اظہار سب سے پہلے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے اسی لئے وجوہ (چہرے) کا نام لیا گیا ہے۔

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ اور تاکہ مسجد یعنے بیت المقدس میں داخل ہوکر اسے خراب کریں۔ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ جیسے پہلی بار مسجد اقصےٰ میں داخل ہوکر اسے خراب اور ویران کر ڈالا۔ وَّلِيُتَبِّرُوْا اور تاکہ ہلاکت اور تباہی کر ڈالیں۔ مَا عَلَوْا ہر اس شے پر کہ وہ غلبہ پاکر انھیں اپنے قابو میں لے لیں یا جب تک وہ برسرِ اقتدار رہیں۔ تَتْبِيْرًا ایسی سخت تباہی و بربادی جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے خرطوس رومی اور اس کا لشکر وغیرہ مُراد ہے جیسے تفصیل پہلے گذری ہے۔

واقعہ تباہی بنی اسرائیل مروی ہے کہ بنی اسرائیل پر فارس کے لوگوں نے غلبہ پایا ملوک الطوائف میں ایک بادشاہ مسمی ہردوس نے ان سے جنگ کی اور اپنے جرنیل لشکر سے کہا کہ میں نے قسم کھائی تھی کہ جب بنی اسرائیل پر غلبہ پاؤں گا تو انھیں قتل کر کے ان کا خون لشکر کے درمیان بہتا ہوا دیکھوں گا فلہٰذا انھیں پکڑ کر خوب قتل کرو یہاں تک کہ لشکر میں خون کی ندیاں بہتی ہوئیں نظر آئیں تاکہ میں قسم کو پورا کر سکوں۔ چنانچہ بیت المقدس میں داخل ہوکر اس جگہ کے قریب کھڑا ہوا جہاں بنی اسرائیل اپنی قربانیاں ذبح کرتے تھے وہاں دیکھا کہ خون جوش مار رہا ہے۔ پوچھا یہ کیا ؟ بنی اسرائیل نے جواب دیا کہ ہم نے اپنی قربانیاں بارگاہِ حق میں پیش کی ہیں لیکن قبول نہیں ہوئیں۔ حالانکہ وہ ان کا صریح جھوٹ تھا۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نے سچی بات نہیں کہی اس لئے میں تمھارے لیڈروں، جوانوں اور عورتوں کو چن چن کر قتل کراتا ہوں۔ چنانچہ ستر ہزار افراد کو وہیں پر قتل کرا دیا۔ پھر ان سے کہا کہ اگر تم سچ نہیں کہو گے تو میں تمھارا ایک بچہ بھی نہیں چھوڑوں گا۔ ورنہ صاف بتا دو کہ یہ خون کیسا ہے انھوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی (علیہ السلام) کا خون ہے۔ ہم نے انھیں اس لئے قتل کر ڈالا ہے کہ وہ ہمیں برائیوں سے روکتا تھا اور کہتا کہ اگر باز نہ آؤ گے تو تمھارے اوپر فارس کا بادشاہ مسلط ہو جائے گا لیکن ہم نے ان کی بات سے غصہ منایا بجائے ان کی تصدیق کے ہم نے انھیں قتل کر ڈالا یہ خون انہی کا ہے۔ یہ شہید شدہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ اب تم نے سچ کہا اس کا بدلہ اللہ تعالےٰ نے تم سے لے لیا کہ تمھارے ستر ہزار افراد تھے۔

ف: جس بادشاہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کرایا اس کا نام لاخت تھا ان کے قتل پر اسے ایک عورت نے اکسایا جس کا نام اربیل تھا اور اس بدبخت عورت نے سات انبیاء علیہم السلام کو شہید کرایا تھا۔ یاد رہے کہ یحییٰ علیہ السلام کا قتل عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد واقع ہوا۔

بادشاہ فارس نے جب دیکھا کہ اب بنی اسرائیل نے سچ کہا ہے تو بادشاہ سربسجود ہوکر کہنے لگا کہ اے یحییٰ علیہ السلام آپ جانتے ہیں کہ میرے اور تیرے رب تعالےٰ نے آپ کے دشمنوں سے آپ کا بدلہ لے لیا ہے۔ اب اپنا خون اللہ تعالےٰ کے حکم سے روک لیجئے ورنہ میں بنی اسرائیل کا ایک بچہ زمین پر باقی نہیں چھوڑوں گا سب کو قتل کر دوں گا۔ بادشاہ کا قول سن کر وہ خون زمین میں دب گیا۔

اس کے بعد جرنیل لشکر نے بنی اسرائیل کو کہا کہ مجھے بادشاہ کا حکم ہوا ہے کہ میں تمھارا خون ندی نالوں کی طرح بہاؤں بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم راضی ہیں لیکن جرنیل لشکر رحم دل تھا اس لئے بجائے انسانوں کے ان جانوروں کو ذبح کر دیا جس سے خوب خون کی نہریں جاری ہوئیں اس سے بادشاہ کی قسم بھی پوری ہوئی اور بنی اسرائیل بھی بچ گئے اسی لئے جب بادشاہ نے خون بہتا ہوا دیکھا تو جرنیل لشکر سے کہا کہ اب بنی اسرائیل کو قتل کرنا روک دو۔ اس وقت سے بنی اسرائیل سے نہ صرف بادشاہت اور سلطنت چھین لی گئی بلکہ ان پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی گئی۔ بادشاہ ان سے فراغت پاکر واپس بابل چلا گیا یہی بنی اسرائیل کی ذلت و خواری کا آخری واقعہ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زمانہ تک بیت المقدس ویران و غیر آباد رہا ان کے حکم سے مسلمانوں نے بیت المقدس کو آباد کیا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ توراۃ میں لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے لکھا تھا کہ بنی اسرائیل آں دونوں سزاؤں کے بعد وعدہ فرمایا: عَسٰی رَبُّکُمْ اے بنی اسرائیل شاید تمہارا رب تعالیٰ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ یہ کہ تمہارے اوپر رحمت فرمائے یعنی اگر تم توبہ کرو اور گناہوں کو چھوڑ دو تو دوبارہ اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کر کے تمہارے حال پہ رحم فرمائے گا وَاِنْ عُدْتُّمْ اگر بار ثالث گناہوں کی طرف رجوع کرو۔

ف: سعدی المفتی نے فرمایا کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہاں دوبارہ مراد ہے اس لئے کہ عود دوبارہ فعل کو عمل میں لانے کو کہا جاتا ہے اور الاوّل بمعنے ابتداء اور عود اسی کو کہا جاتا ہے جہاں اوّل ہو اور یہ لوگ قبطیوں کے قبضے میں ایک عرصہ تک رہے۔

عُدْنَا ہم بھی لوٹیں گے تمہاری سزا کی طرف یعنے انھوں نے جرائم و معاصی کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ بھی انھیں عذاب اور سزا دے گا مثلاً ان پر ظالم لوگوں کو مسلط فرمائے گا پھر وہ ان کے ساتھ وہی کریں گے جو مظلوموں پر ظالم کرتے ہیں یا اس سے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مکذبین کی طرف اشارہ ہے گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم میرے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ان کے شہید کرنے وغیرہ کا قصد کرو گے تو ہم تمہارے اوپر دوسروں کو مسلط کر دیں گے چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ جب یہود نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے تو اللہ تعالیٰ نے قریظہ کو قتل اور بنی نضیر کو شہر بدر کرایا اور ان کے باقیوں پر جزیہ قائم کرایا وہ نہایت ذلیل ہو کر جزیہ ادا کرتے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک اہل ایمان سے مار کھاتے رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے: وان عدتم یعنے اے سالکو! اگر تم جہل کی طرف لوٹو گے عدنا تو ہم عدل بلکہ فضل کی طرف لوٹیں گے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

(۱) چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش
زانکہ تخمست و بروباند خداش

(۲) چند گاہے او بپوشاند کہ تا
آید آخر زان پشیماں تو را

(۳) بارہا پوشد پئے اظہار فضل
باز گیرد از پئے اظہار عدل

(۴) تاکہ این ہر دو صفت ظاہر شود
آن مبشر گردد این منذر این

ترجمہ (۱) جب برائی کی تو بے غم نہ ہو اس لئے کہ جو تخم بوؤ گے وہی پیدا ہوگا۔
(۲) کتنا گناہ کرو تب بھی پوشیدہ رکھتا ہے تاکہ تمھیں پریشانی نہ ہو۔

(۳) گناہ چھپانا اس کا فضل ہے لیکن کبھی پکڑتا ہے تو وہ اس کا عدل ہے ۔

(۴) تاکہ اس کی دونوں صفتوں کا اظہار ہو اس لئے اس کی صفت مبشر بھی ہے اور منذر بھی ۔

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ○ اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ بنایا ہے جس میں وہ ہمیشہ تک بند رہیں گے اس سے کبھی انھیں باہر نہیں نکالا جائے گا ۔ حصیرا بروزن فعیل بمعنے فاعل حاصر یعنے جہنم کافروں کو بند رکھنے والی ہے اور انہیں ہر طرف سے گھیرے گی ۔

سوال : جہنم مؤنث سماعی ہے اس کے لئے حصیرۃ ہونا چاہیئے تھا حصیرا کیوں کہا گیا ہے ؟

جواب (۱) یہ وزن نسبتی ہے جیسے لابن یعنے سلنبد اور تامر کھجور فروش میں وزان فاعل نسبتی ہے ۔

جواب (۲) : فعیل بمعنے مفعول ہے ۔

جواب (۳) : لفظ جہنم کی لفظی مناسبت سے مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے یعنے اگرچہ مؤنث سماعی ہے لیکن چونکہ بظاہر اس میں علامت تانیث نہیں اس لئے اس کے لفظ کو مذکر قرار دے کر اس کے لئے صیغہ حصیر بمعنے بساط یعنے بچھونا یعنے جہنم بچھونے کی طرح یا چٹائی کی طرح ہے کہ جیسے چٹائی کے اجزاء ایک دوسرے سے مل کر مضبوط ہوتے ہیں جہنم کے دریچے وغیرہ بھی ایک دوسرے سے ایسے ہی مل کر مضبوط ہیں ۔

ف : اللہ تعالٰی مجھے اور تمام اہل ایمان کو جہنم سے محفوظ فرمائے یہ اللہ تعالٰی کا قید خانہ ہے اسے اللہ تعالٰی نے اپنے باغیوں سرکشوں اور اس کی ذات کے منکروں اور کافروں اور مشرکوں اور منافقین اور اہل کبائر مومنین کے لئے بنایا ہے

مسئلہ : اہل کبائر مومنین کو جہنم سے انبیاء و اولیاء اور صلحاء کی شفاعت سے نکالا جائے گا اور بعض کو محض اپنے فضل و کرم سے ۔

ف : دوزخ کو چونکہ طالع ثور سے پیدا فرمایا ہے اسی لئے یہ بھینس کی شکل میں ہے اور اس کے اندر جتنا اللہ تعالٰی نے درد و آلام پیدا فرمایا ہے وہ تمام اس کی صفت غضب کے ظہور پر مبنی ہوگا ۔ اور یہ اس وقت پیدا نہیں ہوگا جب انس و جن دوزخ میں داخل ہوں گے ۔ بلکہ یہ صفت غضب قدیم ہے البتہ اس کا ظہور اس کے اہل کی تخلیق سے ہوگا ۔

ف : جنھیں دوزخ میں کسی دوسری وجہ سے رکھا جائے گا یعنے سزا کے طور پر نہیں بلکہ ویسے ہی تو انھیں جہنم کے عذاب کا درد و الم نہیں ہوگا مثلاً دوزخ کے نگران فرشتے وغیرہ وغیرہ ان کے لئے جہنم میں اللہ تعالٰی کی رحمت ہی رحمت ہوگی اور رحمت میں غوطہ زن ہو کر اس سے تلذذ پاتے ہیں اور ہر وقت اللہ تعالٰی کی تسبیح میں مصروف ہیں ۔

سبق سمجھدار انسان وہ ہے جو دوزخ کے ان اسباب سے بھی دور رہے جو اسے جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں بلکہ اسے چاہیئے کہ وہ ہر صبح و شام دوزخ کی سردی اور گرمی سے پناہ مانگتا ہوا اللہ تعالٰی کی رحمت سے پر اُمید رہے ۔ لیکن ہمارا یہ سبق اسے فائدہ دے گا جسے تسلیم و رضا اور نبوت سے گہری عقیدت ہے اور کتاب و سنت کا گہرا مطالعہ یا کم از کم ان کے ارشادات کو اپنے لئے مشعل راہ سمجھتا ہے ۔ اللہ تعالٰی ہم سب کو مخالفت اور معاصی و جرائم سے بچا کر ہر وقت اور ہر گھڑی شریعت کی

موافقت اور اپنی اور اپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طاعت سے وافر حصہ نصیب فرمائے اور اپنی طرف متوجہ ہونے والوں، مخلصین اور اپنے عذاب سے بچنے والوں سے بنائے۔ (آمین)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ بے شک یہی قرآن جو اے پیارے حبیب محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ یَهْدِیْ یہ تمام لوگوں کو ہدایت بخشتا ہے کسی مخصوص گروہ کی ہدایت کے لئے نازل نہیں ہوا۔ ہاں پہلی کتابوں کے لئے یہ طریقہ تھا کہ وہ مخصوص گروہ کے لئے نازل ہوتی تھیں مثلاً تورات صرف حضرت موسے علیہ السلام کی امت کے لئے اور انجیل صرف حضرت عیسے علیہ السلام کی امت کے لئے۔ لِلَّتِیْ ایسے طریقہ کے لئے هِیَ اَقْوَمُ جو تمام راستوں سے اقوم اور زیادہ مضبوط اور صحیح ترین ہے اس لئے ملت اسلام اور توحید مراد ہے اور اس کے ہادی ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو بھی اس کا دامن تھام لیتا ہے تو لازماً وہ ہدایت پا جاتا ہے۔ اور یہ صرف اہل ایمان کا خاصہ ہے۔ وَیُبَشِّرُ اور مژدہ بہار سناتا ہے۔ الْمُؤْمِنِیْنَ اہل ایماں کو کہ اے مسلمانو! تم نے قرآن مجید کے جن احکام اور شرائع پر عمل کیا ان کی جزا کی تمہیں خوشی ہو۔ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ یعنے وہ مومن جو نیکیوں پر عمل کرتے ہیں اور نیکیوں کی تفصیل خود قرآن پاک بتاتا ہے۔ اَنَّ لَهُمْ بایں طور کہ انہیں ان کے اعمال کے بدلے میں اَجْرًا کَبِیْرًا○ بہت بڑا اجر نصیب ہو گا یعنے اصل بھی اور ان پر دس گناہ بھی یا اس سے بھی اور زائد۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ بہت بڑی مزدوری سے بہشت مراد ہے۔

نکتہ: بہشت کو بہت اجر سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ بہشت میں دنیا و مافیہا کی تمام نعمتوں کو حقیر سمجھا جائے گا۔

وَّاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اور بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کے احکام بعث ونشر اور حساب وکتاب کو مانتے ہیں حالانکہ انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اَعْتَدْنَا لَهُمْ ان کے کفر اور آخرت کے وجود کے انکار کی وجہ سے ہم نے ان کے لئے تیار کیا ہے۔ عَذَابًا اَلِیْمًا○ دردناک عذاب۔ اس سے جہنم کا عذاب مراد ہے۔ اس جملہ کا عطف یبشر پر ہے اس سے قبل یخبر فعل محذوف ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف ان لهم اجرا کبیرا پر ہو۔ اب معنے یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ اہل ایمان کو دو بشارتیں دیتا ہے:

① ان کو ثواب

② ان کے دشمنوں کو عذاب

اس لئے کہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے دشمن کی ذلت وخواری سے خوش ہوتا ہے۔

ے

یا وصال یار یا مرگ عدو
بازئ چرخ زیں دو یک کارے کند

ترجمہ: یا وصال یار یا دشمن کی موت۔ آسمان کا کھیل ان دونوں سے خالی نہیں۔

ف: قرآن مجید اسم ہادی کا مظہر ہے قرآن مجید صامت یعنے خاموش کتاب اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ناطق یعنے بولنے والی کتاب ہیں۔ اسی طرح آپ کے وارثین کاملین اولیاء کرام بھی ناطق کتاب ہیں۔

ف: قرآن مجید ہر اس خوش بخت کے لئے نافع ہے جو اس کی رہبری وارشاد کے مطابق عمل کرتا ہے اس لئے کہ قرآن مجید نے جملہ امور دین و دنیا کو بیان فرمایا ہے کہیں ان کا بیان تفصیل سے آیا ہے اور کہیں اجمال کے ساتھ۔

جمیع العلوم فی القرآن حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا:
اگر تم دارین کی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو تو قرآن مجید کا گہری نظر سے مطالعہ کرو کیونکہ یہ اولین وآخرین علوم کا مجموعہ ہے۔

حکایت: کسی بزرگ کو خیال گذرا کہ قرآن مجید میں سے کوئی ایسی آیت مل جائے جس میں حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد کی (صراحۃً یا اشارۃً) تائید ہو۔

یخرج روح المومن جسدہ کما من یخرج الشعیر من العجین — مومن کی روح جسم سے ایسے نکالی جاتی ہے جیسے آٹے سے بال۔

چنانچہ اسی ارادہ پر قرآن مجید کو نہایت غور وفکر اور گہری نظر سے اول تا آخر پڑھا لیکن اسے اس قسم کی کوئی آیت نہ ملی۔ خواب میں حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آپ کی خدمت میں اپنا مقصد بیان کیا اور عرض کی قرآن مجید کا دعوےٰ ہے:

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین — ہر خشک وتر قرآن مجید میں ہے۔

لیکن مجھے میرا مقصد حاصل نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے مسئلہ کا حل سورۂ یوسف میں ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں جب میں بیدار ہوا تو سورہ یوسف پڑھی اس میں یہ ملی:

فلما راینہ اکبرنہ وقطعن ایدیھن — جب زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ایسی مدہوش ہوئیں کہ اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے لیکن اس کا انہیں احساس تک نہ ہوا۔

اسی طرح جب نزع روح کے وقت ملائکہ رحمت کو دیکھتا ہے اور پھر اسے بہشت کے انعامات سے نوازا جاتا ہے تو اسے نزع روح کی تکالیف محسوس نہیں ہوتیں۔

سبق: اس حکایت سے ہر وہ شخص عبرت حاصل کرے جسے خوف خدا ہے اسی وجہ سے تلاوت قرآن مجید کی برکات سے بہرہ ور ہوتا تھا۔

مسئلہ: حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے پہلے قرآن مجید کو ختم کرنے سے روکا ہے بلکہ فرمایا:

لم يفقه ۔

یعنے جس نے تین دن سے پہلے قرآن مجید ختم کیا تو اس نے کچھ بھی نہیں سمجھا یعنے جلدی کی وجہ سے اسے تدبر و تفکر کا موقعہ نصیب نہ ہوگا ۔

مسئلہ : حدیث شریف مذکورہ کے حکم کے مطابق قرآن مجید تین یا تین سے زائد دنوں میں ختم کرنا چاہیئے تاکہ تلاوت قرآن مجید سے جی خوش ہو اور اس کے اندر تدبر و تفکر کا موقعہ نصیب ہو۔ اسی وجہ سے بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ ہر جمعہ کو قرآن مجید ختم کرتے تھے یعنے ہفتہ میں ایک ختم پڑھا کرتے تھے۔ بعض بزرگ ایک مہینہ میں ایک ختم کرتے بعض سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ سال میں صرف ایک ختم کرتے تھے ۔ یہ صرف تدبر و تفکر کی وجہ سے بعض زیادہ تدبر و تفکر میں لگے رہتے تو سارا سال گزر جاتا بعض اس پر ایک ماہ وقت خرچ کرتے۔

مسئلہ : ختم قرآن مجید کے بعد دعا مانگنے کو غنیمت سمجھے اور نہایت خلوص اور حضور قلب سے دُعا مانگے اس وقت کی دُعا مستجاب ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
جو شخص ختم قرآن مجید کے وقت موجود ہوتا ہے گویا وہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حاضر ہوا اور جو قرآن مجید کے افتتاح میں حاضر ہوا گویا وہ جنگ کی فتح و نصرت کے وقت حاضر ہوا۔

ف : افتتاح و اختتام کی حاضری سے دونوں سعادتیں نصیب ہوتی ہیں تیسرا شیطان کو ذلت و خواری میں ڈالنے کا موقعہ ملتا ہے

مسئلہ : جزری نے فرمایا کہ دعا میں نہایت عجز و انکساری کرنی چاہیئے اور دعا کے وقت اہم مقاصد کے لئے جامع الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔ دنیوی مقاصد ہوں تو بھی کوئی حرج نہیں بہتر ہے کہ آخرت و اہل اسلام کی خیرخواہی اور بادشاہان اور حکام اسلام کی اصلاح اور ان کے لئے طاعات و عبادات کی توفیق اور ان کی مخالفات سے بچے بلکہ ان کے تعاون علی البر والتقوٰی اور انہیں حق پر قائم رہنے اور اعدائے اسلام پر فتح و نصرت کی دعا مانگے ۔

ختم القرآن کی دعا : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ ادعیہ میں سے ایک دعا یہ ہے :

اللھم ارحمنی بالقرآن العظیم واجعلہ لی	اے اللہ قرآن مجید کے طفیل مجھ پر رحم فرما اور اسے میرا
اماما ونورا وھدی ورحمۃ اللھم ذکرنی	امام اور نور اور ہدایت و رحمت بنا مجھے وہ یاد دلا جو میں اس
منہ ما نسیت وعلمنی منہ ما جھلت وارزقنی	سے بھولا اور مجھے سے بے خبر ہوا اور مجھے اس کی رات اور
تلاوتہ انا اللیل واطراف النھار واجعلہ	دن کی گھڑیوں میں تلاوت کی توفیق بخش۔ اے رب العالمین !
حجۃ لی یارب العالمین	اسے میرے لئے حجت بنا ۔

ف : حضرت ابوالقاسم ہمیشہ ختم قرآن مجید کے بعد مندرج ذیل دعا مانگتے تھے۔

اللھم انا عبیدك و ابناء عبیدك و ابناء امائك ماض فینا حکمك عدل فینا قضاؤك نسألك اللھم بکل اسم ھو لك سمیت بہ نفسك او علمتہ احدا من خلقك او انزلتہ فی شیء من کتابك اواستاثرت بہ فی علم الغیب عندك ان تجعل القرآن ربیع قلوبنا و شفاء صدورنا و جلاء احزاننا وھمومنا و سائقنا و قائدنا الیك و الی جناتك جنات النعیم و دارك ودارالسلام مع الذین انعمت علیھم من النبیین و الصدیقین والصالحین برحمتك یا ارحم الراحمین.

اے اللہ! ہم سب تیرے بندے اور تیرے بندوں اور تیری کنیزوں کی اولاد ہیں ہمارے اوپر تیرا فیصلہ نافذ اور تیرا ہر فیصلہ ہمارے لئے عدل و انصاف پر مبنی ہے، ہم تجھ سے تیرے ان اسماء کی برکت سے سوال کرتے جنھیں تونے اپنے لئے مقرر فرمایا یا کسی کو اس کا علم دیا اور کسی کتاب میں انھیں نازل فرمایا یا انھیں اپنے خاص علم میں پوشیدہ رکھا یہ قرآن ہمارے دلوں کی بہار اور ہمارے سینوں کی شفا اور ہمارے احزاں کی جلاً اور اسے ہمارا امام و قائد بنا اور اس کی برکت سے ہمیں بہشت اور جنات النعیم کا راستہ دکھا جو تیرا دار ہے وہ دار السلام ہے ان حضرات کے ساتھ ہمارا حشر ہو جو انبیاء، صدیقین و شہداء و صالحین ہیں۔ اے رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

مسئلہ: قنیہ میں ہے کہ ختم قرآن کے وقت سورۂ اخلاص کو جہراً مجتمع ہو کر پڑھنا جائز ہے۔ بہتر ہے کہ ان میں سے ایک پڑھے اور باقی سنتے رہیں۔ (یہ قول مفتیٰ بہ ہے)۔

ف: اس صورت میں الوہیت کی وجہ یہ ہے کہ قرأت سے اہم غرض یہ ہے کہ حروف کی تصحیح ضرور ہو تاکہ ان کے معانی کا ظہور ہو پھر سن کر ان پر عمل ضروری ہے۔ علاوہ ازیں سب کی آوازیں مل جائیں تو خواطر متشوش ہوں گے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ پڑھتے وقت کوئی کوئی حرف پڑھے گا اور کوئی کوئی۔ تیسری خرابی یہ ہوگی کہ پڑھتے ہوئے حروف میں کمی وبیشی ہوگی پھر کوئی بعض حروف کو ساکن پڑھے گا تو دوسرا متحرک کوئی مدکھینچے گا تو کوئی اس کے برعکس۔ صرف اس لئے کہ وہ کوشش کریں گے کہ تمام الفاظ اکٹھے ظاہر ہوں۔ اس طرح کی غلطی کرنے والے گنہگار ہوں گے: ؎

عشقت رسد بفریاد گر بشان حافظ
قرآں ز بر بخوانی در چاردہ روایت

ترجمہ: اے حافظ قرآن کی چودہ قرأت میں اگر تجھے عشق ہے تو تجھیں معلوم ہو جائے گا۔

ہم اللہ تعالے سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ ہمیں قرآن کے حقائق واسرار سے مطلع فرمائے اور ہمیں اس کی ان مصلحتوں اور حکمتوں سے آگاہی بخشے جو اس میں قصص و اخبار واقع ہوتے اور ہمیں اہل تحقیق سے بنائے اس لئے کہ وہی توفیق کا مالک ہے۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ○ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ
وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ
وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ○ وَكُلَّ إِنْسَانٍ
أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ○ اقْرَأْ
كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ○ مَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ
وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ
حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ○ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا
فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ○ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ
وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ○ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا
مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا ○
وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ○
كُلًّا نُمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ○ انْظُرْ
كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ○ لَا تَجْعَلْ
مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَخْذُولًا ○

ترجمہ : اور انسان برائی مانگتا ہے جیسے بھلائی چاہتا ہے اور انسان بہت بڑا جلدباز ہے ۔ اور ہم نے رات
اور دن کو دو نشانیاں بنایا تو رات کی نشانی کو تاریک بنایا اور دن کی کو نشانی کو دکھانے والی تاکہ تم اپنے رب کا فضل
تلاش کرو اور برسوں کی گنتی اور حساب جانو، اور ہم نے ہر چیز خوب واضح فرما دی ۔ اور ہر انسان کی قسمت کا پرندہ ہم
نے اس کے گلے کا ہار بنایا اور اس کے لئے قیامت کے دن ہم ایک کتاب (نامۂ اعمال) نکالیں گے جسے کھلا ہوا
پائے گا ۔ (اسے کہا جائے گا) اپنی کتاب (نامۂ اعمال) خود پڑھ آج تو خود ہی اپنے حساب کے لئے کافی ہے ۔
جس نے ہدایت پائی اس نے اپنے فائدہ کے لئے ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا تو وہ بھی نقصان کر کے بہکا اور کوئی
بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور جب تک ہم رسول نہ بھیجیں ہم کسی کو عذاب میں مبتلا
نہیں کرتے ۔ اور جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کے عیاشوں کو حکم بھیجتے ہیں پھر وہ اس میں
حکم عدولی کرتے ہیں تو اس پر ہماری حجت قائم ہو جاتی ہے تو ہم اسے برباد کر کے تباہ کر دیتے ہیں ۔ اور ہم نے نوح
علیہ السلام کے بعد بہت سی امتوں کو تباہ کیا اور تمھارا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کا جاننے والا اور دیکھنے والا
کافی ہے ۔ جو جلدی والی یعنے دنیا کو چاہے گا اسے اس میں فی الحال جتنا چاہے گا جس کے لئے چاہیں گے دے دیں گے

پھر ہم اس کے لئے جہنم میں مقرر کریں گے پھر وہ اس میں مذمت کیا ہو دھکے کھاتا ہوگا۔ اور جو آخرت چاہتا اور اس کی کوشش کرتا ہے بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو انہیں کی کوشش منظور ہوگی۔ آپ کے پروردگار کی عطا سے ہم ان کی اور مدد کریں گے اور آپ کے رب کی عطا پر روک نہیں۔ دیکھئے ہم نے ایک کو دوسرے پر کیسے فضیلت بخشی ہے، اور بے شک آخرت درجات میں سب سے بڑی اور فضیلت میں سب سے اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالےٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہ بناؤ (ورنہ) بدحال اور بے یار و مددگار بیٹھ رہو گے۔

تفسیر عالمانہ

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ اور انسان شر کی دعا مانگتا ہے یعنے جب اسے غصہ آتا ہے تو شر کی دُعا مانگتا ہے اور لعنت کرتا ہے اور مخالف کی تباہی و بربادی کے اللہ تعالےٰ سے سوال کرتا ہے بلکہ چاہتا ہے کہ مخالف کی ساتھ اس کے اہل وعیال اور مال واسباب برباد ہو جائیں۔

ف: یہاں الانسان سے جنس انسان مراد ہے اور وہ بعض افراد اور وہ بھی اس کے احوال سے ایک حال کا ذکر ہے نہ جملہ انسان مراد ہو سکتے ہیں اور نہ ہی انسان کے جملہ احوال مُراد ہیں۔

ف: یدع کی یا محذوف ہے جیسے یمح اور سندع میں یاء محذوف ہے۔ ایک مقام پہ فرمایا: سوف یوت اللہ یہاں بھی یؤت کی یاء محذوف ہے اسی طرح ینادِ المناد اور وما تغن النذر میں یار محذوف ہے اجتماع الساکنین کی وجہ سے یعنے چونکہ ان آیات میں یاء الف و لام اسمار کے ساتھ متصل ہونے سے اجتماع ساکنین لازم آتا ہے اس لئے ان افعال کی یار حذف کر دی گئی جیسے علمائے صرف کا قانون ہے یا بحیثیت وقف کے یار محذوف ہوتی ہے لیکن جملہ آیات مذکورہ میں 'یار' مراد ہے حملاً للوقت علی الوصل۔

سوال: ان آیات میں وقف کی کوئی صورت نہیں پھر اسے وقفاً حذف کرنے کا کیا معنے؟

جواب: ہم ایسے مقام پہ واؤ کو حذف کرنے پہ مجبور ہیں تا کہ مصحف عثمانی کے خلاف نہ ہو۔ (کذا فی الکواشی)

ف: دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ط یعنے شر کی دعا ایسے مانگتا ہے جیسے وہ خیر کی دعا مانگتا ہے یعنے جیسے اسے اپنی بھلائی مثلاً رزق و عافیت اور رحمت کے لئے دلچسپی سے دعا مانگتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی دعا جلد مستجاب ہو جائے ایسے ہی وہ شر کی دعا میں دلچسپی رکھتا ہے یا اس کا معنے یہ ہے کہ وہ اپنی دعائے شر کو خیر سمجھتا ہے حالانکہ درحقیقت وہ دعا اس کے لئے شر ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ اسے ایسی دعا مانگنی چاہیے جو محض رضائے حق پر مبنی ہو اس میں اس کی نفسانی خواہش کا بال برابر بھی دخل نہ ہو۔

وَكَانَ الْإِنْسَانُ اور ہے انسان اپنی جبلی اور فطری عادت کے مطابق۔ عَجُوْلًا ○ جلد باز ہے کہ جیسے جی آتا ہے اللہ تعالےٰ سے دعا مانگ لیتا ہے اس کے انجام پر اس کی نگاہ نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ اتنا روادار ہوتا ہے کہ چند لمحات کے بعد

وہ جوش ختم ہو جائے یا جس کے لئے دعا مانگتا ہے وہ سرے سے مٹ جائے پھر الٹا کہے کہ کاش! میں دعا نہ مانگتا۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ انسان اپنے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف عجلت باز ہے نہ وہ نعمتوں میں خوش اور نہ تکالیف سے۔ اور نہ وہ گرمی پر صبر کرتا ہے نہ سردی پر۔

ف: دعا حقیقی طور پر مانگے یا ایسا عمل کرے جو شر کا موجب ہو اس لئے کہ انسان عجلت باز ہے قولاً بھی فعلاً بھی عموماً ایسے امور کا ارتکاب کرتا ہے جو دوزخ میں دخول اور عذاب کے نزول کا سبب ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ مؤمن وقاف یعنے سوچ بچار سے کام لیتا ہے اور منافق وثاب یعنے جلد بازی سے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وصیت سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو وصیت فرمائی کہ ہر کام کرنے سے پہلے سوچ لیا کرو لمحہ بھر۔ اس لئے کہ اگر میں سوچ سے کام لیتا تو مجھ سے خطا (خلاف اولیٰ) سرزد نہ ہوتی۔

ایک اعرابی کا مقولہ مشہور ہے:

ایاکم والعجلۃ عجلت سے بچو۔

اس لئے کہ عرب والے اسے ام الندامات سے تعبیر کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

پیش سگ چون لقمہ نان افگنی
بو کند وانگہ خورد اے معتنی
او ببینی بو کند ما با خرد
ہم ببوئیمش بعقل منتقد

ترجمہ: کتے کو لقمہ ڈالو تو وہ پہلے اسے سونگھتا ہے پھر کھاتا ہے۔ وہ ناک سے بو سونگھتا ہے ہم عقل سے سوچتے ہیں تو پھر ہمیں اس میں فوقیت ہو۔

چھ امور میں عجلت ضروری ہے بزرگان اسلام کا فرمان ہے کہ اگرچہ عجلت شیطانی عمل ہے لیکن چھ امور میں عجلت ضروری ہے:

1. نماز کی ادائیگی میں جب اس کا وقت ہو جائے۔
2. جب لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کے بیاہ میں جلدی کی جائے۔
3. قرض کو بھی جلد ادا کیا جائے جب ادائیگی کی طاقت حاصل ہو۔
4. جب مہمان تشریف لائے تو اسے کھانا جلد کھلایا جائے۔

⑤ جب گناہ صغیرہ یا کبیرہ کا ارتکاب ہو جائے تو توبہ میں عجلت کی جائے۔

⑥ جب فوت ہو جائے تو دفن میں جلدی کی جائے۔

ربط: اب ان آیات تکوینیہ کو بیان کیا جاتا ہے جن سے بندے کو غور و فکر کرنے پر راہ ہدایت نصیب ہوتی ہے؛

کما قال تعالٰے:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور ہم نے رات اور دن کو بنایا۔

نکتہ: رات کو دن کی تقدیم میں کا راز یہ ہے کہ چاند کی پہلی تاریخ رات سے معلوم ہوتی ہے اور اہل عرب دن کا آغاز اسی دن کی رات سے شروع کرتے ہیں یعنے رات اور دن کا ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنا اور طویل و قصر میں مختلف ہونا:

اٰيَتَيْنِ دونوں آیتیں یعنے صانع قدیر ہونے اور اس کی وحدت کی دلیل ہیں اس لئے کہ ان کا تغیر و تبدل بتاتا ہے کہ ان میں تغیر و تبدل پیدا کرنے والا کوئی ہے۔

یہاں رات و دن کو اپنی وحدت اور اپنے صانع و قدیر ہونے کی دلیل بنایا اور دوسرے مقام پہ فرمایا:

وجعلنا ابن مریم و امہ (آیۃ) اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو دلیل بنایا۔

سوال: پہلی آیت میں تثنیہ اور اس آیت میں آیت کو واحد لایا گیا ہے حالانکہ دو علیحدہ علیحدہ آیات ہیں یہ بھی دو علیحدہ علیحدہ آیات ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب (۱) چونکہ رات اور دن آپس میں دو ضدیں ہیں اس لئے ان کے لئے تثنیہ کا صیغہ ضروری تھا اور ابن مریم و امہ آپس میں ضدیں نہیں اسی لئے ان کے لئے واحد کا صیغہ لایا گیا۔

جواب (۲) عیسٰے علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو بیک وقت دیکھا جا سکتا تھا اسی لئے آیۃ واحدۃ کہا گیا اور سورج و چاند یعنے دن اور رات اگرچہ یوم واحد کا مجموعہ ہیں لیکن انھیں بیک وقت نہیں دیکھا جا سکتا اسی لئے انھیں علیحدہ آیت قرار دے کر تثنیہ کا صیغہ لایا گیا۔

فَمَحَوْنَا اٰيَةَ الَّيْلِ۔ فاء تفسیریہ اور اضافت بیانیہ ہے جیسے عدد کی معدود کی طرف اضافت بیانیہ ہوتی ہے ایسے ہی یہاں سمجھئے۔ اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے آیت کو مٹایا اور وہ آیت یہی رات تھی۔

ف: المحو یعنے ازالۃ الشیٔ الثابت یعنے کسی ثابت اور قائم شئے کو مٹانا اور یہاں مُراد یہ ہے کہ اللیل میں روشنی پیدا کر کے کے نشانات ختم کر دیئے گئے جیسے اللہ تعالٰے کی شان میں کہا جاتا ہے:

صغر البعوض وکبر الفیل اللہ تعالٰی وہ ہے کہ جس نے مچھ کو صغیر اور ہاتھی کو کبیر بنایا۔

یعنے ابتداءً ان کی تخلیق ایسے ہی ہوئی ایسے رات کی تکوین ابتداءً ایسے ہی ہوئی جیسا کہ محو اللیل کے مقابلہ میں جعل النہار مضیئاً فرمایا۔

وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ اور ہم نے بنایا آیت کو جو کہ وہ نہار ہے۔ مُبْصِرَةً روشن کہ جس میں اشیاء دیکھی جاتی ہیں۔

ف: نہار کے اہل کی صفت سے نہار کو موصوف فرمانے میں مجاز ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ ایۃ اللیل و ایۃ النہار میں حقیقی اضافت مراد ہے اور لیل سے چاند اور نہار سے سورج مُراد ہے۔

چاند میں سیاہی کا نشان کیوں؟ مروی ہے کہ ابتداءً سورج اور چاند کو ایک جیسا بنایا گیا یعنے ہر ایک کا نور ستر ستر اجزا تھا پھر جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ چاند پر تین بار اپنا پَر مار کر چاند کے نور کے انہتر اجزا نکال کر سورج میں ڈالیں تاکہ رات اور دن کے درمیان امتیاز ہو ورنہ ابتداءً رات و دن میں کسی قسم کا امتیاز نہیں تھا رات چاند کی روشنی سے تاباں اور دن سورج کی روشنی سے۔ جب سے چاند کی روشنی سورج کو دی گئی اسی وقت سے رات میں تاریکی اور دن میں روشنی کا امتیاز ہوا اور یہ چاند کے منہ میں جو سیاہی نظر آتی ہے یہ جبریل علیہ السلام کے پروں کے مارنے کے نشانات ہیں۔

سیاہ رنگ کی خوبی چونکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری سلطنت کے امور کا تعلق قمری سنین سے ہوتا تھا اسی لئے چاند کے اندر سیاہی کے باوجود اسے تمام ستاروں کا سردار اور سیاہ رنگ تمام رنگوں کا سردار بنایا گیا۔ اسی لئے عرب اسے سید الالوان سے تعبیر کرتے ہیں اور حجر اسود کا سیاہ ہونے کا ایک راز یہ بھی ہے کہ اگرچہ بہشت سے دنیا میں اسے لاتے وقت اس کا سفید رنگ تھا لیکن جونہی اسے انبیاء و اولیاء کرام علے نبینا وعلیہم السلام نے ہاتھ مبارک لگا کر مشرف فرمایا تو اسے عالم دنیا کے تمام پتھروں کی سیادت نصیب ہوئی اسی سیادت کے اظہار کے لئے اسے سیاہ رنگ بخشا گیا وہ اسی بنا پر کہ سیاہ رنگ سید الالوان ہے تو جس پتھر کو یہ رنگ ملا ہے اس کے لئے دلالت کر رہا ہے کہ سید الاحجار ہے۔

نکتہ صوفیانہ غیروں کو سنین کی گنتی سن شمسی اور ہم اہل اسلام کو سن قمری بخشا اس میں بھی یہی راز ہے جسے صرف عارفین جانتے ہیں وہ یہ کہ عارفین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی تمام روشنیاں مٹا دیتی ہے۔ ایسے ہی عارفین پر لازم ہے کہ وہ اپنے ظواہر کو کتنے لبواطن میں گم کر دیں۔ اہل اسلام کی اسی خصوصیت کی وجہ سے صرف انھیں تجلیات خاصہ سے نوازا گیا ہے ورنہ ان سے قبل تمام اُمتیں ان تجلیات خاصہ سے بے خبر رہیں۔

ایک اور نکتہ پہلی امتوں کے لئے فانسلخ کا حکم ہے یعنے ان سے ایمان چھین لینا نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ اور ایک حقیقت تھی چنانچہ بلعم باعوراء وغیرہ کے لئے ہوا اور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے فرمایا:

كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ ان لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالےٰ نے ایمان لکھ دیا۔

پھر جسے اللہ تعالےٰ لکھے اسے کون مٹا سکتا ہے۔

[شیعوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ انھوں نے بلا سوچے کہہ دیا کہ صحابہ کرام باستثنار (۳) افراد (معاذ اللہ) مرتد ہوگئے۔ دیکھئے اصول کافی و ترجمہ مقبول وغیرہ وغیرہ][1]

اسی لئے اللہ تعالے نے فرمایا:

لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر　　　سورج کے لائق نہیں کہ وہ چاند کو پا سکے۔

اس سے صوفیار کرام نے الشمس سے امم سابقہ اور القمر سے امت مصطفےٰ مراد لی ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ امم سابقہ کو کب ممکن ہے کہ وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کی شرافت کو پائیں۔

ف: میرے حضرت شیخ پیر و مرشد قدس سرہٗ نے کتاب البرقیات میں بہت بڑی بہترین اور عجیب و غریب تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

آیۃ اللیل فرعیہ وتبعیہ کا اور آیۃ النہار اصلیہ واستقلالیہ کا مرتبہ ہے اس لئے کہ چاند سورج سے نور حاصل کرتا ہے اس کے باوجود آیۃ اللیل کو محو اور آیۃ النہار کو مبصرۃ سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ ان دونوں یعنے آیۃ اللیل اور آیۃ النہار میں استوار ہے بلکہ یہ آپس میں ایک دوسری سے امتیاز رکھتی ہیں اور ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ آیۃ اللیل کو آیۃ النہار سے استفادہ کی مقدار کیا ہے وہ اس طرح بحسب ضعف و نقصان آیۃ اللیل آیۃ النہار سے کم درجہ ہے اور آیۃ النہار بحسب قوۃ وکمال آیۃ اللیل سے ارفع واعلےٰ ہے اور یہ دونوں آپس میں ایسے مرتبط ہیں کہ اپنی حد و طور سے متجاوز نہیں ہوتے بلکہ ہر ایک کا لزوم مقام و قدر معروف ہے اسی وجہ سے نظام کائنات قائم ہے اور ہمیشہ ایسے ہی رہے گا کسی قسم کا خلل یا نقصان نہیں ہوتا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مظاہر جلال کا مرتبہ فرعیہ وتبعیہ ہے اور مظاہر جمال کا مرتبہ استقلالیہ واصلیہ ہے اس لئے کہ وہ امداد جو مظاہر جلال کو نصیب ہوتا ہے وہ مظاہر جمال کے قیام پر مبنی ہے اور ان کا قیام و بقار مظاہر جمال سے متضاد ہے اس لئے صوفیار کا مقولہ مشہور ہے کہ:

لو لا الصلحاء لھلک الصلحاء　　　اگر صلحار نہ ہوتے تو طالح یعنے برُے لوگ تباہ و برباد ہو جاتے۔

نیز مظاہر جلال کے افکار صواب سے ہٹ کر خطا کی طرف چلے جاتے ہیں لیکن مظاہر جمال کے افکار ہمیشہ مبصر اور مصیبت ہوتے ہیں اس سے بھی ان کے مابین امتیاز مطلوب ہے تاکہ مظاہر جلال و جمال میں مساوات نہ ہو اور واضح ہو جائے کہ اصل کے مرتبہ کو قوت و غلبہ و عزت حاصل ہے اور فرع کا مرتبہ ہمیشہ عجز وضعف اور ذلت میں رہتا ہے اور اس لحاظ میں بھی وہ آپس میں ایک دوسرے کی حد سے متجاوز نہیں ہوتے یعنے مظاہر جمال ہمیشہ مصیبت رہتے ہیں اور مظاہر جلال میں خطا ہوتی ہے۔ نہ مرتبۂ فرعیہ وتبعیہ مرتبہ اصالۃ اور استقلالیۃ میں آسکتا ہے اور نہ مرتبہ استقلالیۃ و اصالۃ مرتبۂ تبعیہ و فرعیہ میں آسکتا ہے اور یہ معاملہ

---

[1] : اضافہ از فقیر اویسی۔

جاری و ساری رہے گا جہاں تک اللہ تعالےٰ چاہے گا ۔

ف: مرتبۂ قمر میں مراتب الٰہیہ سے مرتبۂ ربوبیت کی طرف اور مرتبۂ شمس میں مرتبہ مراتب الٰہیہ سے مرتبہ الوہیت کی طرف اشارہ ہے نیز مرتبۂ قمر کا مرتبۂ کرسی اور لوح کی طرف اور مرتبۂ شمس کا مرتبۂ عرش و قلم کی طرف اشارہ ہے نیز مراتب کونیہ انفسیہ یعنے مرتبۂ قمر مرتبۂ روح کی طرف اور مرتبہ شمس مرتبہ سر کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی طرح اور اشارات قرانیہ کا قیاس کیا جائے (یہ اصطلاحاتِ صوفیانہ ہیں ان کی مزید تشریح کتب تصوف میں موجود ہے) ۔

لِّتَبْتَغُوْا ۔ یہ جعلنا اٰیۃ النھار سے متعلق ہے یعنے تاکہ تم دن کی روشنی میں اپنے لئے طلب کرو ۔ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ اپنے رب کا فضل یعنے رزق ۔

سوال : رزق کو فضل سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ؟

جواب : تاکہ معلوم ہو کہ رزق دینا اللہ تعالےٰ پر واجب نہیں بلکہ یہ تقاضائے ربوبیت اپنے فضل و کرم سے ہر ایک کو رزق عطا کرتا ہے اور ابتغاء میں اشارہ ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لئے سببِ کسب ضروری ہے کہ سوائے سبب کے اس کا حصول ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے ۔

وَلِتَعْلَمُوْا یہ ہر دونوں فعلوں کے متعلق ہے یعنے لیل و نہار کے اختلاف جدید یا ان کے ذاتی امتیاز کہ ایک میں تاریکی دوسرے میں روشنی اور ان دونوں کا ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنا معلوم کرو ۔ عَدَدَ السِّنِيْنَ سالوں کی گنتی کہ جن سے تمہاری علمی اغراض متعلق ہیں کہ جن سے اپنی دینی و دنیوی مصلحتیں معلوم کرتے ہو ۔ وَالْحِسَابَ ؕ اور وہ حساب یعنے تمہاری مصلحتیں جو اوقات سے متعلق ہیں مثلاً بعض امور سالوں سے اور بعض امور مہینوں سے اور بعض دونوں سے اور بعض راتوں سے تعلق رکھتے ہیں کہ اگر لیل و نہار کا یہ حساب نہ ہوتا تو تمام نظامِ دین و دنیا معطل رہتا ۔

ف: حساب ہر اس گنتی کو کہا جاتا ہے جو کمیت منفصلہ رکھتی ہو جو اپنے ہم مثل سے مکرر ہوتی رہتی ہے کہ جس کے ایک معین حصے سے حد معین حاصل ہو اسی معین حصے کا کوئی خاص نام مقرر ہوتا ہے اور وہ حکم بھی خاص رکھتا ہے اور گنتی ہر وہ شے جو اپنے ہم مثل سے مکرر ہو لیکن اس سے خاص حد یا حکم حاصل نہ ہو ۔ السنۃ سالوں مہینوں کی گنتی سے اور الشھر (ماہ) دنوں کی گنتی سے اور الیوم (شب و روز) گھنٹوں کی گنتی سے مکمل ہوتا ہے ۔ السنین ۔ سنۃ کی جمع ہے یہ دو قسم کا ہے :

① شمسی

② قمری

سورج نے جس برج کے نقطے سے سفر شروع کیا تھا جب وہاں پہنچے گا تو شمسی سال مکمل ہو گا ۔ سورج اس سفر کو تین سو پینسٹھ اور دن کے چہارم حصہ میں طے کرتا ہے (۳۶۵¼) اور قمری سن بارہ چاند وں کے مکمل ہونے پر پورا ہوتا ہے اس کے تین سو بینتالیس اور ۰۰ ن کی تہائی ایام ہوتے ہیں ۔

مسئلہ: عنین (نامرد) کو حاکم نے سال تک علاج کرانے کی مہلت دی تو یہ مدت بارہ ماہ قمری کے اختتام پر ہو گی اگرچہ عنین کہے کہ ابھی سال نامکمل ہے تو بھی اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

مسئلہ نماز کے فدیہ کا حساب شمسی سال کے مطابق ہوگا ہاں چہارم حصہ کو اس میں نہیں ملایا جائے گا اس لئے کہ نماز کے مسئلہ میں احتیاط ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ سال کی نمازوں کا فدیہ پانچ سو بیس درہم ایک فرض نماز کے عوض دینا لازمی ہوں گے ایک وتر کے پانچ سو درہم علاوہ اس معنے پر شمسی سال کی کل نمازوں کا فدیہ قسطنطنیہ کے تول کے مطابق ایک سو بیالیس کیل اور سات اوقیے دینے ہوں گے اگر کوئی گندم کی بجائے نقد دے تو موجودہ نرخ کے مطابق گندم کی قیمت ادا کرنا بھی جائز ہے[1]

وَكُلَّ شَيْءٍ اور ان باتوں میں یعنے معاشی امور اور معاد کے متعلق تم محتاج ہو۔ یہ فعل محذوف سے منصوب ہے جس کی تفسیر فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ○ ہے۔ ہم نے اسے مفصل طور پر بیان کیا ہے یعنے ہم نے تمہارے جملہ امور ضروریہ قرآن مجید میں ایسے بلیغ طریق سے بیان کیا ہے کہ جس میں کسی قسم کا شک وشبہ اور التباس نہیں ہے اس میں ہم نے تمہارے جملہ اعتراضات کو دُور کیا ہے اور ایسے واضح طور پر بیان فرمایا کہ تمہارے لئے کسی قسم کی حجت بازی کا موقعہ بھی نہیں۔

سبق: عاقل وہ ہے جو قرآن کی اتباع کرتا ہے اس کی سمجھ میں آتا ہے تو بھی نہیں آتا تو بھی بلکہ جو سمجھ نہ آتے اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ عالم دین اگر قرآن مجید کو غور وفکر اور تدبّر وفکر سے پڑھے تو اسے تمام لاینحل مسائل کا جواب قرآن مجید سے حاصل ہوگا۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی ایسا دن خالی نہ جاتا جس میں وہ قرآن مجید کی زیارت (تلاوت) نہ کرتے ہوں اس لئے کہ صرف قرآن مجید کی زیارت بھی عبادت ہے۔

ف: قرآن مجید کی زیارت (تلاوت) سے لاینحل مسائل کا حل ہوتا ہے بشرطیکہ غور وفکر وتدبر وتفکر سے اس کی تلاوت کی جائے گی بفضلہ تعالیٰ اس کی زیارت سے کئی مخفی اور پوشیدہ اسرار کھلتے ہیں۔

حفظ القرآن کا واقعہ حضرت محمد بن الحسن تلمیذ سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ اپنے استاذ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فقہ پڑھنے کے لئے حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا کہ بیٹے تم نے قرآن مجید پڑھا ہے؟ انھوں نے جواب نہیں میں دیا۔ آپ نے فرمایا: پہلے قرآن مجید حفظ کرلو پھر میرے ہاں حاضر ہونا۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے سات دن گزار کر پھر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا کہ جب تک قرآن مجید حفظ نہ

---

[1] :۔ اس مسئلہ کی توضیح وتشریح فقیر کے رسالہ "الاقساط فی الحیلۃ والاسقاط" میں دیکھئے ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ

ذکر لو میرے ہاں حاضری کا نام نہ لو: امام محمد نے عرض کی میں نے قرآن مجید حفظ کر لیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ:

حکایت امام محمدؒ ایک رات میرا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں قیام ہوا میں نے انھیں دیکھا کہ ساری رات کپڑا تان کر سوتے رہے مجھے یہ بات سخت ناگوار گزری کہ اتنا بڑا امام ساری رات غفلت کی نیند سوتا رہا لیکن جونہی صبح کی نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوئی آپ وضو کئے بغیر جماعت میں شامل ہوگئے۔ میں نے انھیں عرض کی کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے فرمایا کہ تمھارا گمان ہے کہ میں نیند میں تھا مجھے نیند نہیں تھی بلکہ اسی رات میں نے قرآن مجید سے فقہ کے ایک ہزار سے زائد مسائل استخراج کئے ہیں اگرچہ آپ نوافل میں مشغول رہے لیکن وہ آپ نے نفس کے لئے اعمال جمع کئے لیکن میں نے ساری رات امت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی شرعی مسائل کے حصول میں گزار دی اور میں لیٹا اس لئے رہا کہ مجھے واردات اسی طور پر نصیب ہوتے ہیں۔

ف: حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ الاطہر فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا وحی کے وقت لیٹ جانے میں بھی یہی راز تھا کہ جب ان پر وحی یعنے واردات الٰہیہ کا ورود ہوتا تو چونکہ صفت قیومیہ ہے اس لئے جب روح اس کے حصول میں مشغول ہوتی تو جسم کی طاقت قیام وقعود کمزور پڑ جاتی ہے اسی لئے وہ اپنی اصلی حالت زمین پر لیٹنے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

ف: قرآن مجید میں ہر گروہ کی تفصیل موجود ہے اہل عبارت یعنے ظاہرین مفسرین اپنے طور پر اور اہل اشارہ یعنے صوفیائے کرام اپنے طور پر تفصیلات کا اظہار کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نہ بیند غیر طین
ظاہر قرآن چو شخص آدمی ست
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی ست

ترجمہ: اے بیٹے! تو قرآن کے ظاہر کو دیکھو شیطان آدم کی صرف مٹی کو دیکھتا ہے قرآن کا ظاہر صرف آدمی کے ظاہر کی طرح ہے کہ اس کے نقوش ظاہر ہیں اور اس کی جان پوشیدہ ہے۔

وَكُلَّ إِنسَانٍ اور ہر انسان مکلف کو کافر یا مؤمن مذکر یا مؤنث عالم یا جاہل بادشاہ یا گدا آزاد یا غلام۔ **أَلْزَمْنَاهُ** الالزام بمعنے لازم کرنا یعنے ہم نے لازم کیا۔ **طَائِرَهُ** اس کا وہ عمل جو اس سے اس کے اپنے اختیار سے صادر ہوا اور وہی اس کی تقدیر میں پہلے مقدر ہو چکا۔

ف: اسے طائر پرندے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جیسے پرندہ تقدیر کے گھونسلے سے اڑ کر اس کے ہاں آیا ہے۔

فِي عُنُقِهِ اس کی گردن میں۔

ف : اسے گردن میں چمٹنے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جب کوئی شے کسی کو ضروری لازماً چمٹانا مقصود ہوتا ہے تو اس کی گردن میں ڈالا جاتا اسی تقدیر پر اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم ان کے اعمال نامے ان کو ایسے لازم کردیں گے کہ وہ کسی وقت بھی ان سے جدا نہیں ہوں گے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے گلے کا ہار کہ جس طرح گلے میں ڈالی ہوئی زنجیر یا ہار انسان کو چمٹ کر رہ جاتا ہے ایسے اس کا اعمال نامہ کہ کسی وقت بھی اس سے جدا نہ ہوگا ؎

که هر نیک و بدی کان از من آید
مرا ناکام غل در گردن آید!

ترجمہ : ہر بُرا یا نیک کام مجھ سے صادر ہوگا وہ لازماً میرے گلے میں چپایا جائے گا۔

سوال : الاسئلة المقحمة میں ہے کہ اس اعمال نامے کے پرندے کو گلے میں ڈالنے کی تخصیص کیوں؟

جواب : گلا انسان کے لئے ایک ایسی جگہ ہے جہاں انسان کی زینت یا اس کی مذمت کے لئے کوئی شے ڈالی جاتی ہے اسی بنا پر بعض ضروری اشیاء کو گلے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں :

"فی عنقی وفی عنقک"

فلاں امر میرے گلے پڑ گیا یا فلاں امر تیرے گلے پڑ گیا۔

ف : حیوۃ الحیوان میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں کہ :

"تقلدها طوق الحمامه"

اسی ھاء کا مرجع الخصلة القبيحة ہے یعنے فلاں نے فلاں گندی عادت اپنے گلے کا ہار بنایا ہے یعنے اس عادت قبیحہ پر التزام کر رکھا ہے اور وہ عادت اس سے کبھی نہیں جائے گی جیسے کبوتری کا طوق کبوتری کو مرتے دم رہے گا۔ ایسے ہی گندی عادت اس کو مرتے دم تک نہ چھوڑے گی۔ صاحب حیوۃ الحیوان نے اس کی مثال اسی آیت (والزمناه طائره فی عنقه یعنے اس کا عمل اس کے گلے کا ہار رہے گا اسے کسی وقت بھی نہیں چھوڑے گا) سے دی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ازل میں جس طرح حکمت ازلیہ کا تقاضا ہوا اسی طرح ہر ایک کی سعادت وشقاوت اور احکام مقدرہ اور احوال معلومہ مقدر ہوئے یعنے جس طرح قادر مطلق کا قلم جاری ہوا ایسے ہی انسان کی صورت وسیرت اور رزق واجل اور صغائر وکبائر جو اس سے صادر ہوں گے ویسے ہی ہوگا اور عالم عدم کا معاملہ ہے یعنے جب کہ اس کے وجود کا پرندہ منتظر تھا کہ کب عالم عدم سے وجود کی طرف سر نکالا تو اس کے وجود کا پرندہ اس کے گلے میں ڈال دیا گیا اور اس کے گلے کا ہار بنا کہ نہ صرف تاحیات بلکہ موت کے بعد بھی اس کے گلے کا ہار بنا رہے گا [illegible] کہ جب وہ اپنی قبر سے حساب کے لئے نکلے گا تو بھی وجود اسے چمٹا ہوا ہوگا۔ اسی لئے فرمایا کہ

وَنُخْرِجُ لَهٗ اور ہم ہر انسان کے لئے نکالیں گے۔ یَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن یعنے حساب کے لئے كِتٰبًا

ایسی کتاب کہ جس میں ہر چھوٹا بڑا عمل لکھا ہوا ہوگا اور یہ نخرج کا مفعول بہ ہے۔ یَلْقٰىهُ اسے انسان پائے گا اور دیکھے گا۔ مَنْشُوْرًا ۝ کھلا ہوا جب کہ وہ اس سے قبل لپٹا ہوا اور بند تھا یہ دونوں کتابا کی صفت ہیں یلقٰہ صفت ہے اور منشورا حال ہے۔

ف : حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر انسان کے لئے ایک صحیفہ اور دائیں بائیں دو فرشتے مقرر ہیں جو فرشتہ دائیں جانب ہے وہ نیکیاں اور جو بائیں جانب ہے وہ برائیاں لکھتا ہے جب انسان مرتا ہے تو صحیفہ قبر میں اسے ساتھ دیا جاتا ہے اور قیامت تک اس کے ساتھ رہے گا۔ یعنے انسان کی موت کے وقت اس کا اعمال نامہ لپیٹ لیا جاتا ہے جب وہ قیامت میں حساب کے لئے اٹھے گا تو وہ اعمال نامہ کھول کر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ اور کہا جائے گا کہ اسے پڑھ، یہ تیرا اعمال نامہ ہے۔

اعجوبہ : قیامت میں دنیا میں ان پڑھ انسان بھی اس وقت پڑھا ہوا ہوگا یہاں تک کہ اس وقت ہر بندہ اپنا اعمال نامہ خود پڑھے گا۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا تجھے تیرا نفس آج کے دن خود حساب دان کافی ہے اس میں الباء کافی ہے اور الیوم، کفیٰ کا مفعول فیہ (ظرف) ہے اور حسیبا تمیز ہے اور علی حسیبا کا صلہ ہے الحسیب بمعنے الحاسب۔

سوال : حسیب کے بجائے حسیبۃ لانا چاہئے اس لئے کہ نفس سے تمیز ہے اور نفس مونث ہے ؟

جواب : نفس بتاویل شخص ہے اور شخص مذکر ہے حسیبًا کو مذکر لایا گیا ہے یعنے اسے اعمال نامہ دکھا کر، پڑھا کر، کہا جائے گا کہ اب تو خود ہی اس کا جواب دے کہ تو کس سزا کا مستحق ہے۔

ف : اللہ تعالٰی بندے کو حساب اس لئے سپرد کر دے گا تاکہ اس کی طرف ظلم کی نسبت نہ ہو اور پھر بندہ جب خود اپنی غلطیوں کا اعتراف کرے گا تو اس پر خود بخود حجت قائم ہو جائے گی۔

ف : اس میں اہلِ انصاف کو غور کرنا چاہئیے کہ اس کریم نے اپنے بندے کو جرائم و قصور کا محاسب اسے خود بنایا ہے۔

ملفوظ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرنے سے پہلے اپنا حساب بنالو اس لئے کہ آج تمہارے ہاں اعمال کا دفتر موجود ہے اسی لئے آج اپنی نیکی اور برائی کو مدِ نظر رکھ کر فرصت کو غنیمت سمجھتے ہوئے برائیوں سے توبہ اور نیکیوں کی توفیق پر خوشی کرنی چاہئیے۔

حکایت کسی نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ دن کو جتنی باتیں کسی سے سنو یا کوئی بات دیکھو تو اس کی رپورٹ مجھ تک پہنچاؤ اور اپنے تمام اعمال کی ڈائری بھی مجھے سناؤ۔ ایک دن کی تو تمام ڈائری سنائی لیکن دوسرے دن والد سے معذرت سنائی اور عرض کی کہ اباجی ! پہاڑ تو سر پر رکھ سکتا ہوں لیکن اعمال کی ڈائری سنانے کی مجھے طاقت نہیں اور نہ ہی ایسی ڈائری بیان کر سکتا ہوں۔ اس کے والد صاحب نے فرمایا میں بھی تجھے مجبور نہیں کرتا لیکن میری نصیحت یاد رکھنا کہ تادم زیست ہوشیاری

سے کام لینا اور حساب وکتاب کی حاضری ہر وقت یاد رکھنا اور میرا اسٹاف ڈائری پر تمھیں مامور کرنے کا مقصد یہ تھا کہ جب تم میرے سامنے ایک دن کے حساب وکتاب کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر ساری زندگی کا حساب وکتاب اللہ تعالےٰ کے ہاں کس طرح دے سکو گے ۔

تو نمی دانی حساب و روز و شام
پس حساب عمر چوں گوئی تمام
زیں عمل ہائے نہ بر نہج صواب
نیست جز شرمندگی وقت حساب

ترجمہ : تم صبح وشام کا حساب نہیں جانتے پھر تمام عمر کا حساب کس طرح کہو سکوگے ۔ اس دنیا میں اچھے اعمال کی بنیاد رکھ ورنہ قیامت میں حساب کے وقت سوائے رسوائی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا ۔

مَنِ اهْتَدٰى ہر وہ شخص سیدھے راستے پر چلے یعنے قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق چلے یعنے احکام شرعیہ کے مامورات پر گامزن ہو اور جن برائیوں سے قرآن مجید نے روکا ہے ان سے رک جائے ۔ فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ تو بے شک وہ اپنے نفس کے لئے ہدایت پاتا ہے اس لئے کہ اس کی ہدایت کا نفع اسی کی طرف لوٹے گا اور وہ نفع کسی دوسرے کو نہ ملے گا ۔ وَمَنْ ضَلَّ اور جو اس راہ سے بھٹک گیا جو اسے حق تعالےٰ تک پہنچائے ۔ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ط بے شک گمراہی کا وبال اسی پر آئے گا اور وہ اس سے متجاوز ہوکر کسی دوسرے تک نہیں پہنچے گا کیونکہ گمراہی کا عمل اس نے کیا ہے تو سزا بھی بھگتے گا‘ اس کے بدلے میں کوئی اور دوسرا سزا نہ پائے گا ۔

ف : قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ حکم آخرت کا ہے کہ ہدایت پانے کی جزا کا نفع صرف اسی ہدایت پانے والے کو نصیب ہوگا اور گمراہی کا نقصان یا وبال اسی کو ہوگا جس نے گمراہی کا عمل کیا ہے ورنہ دنیا میں ہدایت کے فوائد نہ صرف ہدایت یافتہ کو بلکہ بیشمار خلق خدا اس کی ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں اسی طرح گمراہی کا نقصان بھی نہ صرف اسی عامل تک محدود ہوتا ہے بلکہ جو بھی اس کی گمراہی کی تابعداری کرتا ہے سراسر نقصان اٹھاتا ہے ۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۔ قاموس میں ہے کہ
الوزر ۔ بالکسر الاثم ۔ الثقل ۔ الحمل الثقیل ۔

یعنے الوزر کو واؤ مکسور سے پڑھا جائے یعنے گناہ اور بوجھ، اور بوجھ بوجھل یعنی قیامت میں کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس کسی دوسر کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۔ یہاں تک کہ ایک کے بوجھ اٹھانے سے دوسرے کی نجات ہوجائے بلکہ ہر عمل اپنے عامل کے سر پر رکھا جائے گا اور اسے ایسے لازم کر دیا جائے گا کہ سوا اس کے اسی گناہ کی وجہ سے اور کسی کو مواخذہ نہ ہوگا ۔

سوال : آیت ہذا سے ثابت ہوا کہ کوئی کسی دوسرے کے کام نہ آسکے گا اور یہ آیت شفاعت :

کما قال تعالٰی :

من یشفع شفاعۃ حسنۃ یکن لہ نصیب منہا و من یشفع شفاعۃ سیئۃ یکن لہ کفل منہا ۔

جو کسی کی نیکی کی شفاعت کرے گا تو اس کا اسے حصہ نصیب ہو گا اور جو کسی کی برائی کی سفارش کرے گا تو اس کا اسے حصہ حاصل ہو گا ۔

اور فرمایا :

لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیمۃ ومن اوزار الذین یضلونھم بغیر علم ۔

تاکہ اٹھائیں اپنا بوجھ کامل قیامت میں اور ان لوگوں کا جنھیں بغیر علم کے انھیں گمراہ کرتے تھے ۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں غیر کا بوجھ اٹھایا جائے گا اور غیر کی نیکی کا نفع اور غیر کی برائی کا ضرر دوسرے کو پہنچے گا ؟

جواب : قانون اور ضابطہ تو یہ ہے کہ حقیقتاً ہر نیکی کا صلہ اور ہر برائی کی جزا و سزا ان کے عامل کو ملے اور یہ لازمی امر ہے ۔ باقی رہا شفاعت کا معاملہ تو وہ اصل نیکی کی جزا نہیں بلکہ وہ ایک علیحدہ امر ہے جسے اصل نیکی سے کوئی تعلق نہیں اسی طرح گمراہی کی سزا بھی گمراہوں پر منحصر ہے ۔ اگر کسی کو گمراہ کرنے کے سبب سے سزا ملے گی تو وہ اضلال (گمراہ کرنے) کی سزا ہے نہ کہ گمراہی کی ضلال و اضلال میں فرق ظاہر ہے ۔

ف : ولا تزر جملہ ثانیہ کی تاکید ہے تاکہ کفار کو ہر طرح کا طمع ختم ہو کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگرچہ ہم غلط کار ہیں لیکن ہم اسلاف کی وجہ سے نجات پا جائیں گے اس لئے کہ ہم ان کے تابعدار ہیں اور جو کچھ نفع و نقصان اصل کو پہنچتا ہے وہی اس کے تابع کو ۔

شانِ نزول کاشفی نے لکھا ہے کہ ولید بن مغیرہ کافروں سے کہا کرتا تھا کہ تم میری اتباع کرو قیامت میں تمھارے تمام گناہ میں اپنے سر پر رکھ لوں گا ۔ اللہ تعالٰی نے اس کے رد میں فرمایا کہ ہر ایک اپنے عرق میں غرق ہو گا کوئی کسی کا گناہ نہیں اٹھائے گا ۔

ف : بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت میں کتاب سے بندے کا اپنا نفس مراد ہے اس لئے کہ ہر عمل ارتکاب کے بعد مرتکب کے اپنے نفس میں منقوش ہو جاتا ہے ۔ اس کی تشریح یوں ہے کہ جب انسان سے کوئی عمل خیر یا شر صادر ہوتا ہے تو جو ہر روح میں ایک اثر مخصوص پیدا ہو جاتا ہے لیکن جب تک روح جسم میں ہے اس وقت تک وہ اثر مخفی رہتا ہے اس لئے کہ اس وقت وہ حواس و قوائے انسانی میں مشغول رہتا ہے جب روح بدن سے جدا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے لئے قیامت قائم ہو جاتی ہے کیونکہ روح بدن سے خارج ہوتے ہی عالم علوی کی طرف عروج کرتی ہے پھر جونہی اس نے عالم علوی کی طرف توجہ کی تو جسم سے پردے اٹھتے گئے اور احوال کھلتے گئے اس کے بعد زندگی بھر کے اعمال کے نقوش نفس پر ظاہر ہو جاتے ہیں یہ تقریر عقل کے مطابق ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو نقل بھی اس کی تائید کرتی ہے جیسا کہ حضرت قتادہ نے فرمایا :

یقرأ وذالك الیوم من لم یکن فی الدنیا قارئا۔ یعنے دنیا میں اگرچہ ان پڑھ تھا لیکن اس روز وہ پڑھا ہوا ہوگا۔

مذکورہ بالا تقریر کے مطابق القیامۃ سے بھی قیامت صغریٰ مُراد ہے لیکن اس تقریر کو فلاسفہ کے قواعد سے زیادہ مشابہت ہے۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی)

صاحب روح البیان کی عجیب و غریب تقریر (صاحب روح البیان) فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ یوم آخرت، صورۃً و معناً ہر دونوں کا جامع ہے۔ اس معنے پر انسان کے دو صحیفے ہونے لازمی ہیں۔

۱۔ اعمال نامہ جسے کراماً کاتبین لکھتے ہیں۔

۲۔ وہ نقوش جو اس کے نفس پر منقوش ہوتے رہتے ہیں پھر قیامت میں اس کے یہ ہر دونوں صحیفے گواہی دیں گے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

ف: آیت میں کتاب سے وہ صحیفہ مراد ہے جس کو کراماً کاتبین روزانہ اور ہر چھوٹی بڑی نیکی اور برائی لکھتے ہیں اور اس کا وہی اعمال نامہ اس کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ اسی کتاب کے متعلق انسان کو حکم ہوگا۔ اقرأ کتابك۔ اے انسان! وہ کتاب پڑھ جو تیرے لئے لکھی گئی! اور وہ تیرے گلے میں ڈالی گئی ہے۔ کفی بنفسك الیوم علیك حسیبا۔ آج تیرا نفس تیرا محاسب کافی ہے اس لئے کہ تیرا نقش تیرے اعمال کے قلم سے مرقوم ہے سعادت ہے تو بھی شقاوت ہے تو بھی۔ جو اعمال صالحہ کی ہدایت پاتا ہے تو وہ اس کا اپنا فائدہ ہے اور وہ سعادت کے نقوش کو پالیتا ہے اور اگر اعمال فاسدہ کا ارتکاب کرتا ہے تو گمراہی حاصل کرتا ہے اور وہ گمراہی اسے نقصان پہنچائے گی اس لئے کہ وہ شقاوت کے منقوش کو حاصل کررہا ہے۔ ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ اور کوئی بھی دوسرے کے گناہوں کے قلم کو ہاتھ نہیں لگاتا جو کچھ کرتا ہے وہ خود کرتا ہے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ اور ہم عذاب دینے والے نہیں اور ہمارے لئے مناسب نہیں بلکہ ہماری عادات سے محال ہے اس لئے کہ ہمارا ہر حکم ہزاروں حکمتوں پر مشتمل ہوتا ہے اسی لئے ہم اہل ضلال اور اہل اوزار کو بتقاضائے عقل عذاب نہیں دیتے۔ **حَتّٰى نَبْعَثَ** یہاں تک کہ ہم ان کے ہاں بھیجیں **رَسُوْلًا** ○ رسول علیہ السلام، جو انہیں حق کی ہدایت دے اور گمراہی سے روکے اور دلائل و حجج قاطعہ سے سمجھائے اور شرعی مسائل سے آگاہ فرمائے تاکہ پھر وہ معذرت اور حجۃ بازی نہ کریں۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تشریف لانا واجب ہے لیکن نہ بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ حکمتوں اور مصلحتوں کا تقاضا یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام تشریف لاکر بدبختوں کو راہ حق دکھلائیں۔

ف: یہاں پر عذاب سے دنیوی عذاب مراد ہے اس لئے کہ یہی عذاب آخروی عذاب کے مقدمات سے ہے۔ بعض بدبختوں کافروں کو ہر دونوں دنیا و آخرت بلکہ عذاب برزخ میں بھی مبتلا کیا

ف : بعث وقت مقدرکہ میں عدم صحت وقوع کی غایت ہے نہ عدم وقوع مطلق کی، اس لئے کہ اخروی عذاب کا وقوع بعث کے بعد ناممکن ہے اور دنیوی عذاب بھی فسق وفجور کے بعد واقع ہوتا ہے۔

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً اور جب ہم کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں یعنے جب ہمارے ارادے کا تعلق کسی بستی کے برباد کرنے کا ہوتا ہے۔ أَمَرْنَا تو ہم اسی بستی کی طرف بھیجے ہوئے رسول علیہ السلام کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں۔ مُتْرَفِيهَا اس بستی کے دولت مندوں اور لیڈروں اور بادشاہوں کو۔

ف : المترف بروزن المکرم ابطرته النعمة وسعة العیش سے ہے یعنے فلاں کو نعمت اور وسعت عیش نے تکبر میں ڈالا ہے۔ الترفة بالضم بمعنے النعمة والطعام الطیب۔

سوال : آیت میں صرف دولت مندوں وغیرہ کی تخصیص کیونکہ ؟ حالانکہ یہ سب کو شامل تھا۔

چونکہ عوام سرداروں کے پابند ہوتے ہیں، سردار بمنزلہ اصل اور عوام بمنزلہ فرع کے ہوتے ہیں اسی لئے اصل کے ذکر کے بعد فرع کی ضرورت نہیں رہی۔

فَفَسَقُوا فِيهَا پس وہ سردار لوگ انبیاء علیہم السلام کی طاقت سے خارج ہوئے اور ان بستیوں میں سرکشی کی۔ فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ پس ان پر قول ثابت ہوگیا یعنے جب ان سے طغیان وعصیاں صادر ہوا تو پھر نزول عذاب کا موجب اور سبب ظاہر وثابت ہوگیا۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ ان بستی والوں پر وہ کلمۂ عذاب ہوگیا جو ازل میں ان کے لئے لکھا جاچکا تھا اسی بنا پر وہ عذاب کے مستحق ہوگئے۔

فَدَمَّرْنَاهَا پس ہم نے ان بستی والوں کی تباہی کے ساتھ اس بستی کو بھی تباہ وبرباد کردیا۔ تَدْمِيرًا بمعنی الاهلاک مع طمس الاثر وهدم البناء یعنے کسی مکانات کی بنا ختم کرکے اس کے نشانات مٹا کر اسے تباہ وبرباد کرنا۔

ف : اس عبارت میں مجاز ہے اور واضح کرنا ہے کہ ان کے فسق وفجور کا سبب صرف ان کی دنیا ودولت بنی جس کی وجہ سے فسق وفجور کے مرتکب ہوئے تو اس کے بعد ان پر تباہی وبربادی ڈالی گئی۔

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ۔ کم اهلکنا کا مفعول ومن القرون کم کے ابہام کو بیان کرنا ہے۔ جیسے اسماء عدد کو تمیز کی ضرورت ہوتی ہے ایسے ہی لفظ کم کو بھی اور من القرون لفظ کم کی تمیز ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے بہت سے زمانہ کے لوگوں کو تباہ وبرباد کیا۔

ف : القرن انسان کی زندگی کا وہ زمانہ جس میں وہ اپنی زندگی بسر کرکے فوت ہو۔ لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ ایک سو سال کی مدت کو قرن کہا جاتا ہے۔

کُنْ کی زبان نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو دعا دیتے ہوئے فرمایا :

عِشْ قَرْنًا ایک قرن تک جیتے رہو۔ چنانچہ وہ ایک سو سال تک زندہ رہا۔ نیز قرن ہر اس دور کے لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کے دور زندگی کا کوئی فرد بھی باقی نہ رہے دیسے ہر آنے والے لوگوں کے لئے پہلے لوگ قرن ہیں اس لئے کہ وہ ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔

مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ ط نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بعد جیسے عاد و ثمود اور ان کے بعد والے۔

سوال: عقل کا تقاضا یہ ہے کہ من بعدادم کہنا چاہئے؟

جواب: اس لئے کہ نوح علیہ السلام وہ پہلے نبی ہیں جنھوں نے امت کی تبلیغ میں بہت بڑی جدو جہد فرمائی اور قوم نے بھی آپ کی تکذیب میں سرتوڑ کوشش کی۔ یہ وہی پہلی قوم ہے جس پر سب سے پہلے عذاب الٰہی کا نزول ہوا اور یہی قوم آیت ہذا کی صحیح مصداق ہے اس لئے کہ طوفان نے ان کا ایسا بیڑا غرق کیا کہ جب مٹے تو نہ صرف ان کا نام و نشان مٹ گیا بلکہ ان کے مکانات اور بستیوں کے نشانات بھی نیست و نابود ہو گئے۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ اور تیرا رب تعالیٰ کافی ہے۔ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا اور وہ اپنے بندوں کے ظاہری و باطنی گناہوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے ان کے تمام گناہوں کی انھیں سزا دے گا۔

سوال: اسم خبیر کی بصیر پر تقدیم کیوں حالانکہ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اسم بصیر پہلے ہو اس لئے کہ بصیر کو اسم شہید کی طرح امور ظاہرہ سے اور اسم خبیر کو امور غیبی اور اعمال باطنہ سے تعلق ہے اور ظاہر کو باطن پر تقدیم ضروری ہے۔

جواب: چونکہ امور غیبیہ اور اعمال باطنیہ کو اعتقادیات نیات سے تعلق ہے اور اعتقادیات و نیات اعمال ظاہرہ کے مبادی ہیں۔ اسی لئے ان اعتقادت و نیات کے متعلق کو مقدم کرنا ضروری ہوا۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعث اور امر اور ان کے جمیع متعلقات کفار کے فسق و فجور سے ہوئے نہ اس وجہ سے کہ جونہی ان کے گناہوں کے صدور کا علم ہوا تو پھر یہ امور واقع ہوئے اس لئے کہ گناہوں کا صدور بعد کو ہوا اور بعث وامر وغیرہ اس سے پہلے موجود ہو چکے تھے۔ اس آیت سے بھی کفار کو ہر طرح کے طمع ولالچ سے فارغ کر دیا گیا ہے یعنی انھیں یقین دلایا گیا ہے کہ تمھیں کسی طریق سے بخشش نصیب نہیں ہوگی۔

مسئلہ: آیت میں اس امت کے گنہگاروں اور بالخصوص مکہ کے کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور ان کی ہر طرح کی نافرمانی سے بچیں ورنہ جیسے سابقہ امتوں پر عذاب نازل ہوتے اگر انھوں نے نافرمانی کی تو یہ بھی ان کی طرح عذاب کے مستحق ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انھیں مبتلا نہ کریں تو وہ اس کا کرم ہے۔

لومڑی کی چالاکی شعبی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ شیر اور بھیڑیا اور لومڑی شکار کے لئے نکلے۔ چنانچہ انھیں تین شکار دستیاب ہوئے:

① حمار وحشی

② ہرن

۴ خرگوش

شیر نے بھیڑیئے سے کہا کہ ان کی تقسیم کیجئے۔ بھیڑیئے نے کہا کہ حمار وحشی آپ کے لئے اور ہرن میرے لئے اور خرگوش لومڑی کے لئے۔ شیر نے بھیڑیئے کو تھپڑ رسید کیا جس سے بھیڑیا خون سے لتھڑ پتھڑ ہوگیا اس کے بعد شیر نے لومڑی سے تقسیم کا کہا لومڑی نے کہا حمار وحشی آپ کے لئے صبح کی خوراک ہو جائے اور ہرن عشاء کی اور خرگوش ان دونوں کے مابین کسی وقت تناول فرمانا شیر نے ہنس کر فرمایا تجھے کس نے سمجھایا کہ اسی طرح کی تقسیم مناسب ہے لومڑی نے جواب دیا۔ بھیڑیئے پر جناب کے تھپڑ نے سبق دیا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے:

العاقل من وعظ بغیرہٖ

"دانا وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے" ؎

مرد در کارہا چو کرد نظر
بہرۂ اعتبار ازاز برداشت
ہرچہ آن سودمند بود گرفت
ہرچہ ناسودمند بود گذاشت

ترجمہ: مرد امور کو جب دیکھتا ہے تو اس سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ جو امر اس کے لئے مفید ہوتا ہے اسے لے لیتا ہے جو بُرا ہوتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے:

وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا اس میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ ہوں سیئہ، وہ سعادت وشقاوت سے منقوش ہوتے ہیں اور ان کے اثرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی بنا پر باقی رہتے ہیں جو ان کی دعوت قبول کرتا ہے تو اس کے لئے نیک اثرات اگر وہ ان کی دعوت کو رد کرتا ہے تو اس کے لئے بُرے اثرات منقوش ہوتے ہیں اس لئے کہ سعادت وشقاوت، اوامر ونواہی کے اندر بطور امانت رکھے گئے ہیں۔

و اذا اردنا ان نہلک قریۃ اور جب ہم نفوس کی بستی کو تباہ وبرباد کرتے ہیں امرنا مترفیھا تو ہم اس بستی کے نفوس امارہ بالسوء کو حکم دیتے ہیں۔ ففسقوا پس وہ شہوات کی اتباع اور خواہشات نفسانیہ کو پورا کرتے ہوئے قید شریعت اور اتباع انبیاء علیہم السلام سے نکل جاتے ہیں۔ فحق علیھا القول تو ان پر شریعت کی مخالفت کی نحوست سے ان پر بدبختی کا قول واجب ہو جاتا ہے۔ فدمرناھا تدمیرا جب ان کے نفوس رقوم شقاوت ابدیہ سے مرقوم ہو جاتے ہیں تو ہم ان کی قبول سعادت کی استعداد ضائع کر دیتے ہیں۔

وکم اھلکنا من القرون من بعد نوح اور ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد بہت سے قرون تباہ وبرباد کئے یعنے جب انھوں

نے انبیا علیہم السلام کا امر رد کیا تو ہم نے قبول سعادت کی استعداد کو ضائع کر دیا۔ وکفی بربک بذنوب عبادہ جب انھوں نے انبیا علیہم السلام کی دعوت قبول نہ کی، اسی بنا پر تیرے رب تعالٰی نے اپنے بندوں کے گناہوں کی کفالت کی۔ خبیرا بصیرا چونکہ ازل میں ہر شئے کو دائمی طور اپنے بندوں کی سعادت و شقاوت کے اسباب اسی نے مقدر کئے ہیں اسی لئے وہ خبیر و بصیر ہے۔

تفسیر عالمانہ مَنْ كَانَ ہر وہ شخص جو اپنی خساست ہمت سے۔ يُرِيْدُ اپنے اعمال سے ارادہ کرتا ہے۔ الْعَاجِلَةَ جلدی والی یعنے صرف دار دنیا کا یعنے دنیا کے فنون مطالب کو چاہتا ہے اس سے فاسق اور کافر اور اہل ریاء و نفاق اور دنیا کی خاطر ہجرت کرتے والا اور وہ مجاہد جو صرف مال غنیمت و شہرت کے لئے جہاد کرتا ہے، مراد ہے۔ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا ہم بھی اس کے لئے اسی دنیا میں عجلت کریں گے۔ مَا نَشَآءُ جس کے لئے ہم جلدی چاہتے ہیں کہ اسے دنیا و دولت سے مالامال کر دیا جائے ہر وہ جو خود ارادہ کرتا ہے اس لئے کہ حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر چاہنے والے کو اس کے ارادہ پر مالامال نہیں کیا جاتا کیونکہ اللہ تعالٰی بعض بندوں کو طلب کے بغیر مطالب عنایت فرما کر اور بعض کو طلب کرنے کے باوجود مطالب سے اور شرائط سے مشروط کرکے آزماتا ہے اور بعض کے لئے مقدر فرمایا ہے کہ اگر اس نے فلاں مطلب کی طلب کی تو اسے مطلب میں کامیاب کر دیا جائے گا۔ اور بعض کے لئے یوں ہوتا ہے کہ بعد طلب تا فلاں مدت کامران و کامیاب فرمایا جاتا ہے یہ تمام آزمائش کے طریقے ہیں اس لئے کہ کبھی یوں ہوتا ہے کہ بندہ اپنا مطلب چاہتا ہے تو ایک عرصہ کے بعد اس کا مطلب پورا کیا جاتا ہے یعنے طلب کے وقت اور مطلب کے حصول کے وقت میں وقفہ ہوتا ہے اور بعض ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ انھیں طلب کے بغیر ہی ہر مقصد میں کامیاب فرمایا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا تمام طریقوں کا خلاصہ یہ ہے کہ نعمتوں سے مالامال ہونے والے اور محروم ہونے والے تین قسم کے ہیں:

① طلب کے باوجود محروم
② طلب پر مقصد میں کامیاب
③ طلب میں کامیاب باوجود اس سے طلب کا صدور بھی نہ ہو۔

لِمَنْ نُّرِيْدُ حرف جر کا اعادہ کرکے ضمیر لهٗ سے بدل البعض ہے اس سے اسم موصول مراد ہے جس کا مقصد کثرت ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ پھر ہم اس کے لئے بنائیں اس کے عوض جو اس کے لئے ہم نے دنیا میں مال و دولت وغیرہ دی۔ جَهَنَّمَ جہنم اور اس کے اندر قسم قسم کے عذاب۔ يَصْلٰهَا، یہ ضمیر مجرور سے حال ہے یعنے درآنحالیکہ داخل ہوگا۔ مَذْمُوْمًا ملامت کیا ہوا ہے۔ یہاں مذمت بمعنے ملامت ہے مذمت و ملامت بمعنے خلاف المدح والحمد مثلاً کہا جاتا ہے۔ ذممۃ دھو ذمیم ای غیر حمید یعنے مذمت و ملامت کیا ہوا۔ (کذا فی بحر العلوم)

مَدْحُوْرًا دھتکارا ہوا، اللہ تعالٰی کی رحمت سے، اس لئے کہ الدحر بمعنے الطرد والابعاد یعنے اللہ تعالٰی کی رحمت سے دور کرنا۔ وَمَنْ اور ہر وہ جو از روئے علو ہمت۔ اَرَادَ اعمال سے ارادہ کرتا ہے۔ الْاٰخِرَةَ آخرت اور اس کے

اندر کی، دائمی نعمتوں کا۔ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا اور پوری کوشش کرتا ہے جیسا کہ اس کے لائق ہے یعنے اوامر الٰہی بجالانا اور نواہی سے رکنا نہ اس طریق سے جیسا کہ اہل جاہلیت قربِ الٰہی کے لئے عمل کرتے اور وہ ان کے اپنے من گھڑت تھے۔ لہا کی لام نیت واخلاص کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس لئے کہ لام اختصاص کے لئے مستعمل ہوتی ہے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ درانحالیکہ وہ مومن ہو یعنے اس کا ایمان صحیح ہو کہ جس میں شرک اور تکذیب کا شائبہ تک نہ ہو اس لئے کہ بہشت کے داخلہ کے لئے ایمان ضروری ہے۔ فَأُولَٰئِكَ مذکورہ بالا سہ شرائط یعنے آخرت کا ارادہ رکھنے والے اور اس کے لئے سعیٔ جمیل کرنے والے اور ایمان والے کے جامع ہیں پس وہی لوگ۔ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ○ ہے ان کی سعی حسن قبول سے اللہ تعالٰے کے ہاں مقبول ہے اس پر انہیں ثواب نصیب ہوگا اس لئے کہ جب شکر کی نسبت اللہ تعالٰے کی طرف ہوتی ہے تو اس کا اجر و ثواب دینا مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ اس پر کوئی قرینہ نہ ہو کیونکہ شکر کا ثمرہ نتیجہ ہے۔

لطیفہ عجیبہ انسان دنیا و آخرت سے مرکب ہے ہر دونوں دنیا و آخرت کے ہر جز کو میل وارادہ ہے تاکہ ان ہر دونوں سے غذا پاکر قوت حاصل کر کے تکمیل پذیر ہو۔ انسان کا دنیوی جز نفس ہے اور اس کا راستہ جہنم کے درکات ہیں اور اس کا دوسرا جز اخروی روح ہے اور اس کا راستہ جنت کے درجات ہیں اور قلب ان ہر دونوں اجزاء سے پیدا کیا گیا ہے اور اس کا راستہ رحمٰن کی دونوں انگلیوں کے درمیان ہے۔ رحمٰن کی ایک انگلی کا نام لطف اور دوسری کا نام قہر ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالٰے چاہتا ہے کہ وہ قہر کا مظہر ہو تو اس کا دل اور چہرہ دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی لئے عجلت کی چیزیں چاہتا ہے اور انہی عجلت کی چیزوں سے نفس کی تربیت کرتے ہوئے بُعد و فراق کے درکات تک پہنچ کر اسی ہجر و فراق کی نار میں داخل رہتا ہے اور جس کے لئے ارادہ کرتا ہے کہ اسے اپنے لطف و کرم کا مظہر بنائے تو اس کے قلب اور چہرہ کو عالم علو کی طرف متوجہ کرتا ہے پھر وہ آخرت کے امور میں بڑھتا ہوا طلب حق میں بہت زیادہ جدوجہد کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو یعنے جو بھی حق کی طلب کرتا ہے تو اسے لازماً پالیتا ہے۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی وجود میں موجد کے ہاں ازل سے مشکور ہے۔

كُلًّا یہ نُّمِدُّ کا منصوب ہے یعنے ہر ایک دنیا و آخرت کے ارادتمند۔ نمد ہم بار بار بڑھاتے ہیں کہ ہر آنے والے کے لئے پہلے کی مدد ثابت ہوگی ان کے درمیان میں انقطاع نہ ہو ان میں سے ایک کو دنیا کی نعمتیں دوسرے کو آخرت کی نعمتیں هَٰؤُلَاءِ کلا سے بدل ہے وَهَٰؤُلَاءِ پہلے ہٰؤلاء پر عطف ہے یہ اور وہ یعنے دنیوی نعمتوں والے ہوں یا اخروی نعمتوں والے۔ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ تیرے رب تعالٰی کی طرف سے عطا ہے یعنے اس کی دی ہوئی وسیع نعمتوں کا کوئی منتہٰی نہیں۔ عطا بمعنے معطٰی یعنے وہ شے جو عطا کی جائے یہ نمد کے متعلق ہے۔ ما بہ الامداد اور منہ یعنے امداد کی مقدار اور امداد کی جانب کا ذکر نہیں کیا گیا اس لئے کہ یہی امداد نہ سعی پر موقوف ہے اور نہ ہی عمل کی وجہ سے بلکہ یہ اس کا فضل محض ہے۔ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ اور تیرے رب تعالٰے کی عطا دنیوی واخروی مَحْظُورًا روکی ہوئی اس سے کہ جس کا وہ ارادہ کرے وہ نیک ہو یا برا بلکہ وہ اپنے ارادہ کریمہ سے دنیا و آخرت میں نیک کو عطا سے نوازتا ہے اور کافر اور فاجر کو دنیوی نعمتیں عنایت فرماتا ہے۔ اگرچہ

بندوں سے ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن کی وجہ سے عنایات کی رکاوٹ ہوجائے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست
پس پردہ بیند عمل ہائے بد ا
ہم او پردہ پوشد بالائے خود
وگر برجفا پیشہ بشتافتے
کہ از دست قہرش اماں یافتے

ترجمہ: (۱) زمین کا دسترخوان اللہ تعالیٰ کا ہے یہ دشمن اور دوست کے لئے عام ہے۔

(۲) بڑے اعمال دیکھ کر بہت پردے ڈھانپتا ہے۔

(۳) اگر ظلم کا طریقہ اختیار کرتا تو اس کے قہر سے کوئی بھی نہ بچتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ دیکھئے ہم نے کیسے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ کیف فضلنا سے منسوب علی الحالیۃ ہے نہ انظر سے اس لئے کہ استفہام پر اس کا عامل مقدم نہیں ہوسکتا اس لئے کہ استفہام کو کلام کا ابتدا ضروری ہے۔ یعنے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم نظر عبرت سے دیکھئے کہ ہم بعض آدمیوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے یعنے بعض کو دنیوی نعمتوں سے مالامال کیا ہے اور بعض ان میں مالی لحاظ سے نہایت کمزور ہیں، بعض ان میں شریف اور بعض ان میں رذیل کمینے ہیں، بعض ان میں مالک ہیں اور بعض مملوک اور بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے کہ بعض کے درجات و مراتب دوسروں سے افضل ہوں گے۔ ان کے حالات خود بخود ایک دوسرے کی فضیلت کے شاہد ہوں گے چنانچہ فرمایا: وَلَلْاٰخِرَةُ اور آخرت اور جو کچھ اس کے اندر ہے۔ اَكْبَرُ دنیا سے بہت بڑی۔ دَرَجٰتٍ درجات کے لحاظ سے اس کا منصوب ہونا علی التمیز ہے یہ درجۃ کی جمع ہے بمعنے مرتبہ و طبقہ۔ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ اور تفضیل کے لحاظ سے بہت بڑا ہے وہ اس لئے کہ آخرت کا یہ تفاوت بہشت اور بلند درجات کی وجہ سے ہے۔ اس کے ہر درجہ کا فاصلہ آسمانوں و زمین کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے: انظر کیف فضلنا بعضھم علی بعض یعنے دنیوی ساز و سامان اور ان کے حصول مرادات کے لحاظ سے ہم نے اہل دنیا کو بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے تاکہ ثابت ہو کہ ہماری مہربانی سے ان کے مراتب و درجات کا فرق ہے۔ وللاخرۃ یعنے اہل آخرت۔ اکبر درجات و اکبر تفضیلا اہل دنیا سے درجات اور تفضیل کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں۔ اس لئے کہ درجات اخرویہ کے مراتب اور آخرت والوں کے فضائل باقی اور غیر متناہی ہیں اور دنیا کی نعمتیں اور اہل دنیا کے فضائل متناہی

اور فانی ہیں حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا :

؎

فی الجملہ اعتماد مکن بر ثبات دہر
کیں کارخانہ ایست کہ تغیر می کنند

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اُخرویہ باقیہ کے درجات کو حاصل کرے ۔

حدیث شریف (۱) اہلِ دنیا کی نظروں میں بہشتی لوگ مجنوں محسوس ہوتے ہیں حالانکہ وہ اہلِ علم کے نزدیک بہت بڑے عالی مراتب ہیں ۔

ف : اولوالالباب سے مراد علماء کرام ہیں ۔ اولوالالباب حدیث شریف میں واقع ہوا ہے ۔

حدیث شریف (۲) : عالمِ دین کی عابد پر وہی فضیلت ہے جیسے میری فضیلت تمھارے ادنیٰ درجہ والے پر ۔

حدیث شریف (۳) : ایک روایت میں ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت ہے ۔

حدیث شریف (۴) : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے "والذین اوتوا العلم درجات" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عام مومن پر عالم دین کے سات سو درجات بلند ہوں گے ان ہر ایک کے درجہ کی مسافت ایسے ہے جیسے آسمان و زمین کی درمیانی مسافت ۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ بہشت کے درجات کا تفاوت حسب معارف حقیقیہ علوم الٰہیہ کے مطابق ہوگا ۔

حدیث شریف (۵) : بہشت میں ایک نورانی شہر ہے اس کے اندر کے محلات اور دریچے ایسے ہیں جنھیں پہلے کبھی نہ کسی ملک مقرب نے دیکھا ہے اور نہ نبی مرسل نے، اور اس کے اندر رہنے والے خدام و ازواج نورانی ہیں، یہ تمام اللہ تعالےٰ نے عاقل لوگوں کے لئے تیار فرماتے ہیں جب اللہ تعالےٰ اہلِ جنت کو اہلِ نار سے ممتاز فرمائے گا، ایسے ہی اہل عقل کو غیر عقل والوں سے ممتاز فرمائے گا۔ پھر ہر ایک کو عقل کے مطابق ان شہروں میں بسایا جائے گا۔ ان میں سے ہر ایک کے درجے کا فرق مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت، ہزار مرتبہ کے مطابق ہوگا ۔

ف : عقل سے علم و معرفتِ الٰہی مراد ہے ۔

حدیث شریف (۶) : بہشت کے بعض مخصوص درجات ہیں جو صرف اہلِ ہموم کو نصیب ہوں گے ۔

ف : اصحاب ہموم سے وہ لوگ مراد ہیں جو طالب خیر اور حلال رزق کے متلاشی رہتے ہیں ۔

حدیث شریف (۷) : بہشت میں بعض مخصوص درجات ہیں جو صرف ان تین قسموں کے لوگوں کو نصیب ہوں گے :

① عادل

(۲) صلہ رحمی اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے والا ۔

(۳) صاحب عیال، صبر کرنے والا ۔

ف : حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ صاحب عیال، صبر کرنے والا کون ہے ؟ فرمایا : جو اپنے عیال پر خرچ کرکے ان پر احسان نہ جتلائے ۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی کے دروازے پر چند لوگ جمع ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بلا لیا۔ یہ بات حضرت ابوسفیان کو ناگوار گذری، اور فرمایا کہ ہمیں اجازت نہیں ملی اور انھیں اجازت مل گئی اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم سب کو دعوتِ اسلام دی گئی لیکن انھوں نے پہلے دعوتِ اسلام قبول فرمائی اور ہم نے دیر سے، یہی کیفیت آخرت میں ہوگی پھر رشک کیسا ۔

ف : بعض روایت میں واکثر تفضلا پڑھا گیا ہے ۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ عالم دنیا میں فخر و مباہات پر ناز کرنے والو! تمھیں چاہیئے کہ آخرت کی منازل و مراتب کے حصول کی جدوجہد کرو کہ دراصل فخر و مباہات کا وہی امر ضروری ہے۔ اس لیئے کہ فضیلت کے لحاظ سے آخرت کے درجات و مراتب اکبر و اکثر ہیں ۔

حدیث شریف : جہاد کے تارک اور جہاد پہ جانے والے کے درمیان سو درجہ کا فرق ہوگا۔ ہر درجہ کے درمیان ستر سال تیز رفتار گھوڑے کے دوڑنے کا فاصلہ ہوگا ۔

حدیث شریف علم حاصل کرو اس لیئے کہ قیامت میں سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام اٹھائے جائیں گے پھر علماء پھر شہداء اس کے بعد تمام مخلوق۔ ہر ایک کو اپنے درجات پر مراتب و فضائل نصیب ہوں گے۔ (کذا فی بحر العلوم)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

علم را دو پر گمان را یک پر است
ناقص آمد ظن بہ پرواز ابتر است

مرغ یک پر زود افتد سرنگون
باز بر پرد دو گامے یا فزون

اُفت و خیزاں میپرد مرغ گمان
با یک پر بر امید آشیان

چون ز ظن وارست علمش رو نمود
شد دو پر آن مرغ یک پر بر کشود

بعد ازاں علیشی سویا مستقیم
نے علی وجہ مکبا او سقیم

ترجمہ: ① علم کے دو، اور گمان کا ایک پَر ہے ناقص ظن کی وجہ سے ابتر ہے۔

② ایک پَر والا پرندہ جلدی نیچے گرے گا، دو پروں والا اوپر کو تیز ہوکر جائے گا۔

③ مرغ گمان آفت زدہ اور گرتا ہوا جائے گا اسی پَر سے اپنے آشیاں کو تلاش کرے گا۔

④ انسان کی مثال اسی پرندے کی ہے کہ ایک کو پَر، دوسرے کو دو پَر ملیں گے۔

⑤ علم والا نہایت سیدھا اور صحیح چلے گا اور گمان والا ٹیڑھا یا بیماروں کی طرح۔

اے اللہ ہمیں اہل یقین و تمکین سے بنا۔ (آمین)

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ بناؤ۔ اگرچہ یہ خطاب رسول اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے۔

قاعدہ عجیبہ اوامر میں اصل نبی علیہ السلام اور نواہی میں امت اسی قاعدہ پر بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں پر یہ خطاب امت کو ہے۔

فَتَقْعُدَ نہی کے جواب کی وجہ سے منصوب ہے یہاں پر قعود بمعنی صیر ورۃ ہے یعنی تم ہو جاؤ گے یا بمعنے المکث ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ تم ٹھہرو گے لوگوں میں، یہ اس محاورہ سے ہے کہ جب ہر اس شخص کے متعلق حالات پوچھے جائیں جس کے حالات بگڑ چکے ہوں تو اس کے جواب میں کہا جائے گا: قاعد فی اسوء حال یعنے وہ بہت بڑی ذلت کی زندگی بسر کر رہا ہے اس کے بیٹھنے یا کھڑے ہونے سے غرض نہیں ہوتی بلکہ اس سے اس کے حالات کا اظہار مطلوب ہوتا ہے کبھی ایسے قعود سے اس کا حقیقی معنے ہوتا ہے اس لئے کہ جس کے حالات دگرگوں ہو جاتے ہیں تو اس کی اکثر حالت تفکر و تحیر میں بیٹھے گذرتی ہے اگرچہ وہ ہر وقت بیٹھا نہیں رہتا لیکن اس کی اکثری حالت کے پیش نظر اسے قعود سے تعبیر کرتے ہیں۔ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ یہ دونوں خبریں یا حال ہیں یعنے تم مذمت و خذلان کے جامع ہو جاؤ گے کہ عند الملائکہ و عند الناس تمہاری بہت بڑی مذمت اور رسوائی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت ہے سو اس لئے کہ انھوں نے غیروں کو اس کا شریک ٹھہرایا اور اس وقت ان کے شریک بھی انھیں کام نہیں دیں گے اس بنا پر در در کے دھکے کھائیں گے۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی بخشش کے دروازے بند کر دیئے ہوں گے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر مشرک جامع بین المذمۃ والخذلان، تو مومن کا جامع المدح والنصرۃ ہونا بطریق اولیٰ ہوا۔ نیز اس سے واضح ہوا کہ طالب حق اپنی طلب میں کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اسے دارین اور اس کی نعمتیں ناپسند ہوتی ہیں، اور وہ صرف حق کو چاہتا ہے اور بس۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ
كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ
مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○ؕ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ
تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ○ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ
تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ○ وَاِمَّا
تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ○
وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا
اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ
خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ○

ترجمہ: اور تمھارے پروردگار نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تمھارے سامنے ان میں ایک یا ہر دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اُف تک نہ کہو اور نہ ہی انھیں جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔ اور ان کے لئے شفقت سے عجز و نیاز کے پر بچھایئے اور ان کے لئے دعا کیجئے کہ اے پروردگار! ان پر رحم فرمایئے جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا۔ تمھارا رب خوب جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے اگر تم نیک ہوئے تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ اور رشتہ دار کا حق دیجئے اور مسکین اور مسافر کو بھی اور فضول خرچی نہ کیجئے۔ بے شک فضول خرچ شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تمھیں امید ہے اگر تم ان سے روگردانی کرو تو انھیں آسان بات کہو۔ اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے نہ تو بندھا رکھئے اور نہ ہی پورا کھول دیجئے (ورنہ) ملامت کئے ہوئے اور تھکے ہوئے بیٹھ جاؤ گے۔ بے شک تمھارا رب جسے چاہے رزق کشادہ اور تنگ کرتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا دیکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَقَضٰى رَبُّكَ اور تمھارے رب تعالٰے نے ہر مکلف کے لئے قطعی فیصلہ فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قضیٰ امر کے معنے کو متضمن ہے اس کے بعد مضمن کو اصل اور مضمن فیہ کو اس کے لئے قید بنایا گیا ہے۔ یہ تاویل ہم نے اس لئے کی ہے کہ جس کا فیصلہ منجانب اللہ ہو اس کا وقوع واجب ہوتا ہے لیکن یہاں

کلی طور پر فیصلہ مذکورہ کا وقوع نہیں ہوا اس لئے کہ بعض مخاطبین میں سے ایسے تھے جنھوں نے توحید سے صریحی طور پر انکار کر دیا۔

تفسیر صوفیانہ یہاں پر رب کی اضافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی لئے کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ تربیت میں اصل حضور علیہ السلام ہیں اور امت فرع۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا یہ کہ اللہ تعالےٰ نے ازل سے فیصلہ فرمایا ہے یہ عبارت دراصل بان لا تعبدوا تھی اس معنے پر اَنْ مصدریہ لا نافیہ ہوگی۔ اِلَّآ اِیَّاہُ صرف اسی کی (عبادت کرو) اس لئے کہ عبادۃ غایۃ تعظیم کو کہتے ہیں اور غایت تعظیم صرف اس کے لئے لائق ہے جو عظمت و انعام کا انتہا و غایت اسی پر ختم ہو۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور والدین کے ساتھ احسان کرو یعنے ان کی ہر طرح کی خدمتگاری کرو اس لئے کہ وہ تمھارے ظاہری وجود اور ظاہری تربیت کے سبب میں اگرچہ اس کا سبب حقیقی صرف اللہ تعالےٰ ہے۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ آیت میں اشارہ ہے کہ سبب حقیقی اللہ تعالےٰ ہے تو تعظیم حقیقی کے لائق بھی صرف وہی ہے اور والدین چونکہ سبب ظاہری ہیں اسی لئے تعظیم ظاہری کے وہی مستحق ہیں یعنے اللہ تعالےٰ نے اپنی توحید کے ساتھ احسان الوالدین کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ انسان کے حقیقی وجود کا سبب اللہ تعالےٰ ہے لیکن انسانی تربیت والدین کے ذمہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی صغر سنی اور ضعف کے وقت اللہ تعالےٰ کی حقیقی تربیت کے مظہر والدین ہیں کہ اس میں ایجاد و ربوبیت و رحمت و رأفت کے آثار صفات پائے جاتے ہیں اللہ تعالےٰ کسی کی خدمت کا محتاج نہیں اور انسان اپنی ضعف و کمزوری کی وجہ سے خدمت کا محتاج ہے اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ والدین کو ان کی خدمت کا صلہ دو یعنے ان کی خدمت گذاری کا حق ادا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ توحید کے بعد اہم الواجبات والدین کے ساتھ احسان کرنا ہے۔

حدیث شریف والدین کی خدمت نماز و روزہ اور حج و عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ سے افضل ہے۔

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا اگر تمھارے ہاں ان کا ایک بڑھاپے کو پہنچے یا ہر دونوں اور وہ تمھاری خدمت کے محتاج ہوں تو تمھارے اوپر لازم ہے کہ ان کی خدمت کرو۔

ترکیب: لفظ اِمَّا ان شرطیہ اور مَا زائدہ سے مرکب ہے اور لفظ مَا زائدہ ان شرطیہ کی تاکید کے لئے ہے۔ اسی لئے فعل مضارع پر نون ثقیلہ کا لانا جائز ہوا اور عندك بمعنے کنفك و کفالتك یعنے تمھاری نگرانی اور کفالت میں ہوں اور احدھما یبلغن کا فاعل ہے اگرچہ سابقہ مضمون کے تقاضے پر ضمیر خطاب جمع کا ہونا موزوں تھا لیکن چونکہ جمع کی ضمیر سے معنے اور مقصود میں التباس پڑتا ہے بنا بریں واحد کی ضمیر مخاطب لائی گئی ہے اس لئے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ والدین ہر دونوں یا ان میں سے کسی کو جھڑکنا تو درکنار اُف تک نہ کیا جائے۔ اگر جمع کے صیغہ کے مقابلہ میں ضمیر جمع یا تثنیہ کے مقابلہ میں ضمیر تثنیہ کی لائی جاتی تو وہ مقصد حاصل نہ ہوتا جو مذکور ہوا ہے۔

سوال: والدین کی خدمت گذاری اور ان کی عزت و احترام کو بڑھاپے سے کیوں مقید کیا گیا ہے حالانکہ ان کی خدمت گذاری وغیرہ ہر وقت فرض ہے خواہ جوان ہوں یا بوڑھے؟

جواب: جب انھیں خدمت گذاری کی شدید ضرورت ہو تو ان کی خدمت بجالانا فرض ہے اور چونکہ بڑھاپے میں عموماً خدمت کی شدید ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ بنا بریں اسے بڑھاپے سے مقید کیا گیا ہے اگر انھیں خدمت گذاری کی شدید ضرورت نہ ہو تو پھر ان کی خدمت بجالانا مندوب ہے۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمۃ)

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ پس انھیں نہ کہو۔ یہاں بھی مذکورہ بالاتقریر ہوگی یعنے ہر دونوں ہوں یا ان میں سے کوئی ایک۔ کسی کو نہ کہو۔ اُفٍّ یہ اس آواز کا نام ہے جو تضجر پر دلالت ہے۔ اور اس کے فعل یعنے اتضجر کا اسم ہے اور فا کو ہر تینوں حرکات سے پڑھنا جائز ہے اور اس پر صہٍ دمہٍ د ریہ وغاقٍ کی طرح تنوین ہو تو اس سے اس کی تنکیر مراد ہوگی اگر نہ ہو تو اس کی تعریف کا ارادہ ہوگا اور فاء کا مکسور ہونا اصل بنا کی وجہ سے ہے اگر اسے مبنی بر کسرہ پڑھا جائے اور اس کا مفتوح ہونا تخفیفاً ہے اور اس کا مضموم ہونا منذ (کی ذال مضموم) کی طرح اتباعاً ہوگا لیکن یہ شاذ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ لا تتضجر وہ باتیں جو تمھیں ناگوار ہوتی ہیں ان سے ملال نہ کیجیے اور نہ ہی ان کی ضروریات کی ادائیگی سے بوجھل ہوں۔

قاعدہ: اُفّ میں والدین کی ہر طرح کی ایذا سے روکا گیا ہے۔

ربط: اگرچہ اس میں ہر طرح کی ایذا مراد لی گئی ہے لیکن بعض مخصوص ایذاؤں کا ذکر کیا ہے صرف ان کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے:

وَلَا تَنْهَرْهُمَا اور انھیں نہ جھڑکئے یعنے ان سے سخت کلامی اور ترش روئی نہ کیجیے جب ان سے بعض باتیں ناگوار گذریں۔ وَقُلْ لَّهُمَا اور انھیں اف کے بجائے کہئے قَوْلًا كَرِيْمًا۝ کریما بمعنے ذا کرم یعنے قول جمیل جو حسن آداب کا مقتضی اور مروت و احسان کا داعی ہو مثلاً کہے، اباجی، امی جی، جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کہا: یا ابت۔ حالانکہ وہ کافر تھا اس کے باوجود بھی ابراہیم علیہ السلام نے ادب سے گفتگو کی۔

مسئلہ: والدین کو نام لے نہ بلائے اس لئے کہ یہ بھی مروت کے خلاف بلکہ کھلی گستاخی ہے ہاں اگر عام گفتگو میں ان کے اسماء بتانے کی ضرورت پڑے تو نام بتا سکتا ہے۔

مسئلہ: ان کی آواز پر اپنی آواز کو اونچا نہ کرے نہ ہی ان کے سامنے اونچا بولے بلکہ نہایت نرمی اور منکسرانہ لہجہ میں بات کرے ہاں اگر وہ بہرے ہوں یا افہام و تفہیم صرف اونچی آواز میں ہوسکتی ہے تو بوجہ ضرورت جائز ہے۔

مسئلہ: کسی کے ماں باپ کو گالی نہ دے کیونکہ وہ جوابی حملہ کرکے اس کے ماں باپ کو گالی دے گا۔

مسئلہ: ماں باپ کو غیظ و غضب سے نہ دیکھے۔

جَنَاحَ الذُّلِّ استعارہ بالکنایہ ہے عجز و نیاز کو بمنزلہ پرندے کے قرار دے کر پھر اس کے لئے خیالی پر ثابت کئے اس سے مقصد یہ ہے کہ ماں باپ کے سامنے عجز و نیاز کرو اس لئے کہ جب پرندہ اڑتا ہوا نیچے اترنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے پروں کو ڈھیلا کر دیتا ہے اور جب اوپر کو اڑتا ہے تو پروں کو نرم کرتا ہے۔ اسے عجز و نیاز اور تواضع کے لئے مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

ف: قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں کو ماں باپ کے ساتھ عجز و نیاز کا حکم فرمایا۔ یہ استعارہ ترشیحیہ ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ ایسے زندگی بسر کرے جیسے ایک ذلیل خطا کار غلام اپنے ترش رو اور سخت گیر آقا کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے یعنے جیسے غلام مذکور اپنے آقا مذکور کے سامنے چاپلوسی اور خوشامد کر کے وقت بسر کرتا ہے ایسے ہی اولاد کو ماں باپ کے سامنے زندگی بسر کرنی چاہیئے۔

مِنَ الرَّحْمَةِ یہ من ابتدائیہ یا تعلیلیہ ہے یعنے بہت بڑی رحمت سے اس لئے کہ آج وہ تیرے ایسے محتاج ہیں جیسے تو بچپن میں ان کا محتاج تھا۔

مسئلہ: ماں باپ کی طرف محبت و شفقت اور نہایت ہی مہربانی سے دیکھے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی شخص (مرد یا عورت) اپنی ماں یا باپ کو نظرِ شفقت سے صرف ایک بار دیکھے تو اسے حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ اگر دن میں ہزار بار دیکھے تو تب بھی حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ دن میں لاکھ بار بھی دیکھے تب بھی اسے ایک نگاہ کے بدلے حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

مسئلہ: بارادۂ تواضع اپنی ماں کے قدم چومنا جائز ہے۔

حکایت حضرت الاستاذ ابو اسحاق رحمۃ اللہ تعالٰی کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک میں جواہر و یاقوت ہیں۔ آپ نے فرمایا: تیرا خواب سچا ہے اس لئے کہ میں نے کل اپنی ڈاڑھی والدہ ماجدہ کے قدموں کے تلووں کو لگائی تھی۔

مسئلہ: اپنے ماں باپ کی خدمت خود کرے کسی دوسرے کے سپرد نہ کرے۔

مسئلہ: انسان کو اپنے ماں باپ اور استاد (اور پیر و مرشد) کی خدمت سے عار نہ کرنی چاہیئے اسی طرح بادشاہ (حاکم وقت) اور مہمان کا حکم ہے۔

مسئلہ: باپ کے لئے نماز کا امام بھی نہ بنے اگرچہ اس سے وہ فقیہ تر ہے (اگر وہ حکم دین یا ان کو مسائل سے چنداں واقفیت نہیں تو جائز ہے)۔

مسئلہ : ماں باپ کے آگے بھی نہ چلے ہاں اگر راستہ صاف کرنے کی ضرورت درپیش ہو تو جائز ہے ۔

مسئلہ : کسی ایسی جگہ پر نہ بیٹھے جہاں اس کے ماں باپ نیچے بیٹھے ہوں جب کہ اس سے ماں باپ کی اہانت ہوتی ہو۔

مسئلہ : کسی معاملہ میں ماں باپ سے سبقت نہ کرے مثلاً کھانے پینے اور بیٹھنے اور گفتگو میں وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ : اگر باپ بدمذہب ہے وہ اسے اپنی عبادت گاہ میں لے جانا چاہتا ہے تو نہ جائے، ہاں اگر باپ اسے کسی مذہبی چیز کو اپنے ہاں اٹھا لانے کا حکم دے تو اسے بجا لائے۔

مسئلہ : باپ شراب لانے کا حکم دے تو نہ لائے اگر شراب پی کر برتن (گلاس۔ بوتل وغیرہ) اٹھانے کا حکم دے تو یہ حکم ماننا جائز ہے۔

مسئلہ : امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر اسے ماں باپ حکم فرمائے کہ ہانڈی کے نیچے آگ جلائے حالانکہ اس ہانڈی میں خنزیر کا گوشت پکایا جا رہا ہے تو آگ جلانے میں حرج نہیں۔ (کذا فی بحر العلوم)

مسئلہ : ماں باپ سے عار کر کے اپنے آپ کو کسی دوسرے مشہور و معروف شخصیت کی طرف منسوب نہ کرے اس لئے کہ یہ لعنت کا موجب ہے۔

حدیث شریف : حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اپنے آپ کو دوسری ذات میں منسوب کرنے والے پر اللہ تعالےٰ اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اس کی نہ کوئی عبادت قبول ہوگی نہ نیکی۔ (عبادت سے مُراد فرائض اور نیکی سے مُراد نوافل ہیں) ۔ (کذا فی الاسرار المحمدیہ)

قاعدہ : احادیث کی کتابوں میں جہاں کہیں صرف واقع ہو اس سے توبہ اور جہاں عدل واقع ہو اس سے فدیہ یا صَرْفٌ سے نوافل اور عَدْلٌ سے فرائض یا عدل سے نوافل اور صرف سے فرائض مراد ہیں یا صَرْفٌ سے وزن اور عدلٌ سے کیل اور اس کی ہر عبادت یا صرف سے ہر نیکی اور عدل سے فدیہ مُراد ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا اور دعا کیجئے کہ اے رب تعالےٰ ! ان پر ایسی رحمت فرمایئے جو باقی رہنے والی ہے ان پر فانی رحمت پر اکتفا نہ کیجئے۔

مسئلہ : اگر ماں باپ ہر دونوں یا ان میں سے ایک کافر ہو تو ان کے لئے اسلام قبول کرنے کی دعا کیجئے۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اولاد کو اپنے ماں باپ کے لئے دعا مانگنے کے مختلف طریقے ہیں اگر وہ مسلمان ہیں تو ان کے لئے بہشت کی، اگر کافر ہیں تو ان کے لئے ایمان و اسلام کی دعا مانگے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ (چچا آزر) کے لئے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ وہ مر گیا اس کی فوتیدگی کے بعد کہا یا اللہ! میں اس سے بیزار ہوں اس لئے کہ وہ تیرا دشمن ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے لئے دعا و استغفار ترک کر دی۔ (کذا فی تفسیر ابی اللیث)

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے جب کوئی شخص اپنے ماں باپ کے لئے دعا و استغفار کر دیتا ہے تو دنیا میں اس کے رزق میں اللہ تعالےٰ تنگی پیدا فرماتا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابن عیینہ سے سوال ہوا کہ مرنے کے بعد میت کو صدقہ پہنچتا ہے یا نہ۔ انھوں نے فرمایا کہ ہر صدقہ پہنچتا ہے لیکن اس کے لئے بہترین صدقہ استغفار ہے اگر اس سے کوئی اور شے نافع ترین ہوتی تو میں ماں باپ کے لئے اس کا حکم فرماتا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
بہشت میں انسان کے درجات بلند کئے جاتے ہیں تو بندہ پوچھتا ہے، یا اللہ! یہ درجات کس وجہ سے بلند ہوئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے تیرے لئے فلاں شخص نے استغفار کی ہے اسی وجہ سے تیرے یہ درجات بلند ہوئے۔

حدیث شریف جو شخص ہر جمعہ اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرتا ہے تو اسے ماں باپ سے احسان کرنے والا لکھا جائے گا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سالہا بر تو بگذرد کہ گذر
نکنی سوئے تربت پدرت
تو بجائے پدر چہ کردی خیر
تا ہماں چشم داری از پسرت

ترجمہ: بہت برس گذرنے پر بھی تو کبھی اپنے ماں باپ کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے نہیں گیا۔ بتایئے جب تُو نے اپنے باپ سے بھلا نہیں کیا تو پھر اپنی اولاد سے کس منہ سے بھلائی کی امید کرتا ہے۔

كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ موصوف محذوف کی صفت ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: رحمۃ مثل رحمتہما علی وتربیتہما وارشادہما فی حال صغری وفا بوعدک للراحمین یعنے جیسے انھوں نے میرے اوپر رحم و کرم کرکے میرے بچپن میں میری تربیت اور بہتر رہبری فرمائی تو اے میرے رب! اب تو اپنے وعدے کو پورا فرما یعنے وہ وعدہ کہ میں رحم کرنے والوں کو بخش دوں گا۔

حکایت و روایت ایک شخص حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے ماں باپ بوڑھے ہو گئے ہیں میرے لئے ان کی ادائیگی حقوق کا کوئی طریقہ ہے تاکہ میں اپنی بچپن کی تربیت کا حق ادا کر سکوں۔ آپ نے فرمایا تم ان کا کوئی حق نہیں ادا کر سکتے اس لئے کہ انھوں نے تربیت تیری زندگی کی بقا کی خوشی میں کی تھی تو ان کی خدمت ان کی موت کی خوشی میں کرے گا۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ تمہارا رب تعالےٰ تمہارے دل کے ارادے خوب جانتا ہے یعنے وہ

تمھارے تقویٰ اور والدین کے ساتھ مروت و احسان کو بھی جانتا ہے گو اس میں اس انسان کو تہدید ہے جو والدین کی زندگی سے کراہت اور ان کی خدمت کو بوجھ سمجھتا ہے۔ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ اگر تم نیک بخت ہو یعنے والدین کے لئے خدمت ومروّت کا ارادہ رکھتے ہو۔ ان کی نافرمانی اور ان کی ناراضگی سے ڈرتے ہو۔ فَاِنَّهٗ تو بے شک اللہ تعالےٰ ۔ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ اس کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے یعنے جب ان سے کوتاہی ہو جاتی ہے جب کہ انسان فطرتاً قصور وار ہے تو وہ اپنے قصور سے توبہ کرکے اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ غَفُوْرًا ○ وہ کریم بندوں کے قولیہ فعلیہ اذیتیہ یا تقصیر گناہ کو بخش دیتا ہے۔

مسئلہ: امام غزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اکثر علماء کے رائے ہیں کہ شبہات میں بھی اطاعت والدین واجب ہے لیکن خالص حرام امر کی طاعت ضروری نہیں اس لئے کہ ترک شبہات اتقاء ہے اور والدین کو راضی کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر والدین میں سے ایک، دوسرے کی فرمانبرداری سے راضی نہیں تو والد کی رضا کو ترجیح دے لیکن ان امور جو تعظیم واحترام سے متعلق ہیں اس لئے کہ نسب کا انتساب والد سے ہے اور اگر ان امور کو خدمت و احترام کے لئے پہلے والد کا استقبال کرے۔ اگر کوئی شے خدمت اور نذرانہ کے طور پر پیش کرنی ہو تو پہلے والدہ کو پیش کرے۔ (کذافی منبع الادب)

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ نفقہ میں والدہ کو ترجیح دے جب والد کے پاس مابہ الکفایۃ موجود ہو اس لئے کہ بچپن میں پرورش کے لئے والدہ نے بہت زیادہ دکھ اٹھایا اور بہ نسبت والد کے والدہ کو اولاد سے زیادہ شفقت ہوتی ہے اور اولاد کے لئے دکھ درد اٹھانے میں بہ نسبت والد کے والدہ سبقت رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں پیٹ میں بوجھ اٹھایا پھر اسے دودھ پلایا جب تک سمجھ دار نہ ہوا، بچے کی زینت وخدمت اور علاج ومعالجہ اور اسے نہلانا دھونا صاف ستھرا رکھنا اور اس کے کپڑے وغیرہ دھونا حفاظت کرنا وغیرہ۔ (کذافی فتح القریب)

سہ

جنت سرائے مادر آنست
زیر قدمات مادر آنست
روزے بکن اے خدائے مارا
چیزے کہ رضائے مادر آنست

ترجمہ: مائیں بہشت کی سرائیں ہیں بہشت ماں کے قدموں تلے ہے۔ اے اللہ! ہمیں وہ موقعہ عطا فرما جس سے ہم والدہ کو راضی کر سکیں۔

باپ کل جائیداد کا مالک ہے

مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی کہ اس سے اس کا باپ اس کا مال اسباب چھین لیتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کو بلایا تو وہ لاٹھی کے سہارے چلتے ہوا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے

ماجرا پوچھا تو اس نے عرض کی کہ جب یہ کمزور اور میں قوی تھا اور میں دولت مند اور یہ فقیر تھا تو میں اسے مال اسباب سے نہیں روکتا تھا اب میں ضعیف اور یہ قوی اور یہ دولت مند اور میں فقیر ہوں لیکن مجھ سے اپنے مال کے متعلق بخیلی کرتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم بوڑھے کی بات سن کر رو پڑے اور فرمایا کہ تیری بات جس پتھر اور ڈھیلے نے سنی سب روئے۔ اس کے بعد اس شکایت کرنے والے نوجوان کو فرمایا:

انت و مالک لابیک (تو اور تیرا تمام مال تیرے باپ کا ہے۔

حدیث شریف حضور فخرِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ذلیل وخوار ہو۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی: آپ کس کے لئے فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہر اس شخص کے لئے جس نے اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بوڑھا پایا لیکن وہ ان کی خدمت کر کے اپنے آپ کو بہشت میں داخل نہ کر سکا۔

حدیث شریف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سنا ہے کہ فخر الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنے بعد اپنی امت کے حالات کے تغیر کا خوف نہ کرتا تو میں تمہیں حکم فرماتا کہ چار شخصوں کے لئے گواہی دو کہ وہ بہشتی ہیں:

۱۔ وہ عورت جس نے اپنے شوہر کو محض اللہ تعالےٰ کی رضا کی خاطر مہر بخش دیا اور اس کا شوہر بھی اس پر راضی ہوا۔
۲۔ کثیر العیال جو حلال کمائی سے اپنے کنبے کا پیٹ پالتا ہے۔
۳۔ وہ تائب جو اپنے گناہوں کی طرف ایسے نہیں لوٹتا جیسے دودھ پستان سے واپس نہیں لوٹ سکتا۔
۴۔ والدین کے ساتھ احسان و مروت سے پیش آنے والا۔

والدین کو نصیحت ماں باپ پر لازم ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ ایسا غلط برتاؤ نہ کرے کہ جس سے اولاد نافرمانی پر مجبور ہو جائے بلکہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جو فرمانبرداری میں مدد دے سکیں۔

حکایت: ایک بزرگ عارف کامل نے فرمایا کہ میں نے اپنے بیٹے کو تیس (۳۰) سال سے کوئی کام نہیں کہا اس خطرہ سے کہ شاید وہ میری نافرمانی کرے اور اس نحوست سے اس پر عذاب الٰہی نازل ہو جائے۔

افسوس صد افسوس فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ زمانہ نے پلٹا کھایا اور انسانوں کے حالات میں تغیر آگیا اور ہمیں اپنی بُری عادات پر رونا چاہیئے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نفس کی بُری عادات کو دیکھ کر خون کے آنسو بہاتے اور ایک ہم ہیں کہ خطاؤں اور گناہوں میں غرق ہیں لیکن ہمیں اپنے نفوس کی ایسی شرارتوں کا خیال تک نہیں گزرتا۔ نفس امارہ کی ایسی شرارت کے متعلق حضرت حافظ قدس سرہٗ نے خوب فرمایا:

ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شوقے نہ پدر را بہ پسر می بینم
دختر ازا ہمہ جنگست و جدل با مادر
پسر ازا ہمہ بدخواہ پدر می بینم
جاہلاں را ہمہ شربت زگلابست عسل
قوت دانا ہمہ از خون جگر می بینم
اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالاں
طوق زرین بر گردن خر می بینم

ترجمہ: ۱۔ نہ بھائی کو بھائی پر رحم نہ بیٹے کو باپ سے انس ہے۔
۲۔ لڑکیوں کو ماؤں سے جھگڑا اور لڑکوں کو باپوں سے جنگ۔
۳۔ جاہل تو گلاب کا شربت اور شہد کے مزے اڑائیں اور دانا دن رات خون جگر پیتے۔
۴۔ عربی گھوڑے زخم در زخم کھا رہے ہیں لیکن زریں طوق گدھوں نے پہن رکھے ہیں۔

وَاٰتِ اور اے افضل المخلوق محبوب صلے اللہ علیہ وسلم اور یہ خطاب آپ کی تمام امت کو ہے۔ **ذَاالْقُرْبٰی** رشتہ داروں کو عطا فرمائیے۔ اس سے ذی رحم محرم مطلقاً مراد ہیں یہی امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے وہ رشتہ دار ولادت سے متعلق ہو جیسے والدین یا نہ ہو جیسے بھائی، بہن۔ **حَقَّہٗ** اس کا حق اس سے نفقہ شرعی مراد ہے یہ اس وقت ہے جب وہ رشتہ دار فقراء تنگدست ہوں۔

مسئلہ: انسان پر اپنی چھوٹی اولاد بشرطیکہ وہ تنگدست ہوں اور زوجہ وہ دولت مند ہو یا تنگدست مسلمہ ہو یا کافرہ کا خرچہ واجب ہے۔

مسئلہ: غنی سے وہ شخص مراد ہے جس کے ہاں حوائج اصلیہ سے زائد مال (نصاب کے مطابق) موجود ہو۔ مرد ہو یا عورت ایسے غنی پر ماں باپ کا نفقہ واجب ہے۔ اسی طرح اس پر ان لوگوں کا بھی نفقہ واجب ہے جو ماں باپ کے حکم میں ہیں جیسے دادے، نانے، دادیاں، نانیاں بشرطیکہ وہ فقیر (تنگدست) ہوں وہ مسلمان ہوں یا کافر، بشرطیکہ ذمی ہوں۔ اگر حربی ہوں تو اولاد کو ان کا خرچہ دینا واجب نہیں اگرچہ امان لے کر ہمارے ہاں ہوں۔

مسئلہ: ماں باپ کے سوا باقی ان رشتہ داروں کا خرچ دینا واجب ہے جو ذی محرم ہوں بشرطیکہ وہ فقیر (تنگدست) صغیر یا مؤنث یا لنگڑا لُنجا اور نابینا ہو اور اپنی معذوری سے کمائی نہ کر سکتے ہوں۔ اگر وہ معذور کمانے کے قابل ہوں تو پھر ان کا خرچہ دینا بالاتفاق واجب نہیں۔

مسئلہ: اگر معذوری کے باوجود وہ ذی عظمت و شرافت مثلاً عالم دین حافظ قرآن وغیرہ ہوں تو پھر انھیں خرچہ دینا چاہیئے۔
مسئلہ: ماں باپ اگرچہ روزی کمانے کے قابل ہیں لیکن تنگدست ہیں تو بھی خرچ دینا واجب ہے بلکہ باقی تمام رشتہ داروں پر ان کو فضیلت ہوگی۔
مسئلہ: اسلامی تعلیم کے طالب کا خرچہ والد پر واجب ہے بشرطیکہ وہ طالب علم روزی کمانے سے معذور ہو یعنی لنگڑا لُنجا اندھا وغیرہ ورنہ بعد بلوغ وہ اپنی روزی خود کما کر کھائے اور تعلیم بھی جاری رکھے۔ (آج کل کے طلبۂ اسلام اس مسئلہ پر عمل کرنے کا نام نہیں لیتے پھر یا تعلیم چھوڑ بیٹھتے ہیں یا والدین پر بوجھ بنتے ہیں)[1]
مسئلہ: لنگڑے بیٹے کا خرچ والد پر فرض ہے بشرطیکہ وہ لڑکا تنگدست ہو۔
مسئلہ: لڑکی اگرچہ بالغ ہو جب تک کسی کے نکاح میں نہ دی جائے اس کا خرچہ والد پر واجب ہے بشرطیکہ لڑکی تنگدست ہو۔
مسئلہ: کسی ایک تنگدست کا باپ اور بیٹا دولت مند ہوں تو اس تنگدست کا خرچہ اس کے والدین پر واجب ہے۔
مسئلہ: اختلاف دین کی وجہ سے کسی رشتہ دار کا خرچہ دینا واجب نہیں سوائے ولادت اور زوجیت کے رشتہ کے۔
قاعدہ: اصول (اب۔ جد وجد الجد الخ) کا نفقہ ان کے فروع (ابنا، بنات وابنا الابنا الخ) پر واجب ہے بشرطیکہ وہ اصولاً مسلمان اور تنگدست ہوں اسی طرح برعکس یعنے فروع (ابناء و بنات و ابناء الابناء) تنگدست مسلمانوں کا خرچ، اصول (یعنے اباء۔ اجداد) پر۔
مسئلہ: قاعدہ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ نصرانی کا خرچہ مسلمان بھائی پر واجب ہے اور نہ ہی نصرانی پر اپنے مسلمان بھائی پر خرچہ واجب، اس لئے کہ ان میں ولادت کا رشتہ نہیں بلکہ اخویت کا رشتہ ہے۔
مسئلہ: ولادت کے رشتہ میں اصول و فروع کو دیکھا جاتا ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر اقرب فالاقرب پر عمل کیا جائے۔
مسئلہ: ذوالارحام میں بھی اسی رشتہ کا نفقہ واجب ہے جو وراثت لینے کا مستحق ہے اگرچہ بالفعل اسے وراثت نہ بھی ملتی ہو۔
مسئلہ: وہ رشتہ دار جو ذی محرم نہ ہوں اس کا خرچہ دینا واجب نہیں جیسے ابناء العم (چچا کی اولاد)۔ ہاں اگر تنگدست ہوں تو احسان و مروت کے طور پر ان کی مدد کرنی چاہیئے اسی طرح ان کے ساتھ دوسرے طور پر صلہ رحمی اور ان کی ملاقات یعنے ان کے ہاں آنے جانے اور حسن معاشرہ میں ان کے ساتھ حتیٰ الامکان کوتاہی نہ کرے۔ (نفقہ کے مسائل کی تفصیل کتب فقہ میں ہے)۔
حدیث شریف: صلہ رحمی سے عمر اور مال و اسباب میں برکت ہوتی ہے اور گھر آباد رہتے ہیں۔ یہی حال والدین کی خدمت

---

[1] :- اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ

[2] :- ہم تنگدستی کی شرط اس لئے لگا رہے ہیں کہ بسا اوقات وہی صاحب وراثت یا کسی دوسری وجہ سے دولت مند ہوتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

کا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی قوم کی حالت کمزور ہو لیکن وہ والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان و مروّت کرتے ہیں تو قیامت کے دن ان کے حساب میں تخفیف ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں ذوالقربیٰ میں نفس کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ قلب کو یہی قریب تر ہے اور انسان پر نفس کا حق بھی ہے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ان لنفسك عليك حقا یعنے تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے۔ اب آیت کا معنےٰ یہ ہوا کہ ریاضت کشی اور جہاد میں نفس پر اتنی سختی نہ کرو کہ وہ عبادت سے ملال کرے اور اعبائے شریعت کے اٹھانے سے تھکن محسوس کرے اور اس کے حقوق میں سے ہے کہ اسے ماکول و مشروب اور نکاح اور مسکن میں فضول خرچی نہ کرنے دی جائے اور اس کی حفاظت کا یہ معنے ہے کہ اسے افراط و تفریط سے بچایا جائے۔
(کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ اور مسکین اور مسافر کا بھی حق ادا کرو۔ اور مکہ مکرمہ میں ان کے حقوق کی ادائیگی بھی بمنزلہ زکوٰۃ کے فرض تھی پھر اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ مسکین جس کی کوئی مالیت نہ ہو اور فقیر وہ ہے جس کی مالیت نصاب سے کم ہو، بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔ وابن السبیل یعنے ہمیشہ راستہ طے کرنے والا اگرچہ اس کا گھر میں کتنا ہی مال ہو لیکن سفر میں خالی ہاتھ ہو تو اسے بھی بقدر ضرورت خرچ دینا ضروری ہے اسے ابن السبیل بھی وہ سفر میں اپنے مال سے دُور ہے اس لئے وہ تمہاری خدمت کا مستحق ہے۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اور غیر مستحقین پر مال خرچ نہ کرو اس لئے کہ مال کو بے جا خرچ کرنے کا نام تبذیرا ہے اور الاسراف بمعنے مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا اور یہ بھی شرعاً منع ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ولا تبسطها كل البسط۔
شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

نہ ہر کس سزاوار باشد بمال
یکے مال خواہد یکے گوشمال

ترجمہ: ہر شخص مال کا مستحق نہیں اس لئے کہ بعض کو مال لائق ہے اور بعض کو سزا۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ بے شک فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں یعنے ان کے نفوس کو تباہ کرنے میں شیاطین ان کے مددگار ہیں بلکہ کفران نعمت و جرم و خطا کے ارتکاب میں شیاطین ان کے بہترین معاون ہیں۔ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ اور شیطان اپنے رب تعالےٰ کا بہت ہی ناشکر گزار ہے۔ کیونکہ نہ اس کے اوامر کو مانتا ہے اور نہ نواہی کو۔

شان نزول: قریش مکہ محض شہرت اور نامداری کی غرض سے بہت سا مال خرچ کرنے اور بیمار اور فضول ان گنت

اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو منت دیتے اسی طرح برائیوں اور کھیل تماشہ پر پانی کی طرح پیسہ بہاتے ۔

ف : حضرت مجاہد نے فرمایا کہ پہاڑ برابر بھی اللہ تعالٰے کی راہ میں خرچ کیا جائے تو وہ فضول خرچی نہیں، ہاں! ایک رتی بے جا اور برائی پر خرچ کرنے کو اسراف کہا جائے گا ۔

لطیفہ : کسی نے راہِ حق میں کچھ خرچ کیا پھر بلا تاخیر دوبارہ خرچ کیا تو اس کے دوست نے کہا کہ اسراف مت کرو ۔ اس نے جواب دیا کہ لا سرف فی الخیر ۔ نیکی میں اسراف نہیں ہوتا ۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

کنوں بر کفِ دست نہ ہر چہ ہست
کہ فردا بدنداں گزی پشت دست

ترجمہ : آج ہی اپنے ہاتھ سے راہِ حق میں خرچ کرلو ورنہ مرنے کے بعد افسوس کے ہاتھ ملوگے ۔

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ اور اگر تم ان سے اعراض کرو جب کوئی ایسا عارض ہو جو رشتہ دار مستحقین سے اعراض پر مجبور کرتا ہے ۔ **ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ** اپنے رب تعالٰے کی رحمت کی طلب کی وجہ سے، یعنے رزق کی کمی ہو جائے ۔

سوال : تم نے ابتغاء رحمۃ من ربک کا معنے، رزق کی کمی کہاں سے نکالا ؟

جواب : ہم نے یہاں اقامۃ المسبب مقام السبب کے قانون سے معنے سمجھا اس لئے کہ رزق کی کمی ہی ابتغاء رحمۃ من رب کا سبب ہے ۔

تَرْجُوْهَا جس کی تم امید رکھتے ہو ۔ یہ جملہ رحمۃ من ربک کی صفت ہے ۔

شانِ نزول : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ سے سائل سوال کرتا اور وہ شے آپ کے ہاں نہ ہوتی تو آپ حیا سے سر مبارک جھکا دیتے تھے ۔ اللہ تعالٰے نے آپ کو حکم دیا کہ آپ خاموشی کی بجائے سائل کو کوئی اچھی بات سنا دیں تاکہ سائل آپ کی خاموشی کو دیکھ کر متوحش نہ ہو ۔ چنانچہ فرمایا :

فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ○ آپ ان سے نرم لہجہ سے بات کیجئے یعنے سائلین سے کوئی ایسا وعدہ کیجئے جس میں آسانی اور اسے راحت و سرور حاصل ہو ۔ بعض نے کہا کہ قولاً میسورًا سے سائل کے لئے آسانی کی دعا مراد ہے اس معنے پر مفعول میسورًا بمعنے مصدر یسر ہے ۔ مثلاً سائل کو کہے : اغناکم اللہ من فضلہ رزقنا اللہ و ایاکم ۔ یعنے تجھے اللہ تعالٰے اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے اور ہمیں اور تمہیں رزق سے نوازے ۔

سبق : حضرت عیسٰے علیہ السلام نے فرمایا : جو کسی سائل کا سوال (بلا وجہ) رد کرتا ہے سات دن تک اس کے گھر سے رحمت کے فرشتے نہیں گزرتے

فقیر و تنگدست کی فضیلت جو شخص فقیری و تنگدستی میں فوت ہوا اور وہ اپنی اس تنگدستی پر راضی تھا تو بہشت میں اس سے بڑھ کر کوئی اور دولت مند نہ ہوگا۔ (کذا فی الخالصہ)

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ اور اپنے ہاتھ کو باندھ کر گردن کو نہ لے جایئے اس سے بخل و امساک مراد ہے۔ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ اور نہ ہی اسے پورے طور پر کھول دیجئے اس سے اسراف مراد ہے۔

ف: اہلِ تفاسیر نے فرمایا کہ اس میں بخیل کے بخل اور فضول خرچ کے اسراف پر زجر و توبیخ کیا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر معاملہ میں میانہ روی ضروری ہے اور امساک و اسراف میں میانہ روی سے کرم وجود مراد ہے۔ اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ راہ حق میں اپنا اتنا نہ روکئے کہ اسے دراز بھی نہ کر سکو جیسے گویا وہ ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے کہ پھر وہ کوئی شے کسی کو دینے پر قادر نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسا ہونا چاہیئے کہ گھر کا تمام اثاثہ راہِ حق میں لٹا دیجئے کہ گھر میں ذرہ برابر بھی باقی نہ رہے جیسے گویا ہاتھوں کو کھولنے سے تمام مال و متاع ہاتھ سے نکل جائے پھر ذرہ بھر بھی ہاتھ میں نہ ہو۔

فَتَقْعُدَ یہ دونوں افعال نہی مذکورہ کا جواب ہے یعنے جب کچھ نہ دے سکو گے یا خرچ کرنے کے بعد خالی ہاتھ ہو گے تو بیٹھ جاؤ گے۔ مَلُومًا اللہ تعالےٰ اور لوگوں کے ہاں ملامت کردہ شدہ اس کا اشارہ ولا تجعل یدك الخ کی طرف ہے مَحْسُورًا ○ نادم، وہ اس لئے کہ جب ہاتھ خالی ہو جائے گا تو پھر سوائے ندامت اور رسوائی کے اور کیا حاصل ہوگا۔ اس کا ولا تبسطھا الخ کی طرف اشارہ ہے۔

ے

مبند از سر امساک دست در گردن
که خصلتیست نکوهیده پیش اهلِ بها
مکن بجانب اسراف نیز چندان میل
که هر چه هست بیک دم کنی ز دست رها
چو درمیانهٔ این هر دو راه چندانی
تفاوتست که از آفتاب تا بسها
پس اختیار وسط راست در جمیع امور
بدان دلیل که خیر الامور اوسطها

ترجمہ: ۱۔ امساک کر کے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھو اہلِ حق کے ہاں یہ عادت بہت بُری ہے۔
۲۔ اسی طرح اسراف کی جانب بھی نہ جھکو۔ کیونکہ جو کچھ بھی تمہارے ہاتھ میں ہوگا وہ سب چلا جائے گا۔
۳۔ جب اس کی درمیانی راہ چلے گا تیری رونق سورج کی روشنی سے زیادہ تابناک ہوگی۔

۴۔ اس سے ثابت ہوا کہ جملہ امور میں میانہ روی بہتر ہے چنانچہ مشہور ہے کہ خیر الامور اوسطہا یعنے درمیانے جملہ امور بہتر ہوتے ہیں۔

ف: الکواشی میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے آپ کی امت مراد ہے کیونکہ آپ جیسا فراخ دل کوئی پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی آپ کل کے لئے کوئی شے ذخیرہ کے طور پر چھوڑتے تھے۔ اس کی مزید تحقیق آگے آئے گی۔ (انشاء اللہ تعالے)

شان نزول کاشفی نے لکھا ہے کہ اسباب نزول میں ہے کہ مسلمان عورتیں یہود عورتوں سے بحث کرتی تھیں، یہود عورتیں کہتی تھیں ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام بہت بڑے سخی تھے ان کی عادت تھی کہ وہ جو کچھ ہاتھ میں ہوتا تحفہ کو دیتے ورنہ اس کا باتوں ہی باتوں سے جی خوش کر دیتے مسلمان عورتیں کہتی تھیں ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم سخی تر ہیں۔ آزمائش کے طور پر ایک عورت نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی لڑکی کو بھیج کر عرض کی کہ آپ اپنا پیراہن عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: کچھ دیر کر کے واپس آنا۔ لڑکی دوبارہ حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری ماں اسی پیراہن مبارک کا سوال کرتی ہے جو آپ نے خود زیب تن فرمایا ہوا ہے آپ حجرہ مقدس میں تشریف لے گئے اور پیراہن اتار کر لڑکی کو عنایت فرما دیا پھر بوجہ حیاء و شرم حجرہ مقدسہ سے باہر تشریف نہ لاتے کہ ننگے جسم کیسے باہر جائیں۔ نماز کا وقت ہو گیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے بعد جماعت کے لئے اقامت پڑھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم منتظر تھے کہ آپ تشریف لائیں لیکن آپ تشریف نہ لاتے اس کیفیت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پریشانی ہوئی تو حجرہ مقدسہ میں حاضر ہوئے۔ آپ کو ننگے جسم دیکھ کر کیفیت سے آگاہی کے بعد عرض کی کہ سرکار اتنی سخاوت بھی اچھی نہیں کہ پھر آپ گھر میں ہی بیٹھ جائیں اور ہم لوگ دیدار کے لئے ترستے رہیں۔ یہ اضافہ برہان القرآن کا ہے۔ اس واقعہ پر یہی آیت نازل ہوئی۔

ف: اس تقریر پر محسورا بمعنے مکشوفا ہوگا بحیثیت تفسیر کے یہی معنے زیادہ موزوں ہے۔ فقیر اسماعیل حقی کہتا ہے کہ وہ اس لئے کہ آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مواخات پیش کئے تو آپ کو ملوماً کہا گیا اور آپ نے پیراہن عنایت فرمایا تو محسورا بمعنے مکشوف ہو گئے اس معنے پر فتقعد اپنے حقیقی معنے از قعود بیں ہوگا۔

ف: الارشاد میں اس آیت کے شان نزول کا انکار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا۔ اور [illegible] مکیہ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ بے شک تیرا رب تعالےٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تو اس کی روزی تنگ کرتا ہے اور اس کی مشیت حکمت پر مبنی ہوتی ہے کسی کو اس پر اعتراض کی مجال نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اوطان بشریہ و طبعیہ انسانیہ سے نکل کر عبودیت کی فضا کی طرف توکل علی اللہ اور

جملہ امور اسی کی طرف سپرد کرنے سے ہوسکتا ہے اگر بعض اوقات کسی کے لئے بسط النفس ہوتا ہے کہ وہ اپنی بعض مراد کو حاصل کرلے تو وہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ وہ بسط کے فرائض کشادہ کرسکے اور بعض اوقات اس کے مقصد پورے نہیں فرماتا تاکہ وہ مجامع قبض کے ساتھ نفس اپنے نفس کے احوال ضبط کرسکے خلاصہ یہ کہ جملہ امور اس کی حکمت بالغہ اور احکام ازلیہ کے سپرد ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا بے شک وہ اپنے بندوں سے خبیر و بصیر ہے۔ یعنی ان کے علانیہ اور پوشیدہ امور کو جانتا ہے اور جو اسرار ان پر مخفی ہیں اسے ان کی تمام مصلحتیں معلوم ہیں۔

قدسی حدیث شریف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو اپنے ایمان کی اصلاح کا طریقہ نہیں آتا سوائے دولتمندی کے مثلاً اگر میں اسے تنگدست بنا دوں تو وہ اپنے ایمان کو خراب کر ڈالے گا ایسے ہی بعض بندے اپنی ایمانی اصلاح کو صرف تنگدستی سے مانتے ہوں اگر میں اسے دولت مند بنا دوں تو وہ اسے خراب کر دے گا ایسے ہی بعض بندے ہیں کہ وہ اپنی ایمانی اصلاح تندرست سے مانتے ہیں اگر میں اسے بیماری میں مبتلا کروں تو وہ اپنی ایمانی اصلاح کو خراب کر دے گا ایسے ہی بعض بندے بیماری کو اصلاحِ ایمانی سمجھتے ہیں اگر میں انھیں تندرست کروں تو وہ اپنے ایمان کو خراب کر ڈالے گا میں ہی اپنے بندوں کے امور کو جانتا ہوں مجھے ہی ان کے قلوب کا علم ہے میں ہی علیم و خبیر ہوں۔ (رواہ انس رضی اللہ عنہ۔ کذا فی بحر العلوم)

اسی لئے اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو غنی اور بعض کو تنگدست رکھتا ہے اگر سب کے سب غنی ہوں تو وہ سرکش ہو جائیں گے اور اگر وہ سب کے سب تنگدست ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بھلا کر تباہ و برباد ہو جائیں۔

حدیث شریف پانچ باتوں سے پہلے اعمال میں سبقت کرو:

① غنا، گمراہ کرنے والے سے۔
② فقر بھلانے والے سے۔
③ بڑھاپے ذلیل کرنے والے سے۔
④ مرض مفسد سے۔
⑤ موت تیار کرنے والی سے۔

شرح الحدیث جب کسی بندے کے لئے دولت مندی گمراہی کا سبب بنتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہی سے بچانے کے لئے تنگدستی میں مبتلا فرماتا ہے اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ وہ تنگدستی میں میرا بندہ مجھے بھلائے گا نہیں، بلکہ زبان کو ذکر و حمد میں اور قلب کو توکل اور التجا میں مشغول رکھے گا اسی طرح بعض بندوں کے متعلق جانتا ہے کہ اسے تنگدستی سے دور کر دے گا تو اسے بچانے

کے لئے اس سے فقر کو دور کرتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

فقر ازیں رو فخر آمد جاودان
کہ بتقویٰ ماند دست نارسان
زاں غنی و زاں غنی مردود شد
کہ ز قدرت صبرہا بدرود شد
آدمی را عجز و فقر آمد آمان
از بلائے نفس پر حرص و غمان

ترجمہ: (۱) اسی لئے فقر ہمیشہ فخر کا موجب ہے کہ بسا اوقات تقویٰ سے وہ مراتب نصیب نہیں ہوتے جو فقر سے حاصل ہوتے ہیں۔

(۲) دولت مندی اور دولت مند اسی لئے اللہ تعالیٰ کے مردود ہیں کہ وہ قدرت حق پر صبر کرتے ہیں۔

(۳) آدمی کی اماں عجز و فقر ہیں کیونکہ انسان کو ہر وقت نفس حرص و غم میں مبتلا رکھتا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ امر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم رکھے اور اس کی قضا و قدر پر راضی رہے اور موارد قبض پر صبر کرے اور مواقع بسط و انفاق پر شکر کرے۔

ملفوظ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ سید التابعین و سلطان الاولیاء، عاشق رسول مقبول سیدنا حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ صبح و شام ضرورت سے فارغ طعام، کپڑے وغیرہ فقراء پر تقسیم کر کے کہتے: اے اللہ تعالیٰ! جو شخص بھوک اور کپڑوں کی تنگی سے مر جائے تو مجھ سے مؤاخذہ نہ فرمانا۔

ملفوظ حضرت حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت منصور حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص بیس دن تک بھوکا بیٹھا ہے بیسویں دن اسے طعام حاصل ہو لیکن اسے معلوم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ ضرورتمند فلاں جگہ موجود ہے تو اگر اس نے اپنے آپ کو اس حاجت مند پر ترجیح دی تو وہ مرتبہ ولایت سے گر جائے گا۔

کسی نے کہا کہ اس سے واضح معلوم ہوا کہ حضرت حلاج کا مرتبہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بظاہر زیادہ ہے (لیکن یہ غلط ہے) کیونکہ حضرت اویس قرنی خیر التابعین ہیں اور حضرت حلاج صرف ولی اللہ ہیں۔ چنانچہ مزید سنئے:

موازنہ حلاج و اویس رضی اللہ عنہما حضرت الشیخ الکامل محمد بن علی العربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا قول ان کے مرتبہ علیا اور قطبیۃ عظمیٰ کی خبر دیتا ہے اس لئے کہ ایسا قول ولایت کے امام وقت سے صادر ہو سکتا ہے کیونکہ وہ امام فی الولایت ہوتا ہے جو اپنی تمام مملوکہ اشیاء راہ حق میں لٹا کر

پھر عجز و الحاح کا اظہار کرے ایسی توفیق اللہ تعالیٰ اسے بخشتا ہے جو اس کا خلیفہ خاص ہو اور وہ اس کی نیابت میں اس کے بندوں پر رحم و کرم اور شفقت فرمائے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اکمل خلیفہ اور سید الاقطاب صلے اللہ علیہ وسلم کے شان میں فرمایا کہ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اور حضرت حلاج رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی عرفان و ولایت کے بہت بڑے بلند مرتبہ کی خبر دیتا ہے کیونکہ وہ عارف بہت بڑا بلند مرتبہ کا مالک ہوتا ہے جو اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دے بلکہ اپنے نفس پر تشدد اور غیظ و غضب کرے اور دوسرے پر رحم و کرم اور شفقت کرے ایسا عارف صاحبِ حال ہوتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حلاج صاحبِ حال تھے لیکن سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ صاحبِ مقام و تمکین و قوت تھے اور صاحبِ مقام کا درجہ صاحبِ حال سے بہت بلند ہوتا ہے اسی لئے صاحبِ مقام اپنے نفس کو بھی اپنا اجنبی سمجھتا ہے اس معنے پر وہ دوسروں کے لحاظ سے علوی ہوتا ہے اور اپنے نفس کو دوسرے سے سفلی سمجھتا ہے اس لئے وہ اپنے نفس پر بھی رحم و کرم اور شفقت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص صدقہ کرنے نکلے تو اسے چاہئے کہ سب سے پہلے جو بھی مسکین ملے وہ صدقہ اسے دے دے اس کی بجائے دوسرے مسکین کی تلاش میں نکلتا ہے تو وہ ہوائے نفس کا بندہ کہلائے گا ورنہ اسے چاہیئے تھا کہ اسے جو بھی ملا اسے ہی دے دیتا کیونکہ ولایت شانِ رسالت کی مظہر ہے اور رسالت کا طریقہ یہی ہے کہ جو بھی اسے ملا تو فوراً دے دی اور فرمایا کہو لا الٰہ الا اللہ۔ یہ نہ دیکھا کہ یہ اپنا ہے یا پرایا۔ اور ولی رسول کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس ولی کو ولایت بخشتا ہے جس کے متعلق اسے معلوم ہے کہ وہ اس کے بندوں کا تزکیۂ نفس فرمائے گا ایسے شخص کو سب سے پہلے اسے اپنا نفس ملتا ہے تو وہ شخص کسی دوسرے کے تزکیہ کا انتظار نہیں کرتا بلکہ وہ فوراً اپنے نفس کی اصلاح میں لگ جاتا ہے کیونکہ پہلے اسے اپنی اصلاح ضروری ہے تاکہ دوسرے اس سے اصلاح پذیر ہوں[1] جب دوسرے اس کے ساتھ متعلق ہیں تو اسے پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہئے کیونکہ اس کا نفس کسی سے متعلق نہیں بلکہ وہ اس سے متعلق اور اسی کے در کا بھکاری ہے وہ تو صرف اسی کا دروازہ کھٹکھٹائے گا بلکہ اس سے اپنی امانت چاہے گا اسی لئے اس پر لازم ہے کہ وہ پہلے اپنے نفس کو دے کیونکہ اس کا سب سے پہلا سوالی اس کا اپنا نفس ہے۔

حدیث شریف کا صوفیانہ معنے ابدا بنفسک ثم بمن تعول پہلے اپنے نفس کو عطا کر پھر ان کو جو تیری عیال داری میں ہیں۔ اس میں ہماری مذکورہ بالا تقریر کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ قریبی رشتہ دار بہ نسبت دوسروں کی اصلاح کے زیادہ مستحق ہیں خلاصہ یہ کہ انسان سب سے پہلے اپنی پھر اپنے قریبی رشتہ داروں کی اصلاح کرے اگر اس کے رشتہ دار اصلاح پذیر نہیں ہوتے تو پھر جو بھی اصلاح کا طالب ہو اس کی اصلاح کرے۔ پھر یہ نہ دیکھے یہ کون ہے اور کیا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب اللہ تعالیٰ کے اسرار حق تعالیٰ نے عالم دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں تو رحمت کے دروازے پر جس سوالی کو بھی عجز و نیاز سے آہ و فغان کرتا ہوا دیکھتے ہیں اسے اسرار و رموز سے نوازتے ہیں جتنا وہ اس کا اہل

---

[1]:- صوفیاء کے نزدیک "اوّل خویش بعد درویش" کا یہی مطلب ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (اویسی غفرلہٗ)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــــُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــــُٔوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝

ترجمہ : اور اپنی اولاد کو تنگدستی کے خطرہ سے قتل نہ کرو ہم انھیں رزق دیتے ہیں بے شک ان کا قتل بہت بڑا جرم ہے ۔ اور زنا کے نزدیک مت جاؤ بے شک وہ بے حیائی اور بہت برُا راستہ ہے ۔ اور جس شئے کو اللہ تعالےٰ نے حرام کیا ہے اسے ناحق قتل مت کرو ۔ اور جو ناحق قتل کیا جائے تو بلاشبہ ہم نے اس کے وارث کو اختیار بخشا ہے تو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے بے شک وہ مدد کے لائق ہے ۔ اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس راہ سے جو بہتر ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور عہد پورا کرو بے شک عہد کی باز پرس ہوگی ۔ اور جب ماپو تو پورا ماپو اور برابر ترازو سے تولو یہ بہتر اور اس کا انجام بھلا ہے ۔ اور جس کا تمھیں علم نہ ہو اس کے درپے نہ ہو بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے پرسش ہوگی ۔ اور زمیں پر اتراتا ہوا نہ چل بے شک تم زمین کو ہرگز نہ چیر سکو گے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکو گے ۔ ان تمام کاموں کی برائی تمھارے پروردگار کو ناپسند ہے ۔ یہ اس وحی سے ہے جو آپ کے رب نے آپ کے ہاں بھیجی حکمت کی باتیں ہیں اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہ بنا (ورنہ) طعنہ زدہ دھکے کھاتا ہوا جہنم میں پھینکا جائے گا ۔ کیا تمھارے رب نے تمھارے لئے بیٹے منتخب فرمائے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایئں بے شک تم بہت بڑی بات کہتے ہو ۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

ہوتا ہے یہ خواص اولیا ہوتے ہیں ۔ اسی مقام کی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دلائی کہ اللہ تعالےٰ مخصوص اسرار کے حصول کے درپے رہو ۔ اس سے جو پیچھے ہٹا وہ محروم رہا اور جو اس مقام کو بھول گیا وہ ہمیشہ بھولا رہا ۔

خلاصۃ المرام ہماری اس تقریر سے اندازہ کیجئے کہ صاحب حال و صاحب مقام کے درمیان کتنا بہت بڑا فرق ہے اگرچہ بظاہر دونوں ایک ہیں لیکن گہرائی سے دیکھنے سے فرق واضح ہوتا ہے ورنہ عوام کی نظروں میں حضرت حلاج کا مرتبہ بہت بڑا معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ انھوں نے بظاہر ایک مشقت بھری کیفیت کو اپنایا لیکن حضرت اویس رضی اللہ عنہ کی دقیق نظری اس طرف لے جاتی ہے کہ حقوق کی پاسداری بھی ضروری ہے اسی لئے کاملین وعارفین پہلے اپنی اصلاح پر زور دیتے ہیں پھر دوسروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لیکن عوام بے چاروں کو ان کے احوال حقیقیہ کا کیا پتہ وہ تو اپنی جہالت و حماقت سے اسرار الٰہی کو نہیں جانتے اسی لئے ان اولیاء کاملین پر طعن وتشنیع کر کے جانوروں کے زمرہ میں شامل ہو جاتے ہیں یا پھر ایک کامل کو ایک اکمل پر ترجیح دیتے ہیں وہ ان کی کم عقلی کی دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے مراتب و مقامات کو نہ پہچانا وہ اپنی خفت عقلی سے حلاج رحمہ اللہ تعالےٰ رضی اللہ تعالےٰ کو ترجیح دے بیٹھے۔ اگرچہ ہم اس کے منکر نہیں کہ حضرت حلاج رحمہ اللہ تعالےٰ کا مرتبہ کچھ کم ہے (معاذ اللہ) وہ بھی بہت اونچے مرتبہ کے ولی تھے لیکن حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے درجہ سے کوسوں دُور۔

نکتہ: اسی طرح بعض بے وقوف حضرت شیخ اکبر ابن العربی قدس سرہٗ کے اسرار و کمالات اور ان کے کلام کی دقت اور ان کی تحریر کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔

(تفسیر آیات صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ ——— اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ تنگدستی اور نہ ہی کسی دوسرے خطرے سے یہ املق بمعنے افتقر سے ہے اس سے ان کے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لڑکیوں کے اخراجات سے ڈرتے تھے اللہ تعالےٰ ان کے اس خطرہ کو یوں ٹالا کہ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ہم ہی انھیں اور تمھیں رزق دیں گے بنا بریں ان کی روزی سے مت ڈرو اس لئے کہ جو ذات جان دیتی ہے وہ رزق بھی عطا فرماتی ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خداوندگاری کہ عبدے خرید
بدارد فکیف آنکہ عبد آفرید
ترانیست این تکیہ بر کردگار
کہ مملوک را بر خداوندگار!

ترجمہ: وہ آقا جس نے غلام خرید اور اس کی ہر طرح کی سنبھال کرتا ہے تو پھر وہ کیوں اپنے عبد کا سنبھالا کرے گا

جس نے اسے پیدا فرمایا۔

(۲) اے انسان تجھے اپنے خالق پر اتنا بھی بھروسہ نہیں جتنا ایک غلام مملوک کو اپنے آقا خریدنے والے پر۔

حکایت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ہرم رحمہ اللہ تعالٰی نے عرض کی کہ میں کہاں زندگی بسر کروں۔ آپ نے شام کے علاقہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ انھوں نے عرض کی کہ وہاں معاش کا کیا ہوگا۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، افسوس تو اسی بات کا ہے کہ اب لوگوں کے قلوب پر نصیحت کیسے اثر کرے جب ان کے قلوب میں شکوک وشبہات گھس گئے ہیں۔

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْراً اس لئے کہ ان کے قتل میں بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالٰی کی بنیاد کو اکھیڑنا اور نسل انسانی کو ختم کرنا ہے اور یہ ہر دونوں بہت بڑے گناہ ہیں۔ الخطی بروزن و بمعنے اثم کے ہے خطیء سے ہے اور خطاء بفتحتین بالقصر و بالمد ہر دونوں پڑھنا جائز ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کے ساتھ پہلی دس آیات میں دس مذموم عادتوں کو دس محمود عادتوں سے تبدیل کرنے کی طرف اشارہ ہے

۱ - بخل

۲ - دنیوی مشاغل کی طویل امیدیں

ولا تقتلوا اولادکم الخ میں ان دونوں مذموم عادتوں کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ بخل اور دنیا کی طویل امید نے انھیں اولاد قتل کرنے پر آمادہ کیا۔ ان ہر دونوں کو:

۱ - سخاوت

۲ - توکل (محمود عادتوں سے تبدیل کرنے کا)۔

نحن نرزقهم وایاکم میں اشارہ ہے۔

حکایت حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ابلیس اپنی اصلی صورت میں ملا تو آپ نے اسے فرمایا کہ اے ابلیس! مجھے اس شخص کی نشاندہی کر جو تیرا تمام لوگوں سے محبوب ترین اور مبغوض ترین ہو۔ ابلیس نے کہا: مجھے تمام لوگوں میں سے وہ مومن محبوب ترین ہے جو بخیل ترین ہو اور مبغوض ترین وہ ہے جو اگرچہ فاسق ہو لیکن سخی ہو اس لئے کہ مجھے خطرہ ہے کہ اللہ تعالٰی اس کی سخاوت کو دیکھ کر اس کے فسق سے درگذر فرما کر اسے بخش دے۔ یہ کہہ کر ابلیس چل پڑا اور عرض کی کہ اگر آپ یحییٰ پیغمبر علیہ السلام نہ ہوتے تو میں آپ کو کبھی اپنے اس راز سے آشنا نہ کرتا

مسئلہ: اپنے گھر والوں کو زہد پر مجبور نہ کرے بلکہ پہلے انھیں اس کی دعوت دے اگر وہ قبول کریں تو بہتر ہے ورنہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دے اور خود زہد وتقویٰ میں جدوجہد رکھے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اس کے مقدمات مثلاً بوسہ دینا بُرے اشارے کرنے اور کسی کو شہوت سے دیکھنے کے بھی قریب مت جاؤ یہ جائے کہ زنا کرو۔ زنا بالمد و بالقصر ہر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے یا یہ زانی کا مصدر ہے جیسے قتالا۔ قاتل کا مصدر ہے۔ (کذا فی الکواشی)

اِنَّهٗ بے شک وہ زنا كَانَ فَاحِشَةً ط وہ ایسا فعل ہے کہ جس کا قبیح ظاہر ہے اور حد سے زیادہ قبیح ہے اور یہ بھی قتل کی طرح ہے اس لئے کہ اس میں انساب کو ضائع کرنا ہے اور جس کی نسب ثابت نہ ہو وہ حکمی مردہ ہے۔ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ اور بُرا راستہ ہے اس لئے کہ زنا زانی کو جہنم کی طرف کھینچتا اور نسل کو منقطع کرتا اور فتنوں کو ابھارتا ہے۔

حدیث شریف: جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل کر سر پر چھتری کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے جب زنا سے فارغ ہوتا ہے تو پھر ایمان واپس لوٹتا ہے۔

ف: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ زنا سے بچو اس لئے کہ زنا سے چھ نقصان ہوتے ہیں۔ تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ وہ تین جو دنیا میں ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

① رزق میں کمی واقع ہو جاتی ہے یعنے اس کی روزی سے برکت اٹھالی جاتی ہے اور وہ شخص ہر بھلائی سے محروم ہو جاتا ہے۔

② عمر میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

③ لوگوں کے دلوں میں اس کا بغض بھر جاتا ہے۔ اس لئے کہ زنا انسانی عزت کو چھین لیتا ہے۔

اور وہ تین نقصان جو آخرت میں ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

① غضبِ رب۔

② شدت حساب۔

③ جہنم میں داخل ہونا۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ دو آنکھیں اور دو ہاتھ زنا کرتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

مرغ زان دانہ نظر خوش می کند
دانہ ہم از دو راہش می زند
این نظر از دور چوں تیر ست وسم
عشقت افزوں می شود صبر تو کم

ترجمہ: ① پرندہ دانے کو غور سے دیکھتا ہے تو دانہ بھی دُور سے پرندے کی راہ تکتا ہے۔

۲ یہ نگاہ دور سے تیر اور زہر کا کام کرجاتی ہے نظر سے عشق بڑھتا ہے اور صبر کم ہوتا ہے۔

ف: غلبۂ شہوت زنا کا موجب بنتی ہے اور یہی شہوت ان دسوں مذموم عادتوں میں سے تیسری عادت ہے اسے اللہ تعالیٰ عفت (پاک دامنی) سے تبدیل کرتا ہے اسی لئے اپنے بندوں کو زیب و زینت سے روکا ہے۔

حکایت بصرہ میں ایک نوجوان رہتا تھا اسے مسکی کہا جاتا — اس لئے کہ اس سے ہر وقت خوشبو مہکتی تھی اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ میں بہت زیادہ حسین وجمیل تھا۔ لیکن حیاؤ شرم بھی نصیب تھا مجھے والد گرامی نے فرمایا کہ بازار میں بیٹھو اس سے زمانہ حال کی رفتار معلوم اور تجربہ کاری حاصل ہوگی۔ چنانچہ ایک بزاز کی دوکان پر نوکر مقرر کرا دیا۔ ایک دن بزاز کی دوکان پر ایک بڑھیا آئی اور سامان خریدنا چاہا میں نے اسے اس کی مرضی کے کپڑے دکھائے۔ اس نے کہا کہ اس کی قیمت میری مالکہ ادا کرے گی تم میرے ساتھ چلو۔ میری مالکہ اپنے پسند کے کپڑے خریدے گی اور آپ کو رقم نقد ادا کرے گی میں اس بڑھیا کے ساتھ چلا گیا وہ مجھے ایک بہت بڑے مکان میں لے گئی اس مکان کے اندر ایک عظیم الشان قبہ تھا جس میں بہترین پلنگ بچھا ہوا تھا جس پر سنہری بستر بچھے ہوئے تھے اور اس پر ایک نوجوان لڑکی نہایت حسین وجمیل بیٹھی ہوئی تھی اس نے مجھے دیکھتے ہی اپنے سینے سے لگا لیا اور بوڑھی وہاں سے فرار ہوگئی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا۔ اس نے کہا کسی سے مت ڈرو۔ میں نے کہا، مجھے اس وقت قضا حاجت کی ضرورت ہے میں بیت الخلا میں جانا چاہتا ہوں۔ اس نے بیت الخلا کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے بیت الخلا میں جاکر تمام گندگی اپنے چہرے اور جسم پر مل دی۔ جب اس نوجوان لڑکی نے میری حالت کو دیکھا تو کہا کہ یہ پاگل ہے اسے باہر نکالو۔ میں اس حیلہ بہانہ سے اس گھر سے باہر نکلا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی بزرگ فرما رہا ہے کہ تم یوسف علیہ السلام سے کچھ کم نہیں ہو میں نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ میں جبرئیل (علیہ السلام) ہوں۔ اس کے بعد انھوں نے میرے چہرے اور جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس وقت سے میرے جسم سے خوشبو مہکتی ہے یہ دراصل جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ مبارک کی خوشبو ہے جو اس بندۂ خدا کو عفت وتقویٰ سے نصیب ہوئی۔

حکایت موسیٰ علیہ السلام کو ابلیس ملا اور عرض کی کہ جب آپ کو غصہ آئے تو مجھے یاد کیا کرو اس لئے کہ میں غضب کے وقت غضب والے کے قلب پر اپنا چہرہ اور اس کی آنکھ پر اپنی آنکھ رکھ دیتا ہوں اور پھر تمام جسم کے خون میں چکر لگاتا ہوں تاکہ غصہ اور تیز ہو جائے اور جنگ سے بھاگنے کے وقت بھی مجھے یاد کیا کرو اس لئے کہ میں اس وقت بھاگنے والے کو اولاد زوجہ اور جملہ خاندان کے خیالات دل میں ڈالتا ہوں یہاں تک کہ وہ جنگ سے پیٹھ دے کر بھاگ جاتا ہے! اور غیر محرم عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے بھی بچو اس لئے کہ تنہائی میں غیر محرم عورت کے ساتھ بیٹھتے وقت مرد اور عورت ہر دونوں کے دل کا میں قاصد بن جاتا ہے تاکہ زنا کرنے میں ان کی شہوت میں اضافہ ہو۔ (کذا فی آکام المرجان)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اور اس انسان کو قتل مت کرو جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس نے اسلام قبول کیا یا اس کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے۔ اس میں ذمی اور معاہد شامل ہیں۔ اِلَّا بِالْحَقِّ

یہ استثنا مفرغ ہے یعنے اسے کسی سبب سے بھی قتل نہ کرو مگر حق کے سبب سے ضرور قتل کرو اور حق کے تین اسباب ہیں :

(۱) اسلام کے بعد کافر ہونا ۔

(۲) شادی شدہ ہو کر زنا کرنا ۔

(۳) عمداً نفس معصومہ کو قتل کرنا ۔

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا اور وہ جو کہ مظلوم ہو کر قتل کیا جائے یعنے تینوں مذکورہ امور کے ارتکاب کے بغیر فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ توہم نے بنایا اس کے ولی کے لئے اس کے وارثوں میں سے کسی ایک کو اگر وارث نہ ہو تو حکومت کی طرف سے تاکہ مقتول کے مرنے کے بعد مقتول کے جملہ معاملات کا متولی ہو اور حکومت کو ہم نے اس لئے متولی بنایا کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کی تولیۃ حکومت کے سپرد ہوتی ہے ۔ سُلْطٰنًا بمعنے تسلط و استیلا ر یعنے مقتول کے وارث کو قاتل پر مسلط کرنا اور غلبہ دینا تاکہ وہ اسے مقتول کے بدلے میں چاہے قتل کرے چاہے اس سے فدیہ لے ۔ فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ پس مقتول کا متولی قتل کے بارے میں حد سے نہ بڑھے یعنے جتنی اس کے لئے شریعت مطہرہ نے حد مقرر کر دی ہے اس سے متجاوز نہ ہو مثلاً اس کی ناک وغیرہ نہ کاٹے یا قاتل کی بجائے قاتل کے کسی عزیز رشتہ دار کو قتل نہ کرے ۔ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ کبھی قاتل کے بجائے دوسرے کو قتل کرتے تھے جب دیکھتے کہ قاتل مقتول کا ہمسر نہیں ۔

بواء بمعنے ہمسر مثلاً کہا جاتا فلان بواء لامر فلان بمعنے سواء ۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ جاہلیت کی رسم تھی کہ مقتول کا وارث قاتل کے بجائے برادری کے سردار کو قتل کرتا تھا اور قتل میں تجاوز کرنے کا ایک معنے یہ ہے کہ ایک کے بجائے دو کو قتل نہ کرے جیسا کہ جاہلیت والوں کی عادت تھی کہ اگر ان کا کوئی برگزیدہ اور محترم شخص قتل کیا جاتا تو اس کے عوض میں قاتل کے ساتھ اس کے رشتہ داروں کی بہت بڑی جماعت کو قتل کیا جاتا اور تجاوز کا ایک معنے یہ ہے کہ دیۃ لے کر پھر قاتل کو قتل کیا جائے ۔

اِنَّهٗ بے شک مقتول کا متولی كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ ہے مدد کیا ہوا اس کی شریعت مدد کرتی ہے یا حاکم وقت یعنے اللہ تعالٰے متولی کی یوں مدد فرماتا ہے کہ متولی کو مقتول کی دیت یا قصاص دلاتا ہے یا حکام وقت کو حکم فرماتا ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں قاتل سے مقتول کے متولی کو حق دلوا دیں ۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ انہ کا مرجع قاتل ہو اب معنے یہ ہو گا کہ قاتل کو اس کے بجائے قتل کیا جائے اور مقتول کو قیامت میں اجر بھی منجانب اللہ نصیب ہو گا ۔

قاتل کی توبہ : اگر کوئی پوچھے کہ عمداً قتل کرنے والے کی توبہ کا کیا طریقہ ہے اس کا جواب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں دیا کہ قاتل کو مقتول کے بجائے قتل کیا جائے یا اس کے وارث مقتول کو معاف کر دیں یا مقتول کے لئے قاتل دیت ادا کرے ۔ (رواہ انس رضی اللہ تعالٰے عنہ)

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ چہ جائیکہ ذاتی ضروریات میں اسے خرچ کرو۔
اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ مگر ایسی خصلت اور ایسے طریقے سے جو تمام خصلتوں اور طریقوں سے احسن ہو یعنے اس کی حفاظت اور تجارتی کام میں لگا کر اس کا اصل مال بھی بچ جائے اور منافع بہ حاصل ہو۔ حَتّٰی یہ حسن الوجہ پر تصرف کرنے کے جواز کی غایۃ ہے جیسا کہ کلام کے مدلول سے ظاہر ہوتا ہے۔ یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ یہاں تک کہ وہ اپنی پوری قوت وطاقت کو پہنچ جائے۔ اٹھارہ اور تیس سال کی درمیانی عمر کو اشد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ آنک کی طرح واحد کا صیغہ جمع کے وزن پر آیا ہے اور کلام عرب میں ان دونوں لفظوں کے سوا اور کوئی ایسا لفظ نہیں جو واحد ہو کر جمع کے وزن پر آئے۔ (کذا فی القاموس)

اور بحر العلوم میں ہے کہ بلوغ الاشد ادراک سے معلوم ہوگا بعض نے کہا اس کی بلوغت کے بعد رُشد (عقلمندی) کے آثار پائے جائیں اس کی آخری عمر پینتیس سال ہے۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ وعدہ کا ایفا کرو۔ اس سے اللہ تعالےٰ اور بندوں کے ہر دونوں کے وعدے مراد ہیں۔ ایفاءُ العهد کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مقتضیٰ کے مطابق اس کی محافظت کرنا اور اس الفا کا صلہ باء آتا ہے تاکہ حتی ایفاءُ یعنے ایفا الکیل والوزن اور ایفا بالعهد کے درمیان فرق ہو۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ بے شک وعدہ کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا یعنے وعدہ کرنے والے سے عدم ایفا پر باز پرس ہوگی کہ اس نے وعدہ کے خلاف کیوں کیا۔ یہ سألت الشئ سے یا سألت عن الشئ سے ہے یہ باب الحذف والایصال سے ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ ایسے مقامات پر مفعول کی ضمیر کو مرفوع بنا کر اسے صیغہ مضمون میں مضمر کیا جاتا ہے اس کی مثال ذالك یوم مشهود ہے کہ یہ دراصل مشهود فیه تھا اور کواشی نے اسی معنے کو ترجیح دی ہے کہ قیامت میں اس بندے کو زجراً و توبیخاً کہا جائے گا کہ تو نے ایفائے عہد کیوں نہ کیا۔ یہ اس زندہ درگور کرنے والے کے سوال کی طرح ہے کہ زندہ درگور کردہ سے سوال کر کے زندہ درگور کرنے والے کو زجر و توبیخ کی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ عہد اگرچہ قابل سوال نہیں لیکن اس سے سوال کر کے وعدہ خلاف کو زجر و توبیخ کرنا ہوگا یا یہ اگرچہ ذی شعور نہیں اور نہ ہی ذی جسد ہے لیکن قیامت میں اسے مثالی دے کر اس سے سوال ہوگا جیسے قیامت میں اعمال کو متمثل کر کے نتیجہ سامنے لایا جائے گا چنانچہ روایات میں ہے کہ اعمال صالحہ کی نورانی اور اعمال سیئہ کی ظلمانی صورتیں ہوں گی اور پھر انہی صورتوں کا وزن ہوگا۔ (کذا فی حواشی سعدی المفتی مرحوم)

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اور بھر تول کو مکمل کرو اور ان میں کمی بیشی نہ کرو۔ اِذَا كِلْتُمْ جب تم خریداروں کو بھر کر دو۔ اس کی قید اس لئے ہے کہ کمی بیشی کا وقت یہی ہے ورنہ لیتے وقت تو کسی قسم کی کمی کا سوال ہی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

واذا اکتالوا علی الناس یستوفون

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط القسطاس بمعنے القرسطون جسے القبان کہتے ہیں یہ کبان کا معرب ہے بمعنے بڑا ترازو یا وہ آلہ جس سے کسی شے کو تولا جائے وہ بڑا ہو یا چھوٹا بعض نے کہا کہ یہ رومی لفظ ہے اسے عربی میں استعمال کیا جاتا ہے اور قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ کا ہونا فصاحت کے خلاف نہیں جب کہ یہ الفاظ میں مل کر مستعمل ہوتے ہیں۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ عربی لفظ ہے اور القسط سے مشتق ہے بمعنے عدل، اور یہی صحیح تر اور جمہور کا مذہب ہے۔ اگر اسے قسط سے مشتق مانا جائے تو لام کا تکرار مانا جائے گا بروزن فعلال ورنہ یہ رباعی ہے بروزن فعلال۔ المستقیم اور ترازو برابر والی سے تولو۔ اور یہاں اوفوا کو نہیں لایا گیا کہ مستقیم کے کہنے کے بعد جور کا وہم وگمان بھی ختم ہو گیا۔ بخلاف کیل کے کہ وہاں آلہ کی استقامت کا معاملہ نہیں اسی لئے وہاں کمی بیشی کا خطرہ تھا اسی لئے وہاں اوفوا فرمایا۔

ذَالِكَ اور وہ یعنے ایفاء الکیل اور وزن برابر۔ خَیْرٌ تمہارے لئے دنیا میں بہتر ہے کیونکہ یہ ایک ایسی امانت ہے کہ معاملات میں رغبت اور ذکر جمیل کا سبب بنتی ہے۔ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ○ اور انجام کے لحاظ سے احسن ہے تاویلا بمعنے عاقبت ہے بر تفعیل آل سے مشتق ہے بمعنے رجع اور اس سے مایؤول الیہ مراد ہے۔

ف: یہ بھی مذموم صفات سے ایک غضب ہے جسے اللہ تعالٰے نے ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق میں بیان فرمایا ہے۔ اس لئے غضب کا غلبہ ناحق قتل کرنے پر مجبور کرتا ہے اسے اللہ تعالٰے نے حکم ومن قتل مظلوما الخ سے تبدیل فرمایا۔

حدیث شریف قیامت کے دن تمام مخلوق سے عرش الٰہی کو قریب تر وہ مومن ہوگا جو مظلوم ہو کر قتل کیا گیا ہوگا اس کا سر عرش الٰہی کی دائیں طرف اور اس کا قاتل بائیں طرف ہوگا اور مقتول کی رگوں کا خون بہہ رہا ہوگا اور مقتول عرض کرے گا کہ یا اللہ! میرے قاتل کو پوچھئے کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا۔ اسے میری نماز کا خیال تک نہ آیا۔ اللہ تعالٰے فرمائے گا، قاتل ذلیل ہے۔ اس کے بعد قاتل کے لئے حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جائیں۔

نوشیرواں کی حکمت نوشیرواں نے کہا کہ چار خصلتیں عموماً قبیح ہیں لیکن چار شخصوں کو تو قبیح ترین ہیں:

۱ - بخل بادشاہوں میں
۲ - کذب قاضیوں (حاکموں) میں
۳ - تیزی شدت غضب علماء میں
۴ - وقاحت یعنے قلۃ حیاء عورتوں میں

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ حوصلہ آفات کے لئے حجاب ہے۔ ان دس قبیح خصلتوں میں پانچویں خصلت اسراف ہے۔ اس لئے کہ ہر شئے کو ضرورت سے زائد خرچ کرنا اسراف کا سبب بنتی ہے اسے قوام یعنے میانہ روی سے درست کرنے کا حکم فرمایا،

کما قال تعالٰے :

فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا -

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے قریب سے گذرے اور وہ وضو فرما رہے تھے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد! یہ کیا اسراف ہے۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کیا وضو میں بھی اسراف ہے آپ نے فرمایا: ہاں، وضو میں پانی زائد از ضرورت خرچ کرنا بھی اسراف ہے اگرچہ نہر کے کنارے پر بھی ہو۔

ان دس مذموم خصلتوں میں سے چھٹی خصلت ذمیمہ حرص ہے جسے اللہ تعالٰے نے ولا تقربوا مال الیتیم الخ میں بیان فرمایا۔ وہ اس لئے کہ یتیم کے مال میں تصرف بھی حرص کی وجہ سے ہوتا ہے اسے قناعت سے تبدیل کیا جاسکتا ہے چنانچہ الا بالتی ھی احسن میں اسی طرف اشارہ فرمایا۔

ف : کسی دانا سے پوچھا گیا کہ دنیا کی لذتوں میں بوڑھے کو بہ نسبت نوجوان کے زیادہ حرص کیوں ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ بوڑھے نے دنیا کی لذتوں کو بہ نسبت نوجوان کے بہت زیادہ چکھا ہوتا ہے اسی لئے اسے لذتوں کا زیادہ حرص ہوتا ہے حضرت صائب نے فرمایا: ؎

ریشہ نخل کہن سال از جوان فزوں ترست
بیشتر دلبستگی باشد بدنیا پیر را

ترجمہ : پرانی کھجور کو بہ نسبت نئی کے ریشہ بہت زیادہ ہوتا ہے جیسے بوڑھے کو دنیا سے زیادہ دلبستگی ہوتی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا جو شخص حرص بیچ کر قناعت خریدتا ہے وہ غنا کو بہت جلد حاصل کرے گا۔

ان دس مذموم خصلتوں میں سے ساتویں خصلت مذمومہ عہد شکنی ہے اس کا بدل وفا ہے۔ کما قال :

واوفوا بالعھد ان العھد کان مسؤلا -

ف : حضرت سلمی نے فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے اعضائے انسانی سے عہد لیا کہ وہ آدابِ الٰہی پر مداومت رکھیں مثلاً نفس کو حکم ہوا کہ وہ ادائیگی فرائض میں کمی نہ کرے اور دل کو حکم ہوا کہ وہ خوف و خشیت سے رہے اور روح کو حکم ہوا کہ وہ مقامِ قرب سے دور نہ ہو، سر کو حکم ہوا کہ وہ مشاہدہ ماسوئے نہ کرے۔ ان ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ سوال ہوگا۔

ع تا کے از عہدۂ آن عہد چوں آید بروں

ترجمہ : کون ہے جو اس کے عہد سے عہدہ برا ہو۔

ف : یہ تو ظاہر ہے کہ اکثر دوستوں میں ایفائے عہد نہیں وہ حقوق اللہ کے پابند نہیں نہ حقوق العباد کے۔ (الا ماشاء اللہ)

حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

وفا مجوی زکس ور سخن نمی شنوی
بہرزہ طالب سیمرغ وکیمیا می باش

ترجمہ : کسی سے وفا کی امید مت رکھو اگر ہماری بات نہیں سنتے ہو تو سیمرغ وکیمیا کے طالب سے پوچھ لے۔

ان دس مذموم خصلتوں میں سے اٹھویں مذموم خصلت خیانت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے واوفوا الکیل اذا کلتم میں بیان فرمایا۔

حکایت : ایک شخص پر نزع طاری تھی اور وہ کہتا تھا کہ جہنم کے دو پہاڑ ہیں اس کے اہل وعیال سے اس کے عمل کے متعلق پوچھا گیا تو جواب ملا کہ بھرنے کے لئے اس کے دو برتن تھے لینے کا اور تھا دینے کا اور۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تاجروں کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا : اے تاجرو ! قیامت میں تمہیں اللہ تعالیٰ فاجر بنا کر اٹھائے گا سوائے اس کے جو سچ بولے اور صحیح تولے اور امانت کو ادا کرے۔

ف : نوابغ الکلم میں ہے کہ امین ، آمن ہے اور خائن حائن ہے۔ حائن از حین بمعنے ہلاکت وتباہی۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

امین مجو ومگو باکسے امانت عشق
دریں زمانہ مگر جبرائیل امیں باشد

ترجمہ : کسی کو امیں نہ کہو نہ امین کی تلاش کرو اور نہ ہی امانت کا کسی کو عشق ہے ہاں اس زمانہ میں اگر کوئی امین ہوگا تو وہ صرف جبریل علیہ السلام ہیں۔

وَلَا تَقْفُ بمعنے ولا تتبع بد تفا اثرہ یقفو سے ہے بمعنے تبعہ اسی سے القافیہ کا لفظ لایا گیا ہے۔ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ یعنے جس قول وفعل کا تمہیں علم نہیں اس کی تابعداری مت کیجئے۔ یہ ایسے ہے جیسے کسی راستے پر چل پڑے جس کے متعلق یقین نہ ہو کہ وہ مقصد تک پہنچائے گا یا نہیں۔

ف : اجتہاد کے منکرین نے اسی سے استدلال کیا ہے لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے اس لئے کہ شریعت مطہرہ نے غالب گمان کو بھی علم کے قائم مقام مانا ہے اور اجتہاد میں ظن غالب ہوتا ہے۔ (کذا قال الزمخشری)

اس کی توضیح یہ ہے کہ اعتقاد راجح اعتقاد جازم کے حکم میں ہے اس لئے کہ اجماع امت ہے کہ اگر قبلہ کے متعلق پتہ نہ چلے تو شہادت اور اجتہاد پر عمل کرنا چاہئے۔ اسی طرح اور بھی مسائل ہیں اس سے نتیجہ نکلا کہ آیت سے ثابت نہیں اتباع ظن اور عمل القیاس بالکل جائز ہی نہیں جیسا کہ ظاہریہ فرقہ کا مذہب ہے۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ بے شک کان اور آنکھ اور دل كُلُّ أُولَٰئِكَ ان ہر ایک عضو سے۔ انھیں ذوی العقول قرار دے کر انسان کے اعمال کا سوال ہوگا اور یہ اعضاء انسان پر گواہی دیں گے۔ كَانَ عَنْهُ یہ ضمیر ان اعضا میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ کی طرف راجع ہے یا اس کی طرف جو ان اعضاء والے سے عمل سرزد ہوا۔ مَسْئُولًا ۝ سوال کیا ہوا یعنے ان میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ سوال ہوگا کہ جس انسان کے ساتھ تم تھے اس نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا مثلاً کان سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا سنا اور آنکھ سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا دیکھا اور دل سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا جانا وغیرہ وغیرہ۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ آیت میں اعضا سے متعلق ہر اس فعل کی اتباع کی نہی ہے جو ان اعضاء کے تعلقات سے مجہول ہے۔ گویا اللہ تعالٰے نے فرمایا: اے انسان! تم وہ باتیں نہ سنو جو تمھارے لئے سننا ناجائز ہے اور وہ نہ دیکھو جو تمھارے لئے دیکھنا ناجائز ہیں اور اس کا ارادہ نہ کیجیے جس کے متعلق تمھیں ارادہ کرنا ناجائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالٰے ان ہر ایک سے علیحدہ سوال کر کے ان کو ان کے اعمال کے مطابق سزا و جزا دے گا۔

سوال: آیت ہٰذا میں زبان کا ذکر نہیں حالانکہ یہ تمام اعضاء کا سردار عضو ہے؟

جواب: کیونکہ زبان کا معاملہ سمع پر موقوف ہے اس لئے کہ جب تک کان میں بات نہ جائے زبان اسے معلوم کر کے نہیں بول سکتی اور قیامت میں بھی زبان کے جتنے اعمال ہوں گے ان کے اسباب کان سے ہی ہوں گے۔

ازالۂ وہم: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے قلبی ارادوں پر بھی گرفت ہوگی۔ اس کی تائید دوسری آیت ولٰکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم سے بھی ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کے ان قلبی ارادوں پر گرفت ہوگی جو اس کے اپنے اختیار سے ہوں مثلاً قلب اعمال خبیثہ، حبّ دنیا اور ریا و عُجب و حسد و کبر و نفاق وغیرہا انسان کے اپنے اختیار سے ہوتے ہیں اسی لئے ان پر گرفت ہوگی بخلاف ان ارادوں کے جو اس کے اختیار میں نہیں ان پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰے نے میری امت سے وہ خطائیں معاف فرمائی ہیں جو ان کے دلوں میں بطور وسوسہ وغیرہ واقع ہوتی ہیں۔

مسئلہ: الاشباہ والنظائر میں ہے کہ جو خیالات دل سے گذرتے ہیں ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں جب تک ان کو زبان پر نہ لایا جائے یا ان پر عمل نہ کیا جائے۔

خیالات کے پانچ مراتب ہیں وہ خیالات جو انسان کے دل پر گذرتے ہیں کل پانچ ہیں:

۱ - ہواجس، وہ جو صرف دل پر واقع ہوں۔
۲ - خواطر، ان خیالات کو کہا جاتا ہے جو وقوع کے بعد جاری ہوں۔
۳ - حدیث النفس، وہ خیالات جن پر عمل کرنے میں تردد ہو کہ ان پر عمل کیا جائے یا نہ۔

۴ - ہَم، وہ خیالات کہ جن پر عمل کرنے پر ترجیح کا قصد ہو جائے۔
۵ - عزم، اس قصد راجح کو مضبوط تر کیا جائے۔

مسائلِ فقیہہ

مسئلہ: ہواجس پر بالاجماع مؤاخذہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بندے کے اختیار سے نہیں ہوتے اس لئے کہ وہ ایسی شے ہے کہ جس کے دل پر وارد ہو اسے دفع کرنے کی اسے قدرت حاصل نہیں اور نہ اس کا اس نے ارتکاب کیا ہے۔

مسئلہ: خواطر کو دفع کر سکتا ہے جب کہ ہواجس کا ورود ہو تو فوراً وہ اسے دور کرنے کی کوشش کرے تو وہ دور ہو سکتے ہیں۔ مرفوع صحیح حدیث شریف میں ہے کہ حدیث النفس انسان کو معاف ہے جب حدیث النفس معاف ہے تو اس سے پہلے والے ہواجس و خواطر بھی معاف ہیں۔

اعجوبہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہر خواطر انسان سے معاف ہیں لیکن مکہ مکرمہ میں اس طرح کے خیالات دل میں آئیں گے تو معاف نہ ہوں گے۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مکہ معظمہ کی بجائے طائف میں سکونت پذیر رہے یہ ان کی احتیاط تھی کہ نفس پر بھروسہ نہیں کہ وہ اس طرح کے خیالات کا مرتکب ہوگا۔

مسئلہ: اسی قسم کے نیک ارادوں کا ثواب نہیں لکھا جاتا۔

مسئلہ: ہَم یعنے جس ارادے میں عمل کرنے کی ترجیح ہو وہ اگر نیکی سے ہو تو اس کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ بے شک نیکی کے ارادہ پر ثواب لکھا جاتا ہے اور برائی نہیں لکھی جاتی لیکن فرشتہ منتظر رہتا ہے کہ اگر وہ بندہ ارادہ کو ترک کرتا ہے تو ترک ارادہ کی بھی نیکی لکھی جاتی ہے اگر اس ارادہ کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کے اعمال نامہ میں ایک برائی لکھی جاتی ہے۔

ف: یہ ایک برائی بھی اس کے ارادہ کے مطابق ارتکاب کی وجہ سے لکھی گئی۔ ورنہ ہُموم تو امت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو معاف فرمائے گئے ہیں۔

مسئلہ: عزم یعنے فعل کے ارتکاب کا پختہ ارادہ کر لینے پر مواخذہ ہوگا۔ بعض نے فرمایا ہے کہ اس پر مواخذہ نہیں اس لئے کہ یہ بھی منجملہ ان ارادوں سے ہے جو امت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو معاف ہیں۔ پہلا مذہب محققین کا ہے۔

مسئلہ: البزازیہ کتاب الکراہیۃ میں ہے کہ برائی کے عزم پر گناہ نہیں بشرطیکہ اس پر پختہ ارادہ نہ کرے اور پختہ ارادہ کرے گا تو اس عزم کا گناہ ہوگا جوارح کے ارتکاب جیسا گناہ نہ ہوگا کیونکہ یہ عمل جوارح کا نہیں بلکہ قلب کا ہے۔

مسئلہ: بعض ایسے عزائم ہیں کہ محض پختہ ارادہ سے لکھے جاتے ہیں جیسے کفر کا عزم بالجزم۔ (معاذاللہ)

ان دس مذموم خصلتوں میں سے نویں مذموم خصلت کو اسی آیت ان السمع والبصر الخ میں بیان کیا گیا ہے

اور اس سے ظلم مُراد ہے اس لئے کہ ظلم کا معنے اس پر صادق آتا ہے کہ بندے نے اپنے اعضاء و جوارح کو غیر موضوع میں استعمال کیا ہے اس کا بدل عدل ہے۔ کما قال :

ان السمع و البصر الی ان قال کل اولٰئک عنہ مسولا

مثلاً سمع کا ظلم یہ ہے کہ کان کو غیبت ولغو وآفت و بہتان و قذف ملاہی و فواحش کے استماع میں استعمال کیا جائے اس کا عدل یہ ہے کہ اسے استماع قرآن و احادیث وعلوم اور حکمتوں اور مواعظ و نصیحت اور نیکی اور قول حق میں استعمال کیا جائے

؎

گذر گاہ قرآن و پندست گوش
بہ بہتان و باطل شنیدن می کوش

ترجمہ : کان قرآن و پند و نصیحت کی گذر گاہ ہے اسے بہتان و باطل کے سننے میں مت لگائیے ۔

اور آنکھ کا ظلم یہ ہے کہ اسے محرمات و شہوات اور اپنے سے اوپر والے مراتب کے دنیوی جاہ و حشم کے لوگوں اور اسباب دنیا اور اس کی زیب و زینت اور نقش و نگار کے دیکھنے میں لگایا جائے اور اس کا عدل یہ ہے کہ اسے قرآن وعلوم اور باعمل علماء (اہلسنت) اور صلحاء اولیاء کے چہروں اور آثار رحمت الٰہی کے دیکھنے میں مصروف رکھا جائے آثار رحمت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے زمین کو ویرانی کے بعد کیسے آباد فرمایا ۔ اور جن اشیاء کو دیکھے تو عبرت کی نگاہ سے دیکھے ۔ اسی طرح دنیوی مرتبہ کے لحاظ سے اپنے سے نیچے کے مرتبہ والے کو اور دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے ؎

دو چشم از پے صنع باری نکوست
نہ عیب برادر فرو گیرد دوست

ترجمہ : دو آنکھیں اللہ تعالےٰ کی نیک صنعت کو دیکھنے کے لئے ہیں، دوست اور بھائی کے عیب دیکھنے کے لئے نہیں ہیں۔

عشق علی بہ محمد نبی صلے اللہ علیہ وسلم احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب سے سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اس کے بعد اپنی شرمگاہ کو دیکھنا چھوڑ دیا۔ اس لئے جو آنکھ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھے پھر وہ بُری جگہ کے دیکھنے کے لائق نہیں۔

سبق : بے ادب و گستاخ نبوت قسم کے لوگ حضرت علی اللہ رضی اللہ عنہ کے ادب کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں ۔

عثمان غنی کا عشق بہ محمد نبی صلے اللہ علیہ وسلم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا ہے اور جب سے اپنا ہاتھ بیعت کے لئے سرور کائنات فخر موجودات صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ پر رکھا اس وقت سے پھر اپنا ہاتھ اپنی

شرمگاہ کو نہیں لگا اور جب سے قرآن مجید کی تلاوت نصیب ہوئی کچے پیاز وغیرہ نہیں کھائے۔

دل کا ظلم یہ ہے کہ وہ کینہ، حسد، عداوت، حب دنیا اور تعلق ماسویٰ اللہ کو قبول کرے اور اس کا عدل یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان اوصاف ذمیمہ سے پاک وصاف رکھے اور اوصاف حمیدہ اور تخلق باخلاق اللہ سے مزین ہو ؎

پیاپے بیفشاں از آئینہ گرد
کہ صیقل نگیرد چو زنگار خورد

ترجمہ: آئینۂ دل کو بار بار گرد سے پاک وصاف کرو ورنہ جب اس پر گرد وغبار چڑھ جائے گا پھر اسے صاف کرنا مشکل ہو جائے گا۔

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ

سوال: مشی ویسے بھی زمین پر چلنے کا نام ہے پھر اسے الارض سے مقید کرنے کا فائدہ؟

جواب: محض تاکید و تقریر مطلوب ہے۔

مَرَحًا بمعنے ذا مرح اس لئے کہ مرحا مصدر ہے اور حال کے قائم مقام واقع ہوا ہے بمعنے تکبر و تبختر۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ مرحا بمعنے متکبر کا چلنا۔

اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے انسان زمین پر متکبر کی طرح مت چل۔

مسئلہ: آیت میں تکبر اور اپنے آپ کو بہت بڑا اونچا سمجھ کے چلنے سے روکا گیا ہے۔

إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ بے شک تو زمین کو اپنے چلنے سے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کر سکتا۔ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ○ اور نہ ہی اپنی طاقت اور بلندیٔ مراتبِ دنیوی سے طویل پہاڑوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے وہ طول متکلف مراد ہے جو متکبر اپنے خیال سے اس پر پہنچنے کا پروگرام بنائے اس میں متکبر کو تہکم اور نہی کی علت بتائی گئی ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ تکبر حماقت ہے اس لئے کہ انسان محض اپنی طاقت اور بڑائی کے بل بوتے پر کسی فائدہ کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ فضلِ الٰہی شامل حال نہ ہو۔ یہ تکبر ان دس مذموم خصلتوں میں سے دسویں خصلت ہے اس لئے کہ اکڑ کے چلنا بھی تکبر سے ہوتا ہے اس کا بدل تواضع ہے جسے اللہ تعالےٰ نے انک لن تخرق الجبال طولا میں بیان فرمایا ہے۔

؎

ز خاک آفریدت خداوند پاک
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

ترجمہ: اے بندہ! تجھے اللہ تعالےٰ نے مٹی سے پیدا کیا فلہٰذا تجھے بھی مٹی کی طرح انکساری کرنی چاہئے۔

حدیث شریف: جو شخص اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ کر اکڑ کے چلتا ہے تو وہ قیامت میں اللہ تعالےٰ کو اس حال میں ملے گا

کہ اللہ تعالٰے اس پر غضب ناک ہوگا۔ ؎

وجود تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد
ہمانا کہ دونان گردن فراز
دریں شہر کبرست و سودا ؤ آز
چو سلطان عنایت کند بابدان
کجا ماند آسائش بخردان

ترجمہ: ۱۔ تیرا وجود نیک اور بد کا ایک مستقل شہر ہے تو اس کا بادشاہ اور تیری عقل تیرا وزیر ہے۔
۲۔ تیرے شہر میں گردن بلند کرنے والے اور اکڑ کے چلنے والے تیرا تکبر اور غلط خیالی اور حرص ہیں۔
۳۔ جب بادشاہ بُروں سے احسان و مروت کرے تو رعایا آرام و آسائش سے زندگی نہیں بسر کر سکتی۔

مُحَمَّدٌ نورٌ صلے اللہ علیہ وسلم سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حسین ترین کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ کے دیدار پر انوار کے وقت ہم چہرہ اقدس کو دیکھتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ گویا آپ کے چہرۂ اقدس میں سورج چل رہا ہے اور میں نے آپ سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا، جب آپ چلتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ زمین آپ کے قدموں میں لپٹی جا رہی ہے اور ہم دوڑ کر آپ کے ساتھ چلتے لیکن آپ آرام سے چلتے تھے۔

كُلُّ ذٰلِكَ یہ اشارہ سابقہ پچیس صفات مذکور کی طرف ہے جو کہ لا تجعل مع اللہ الٰہا اٰخر سے شروع ہوئیں۔ اس پہلی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالٰے کے ساتھ کسی دوسرے معبود کا اعتقاد مت رکھو اس کے بعد دوسری تیسری صفت کو وقضٰی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ میں بیان کیا گیا اور اس میں حکم فرمایا کہ صرف اللہ تعالٰے کی عبادت کرو اور اس کے سوا کی عبادت سے نہی فرمائی اسی طرح باقی آیات کو سمجھئے کہ کسی میں امر ہے کسی میں نہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

كَانَ سَيِّئُهٗ اس سے افعال منہیہ مراد ہیں اور وہ چودہ خصلتیں مذمومہ ہیں اور اللہ تعالٰے جس امر کا حکم فرماتا ہے وہ حسن ہوتا ہے اور مذکورہ بالا آیات میں کل گیارہ ہیں ان میں تین پوشیدہ یعنے اشارہ سے بیان کی گئی ہیں اور باقی کو ظاہر کر کے بتایا گیا ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ○ تیرے رب تعالٰے کے ہاں مکروہ ہیں۔ یہاں پر مکروہ بمعنے مبغوض ہے جو کہ پسندیدہ الٰہی کے بالمقابل ہے۔

ف: یہ مکروہ مراد الٰہی کے بالمقابل نہیں اس لئے کہ اللہ تعالٰے کا ارادہ جمیع حوادث کو شامل ہے۔

ردِ معتزلہ ؛ ہماری تقریر بالا سے معتزلہ کا رد ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ جملہ نتائج اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے متعلق نہیں ورنہ اجتماع النقیضین لازم آئے گا یعنے ارادہ و کراہت۔

خلاصہ یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ کسی فعل کا اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے تو وہ فعل اچھا ہے تو وہ اس کی شان کے لائق ہے اگر معاذاللہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی شان پر حرف آتا ہے پھر ظاہر ہے کہ وہ برائی کا ارادہ ہی نہیں کرتا اگر کہو برائی کا ارادہ نہیں کرتا تو اس کی پوری تفصیل علم کلام میں ہے۔ ہم اہلسنت تعلق ارادہ کے قائل ہیں اور شے کا تعلق بالارادہ قبیح نہیں، ہاں بندے کو اللہ تعالیٰ کی رد کی ہوئی شے کا ارتکاب بھی نہیں چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کراہت کو بھی حرام کا درجہ دے کر کراہت کا ارتکاب نہیں کرتے۔ لیکن افسوس ہے اباحیہ (جاہل صوفیوں) کا کہ وہ کراہت کے ساتھ ساتھ حرام کے ارتکاب کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

سبق اولیاء اللہ اور جہال صوفیوں کے درمیان فرق معلوم کر کے جاہل صوفیوں سے بچنا لازم ہے اس میں عوام اولیاء اللہ کے عشاق کو غور و فکر کرنا لازمی اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پابندی ضروری اور بارگاہ حق اور اولیاء کرام کی اقتدار کا ادب ملحوظ خاطر ہونا چاہئے۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ مذکورہ بالا احکام یعنے اوصاف مذمومہ و محمودہ کی طرف اشارہ ہے۔ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ ان امور سے ہیں جو رب تعالیٰ نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجے ہیں یہ مِنْ بیانیہ ہے یا تبعیضیہ ہے اور مِنَ الْحِكْمَةِ حال ہے وہ حکمت ہے جسے علم شرائع اور معرفۃ حق لذاتہ کہا جاتا ہے یہی حکمت نظریہ کا مقصود اعظم اور تمام سے عمدہ اور اس پر عمل کرنا فلاح و بہبودی ہے اور یہی حکمت عملیہ ہے یا یہ ان احکام محکمہ سے ہے کہ اس کے بعد اس کا بدلنا اور منسوخ ہونا ناممکن ہے وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ یہ خطاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مراد آپ کی امت کے وہ افراد ہیں جن سے منہی کے خلاف کا صدور ممکن ہے اس کا تکرار محض تنبیہ کے لئے ہے اس لئے توحید انسان کے جملہ امور کا مبداء و منتہیٰ ہے اس لئے کہ جو توحید سے محروم ہے اس کے جملہ اعمال بے کار اور اس کی تمام مساعی ضائع ہیں اس لئے کہ توحید ہی جملہ اعمال کی سرتاج ہے۔ جو توحید کا قائل نہیں اسے نہ علوم نفع دیں گے نہ حکمت۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے حکمائے علوم و حکمت میں پرواز کی اور اپنے فنون کے بل بوتے پر آسمانوں پر چھلانگیں لگائیں لیکن بے سود جب کہ ان کے ہاں توحید کی دولت نہیں تھی تو انہیں حکمتوں اور فلسفوں کی کتابیں کام نہ دے سکیں اور وہ دین حق سے بھٹکے اور گمراہ ہو کر دائمی نعمتوں یعنے بہشت سے محروم رہے۔

ربط : شرک کی مذمت کے بعد اب اس کا دنیوی نتیجہ بتایا کہ فتقعد مذ موما مخذ ولا۔ پس اے مخاطب! شرک کر کے تم مذموم و مخذول ٹھہرے۔

اور یہاں پر اس دنیوی انجام کا نتیجۂ اخروی یوں واضح فرمایا کہ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا پس اے مخاطب! تم قیامت میں جہنم میں ڈالے جاؤ گے تو تم اپنے نفس پر ملامت اور اس کی مذمت کرتے ہو گے اور تمام لوگ اور فرشتے بھی

تمہیں ملامت کریں گے ۔ مَدۡحُوۡرًا مطرود و مطروح یعنے رحمتِ الٰہی سے دور پھینکے جاؤ گے بلکہ تمہیں ہر خیر و برکت سے محروم رکھا جائے گا ۔

ف : اللہ تعالٰے نے مشرک کو اس لکڑی سے مثال دی ہے جسے انسان اٹھا کر تنور میں پھینک دیتا ہے ۔

ف : توحید جملہ حسنات کی جڑ اور شرک جملہ سیئات کا اصل ہے ۔

تفسیر صوفیانہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ جب کافر کہتا ہے تو اس کے دل سے کفر کی تاریکیاں دُور ہو کر نورِ توحید آجاتا ہے اور جب مومن کہتا ہے تو اس کے دل سے نفس کی ظلمات دور ہو کر نور واحدنیت ثابت ہو جاتا ہے جو اس کلمہ کو دن میں ہزار دفعہ پڑھتا ہے اس کے دل سے پردے اٹھتے چلے جاتے ہیں ۔ یہاں تک کہ محسوس کرتا ہے جو پردے ہزارویں دفعہ کہنے سے اٹھے وہ پہلی دفعہ کہنے سے نہیں اٹھے تھے اور اللہ تعالٰے کی معرفت کا مقام بہت بلند اور غیر منتہٰی ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالٰے نے فرمایا :

قل رب زدنی علما

یہ محققین اولیاء کرام کا فرمودہ ہے جسے ہم نے اوپر نقل کیا ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر کجا کہ مے رسی باللہ مایست

ترجمہ : اے بھائی وہ درگاہ بے نہایت ہے جہاں جاؤ گے اسی کی ذات ہوگی فلہٰذا آگے بڑھے چلو، ٹھہریو مت ۔

ملفوظ ولی اللہ : حضرت یحیےٰ ابن معاذ رحمہ اللہ تعالٰے عنہ نے اللہ تعالٰے سے عرض کی کہ اے اللہ ! ہمیں تیرے ذکر سے دنیا سلامت اور تیری عفو سے آخرت بھلی اور تیرے دیدار سے ہی بہشت مبارک ۔

حدیث شریف : دنیا و ما فیہا ملعون ہے سوائے ذکر الٰہی اور وہ عمل جو اس کے موافق ہے یا عالم دین اور طالب علومِ اسلامی ۔

نکتہ صوفیانہ : توحید بمعنے اثبات الوحدت اور موحد وہ صاحب کمال ہوتا ہے جو کثرت سے نکل کر دائرہ وحدت میں پہنچ جائے ۔

ولی اللہ کی آرزو حضرت شیخ ابو الحسن رحمہ اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا کہ ایک بندۂ خدا فلاں پہاڑ کی غار میں برسوں عبادت الٰہی میں مشغول ہے میں انکی زیارت کے لئے وہاں چلا گیا جونہی اس کے دروازے کے قریب پہنچا تو میں نے سنا کہ وہ دعا کر رہا تھا کہ اے اللہ ! تیرے بعض بندوں نے تجھ سے تسخیر خلق مانگی تو نے انہیں اپنے فضل و کرم سے ان کی مراد پوری فرمائی اور میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ اپنی مخلوق کو میرے تعلقات سے دور فرما دے تاکہ میں

فراغت سے تیری بارگاہ میں التجا کرسکوں۔

ہم سب کو اللہ تعالٰی اس مقام کے حقائق عطا فرماتے اور ہر لحظہ اپنے حضور میں حاضری کی توفیق بخشے۔ (آمین)

حکایت ایک بادشاہ اپنے وزراء میں سے ایک وزیر کے ساتھ بہت بڑی محبت کرتا تھا دوسرے وزراء اس کے ساتھ حسد کرتے اور طرح طرح کے الزام لگاکر اسے بادشاہ کی نظروں سے گرانے کی کوشش کرتے۔ ایک دن بادشاہ کو خیال ہوا کہ وزراء کو اپنے مخصوص وزیر کی محبت و عشق کا ثبوت پیش کرے چنانچہ حکم فرمایا کہ محل شاہی خوب سجا کر اس کے اندر خزانہ کا دروازہ کھول دیا جائے۔ بادشاہ نے شاہی محل میں تمام وزراء کو بلا کر فرمایا کہ خزانہ شاہی سے جس کا جو جی چاہے لے جائے۔ اس سے کسی نے جواہر اٹھائے کسی نے موتی کسی نے کچھ کسی نے کچھ۔ وہ وزیر جس پر دوسرے وزراء حسد کرتے تھے اس نے اٹھ کر بادشاہ کے ہاتھ تھام لئے اور عرض کی مجھے تو زر و دولت جواہر موتی کی ضرورت نہیں مجھے تو صرف آپ کی ذات چاہئے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی ست

اسیر عشق تو از ہر دو کون آزاد ست

ترجمہ: تیرے در کا گدا تو بہشت سے نالاں ہے تیرے عشق کا اسیر دونوں جہانوں سے آزاد ہے۔

یعنے عاشق صادق صرف محبوب کو چاہتا ہے اسی لئے وہ ہر حالت میں محبوب کے سوا ہر شئے سے فارغ ہوتا ہے۔ (اسی لئے ہمارے دور کے ایک شاعر نے کہا ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیق کے لئے خدا کا رسول بس)[1]

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ط یہ ان قائلین کو خطاب ہے جو کہتے تھے کہ ملائکہ اللہ تعالٰی کی لڑکیاں ہیں اور خود لڑکیوں سے نفرت اور لڑکوں کو پسند کرتے تھے باوجود ایں ہمہ لڑکیوں کو اللہ تعالٰی کی طرف منسوب کرتے تھے اللہ تعالٰی نے ان کے رد میں فرمایا: الاصفاء بالشیٔ بمعنے کسی شئے کو خالص اپنے لئے مقرر کرنا یہ ہمزہ انکار کا اور فاء عاطفہ ہے اس کا معطوف علیہ محذوف ہے جس کی تفسیر اس کا مابعد کرتا ہے اور بنات کو اناث سے تعبیر کرنے میں ان کی خساست کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ انوثت حیوان کی خسیس ترین جنس ہے۔ اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے کافرو! کیا اللہ تعالٰی نے تمہیں اپنے اوپر فضیلت دی ہے کہ تمہیں افضل الاولاد سے نوازا ہے اور انہیں خالص تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے اور اپنے لئے خسیس اور ادنٰی اولاد کو اختیار فرمایا۔ اسی طرح کا مضمون الکم الذکر ولہ الانثی میں ہے۔

---

[1]: اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا ۖ وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝ قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ
كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۝ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا
كَبِيرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ
وَلَٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ
الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُورًا ۝ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ
وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ۝ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ
بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝
انْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝ وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا
أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۝ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۚ
فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ
مَتَىٰ هُوَ ۖ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ۝ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ
إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ۝

ترجمہ: اور بے شک ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا تاکہ وہ خوب سمجھیں اور ان کی تو نفرت
ہی بڑھتی ہے۔ فرمایئے اگر اس کے ساتھ اور معبود ہوتے جیسا یہ کہتے ہیں تو اس وقت یہ عرش والے کی طرف کوئی راستہ
تلاش کر لیا ہوتا۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں اس سے وہ پاک اور برتری اور اسے بڑی برتری ہے۔ ساتوں آسمانوں اور زمینیں
اور جو کچھ ان میں ہے سب اس کی تسبیح بولتے ہیں اور کوئی شئے ایسی نہیں جو اس کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی
نہ بیان کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بے شک وہ حلیم بخشنے والا ہے۔ اور جب آپ نے قرآن پڑھا تو ہم نے
آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کے درمیان ایک پوشیدہ پردہ ڈال دیا۔ اور ہم نے ان کے دلوں پر
حجابات ڈال دیئے کہ وہ اسے سمجھیں اور ان کے کانوں پر ٹینٹ اور جب آپ نے قرآن میں اپنے واحد لاشریک رب
کا ذکر کیا تو وہ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ ہم خوب جانتے ہیں جس نیت سے وہ سنتے ہیں جب وہ آپ
کی طرف لگاتے ہیں اور جب وہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں جب یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایسے آدمی کی اتباع کر رہے
ہو جس پر جادو ہے۔ دیکھئے انھوں نے آپ کے لئے کیسی مثالیں دی ہیں سو وہ گمراہ ہوئے تو وہ راہ نہیں پا سکتے۔
اور انھوں نے کہا کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا واقعی ہم از سر نو پیدا ہو کر اٹھائے جائیں گے۔ فرمایئے
کہ تم پتھر یا لوہا ہو جاؤ۔ یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے ذہن میں بہت بڑی ہو پھر اب پوچھیں گے کہ ہمیں کون پھر زندہ کرے
گا فرمایئے وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تو آپ کے سامنے سر ہلا کر کہیں گے کہ کب ہوگا فرمایئے شاید وہ

قریب ہی ہو۔ جس دن وہ تم کو بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے حاضری دوگے اور گمان کروگے کہ تم بہت کم مدت ٹھہرے تھے۔

(بقیہ صفحہ)

اس طرح کا ہونا حکمت کے بھی خلاف ہے اور نہ ہی اس کے متعلق تمھارے عقول گواہی دیتے ہیں اور نہ ہی اس کی عادت ہے کہ آقا کے لئے ردی اور خسیس چیزیں اور غلاموں کے لئے اعلیٰ اور بہتر اور برتر چیزیں ہوں۔

ف: کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے لڑکے منتخب فرمائے اور اپنے لئے فرشتوں کو لڑکیاں مقرر فرمائیں اور یہ عادت کے خلاف ہے کہ جب لڑکیوں سے تنگ ہو اور لڑکوں پر نازاں ہو پھر تنگی والی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لئے اور فخر و ناز والی چیزیں تمھارے لئے۔

اِنَّکُمْ لَتَقُوْلُوْنَ بے شک اولاد کی نسبت کا تمھارا قول۔ قَوْلًا عَظِیْمًا بہت بڑا بھاری قول ہے۔ ایسے قول کی کوئی بھی جرات نہیں کرسکتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو اجسام متجانسہ اور سریع الزوال اشیاء کے قبیل سے بناتے ہو اور پھر اولاد میں سے خسیس ترین کو اللہ تعالیٰ کی اور اعلیٰ قسم کی اولاد یعنے لڑکوں کو اپنے لئے خاص کرتے ہو اور پھر وہ، جو اشرف المخلوق ملائکہ ہیں انھیں انوثت سے موصوف ہو حالانکہ انوثت حیوان کے اوصاف سے خسیس ترین وصف ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں انسان کی ظلومیت و جہولیت کے کمال کی طرف اشارہ ہے اس کا کمال جہولیت تو یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو جنس حیوانات سے سمجھا اور حیوانات کا خاصہ توالد و تناسل ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے اوصاف سے منزہ اور پاک ہے اور اس کا کمال ظلومیت یہ ہے کہ اسے معلوم نہیں کہ توالد و تناسل کی ضرورت بقائے نسل کے لئے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو بالذات بقاء اور وہ ابدی سرمدی ہے اسے بقائے جنس کے لئے توالد و تناسل کی کیا ضرورت ہے اور اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ جنس سے پاک اور منزہ ہے اور ملائکہ اس کی جنس نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ازلی و ابدی خالق ہے اور فرشتے مخلوق اور اسی کی پیدا کردہ ہیں اور اس کے کمال ظلومیت و جہولیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ انھیں لڑکے بخشے اور خود اپنے لئے لڑکیاں منتخب فرمائیں یہ قول (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی جہالت کی طرف نسبت کرنے کے مترادف ہے کیونکہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کو لڑکوں کی لڑکیوں پر فضیلت کا علم نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انکم لتقولون قولا عظیما یعنے تمھارا یہ قول تمھارے کمال ظلومیت و جہولیت پر دلالت کرتا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیرِ عالمانہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا اور بے شک ہم نے یہ معنے بیان کیا اور بار بار بتایا۔

کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ ہم نے بار بار دلائل دے کر سمجھایا ہے کہ میں اولاد سے منزہ اور پاک ہوں۔
فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ اس قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس قسم کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ لِیَذَّكَّرُوْا تاکہ قرآن مجید کے دلائل پڑھ کر نصیحت حاصل کریں اور اپنے غلط اقوال اور گندے عقائد سے باز آجائیں۔ وَمَا یَزِیْدُهُمْ حالانکہ انھیں ہمارے دلائل وغیرہ نے نہ بڑھایا۔ اِلَّا نُفُوْرًا۝ مگر نفرت کو یعنے وہ دلائل سن کر بجائے حق کی طرف رجوع کرنے کے الٹا حق سے دور ہو گئے۔ قُلْ اے پیارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم انھیں حق کے اظہار اور باطل کے ابطال کے لئے دوسرے طریقے سے فرمایئے۔ لَوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ اگر اللہ تعالے کے ساتھ اور معبود ہوتے۔ كَمَا یَقُوْلُوْنَ جیسے تم کہتے ہو اور اے کافرو! تمھارا یہی پختہ عقیدہ ہے اور یہ کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے دراصل عبارت یوں تھی، کونا مشابھا لما یقولون الخ یہاں پر مشابہت بمعنے موافقت و مطابقت ہے۔ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ اس وقت وہ معبودانِ باطلہ طلب کرتے صاحب عرش یعنے وہ جو علی الاطلاق اس کا ملک اور ربوبیت کی طرف سَبِیْلًا۝ راستہ، غلبہ پانے اور اسے روکنے کے لئے یعنے تاکہ وہ رب حقیقی پر غلبہ پائیں اور اس پر غلبہ کر کے اپنے سے عیب وعجز کو دور کریں جیسا کہ بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر برتری کے طور پر غلبہ اور حملہ کیا کرتے ہیں اس دلیل سے کافروں کا منہ بند کیا ہے وہ اس طرح کہ ان کے معبودانِ باطلہ یا معبودِ حق سے بڑے ہیں یا اس کے برابر یا اس سے درجہ میں کم ہیں۔ اگر وہ معبودِ حقیقی سے بڑے ہیں تو انھیں چاہیئے کہ وہ اس کا مقابلہ کر کے اس پر غلبہ پائیں اور ربوبیت اور عرش کی شاہی اس سے چھین لیں جیسا کہ بادشاہوں کی عادت ہے کہ وہ اپنے سے کمزوروں پر غلبہ پا کر ان سے شاہی چھین لیتے ہیں۔ آیت میں برہان تمانع کی طرف اشارہ ہے پہلے اس آیت کو قیاس استثنائی بنا کر پھر اس سے نقیض تالی کا استثنا کیا گیا۔ اور اگر وہ معبودانِ باطلہ کے برابر ہیں تو بھی یہ نہیں چاہیں گے کہ ان کے برابر کا ایک کیسے حکومت و سلطنت کر رہا ہے جب کہ وہ اس کی طرح بہت بڑی جماعت موجود ہیں اسی لحاظ سے وہ اس سے جھگڑیں اور اس سے شاہی و سلطنت چھین لیں اگر وہ اس سے درجہ میں کم ہیں تو ناقص الوہیت کے قابل نہیں۔ اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا اس وقت طلب کریں عرش کامل کے مالک فی الالوہیۃ کی طرف راستہ خدمت و عبودیت قربت کے لئے۔ آیت میں اقترانی کی طرف اشارہ ہے اس کی صورت یوں ہوگی۔ لو فرض معہ اٰلھۃ لتقربوا الیہ بالطاعۃ وکل من تقربوا الیہ بہا لا یکونون اٰلھۃ فما فرض اٰلھۃ لا یکون اٰلھۃ۔
یہاں پر لو امتناعیہ نہیں بلکہ شرطیہ ہے۔

ف: یہاں پر معبود سے ان کے وہ جزوی العقول معبود مراد ہیں جنھیں انھوں نے اپنے زعم فاسد سے معبود مقرر کر رکھے تھے۔ جیسے عیسیٰ وعزیر و ملائکہ علیہم السلام۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ مع حواشی سعدی المفتی)

سُبْحٰنَهٗ اس کی ذات کے لئے وہ تنزیہ ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ وَتَعٰلٰی اور بلند یعنے دور ہے۔
عَمَّا یَقُوْلُوْنَ اس سے جو وہ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ اور معبود ہیں اور اس کی لڑکیاں ہیں۔
بحرالعلوم میں ہے کہ اس میں تنزیہ اور تعجب ہے ان کے اقوال سے دراصل عبارت یوں ہوگی؛ ما ابعد من لہ الملك الخ ملک اور ربوبیت والے کی شان سے بعید ہے اور اس کی شان بہت بلند ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔
عُلُوًّا یہ مجرد مصدر مزید یعنے تعالیا کے قائم مقام ہے جیسے واللہ انبتکم من الارض نباتا میں مصدر مجرد نباتا انباتا مزید کے قائم مقام ہے۔
کَبِیْرًا ○ بہت بڑا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بڑا نہیں کیوں؛ ہو جب کہ وہ وجود کے غایۃ کے انتہائی درجہ یعنے وجوب ذاتی پر ہے کہ جس کے بعد اور کوئی درجہ نہیں اور وہ جو کہتے ہیں کہ اس کے لئے شریک اور اس کی اولاد ہے یہ بھی عدم کے انتہائی یعنے درجۂ امتناع میں ہے۔
جیسے مشرکین کے وہمی معبود ہیں ایسے ہی کمزور اہلِ ایمان کا حال ہے کہ وہ اپنی جہالت وغفلت سے نفس کی خواہشات کو معبود بنایا ہے کما قال:
ارایت من اتخذ الٰھہ ھواہ
اسی طرح بعض بدبخت وہ ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی زوجہ کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے یعنے عورتوں کی اطاعت میں ایسے سرمست ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالٰے کی اطاعت کی جاتی ہے اور بعض ایسے بدقسمت ہیں جو اپنی تجارت کو اپنا معبود سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالٰے کی طاعت ترک کرکے رات دن اس کے مشغلہ میں مصروف رہتے ہیں۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالٰے عنہ کا طریقہ تھا کہ نماز پڑھتے وقت جب ایاك نعبد وایاك نستعین پڑھتے تو فوراً بے ہوش ہوجاتے۔ آپ سے وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا وہ اس لئے کہ ادھر تو میں اللہ تعالٰے سے ایاك نعبد عرض کرتا ہوں ادھر نفس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہوں اور ادھر ایاك نستعین کہتا ہوں اور پھر غیروں کے دروازے کھٹکھٹاتا ہوں ؎

اے تو بندہ این جہاں محبوس جان
چند گوئی خویش را خواجہ جہان
خدمت دیگر کنی ہر صبح و شام
وانگہی گوئی کہ من حق را غلام
بندۂ حق در درش باشد مقیم
با خلوص و اعتقاد مستقیم

ترجمہ: ① اے فلاں تو اسی جہان کی چیزوں کی محبت میں پھنسا ہوا ہے اور دعوٰی کرتا ہے کہ میں اس جہان میں سردار ہوں۔

② دنیا میں خدمت تو غیروں کی کرتا ہے اور دعویدار ہے کہ میں اللہ تعالٰے کا بندہ ہوں۔

③ حق تعالٰے کا بندہ وہی ہے جو صرف اللہ تعالٰے کے دروازہ پر اخلاص اور اعتقاد مستقیم کے ساتھ پڑا رہتا ہے۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ ہر وقت ذکر توحید میں مصروف رہے اور ہر وقت اس عہد کی تجدید کرے جو اس کے اور اللہ تعالٰے کے درمیان میں روز ازل ہوا تھا اس لئے کہ مغفرت اور ابرار و متقین کے درجات کی طرف ترقی کا سبب یہی عمل ہے جیسا کہ یقین والوں پر مخفی نہیں۔

اعجوبہ کلمہ طیبہ مروی ہے کہ جب اللہ تعالٰے نے عرش کو پیدا فرمایا تو وہ چونکہ اس کی تمام مخلوقات سے بڑا ہے اسی لئے پیدا ہوتے ہی ہلنے لگا اور چوبیس ہزار سال تک ہلتا رہا۔ اللہ تعالٰے نے اسے حرکت سے باز رکھنے کے لئے چوبیس حروف یعنے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) عرش کے سامنے ظاہر فرمائے تو عرش ہلنے سے رُک گیا اور چوبیس ہزار سال تک رکا رہا۔ چوبیس ہزار سال گذرنے کے بعد اللہ تعالٰے نے جسے سب سے پہلے پیدا فرمایا تو اسے اس کلمہ کے پڑھنے کا حکم فرمایا تو جونہی اس نے یہ کلمہ پڑھا تو عرش ہلنے لگا۔ اللہ تعالٰے نے اسے فرمایا: تھم جا۔ اس نے عرض کی: یا اللہ تعالٰے! میں کیسے تھم جاؤں جب تک تو اس کلمہ کے پڑھنے والے کو نہیں بخشے گا، میں ہلتا رہوں گا۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا: تھم جا، میں نے تیری پیدائش سے ہزار سال پہلے قسم کھائی تھی کہ کلمہ توحید پڑھنے والے کو ضرور بخشوں گا۔

ہم اللہ تعالٰے سے عفو و مغفرت کا سوال کرتے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ مَنْ فِيْهِنَّ ط آسمان اور زمین اور ان کے اندر رہنے والے سب کے سب اللہ تعالٰے کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

ف: والتسبیح یعنے نقائص امکان و حدوث سے اللہ تعالٰے کی تنزیہ اور تمام نقائص امکان و حدوث سے اس کی تبعید اور آسمانوں اور زمینوں کی تسبیح سے حالی مُراد ہے گویا یہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ صانع و خالق کا وجود اور وہ بہت بڑی قدرت اور حکمت والا ہے اور من فیھن سے ملائکہ اور جن اور انسان مراد ہیں اور ان کی سے مقالی تسبیح مراد ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی تسبیح کرنے والا تسبیح کہتا ہے تو سننے والا اسے سن لیتا ہے یا بطریق عموم المجاز مطلق تسبیح مراد ہے جو زبان حال و زبان مقال ہر دونوں کو شامل ہے یعنے ایسے قول و عمل کا صدور جو ذات حق کی تنزیہ پر دلالت کرے اس تقریر پر لفظ تسبیح مشترک لفظ ہے کہ ہر وہ شے جو اللہ تعالٰے سے نقائص حدوث و امکان کا دفعیہ کرے اسے تسبیح کہا جائے گا خواہ وہ مقال سے متعلق ہو یا حال سے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اس سے تمام اشیاء (حیوانات ہوں یا نباتات) مراد ہیں یعنے یہ تمام اشیاء اللہ تعالےٰ کی صنعت وقدرت وحکمت پر دلالت کرتی ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یہ اشیاء اللہ تعالےٰ سے نقصان وعیوب کی تنزیہ اور اس کے صفات کمال کا اظہار کرتی ہیں۔

ف: یہ اِنْ نافیہ ہے۔

اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ۔ الفقہ بمعنے متکلم کی غرض اس کے بولنے سے سمجھنا۔ اب معنے یہ ہوگا کہ ہر شے اللہ تعالےٰ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن اے مشرکو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، اس لئے کہ وہ نظر صحیح کہ جس سے ایسی تسبیحات سمجھی جاتی ہے تمہارے ہاں وہ نظر نہیں۔ یہ ہم نے اس لئے کہا کہ اگر ان سے پوچھا جاتا کہ آسمانوں اور زمینوں کا خالق کون ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ان سب کا خالق اللہ تعالےٰ ہے لیکن اس کے باوجود کہ وہ اللہ تعالےٰ کی خالقیت اور اس کی اتنی بہت بڑی قدرت کے قائل بھی ہیں تو پھر بھی اس ذات کے ساتھ اور معبودان باطلہ کو شریک ٹھہراتے ہیں اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ گویا وہ صنعت باری تعالےٰ اور قدرت حق تعالےٰ کو دیکھتے ہی نہیں اسی لئے اس کی توحید کا اقرار نہیں کرتے ورنہ جس کی نظر صحیح ہوتی ہے وہ لازماً اللہ تعالےٰ کی توحید کا اقرار کرتا ہے اور یہ ہر دونوں باتوں کے خلاف ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ وہ تسبیح اشیاء نہیں سنتے۔ اسی لئے انھیں ذات حق تعالےٰ کی صنعت اور اس کی قدرت کے دلائل محسوس نہیں ہوتے۔ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا بے شک وہ اللہ تعالےٰ حلیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم باوجود دیکھ تدبر فی الآئل سے اعراض اور شرک کرنے میں منہمک ہو لیکن پھر بھی تم پر عذاب نازل کرنے کی عجلت نہیں فرماتا۔ اور الحلم اگر اس کا اطلاق اللہ تعالےٰ پر ہو تو اس کا معنےٰ ہوگا کہ ظالم سے ظلم کے بدلہ لینے میں تاخیر کرنا اور اگر اس کا اطلاق مخلوق پر ہو تو اس کا معنے ہوگا غضب کے وقت جوش میں قلب کو مطمئن کرنا۔ غَفُوْرًا ○ جو تم میں سے توبہ کرے اور توحید کی طرف رجوع کرے اس کے لئے غفور ہے۔ یہ تقریر درباره تسبیح اشیاء زمخشری اور بیضاوی و ابوالسعود و دیگر ان کے اہل ظواہر ہم نوا کا مذہب ہے۔

تسبیح اشیاء کی تحقیق

حضرت الشیخ علی السمرقندی قدس سرہٗ نے بحر العلوم میں لکھا ہے کہ سلف صالحین کا مذہب ہے کہ آیت میں ہر دونوں جگہ پر تسبیح حقیقی مراد ہے اور یہی صحیح تر ہے وہ اس لئے کہ جب ہم مانتے ہیں کہ جمادات بھی گفتگو کرتے ہیں تو ان کی تسبیح بھی مقالی ماننی چاہئے۔ اس کے دلائل شاہد ہیں۔

حجر اسود بھی مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ معظمہ کے اس پتھر (حجر اسود) کو جانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتا تھا۔ اسے اب بھی میں جانتا ہوں۔

تسبیح الطعام: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جس طعام کو کھاتے تھے تو ہم اس کی تسبیح اپنے کانوں

سے سنتے تھے۔

دلیل ④: قرآن مجید کے صریح نصوص موجود ہیں کہ قیامت میں انسان پر اس کے اعضاء اور اس کا چمڑا اس کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ (اس سے جمادات کی حقیقی گفتگو کا ثبوت ملتا ہے)

④ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب تسبیح پڑھتے تو ان کے جواب میں پہاڑ بھی تسبیح پڑھتے تھے۔

⑤ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ہر شے خواہ وہ ذی حیات ہو یا جماد وہ اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتی ہے اور ان کی تسبیح یہ ہے، سبحان اللہ وبحمدہٖ۔

⑥ حضرت مقداد بن معدیکرب نے فرمایا کہ خشک مٹی جب تک تر نہ ہو وہ اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتی ہے اسی طرح خربوزہ کو بھی جب تک اپنی جگہ سے توڑا نہ جائے وہ اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتا ہے اسی طرح پتے جب تک درخت سے نہیں توڑے جاتے اور پانی جب تک جاری رہتا ہے اور کپڑا جب تک جدید رہتا ہے جب وہ میلا ہو جاتا ہے تو تسبیح ترک کر دیتا ہے اسی طرح وحشی اور پرندے جب بولتے ہیں تو تسبیح پڑھتے ہیں جب خاموش ہوتے ہیں تو تسبیح ترک کر دیتے ہیں۔

⑦ حدیث شریف میں ہے کہ مچھلی دریا سے اس وقت پکڑی جا سکتی ہے اور پرندہ بھی اس وقت گرفتار کیا جا سکتا ہے جب وہ تسبیح الٰہی سے غافل ہوتے ہیں۔ (کذا فی المدارک)

⑧ امام نخعی نے فرمایا کہ ہر شے ذی حیات ہو یا جماد، اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھتی ہے یہاں تک کہ جب دروازہ بند یا کھولا جاتا ہے اور اس سے جو آواز نکلتی ہے وہ اس کی تسبیح کی آواز ہوتی ہے اسی طرح چھت کے ٹوٹنے وقت جو آواز نکلتی ہے وہ بھی اس کی تسبیح کی آواز ہوتی ہے۔

⑨ حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ درخت اور ستون تسبیح پڑھتے اور درخت اور انگوری تسبیح پڑھتی ہے جب تک اسے کاٹا نہ جائے یا وہ خشک نہ ہو۔

⑩ الکواشی میں ہے کہ ان کا ذکر و تسبیح کرنا عقلاً و نقلاً ممکن ہے۔

⑪ خبائز الخلاصہ میں ہے کہ قبرستان کے درختوں اور اس کی گھاس کو بلا ضرورت کاٹنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ ذکر الٰہی اور تسبیح حق میں مشغول ہوتے ہیں۔

⑫ الملتقط میں ہے کہ پرانے گورستان کہ جس کے نشانات بھی مٹ گئے ہوں لوگوں کو اسے اپنے کام میں نہ لانا چاہئے یعنی نہ وہ اس میں مکانات تعمیر کریں نہ اس میں جانوروں کو باندھیں اور نہ اس کا گھاس اور نہ درخت وغیرہ کاٹیں۔

فتح القریب میں ہے کہ جب جمادات کی تسبیح سے برکات حاصل ہوتے ہیں تو

⑬ ردِ وہابیہ و دیوبندیہ قرآن مجید سے حصول برکات تو بطریق اولٰی ہے۔ اس لئے کہ یہ اشرف الاذکار (تمام

ذکروں سے برگزیدہ ذکر) ہے بالخصوص مرد صالح سے قرآن مجید سننے سے مزید فیوض وبرکات نصیب ہوتے ہیں اسی لئے علماء کرام وفقہائے عظام نے فرمایا :

استحب العلماء قراۃ القرآن عند القبر[1] قبر کے نزدیک قرآن مجید پڑھنا مستحب ہے ۔

[اویسی غفرلہٗ اہل اسلام کو عرض رسا ہے کہ ہمارے دور کے معتزلہ قبر کے نزدیک قرآن مجید پڑھنے کو بدعت کہتے ہیں اور طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے ہیں اگر ان کو پیسے دے کر ہزاروں قبروں پر قرآن پڑھاؤ تو اہلسنت بن جاتے ہیں اور پیسے کی وجہ سے بدعت بھول جاتے ہیں بلکہ اپنی خباثت طبعی پر آجائیں تو پھر ہندوؤں کی تصویر کے سامنے بھی قرآن مجید پڑھنے سے نہیں چوکتے[2] :

(حافظ بعیت اللہ (دیوبندی) رکن جمعیۃ العلمائے ہند اور حضرت بابا خضر محمد (دیوبندی) سابق سرپرست جمعیۃ العلمائے ہند، کانپوری نے مہاتما گاندھی (ہندو) کی روح کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے قرآن کریم کی آیتیں اس (گاندھی ہندو) کی تصویر کے سامنے بیٹھ کر پڑھیں اور ان کی روح کو بخش دیں الخ[3]]

[اہل اسلام، بھائیو! غور کرکے اسے پڑھئے پھر ان لوگوں کی چالوں سے بچنے کی کوشش کیجئے ۔

وما علینا الا البلاغ]

کیا قبر کے سامنے یا لحد کے کونے پر ریحان یا اسی طرح کا کوئی اور خوشبودار پودا لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

حدیث شریف کے مطابق تر چیز کو قبر پر رکھنے کا مطلقاً جواز ہے تو پھر قبر کے جس مقام پہ پودا لگایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے ۔

(۱۴) استن حنانہ کا واقعہ مروی ہے کہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک خشک ستون سے ٹیک لگا کر جمعہ کا خطبہ دیتے تھے ۔ایک کاریگر نے تین سیڑھیوں والا منبر تیار کیا اور بارگاہ نبوت میں پیش کیا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ اس جدید منبر پر رونق افروز ہو کر خطبہ دیں جونہی آپ نے جدید منبر پہ قدم رکھا تو خشک ستون (پرانا منبر) چیخا ۔حضور رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم جدید منبر کو چھوڑ کر خشک ستون پر تسلی کا ہاتھ رکھ کر فرمایا : تم چاہو تو میں تمہیں اس جگہ پر دوبارہ لگادوں جہاں تو پہلے تھا اور پھر پہلے کی طرح سرسبز ہو جائے گا اور چاہو تو میں تمہیں بہشت میں لگادوں تاکہ تو بہشت کے چشموں اور نہروں سے سیراب ہو کر پھلے پھولے اور تیرے پھل اولیا اللہ کھائیں اس ستون نے بہشت اور دار دنیا کے بجائے آخرت کو پسند فرمایا ۔جونہی حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اسے

---

[1] :۔ روح البیان جلد ۵ صفحہ ۱۶۳ ، مطبوعہ جدید

[2] :۔ اضافہ از اویسی غفرلہ ۔

[3] :۔ اخبار سیاست کانپور (انڈیا) یکم فروری ۱۹۵۷ء ۔ (اویسی)

ایک جگہ پر رکھا گیا جسے دیمک کھا گئی اور وہ مٹ گیا لیکن بعض روایت میں ہے کہ اسے منبر نبوی کے نیچے دفن کیا گیا۔[1]

مثنوی شریف میں ہے ؎

استن حنانہ از ہجر رسول
نالہ می زد چو ارباب عقول

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون
گفت جانم از فراقت گشت خون

مسندت من بودم از من تاختی
بر سر منبر تو مسند ساختی

گفت خواہی کہ ترا نخلے کنند
شرقی و غربی از تو میوہ چنند

یا در آں عالم ترا سروے کنند
تا تر و تازہ بمانی بے گزند

گفت آن خواہم کہ دائم شد بقاش
بشنو اے غافل کم از چوبے مباش

آن ستون را دفن کرد اندر زمین
تا چو مردم حشر گردد یوم دین

آن کہ او را نبود از اسرار داد
کے کند تصدیق او نالۂ جماد[2]

(۱۶) حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کسی ایک جگہ پر رونق افروز تھے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہم بھی تھے آپ نے سات کنکریاں اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھیں تو ان سے تسبیح کی آواز شہد کی مکھی کی آواز جیسی سنی گئی پھر آپ نے انہیں نیچے رکھا تو وہ خاموش ہوگئیں اس کے بعد آپ نے پھر اٹھائیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیں تو ان سے بھی اسی طرح شہد کی مکھی

---

[1] :۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب صدائے نوی شرح مثنوی معنوی یا تقاریر اویسی ریڈیو میں دیکھئے۔ (اویسی)

[2] :۔ ترجمہ و تشریح کے لئے فقیر اویسی کی کتاب شرح مثنوی پڑھئے۔

جیسی تسبیح کی آواز سنی گئی اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کے ہاتھ میں بھی اسی طرح ہوا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اسی طرح شہد کی مکھی کی آواز کی طرح ان سے تسبیح کی آواز میں نے سنی۔

(۱۶) حضرت عبد اللہ القرطبی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ذکر کیا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ایک رات کہا کہ میں آج رات ایسی تسبیح پڑھوں گا کہ میرے سوا اور کسی نے نہ پڑھی ہوگی۔ میرے اس کہنے پر ایک مینڈک (جو کہ ان کے گھر کے ایک کونہ میں تھا) نے پکار کر کہا کہ اے داؤد علیہ السلام! آپ اللہ تعالٰی کی تسبیح پڑھنے پر صرف آج رات فخر کر رہے ہیں حالانکہ میں چالیس سال سے مسلسل اللہ تعالٰے کا ذکر رہا ہوں یہاں تک کہ اس ذکر سے میں نے ایک لمحہ بھر بھی زبان کو نہیں روکا اور دس رات دن سے مجھے کھانا پینا نصیب نہیں اور ان دو کلموں کی لذّت سے مجھے کھانے پینے کا خیال تک نہیں۔ داؤد علیہ السلام نے مینڈک سے پوچھا، وہ دو کلمات کون سے ہیں؟ اس نے عرض کی وہ کلمات یہ ہیں:

یا مسبحا بکل لسان و یا مذکورا بکل مکان	اے وہ ذات جس کی تسبیح ہر زبان پر ہے اور وہ ذات جس کا ذکر ہر مکاں میں ہے۔

داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اس کی تسبیح مجھ سے زائد، بلیغ تر نہ ہو سکے گی۔

(۱۷) الشیخ ابو عمر نے اپنی توبہ کا سبب بتایا کہ ایک رات میں پیٹھ کے بل سو رہا تھا اور میرا چہرہ آسمان کی طرف تھا میں نے آسمان پر پانچ کبوتروں کو اڑتا ہوا دیکھا، ان میں سے ایک کہہ رہا تھا:

سبحان من عندہٗ خزائن کل شی ما ینزلہ الا بقدر معلوم	پاک ہے وہ ذات جس کے ہاں ہر شئے کے خزانے ہیں اور وہ اپنے اندازہ کے مطابق ہی نازل فرماتا ہے۔

دوسرا کہہ رہا تھا:

سبحان من اعطی کل شی خلقہ ثم ھدیٰ	پاک ہے وہ ذات جس نے ہر شئے کو پیدا فرمایا اور اسے اس کی شان کے لائق ہدایت بخشی۔

تیسرا کہہ رہا تھا:

سبحان من بعث الانبیاء حجۃ علی خلقہ و فضل علیھم محمد اصلی اللہ علیہ وسلم	پاک ہے وہ ذات جس نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی مخلوق کے ہاں حجت کے طور پر مبعوث فرمایا اور ان سب پر حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بخشی۔

چوتھا کہہ رہا تھا:

کل فی الدنیا باطل الا ما کان للہ و لرسولہ۔	دنیا کی ہر شئے باطل ہے سوائے اس کے جو اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

اور پانچواں کہہ رہا تھا :

یا اھل الغفلۃ قوموا الی ربکم رب کریم یعطی الجزیل ویغفر الذنب العظیم۔ — اے غفلت والو! اٹھو اپنے رب کریم کی طرف وہ تمہیں بہت کچھ عطا فرمائے گا اور تمہارے بہت بڑے گناہ بخشے گا۔

شیخ فرماتے ہیں جب میں نے ان کبوتروں کی تسبیح سنی تو میرے دل پر گہرا اثر ہوا یہاں تک کہ میرے اوپر بیہوشی طاری ہوگئی جب ہوش میں آیا تو میں نے دنیا کے خیالات کو دل سے محو پایا اور پختہ ارادہ کیا کہ صبح کسی شیخ کامل کی خدمت میں جا کر اپنے آپ کو ان کے سپرد کر دوں گا۔ چنانچہ صبح میں ایک ایسے بزرگ کے ہاں حاضر ہوا جو نہایت وقار اور پُرہیبت تھے میں نے دل میں خیال کیا کہ کاش کوئی مجھے اس بزرگ سے متعارف کراتا۔ میرے خیال کو وہ بھانپ گئے اور خود ہی فرمایا کہ میں خضر (علیہ السلام) ہوں۔ اور فرمایا کہ اس وقت میں حضور محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی (قدس سرہٗ) کے ہاں بغداد میں بیٹھا تھا اور تجھے معلوم ہے کہ محبوب سبحانی قدس سرہٗ تمام عارفین کے امام ہیں انھوں نے مجھے فرمایا؛ اے ابوالعباس! (یہ حضرت خضر علیہ السلام کی کنیت ہے) ایک بندۂ خدا کو ابھی جذبہ الٰہیہ نصیب ہوا ہے اسے آسمان سے جواب ملا ہے :

مرحبابك عبدی — مرحبا اے میرا بندہ۔

اور اس بندۂ خدا نے تہیہ کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کسی شیخ کامل کے سپرد کر دے آپ تشریف لے جا کر اسے میرے ہاں لے آئیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے یہ واقعہ بتا کر مجھے فرمایا کہ بغداد شریف چل کر محبوب سبحانی قدس سرہٗ کی بیعت ہو جایئے اور ان سے فیوض و برکات حاصل کیجئے۔ یہ کہہ کر غائب ہوگئے۔ میں نے اپنے آپ کو بغداد میں پایا اور حضرت خضر علیہ السلام کے حکم سے میں سیدنا غوث اعظم رحمہ اللہ تعالٰے علیہ کے حضور میں چلا گیا، آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا :

مرحبا بمن جذبہ مولاہ بالسنۃ الطیر وجمع لہ کثیرا من الخیر — مرحبا اس بندۂ خدا کو جسے اپنے مولٰے تعالٰے نے پرندوں کے ذریعے اپنا قرب اور اسے خیر کثیر سے نوازا۔

ف : خلاصہ یہ کہ اس قسم کے بے شمار دلائل موجود ہیں کہ جمادات کی تسبیح ممتنع نہیں بلکہ کائنات میں کئی ایسے واقعات ہو گذرے ہیں اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو کرامات اور خرق عادات کا منکر ہے۔

(۱۸) فتوحات مکیہ شریف میں مذکور ہے کہ اگر بقول منکر جمادات کی تسبیح حالی مراد ہوتی تو پھر ولٰکن لا تفقھون تسبیحھم کا اضافہ کیوں؟ اللہ تعالٰے کے کلام کے ہر جملہ میں ہزاروں حکمتیں ہوتیں ہیں۔

ف : ان جملہ دلائل سے ثابت ہوا کہ جمادات وغیرہ کی تسبیح سے تسبیح حقیقی مراد ہے اس کا مطلب یہ لینا غلط ہے کہ ان جمادات کا حال اللہ تعالٰے کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے۔

ف : لا تفقھون تسبیحھم کا خطاب عام ہے اس میں مشرکین اور اہل اسلام ہر دونوں شامل ہیں۔ اب معنے یہ ہوا کہ نہ تم ان کی تسبیح سن سکتے ہو اور نہ ہی تم ان کی تسبیح کو پڑھتے ہو اس لئے کہ اس سے صرف ان کے الفاظ سمجھنا مطلوب نہیں

بلکہ اس سے تدبّر مقصود ہے تاکہ بولنے والے کے کلام کا ادراک کرکے اسی کی طرح تسبیح کرے۔

فـ: اللوائح میں لکھا ہے کہ ولکن لاتفقھون الخ کا معنیٰ یہ ہے کہ تم اس لئے نہیں سمجھتے کہ وہ تمہاری بولی نہیں بولتے ہاں اللہ تعالیٰ جسے چاہے ان کی بولی سمجھا دے جیسے داؤد اور سلیمان علیہما السلام بعض جمادات و حیوانات کی بولیاں سمجھتے تھے۔

صاحبِ رُوح البیان کا تبصرہ

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ تقریر مذکور لا تفقھون الخ کی تعلیل مذکورہ مقام ہٰذا کے لحاظ سے غیر مناسب ہے اس لئے کہ آیت میں عموم ہے اور ضروری نہیں کہ جسے ہم سن سکیں تو اسے سمجھ سکیں اس لئے کہ بہت سے لغات کو ہم سنتے ہیں لیکن ہم انھیں سمجھ نہیں سکتے اس لئے کہ ہر لغت کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں علاوہ ازیں بہت سی ایسی اشیاء ہیں جن کی کوئی آواز مسموع نہیں لیکن ان کی تسبیح سنی گئی۔ اس تقریر کو غور کرکے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

(۱۹) حضرت امام سلمی حضرت ابوعثمان مغربی قدس سرہٗ سے نقل کرکے لکھتے ہیں کہ تمام کائنات باختلاف لغات تسبیح حق کرتی ہے لیکن صرف وہ عالم ربّانی ہی سن سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے جس کے دل کے کان کھلے ہوں۔ کسی نے کیا خوب فرمایا:

ع

بذکرش ہر چہ بینی در خروشست
دلے داند دریں معنٰی کہ گوشست
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانست
کہ ہر خارے بتسبیحش زبانست

ترجمہ: جس شئے کو دیکھو وہی تسبیح حق میں ہے یہ اس دل کو معلوم ہوگا جس کے کان اس معنے کے لئے کھلے ہیں۔ نہ صرف بلبل پھول پر تسبیح پڑھ رہی ہے بلکہ بوٹی کا ہر کانٹا تسبیح میں شاغل ہے۔

(۲۰) خصائص صغریٰ میں ہے کہ یہ صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے کہ آپ کو حجر و شجر سلام عرض کرتے اور آپ کی نبوت کی گواہی دیتے بلکہ آپ کی دعوت کو بھی قبول کرتے تھے۔

احجار و اشجار کی حیات کی تحقیق

امام سہیلی نے فرمایا کہ نامعلوم کہ اشجار و احجار کا بولنا حیات و علم سے تھا یا ویسے خالی آواز تھی جو حیات کو مستلزم ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ اکثر بلکہ کل عقلاء کا خیال ہے کہ جمادات لایعقل ہیں لیکن جب ہمارے مذکورہ بالا دلائل دیکھتے ہیں تو توقف کرتے ہیں حالانکہ تحقیق یہ ہے جب واضح ثبوت موجود ہے کہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے ساتھ احجار و اشجار ہم کلام ہوئے تو پھر ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں حیات و علم پیدا فرمایا ہے۔ اسی لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ عالم کے ذرہ ذرہ میں اس کی شان کے لائق حیات ہے چنانچہ حدیث اذان سے واضح ہوتا ہے کہ جب مؤذن اذان پڑھتا ہے تو مؤذن کی آواز کو ہر

ہر خشک وتر سنتا ہے اور قیامت میں مؤذن کے لئے گواہی دے گا۔ اور ظاہر ہے کہ گواہی کے لائق وہ شے ہو سکتی ہے جس کے اندر علم وحیات ہو یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالٰے نے اکثر انس وجن کی نظروں سے ان کا علم وحیات اوجھل رکھا ہے سوائے ان حضرات کے جن پر اس کا فضل وکرم ہے جیسے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام، ایسے حضرات کو دلیل سے سمجھانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ انہیں جمادات وغیرہ کے علم وحیات کا مشاہدہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالٰے نے ان سے جمادات وغیرہ کی حیات و علم کو اوجھل رکھا ہی نہیں وہ ان اشیاء کے علم وحیٰوۃ کو بلا تکلف آنکھوں سے دیکھتے، اور ان کا کلام کانوں سے سنتے ہیں۔

حیات جماد کی ایک قرآنی دلیل جب موسٰے علیہ السلام نے رب ارنی کہا تو اللہ تعالٰے کی ربوبیت کی تجلی پہاڑ پر پڑی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا یہ بھی حضرت ابن العربی قدس سرہٗ کے نزدیک پہاڑ کی حیات کی دلیل ہے کہ اگر اسے معرفت الٰہی حاصل نہ ہوتی تو وہ ریزہ ریزہ نہ ہوتا۔

سبق حضرت ابن العربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب ثابت ہو گیا کہ عالم کائنات کا ذرہ ذرہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے جو جمادات کے ذکر سے صرف خیالی طور پر سبق حاصل کرتا ہے تو وہ ابھی سلوک میں ادھورا ہے اسے اس وقت کامل ومکمل سمجھا جائے گا جس وقت وہ جمادات کے ذکر کو اپنے کانوں سے سنے اور سر کی آنکھوں سے دیکھے۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ حقیقی زندہ وہ ہے جسے ہر جماد دیکھ کر زندہ ہو جائے اس کی مثال سورج کی ہے کہ سورج کو دیکھتے ہی ہر ایک روشنی پاتا ہے اسی طرح حقیقی زندہ (ولی اللہ) کے دیکھنے سے بھی مردہ دلوں کو روحانی زندگی نصیب ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمادات، نباتات (اشجار، احجار) کے ذرہ ذرہ میں ان کی شان کے لائق علم وحیات ہے اور وہ بولتے بھی ہیں جنہیں وہ صرف سنتا اور دیکھتا ہے جسے کشفِ حقیقی اور قلبِ سلیم حاصل ہے۔

ف: حضرت الشیخ افتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حقیقی سالک اپنے اثنائے سلوک آسمان کی حرکات کو سنتا ہے وہ اس لئے کہ اس کی ریاضت میں ایک قسم کا جذب ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اتنی دور کی حرکات کو سن سکتا ہے اور ان کے خلیفہ مجاز حضرت الھدائی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ایک رات تہجد کے وضو کے لئے گھر سے باہر نکلا تو میں نے جاری پانی کے قطرات سے سنا کہ وہ پڑھ رہے تھے:

یا دائم، یا دائم، یا دائم، یا دائم   اے ہمیشہ رہنے والے، اے ہمیشہ رہنے والے . . .

اس قسم کے نظائر وامثلہ اَن گنت ہیں۔

صاحبِ روح البیان کے پیرومرشد کا قصہ فقیر (حقی) کہتا ہے کہ میرے پیرومرشد رضی اللہ نے کسی صوفی بزرگ کو اپنے پاس روزہ کے افطار کے لئے بلایا اس وقت میرے شیخ قدس سرہٗ پانی اور روٹی کے سوکھے ٹکڑوں سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔ اس کے بعد تو آپ نے آٹھویں پہر کچھ کھانے پر اکتفا فرمایا۔

جب روزہ کے افطار کا وقت ہوا تو میرے شیخ قدس سرہ نے اس صوفی بزرگ سے فرمایا کہ اس روٹی کے ٹکڑوں میں حقانی روح ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے ظاہری اجزا جسم کو اور اس کے روحانی اجزا روح کو تقویت بخشتے ہیں اس معنے پر روٹی سے جس طرح جسم کو تقویت ہوتی ہے ایسے ہی روح کو بھی اور یاد رکھئے کہ ہر موجود ذی روح کسی کو روح حیوانی نصیب ہوتا ہے کسی کو روح حقانی، مردے کے جسم کو روح حقانی عطا ہوتا ہے اس لئے کہ مرنے کے بعد تو اسے روح حیوانی چھوڑ گیا ہے۔ اب وہ مردہ روح حقانی سے زندہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مردہ اللہ تعالےٰ کے بلانے پر بولتا ہے اس کا اس وقت بولنا روح حقانی کی وجہ سے ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر شے اللہ تعالےٰ کی تسبیح پڑھتی ہے اور ظاہر ہے کہ تسبیح وہ پڑھتا ہے جس کی روح ہو اور روح کے بغیر تسبیح وغیرہ پڑھنا محال ہے نتیجہ نکلا کہ ہر شے ذی روح ہے وہ حجر ہوں یا شجر۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

چون شما سوئے جمادے مے روید
محرم جان جمادان چون شوید
از جمادے عالمے جانہا روید
غلغل اجزائے عالم بشنوید
فاش تسبیح جمادات آیدت
وسوسہ تاویلہا نہ بایدت
چون ندارد جان تو قندیلہا
بہر بینیش کردہٗ تاویلہا
کہ غرض تاویل ظاہر کے بود
دعوٰے دیدن خیال و غیّ بود
بلکہ ہر بینندہ را دیدار آن !
وقت عبرت مے کند تسبیح خوان
پس بواز تسبیح یادت می دہد
آن دلالت ہمچو گفتن می بود
این بود تاویل اہل اعتزال
وائے آنکس کو ندارد نور حال

چون ز حس بیرون نیامد آدمی
باشد از تصویر غیبی اعجمی

ترجمہ : ۱ - جب تم جماد کی طرف جاتے ہو جمادوں کے ساتھ تم محرم راز کیسے ہو سکتے ہو۔
۲- عالم جماد سے عالم ارواح کی طرف جاؤ اجزائے عالم سے تسبیح کا غلغلہ سنو ۔
۳ - جمادات کی تسبیح صاف سنائی دے گی، تاویلات کے وسوسے نہیں چاہئے -
۴ - چونکہ تیری جان میں روشنی نہیں اسی لئے تم ایسی تاویلات گھڑتے ہو ۔
۵ - غرضیکہ اس کی تاویل کیسے ظاہر ہوتی ہے اس کے دیکھنے کا دعوٰے کرنا خام خیالی اور گمراہی ہے۔
۶ - بلکہ ہر دیکھنے والے کو اس کے دیکھنے سے عبرت حاصل ہوتی ہے اور پھر وہ تسبیح کرنے لگتا ہے ۔
۷ - اس کی تسبیح کا جواز تجھے تسبیح یاد دلائے گی؛ اس کی یہ دلالت کہنے کی طرح ہے ۔
۸ - معتزلہ کی تاویل یہی ہے اس شخص پر افسوس ہے جو حال کا نور نہیں رکھتا ۔
۹ - جب آدمی حس سے باہر نہ آئے ایسا شخص غیبی احکام پر عجمی ہے ۔
خلاصہ یہ کہ جسے عالم بالا سے تعلق نہیں وہ کیا جانے کہ اس عالم میں کیا ہو رہا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ یسبح لہ السموات السبع والارض ومن فیھن یعنے کائنات کا ذرہ ذرہ اور مخلوقات کا ہر جز اللہ تعالٰے کی تنزیہ و تقدیس کرتا ہے جسے روح حاصل ہے وہ زبان اور اپنی بولی میں جسے عقلاً سمجھتے ہیں اور جمادات لسان ملکوتی سے تقدیس کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا : وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ یعنے ہر شے اللہ تعالٰے کی حمد کرتی ہے کہ اسے عدم سے وجود بخشا اور تربیت سے نوازا ۔ ولکن لا تفقھون تسبیحھم اور ان کی تسبیح کو اس لئے نہیں سمجھتے کہ تمہاری تسبیح ان کی تسبیح کی جنس سے نہیں ۔ یاد رہے کہ عالم کائنات کے ذرہ کے لئے اللہ تعالٰے نے علیحدہ علیحدہ ملکوت پیدا فرمایا ؛ کما قال :

فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیٔ — پاک ہے وہ ذات کہ جس کے قبضہ قدرت میں ہر شے کی ملکوت ہے ۔

اور ملکوت موجود شے کے باطن کا نام ہے اور وہ آخرت ہے اور آخرت جماد نہیں بلکہ وہ صاحب حیات ہے، کما قال :

وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان

اس سے معلوم ہوا کہ کائنات کے ہر ذرہ کی ملکوتی لسان ہے جو اسی سے اللہ تعالٰے کی تسبیح و تنزیہ بیان کرتی ہے اور اپنی بولی میں اللہ تعالٰے کی دی ہوئی نعمتوں پر حمد و ثنا کرتی ہے ۔ ان کنکریوں کو یہی زبان حاصل تھی جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اللہ تعالٰے کی تسبیح پڑھتی تھیں اسی ملکوتی لسان سے قیامت میں زمین بولے گی، کما قال :

یومئذ تحدث اخبارھا۔

اسی ملکوتی لسان سے قیامت کے دن انسان کے اعضاء و اجزاء اس کے اعمال کی گواہی دیں گے اور کہیں گے :

انطقنا اللہ الذی انطق کل شیٔ۔

اسی زبانِ ملکوتی سے زمین و آسمان نے کہا :

اتینا طائعین۔

ہماری اس تقریر کو غنیمت سمجھ کر یاد کیجئے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا ۔ ازل سے ہی وہ حلیم ہے اس لئے کہ جو پیدا ہونے کے بعد اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتا ہے ۔ غَفُوْرًا ۝ ان کے لئے غفور ہے جو ایسے قبائح اور گندے مقامات سے تائب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ قاشانی نے لکھا ہے کہ ہر شئے کی اپنی خصوصیت ہے اس کی خصوصیت میں کوئی اور اس کا شریک نہیں ہو سکتا جیسے وہ کسی اور کی خصوصیت میں داخل نہیں ہو سکتا پھر وہ اپنی خصوصیت سے اللہ تعالٰی سے محبت اور اس کی طلب کی مشتاق ہوتی ہے جب تک وہ مرتبہ اسے حاصل نہ ہو تو اس وقت تک وہ اس کی حفاظت اور اس سے محبت کرتی ہے جب اسے وہ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنی خصوصیت اور اس میں اپنے منفرد کے اظہار کے لئے اللہ تعالٰی کی تنزیہ بیان کرتی ہے گویا وہ زبان حال سے کہتی ہے۔ اے وہ ذات ! جو اپنی ذات میں واحد ہے تیری حمد ہے کہ تو نے مجھے اپنی خصوصیت میں واحد بنایا۔ اگر وہ اپنی خصوصیت میں منفرد نہیں تو پھر وہ شئے اپنے کمال کے حصول میں اللہ تعالٰی کی صفات نقص میں تنزیہ کرتے ہوئے گویا یوں کہتی ہے : یاکامل کملنی اے کامل ذات ! مجھے بھی کامل بنا دے۔ اور پھر وہ اپنے کمال کے اظہار میں اللہ تعالٰی کی حمد کرتے ہوئے یوں کہتی ہے کہ میں اس کی حمد کرتی ہوں جس نے مجھے کمال بخشا یہاں تک کہ ہر حیوان طلب رزق میں کہتا ہے :

یا رزاق ارزقنی — اے رزاق مجھے رزق عطا فرما۔

پھر رزق کے حصول کے بعد کہتا ہے : "میں اس کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھے رزق سے نوازا"۔ اور وہ اپنی اولاد پر شفقت کرنے پر کہتا ہے :

ارافنی الرؤف وارحمنی الرحیم — مجھے رؤف نے رافت اور رحیم نے رحمت بخشی۔

اس معنے پر ساتوں آسمان اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کی عجز و فنا کی تنزیہ بیان کرتے ہیں اور اس کے دوام و بقاء اور علو و تاثیر و قدرت اور ملک و ربوبیت پر حمد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر آن تیری نئی شان ہے اور زمین اللہ تعالٰی کے دوام و ثبات اور خلاقیہ و رزاقیہ و قبول توبہ وغیرہ پر حمد کرتی ہے اور ملائکہ اس کی حیات و علم و قدرت پر اور مجردات اس کے تعلق بالمادہ سے

اس کی تنزیہ اور اس کے وجوب پر حمد کرتے ہیں اور یہ سب کے سب تسبیح کے ساتھ اس کی تقدیس وحمد کرتے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جو اس کی صفت کمالیہ کی حمد کرتا ہے تو اس کی تقدیس و تسبیح بھی کرتا ہے اور جو اس کی نقص وعیب سے تقدیس کرتا ہے تو وہ اس کی حمد بھی کرتا ہے یوں سمجھئے کہ تسبیح میں حمد ہے اور حمد میں تسبیح ولکن لا تفقھون اور نہ سمجھنے کی وجہ ملکوت الاشیاء میں قلت نظر اور غفلت کی وجہ سے ہے ورنہ جس کا قلب نور توحید سے منور ہے اسے ان کی تسبیح معلوم ہو جاتی ہے اس لئے کہ قلب عالم ملکوت سے ہے اور جب وہ نور توحید سے منور ہو جاتی ہے تو اسے اشیاء کی تسبیح سمجھ میں آجاتی ہے اس لئے کہ وہ اس کے اپنے ملک کی شئے ہے ۔

انہ کان حلیماً وہ حلیم ہے. تمہارے کمالات کی طلب میں تسبیح کا ترک کرنا اور فہم تسبیح کے خواص کے عدم اظہار پر حوصلہ کرتا ہے اسی طرح ان کی طرح توحید بیان کے ترک پر تم پر حلیم ہے ۔ غفوراً تمہاری غفلت اور سستی سے درگذر فرماتا ہے اور ہر سالک اور ارادتمند کو کل اشیاء کی تسبیح پر وہی ہدایت دینے والا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں ۔ جَعَلْنَا بَيْنَكَ تو ہم کرتے ہیں آپ کے ۔ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں یعنی کفار مکہ جو قیامت میں اٹھنے کے منکر تھے حِجَابًا ایسی آڑ جو انہیں آپ کی نبوت اور آپ کی قدر ومنزلت کی معرفت تک پہنچنے نہیں دے گی اسی وجہ سے وہ جرأت کر کے کہہ دیتے ہیں :

ان تتبعون الا رجلا مسحورا — تم تو ایک جادو کئے ہوئے آدمی کی تابعداری کر رہے ہو ۔

مَّسْتُوْرًا ۝ ان کی حس سے پوشیدہ ہے ۔ یعنے وہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے ۔ الانساء، اس معنے پر یہ اپنے حقیقی معنے پر مشتمل ہوگا ۔ یہاں یہ صیغہ مفعول سبیل مفعم کے قبیل سے ہے یعنے منعم بمعنے ذوالنعام یہ افعمت الانا سے ہے بمعنے ملاتہ ۔ یہ ابوالسعود کی تقریر ہے ۔

شانِ نزول الکواشی میں ہے کہ مشرکین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے تھے یہاں تک کہ ام لہب یعنے ابولہب کی اہلیہ ایک پتھر لائی تاکہ (معاذ اللہ) آپ کا سر مبارک پھوڑ دے، تو یہ آیت نازل ہوئی ۔

اس تقریر پر اب معنے یہ ہوگا کہ جب آپ نماز پڑھنے کا ارادہ فرمائیں، اس معنے پر اذا قرات القران بمعنے اذا صلیت ہوگا اور اسے قرآت القرآن سے اس لئے تعبیر کیا کہ نماز میں قرآن مجید بھی پڑھا جاتا ہے ۔ اسی مناسب سے کہا گیا، اذا قرات القران، یہی توجیہ ہے ۔ واذا قری القران فاستمعوا لہ وانصتوا الخ میں ہے کہ وہاں پر بھی خطبہ مراد ہے لیکن چونکہ خطبہ میں بعض آیات پڑھی جاتی ہیں اسی لئے خطبہ کو قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے ۔ اس تقریر پر آیت کو خصوصی مادہ پر محمول کیا گیا کیونکہ جب وہ حجاب کو نہیں دیکھتے تھے تو محجوب کو کیسے دیکھ سکتے ۔ اسی لئے آپ ان کے ایذا سے محفوظ رہتے ہیں لیکن یہ معاملہ دائمی نہیں تھا جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے ۔

دوسرا شان نزول سعدی المفتی نے فرمایا کہ بہتر ہے کہ اسے اس روایت پر محمول کیا جائے کہ ابوسفیان و نفیر و ابوجہل یعنے ابولہب کی زوجہ ، حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے جب آپ قرآن مجید پڑھتے تھے پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے قرآن مجید پڑھنے کے وقت آڑ مقرر فرمائی جس کی وجہ سے آپ کو وہ لوگ نہیں دیکھ سکتے تھے ۔ اگرچہ آپ کے قریب ہو کر گزرتے تھے کیونکہ ان کی نگاہوں سے آپ مجوب ہوتے تھے ۔

تردید فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ سعدی مفتی کو ذہول ہوا ہے انھوں نے آنے والے جملہ اذ یستمعون پر غور نہیں فرمایا ۔ اس کی مزید تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے ۔ اور دل بھی تسلیم کرتا ہے اور سعدی مفتی کے قول سے تسلی نہیں ہوتی ۔

مسئلہ : جس نے قرآن مجید کی تلاوت کا حق ادا کیا یعنے اسے پورے خشوع و خضوع سے پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اسے قرب الٰہی کے اعلیٰ مراتب سے نوازا جائے گا ۔

حدیث شریف : قرآن مجید کی آیات کی گنتی کے مطابق بہشت کے درجات ہیں[1] جس نے قرآن مجید کی جملہ آیات کی تلاوت کا حق ادا کیا تو وہ تمام درجات کے اوپر والے درجہ پر فائز ہو گا ۔

ف : قرآن مجید کی جملہ آیات کا حق ادا کرنا درحقیقت قرآن مجید کے اخلاق سے متخلق ہونا ہے اور قرآن اچھے اخلاق و نیک صفات کا نام ہے اور قرآنی اخلاق سے متخلق ہونا گویا اللہ تعالےٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا ہے ۔

پند صوفیانہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ مرتبہ اس خوش بخت کو نصیب ہوتا ہے جو حجب ظلمانیہ و نورانیہ کو عبور کر کے مقعد صدق عند ملیک مقتدر کی منزل میں پہنچ جائے پھر یہ بھی اس مرتبہ میں ہو گا کہ اس کے اور کافروں کے درمیان آڑ بنائی جائے گی ۔

ف : مستورًا کی بجائے ساترًا اس لئے نہیں فرمایا کہ حجاب واصل کو منقطع سے چھپاتا ہے نہ بالعکس یعنے حجاب منقطع کو واصل سے نہیں چھپاتا اس معنے پر حجاب واصل کو منقطع سے پوشیدہ رکھتا ہے ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

فائدۂ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی کتاب اللہ سے پناہ مانگتا ہے (یعنے پناہ میں آتا ہے) وہ ایک مضبوط اور محفوظ قلعہ میں محفوظ ہو جاتا ہے اور جو شخص اس سے محروم ہے یعنے قرآن کے وجود سے پناہ لیتا ہے نہ اس کے علم سے تو وہ امن کے باوجود بھی تباہ و برباد ہو گا ۔

ے

---

[1] :- قرآن مجید کی ۶۶۶۶ آیات ہیں ۔

ہر کہ او بیرون شد از حصن خدا
جان او آخر شد از جسمش جدا
مرد حق بین کے کند تکیہ بغیر
ہر قضا چون از خدا آید بسیرا

ترجمہ: (۱) جو اللہ تعالے کے مضبوط قلعہ سے باہر گیا یوں سمجھو کہ اس کی جان جسم سے جدا ہو گئی۔
(۲) مرد حق بین غیر پر تکیہ نہیں کرتا۔ جب وہ اللہ تعالے کی قضا و قدر کو حق مانتا ہے۔ تو پھر غیر کا تکیہ کیسا۔

وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً یہ کنان کی جمع ہے، بمعنے الغطاء یعنے پردہ۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے۔ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ یہ وجعلنا کا مفعول یہ ہے یعنے اس کراہت سے کہ کہیں قرآن کی کنہ کو سمجھیں اور انھیں یقین ہو کہ یہ اللہ تعالے کے ہاں سے آیا ہے، یہ کوفیوں کا مذہب ہے اور بصری کثیر الحذف کے قائل نہیں۔

ف: اس میں ان کے قلوب کا حق سے اور اسے قبول کرنے سے اور اس کے ساتھ اعتقاد رکھنے سے دُوری کی علامت ہے گویا ان کے قلوب پر ایسے پردے لٹکا دیئے گئے ہیں جو کہ قرآن اور ان کے قلوب کے درمیان حائل ہے جن کی وجہ سے قرآن کا ان کے دلوں پر اثر نہیں پڑتا۔ (کذا فی بحر العلوم)

ف: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ان کے قلوب کی تنگی اور حق سے دُوری ان حجب معنویہ کی وجہ سے ہے جو قلب اور فطرت اصلیہ پر ہجوم کئے ہوئے ہیں اگرچہ ان کے ظاہر کا تقاضا یہی ہے کہ وہ قرآن کو سمجھیں اور اس کا ادراک کر کے نور علم تک پہنچیں لیکن حجب مذکورہ انھیں ایسے تقاضا کو پورا کرنے سے روکتے ہیں اگرچہ اسے بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا اصلی حال اسی طرح ہے جیسے مذکور ہوا۔

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ اور جب آپ قرآن میں اپنے صرف ایک رب کو یاد فرماتے ہیں اور اس کے کافروں کے، معبودوں کا ذکر نہیں ہوتا مثلاً آپ کہتے ہیں: لا الٰہ الا اللہ۔

ف: وحدہ مصدر حال کے قائم مقام واقع ہے دراصل تحد وحدہ تھا بمعنے واحدا وحدہ، یعنے وہ ذات منفرد ہے وہ فعل جو حال واقع ہوا تھا اسے حذف کر کے مصدر کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔

وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ تو وہ الٹے پاؤں لوٹتے یعنے بھاگتے اور نفرت کرتے ہیں۔ نُفُوْرًا ۝ یہ قعود کی طرح مصدر ہے یا نافر کی جمع ہے یعنے وہ روگردانی کرتے ہیں اور لوٹتے ہیں در آں حالانکہ وہ نفرت کرنے والے ہیں النفور بمعنے بھاگنا۔ (کذا فی التہذیب)۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ ہم خوب جانتے ہیں انھیں جو وہ کان لگا کر سنتے ہیں مثلاً لغویات بکتے اور

آپ کی تحقیر اور آپ کے اور قرآن کے ساتھ استہزار کرتے ہیں اس معنے پر لفظ بہٖ محلاً حال ہے اور باء ملابستہ کی ہوجے اور باء سببیہ بھی ہوسکتی ہے بمعنے بسببہ ولاجلہ ۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے تھے تو آپ کے دائیں بائیں عبدالدار کے دو دو مرد کھڑے ہوکر تالیاں اور سیٹیاں بجاتے اور آپ کو بھلانے کے لئے زور زور سے اشعار پڑھتے تھے ۔

اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ یہ اعلم کا ظرف ہے اور اس سے وعید کی تاکید مطلوب ہے یعنے جیسے اللہ تعالےٰ ان کی دیگر حرکتوں کو جانتا ہے، ایسے ہی ان کی اس حرکتِ شنیعہ کا بھی اسے علم ہے اسی طرح وَ اِذْ هُمْ نَجْوٰۤى بھی ظرف ہے لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ اس کا تعلق استماع سے ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ باہم مناجات کرتے ہیں اور نجویٰ مرفوع علی الخبر ہے اس کا مضاف محذوف ہے یہ دراصل ذو نجویٰ تھا ۔ اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ یہ اذ ھم سے بدل ہے اور عبارت کا تقاضا تھا کہ یہاں اسم ظاہر الظالمون کے بجائے ضمیر ہونی چاہیئے ۔ لیکن اسم ظاہر لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا اس طرح کہنا ظلم اور تجاوز عن الحد ہے ۔

ف : اس میں اشارہ ہے یہ ایک دوسرے سے سرگوشی والے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن مجید سن کر شور مچانے والے اور تھے ۔

اِنْ تَتَّبِعُوْنَ بفرض محال اگر تم سے اتباع صادر ہو تو تم اتباع نہیں کرتے ۔ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ○ مگر مرد جادو کئے ہوئے یعنے وہ مرد جس پر جادو ہو تو وہ مجنون ہوگیا ہو، ان ظالموں کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے موصوف ماننے کے بجائے سحر سے موصوف کہا ۔

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ انہیں دیکھئے کہ آپ کی کیسی مثالیں دی ہیں کبھی شاعر کہا اور کبھی ساحر اور کبھی مجنون ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ انھوں نے آپ کے متعلق عجیب مثالیں دیں کہ کبھی آپ کو مجنوں سے موصوف کیا تو کبھی ساحر سے اور کبھی کاہن سے اور کبھی شاعر سے ۔

فَضَلُّوْا توجہ صحیحہ کے طریقہ سے ہٹ کر اپنی مثالیں بیان کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوئے ۔ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا پس وہ کوئی راہ نہیں پا سکتے کہ جس سے وہ آپ پر طعن وتشنیع کر سکیں کہ جسے کوئی بھی ان کی باتوں کے ماننے کے لئے تیار نہیں اسی لئے وہ حیران و سرگرداں رہتے ہیں بلکہ جب چلتے ہیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں سخت پریشان ہیں اور ان کی پریشانی کا یہ عالم ہے کہ اب انھیں اپنے معاملہ کو سر کرنے کا کوئی چارہ نظر نہیں آتا بلکہ ان سے ایسے امور سرزد ہوجاتے ہیں کہ جن کے بطلان میں کسی کو شک اور وہم و گمان نہیں ۔

ف : یا اس کا معنے یہ ہے کہ وہ لوگ حق وارشاد سے ایسے بھٹک گئے ہیں کہ اب انھیں حق کی طرف لوٹنے کی راہ نہیں ملتی کیونکہ وہ انکار و گمراہی کی حد کو پہنچ چکے ہیں اس کی دراصل وجہ یہ تھی کہ وہ خواہشات نفسانی میں سخت گھرے ہوئے تھے اسی لئے

وہ بناوٹی قصوں کے سننے کے شوقین تھے بلکہ ان کو سوائے سحر و شعر کے سننے کے اور کوئی کلام اچھا نہ لگتا۔ اگر وہ خواہشاتِ نفسانی سے ہٹ کر اللہ تعالےٰ کی توفیق کے مطابق سننے تو لازماً انہیں کلامِ الٰہی سنائی دیتا اور صفاتِ حق کو بڑے ذوق سے سنتے۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے فطری مزاج بگڑ چکے تھے اور ان کی دلوں میں برائی کا مرض گھر کر چکا تھا اسی لئے وہ ذکر واحد احد کی وحدانیت و وحدت کے ساتھ سننے سے متنفر تھے اور وہ توحید کی حلاوت پا بھی نہیں سکتے تھے بلکہ وہ ذکرِ الٰہی سننے میں اپنی بدمزاجی کی وجہ سے کڑواہٹ پاتے تھے۔

عوامِ زمانہ کا حال

ایسے ہی ہر زمانہ کے اہلِ ہوا کا حال ہے کہ وہ قصّے کہانیاں سننے کے خوگر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالےٰ مالک الملک کے کلام سے روگردانی کرتے ہیں بلکہ ان سے اکثر کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سوائے دنیوی باتوں اور اپنے معاملات کے اور کچھ سننا گوارا ہی نہیں کرتے اور ان کا کام ہی یہی ہے کہ وہ لوگوں کی عزتوں پر حملہ کریں اور وہ باتیں کریں جو شیطانی ہوں اور اہلِ حق پر انہیں طعن و تشنیع کرنا آتا ہے یعنے وہ حضرات جو انہیں نیکی بتائیں اور برائی سے روکیں، ان کے جانی دشمن ہوتے ہیں۔

تورات کا مضمون

اللہ تعالےٰ نے اہلِ کتاب سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ تو راستہ پر چل رہا ہوتا ہے تو تجھے کسی دوست کا خط ملتا ہے تو تُو راستہ چھوڑ کر دوست کے خط کو حرف بحرف اور بڑے غور سے پڑھتا ہے لیکن افسوس! کہ میری نازل کردہ کتاب تک کی پرواہ نہیں کرتا حالانکہ اس میں میری طرف سے ہر حکم تفصیل کے ساتھ درج ہے اور صرف تمہارے سمجھانے کے لئے اسے بار بار لکھا گیا ہے۔ اے میرے بندے! تیرے دل میں میری قدر و منزلت اپنے دوست سے بھی کم ہے۔

دوسری تنبیہ

اللہ تعالےٰ اس کے بعد دوسری تنبیہ فرماتا ہے:

اے میرے بندہ! جب تو اپنے کسی دوست سے ہم کلام ہوتا ہے تو اس کی طرف پورے طور پر متوجہ ہوتا ہے نہ صرف جسمانی طور پر اس کی طرف تیری توجہ ہوتی ہے بلکہ تیرا دل بھی اسی طرف متوجہ ہوتا ہے اگر اس وقت تجھے کوئی اور بلائے یا تجھ سے کوئی سوال کرے تو تُو سب سے منہ پھیر کر اپنے دوست کے ساتھ محو گفتگو ہوتا ہے لیکن افسوس! کہ میں تیری طرف متوجہ ہوں اور تیرے ساتھ ہم کلام ہوں تو تیرا قلب معمولی طور پر بھی میری طرف متوجہ نہیں اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ میری قدر و منزلت تیرے ہاں ایک دوست جیسی بھی نہیں۔ (کذا فی الاخبار)

ہر کہ تعظیم حق کند دائم
شود از دل بامراد قائم

ترجمہ: جو بھی ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی تعظیم کرتا ہے تو وہ بدل و جان اس کے اوامر کا پابند ہو جاتا ہے۔

وَ قَالُوْٓا مکہ کے ان کافروں نے کہا جو قیامت میں اٹھنے کے منکر تھے اور وہ اپنی ابتدائی تخلیق کو بھول گئے اور انہیں یاد نہ رہا کہ وہ مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں بلکہ عدم سے وجود میں لائے گئے ہیں۔ اس معنے پر گویا وہ لاشے سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

خلقتك ولم تك شيأ   میں نے تجھے پیدا کیا اور تو کچھ نہ تھا۔

اور ان کا یہ کہنا بطریق انکار اور بعید از قیاس کے طور پر تھا۔ ءَاِذَا كُنَّا اتنا بہت بڑا عرصہ گذر جانے کے باوجود کیا موت کے بعد ہم ہوں گے۔ عِظَامًا ہڈیاں۔ وَّرُفَاتًا ہر وہ شے جسے خوب کوٹ کر ریزہ ریزہ کیا جائے۔ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ کیا ہم اٹھائے جائیں گے؟ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ نئی مخلوق بنا کر۔ اس کا منصوب ہونا علےٰ المصدریۃ یعنے بوجہ مفعول مطلق ہونے کے ہے اور اس کا فعل عامل اس کے لفظوں میں سے نہیں یا حال ہے اور خلق بمعنے مخلوق ہے اور اذا خالص ظرفیہ ہے یہی زیادہ قوی ہے اور اس کا عامل مبعوثون کا مدلول ہے اور خود عامل نہیں اس لئے کہ اسم مفعول سے پہلے ہمزہ اور ان اور 'لام' واقع ہیں اور ان کے ہوتے اسم مفعول عمل کے قابل نہیں رہتا اور مبعوثون کا مدلول نبعث اور نبعد ہے۔ اس سے کفار کا مقصد مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کرنا ہے۔ اب معنے یہ ہوگا کہ کافر کہتے ہیں کہ ہمارا مرنے کے بعد زندہ ہونا محال ہے اور اسے عقل بھی نہیں مانتی اس لئے کہ مرنے کے بعد انسانی ڈھانچہ بیکار اور اس کی ہڈیاں چور چور ہو جاتی ہیں اور یہ دونوں چیزیں حیات کے منافی ہیں اور اسے قیامت میں مقید کرنا صرف نبی علیہ السلام کے قیامت سے ڈرانے کی وجہ سے تھا ورنہ وہ مطلقاً مرنے کے بعد زندہ ہونے کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اگرچہ بدن صحیح و سالم ہو تب بھی تو وہ زندہ نہیں ہو سکے گا۔ اسی لئے انھوں نے قیامت میں اٹھنے کے لئے وہ امور بیان کئے جو زندگی کے سراسر منافی ہیں۔

قُلْ پیارے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں فرمایئے۔ كُوْنُوْا حِجَارَةً پتھر ہو جاؤ۔ اَوْ حَدِيْدًا ۝ یا لوہا۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ یا ایسی مخلوق جو تمہارے دل میں بہت بڑی معلوم ہوتی ہو یعنی تم اس مخلوق کے لئے زندگی سخت محال سمجھتے ہو تب بھی تم قیامت میں ضرور اٹھائے جاؤ گے اس لئے کہ اللہ تعالےٰ کو تمہارے زندہ کرنے پر بہت بڑی قدرت ہے اور اس کے سامنے تمام اجسام برابر ہیں وہ جس میں چاہے حیات پیدا فرما دے اور ہڈیاں اور ان کا چور چور ہونا تو معمولی بات ہے اس نے تو ہم سب کو اس وقت زندگی بخشی جب وہ سب بالکل معدوم اور محض لاشے تھے اور عقلاً وہ شے زیادہ آسان ہوتی ہے جس کا کچھ وجود ہو۔ اور اس شے کا موجود کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے جس کا کوئی وجود بھی نہ ہو لیکن اللہ تعالےٰ کے لئے ہر دونوں کو حیات بخشنا برابر ہے۔

ف: یہ امر بطریق تمثیل کے ہے اب مطلب یہ ہوا کہ اگر تم اپنے جسم کو پتھر اور لوہے کی ہیئت میں بدل لو تب بھی اللہ تعالےٰ

نہیں قیامت میں ضرور زندہ کرے گا۔ (کذا فی التفسیر الکاشفی)

اور الکواشی میں ہے کہ یہ امر تعجیز و توبیخ کا ہے اس لئے کہ بہ الزام کا امر نہیں بن سکتا۔ اور بحر العلوم میں ہے لکھا ہے کہ یہ امر حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے اور اس سے ان کی اہانت اور ان کے حال کی بیکاری کا اظہار مطلوب ہے ان سے پتھر یا لوہا بننے کی طلب نہیں کیونکہ انھیں اس کی کوئی قدرت حاصل نہیں اور ان کے دلوں میں سب سے بڑی شے آسمان اور زمین ہے لیکن وہ بھی قیامت کے دن حاضر کئے جائیں گے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے موت مراد ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اگر تم بعینہ موت ہو جاؤ تب بھی تمھیں اللہ تعالےٰ مارنے کے بعد پھر زندہ فرمائے گا۔

فَسَيَقُولُونَ پس عنقریب کہیں گے۔ مَنْ يُّعِيدُنَا ؕ ہمیں مرنے کے بعد کون زندہ کرے گا۔ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ فرمایئے وہی ذات قادر مطلق جس نے تمھیں پیدا فرمایا۔ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ پہلی بار کہ پہلے اس کی مثال بھی نہ تھی تم محض خاک تھے تجھ سے حیات کی بو بھی نہیں آتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ وہی سب کو پیدا کرنے والا اور قیامت میں وہی سب کو اٹھانے والا ہے یعنے وہ ذات جو ابتداءً مشت خاک کو جان بخشنے والی ہے وہی سب کو قیامت میں مٹی سے زندہ کرنے والی ہے۔ فَسَيُنْغِضُونَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ۔ انغض بمعنے حرکت یعنے تعجب و انکار کے طور پر تمھاری طرف سر ہلائیں گے۔ وَيَقُوْلُوْنَ اور استہزار کرتے ہوئے کہیں گے۔ مَتٰى هُوَ ؕ وہ جو آپ قیامت میں واپس لوٹنے کی بات کرتے ہیں وہ کب ہے اس میں اٹھانے والے کی تعیین کے بعد اب ان کا قیامت کے قائم ہونے کے وقت کی تعیین کا سوال ہے۔ قُلْ انھیں فرما دیجئے۔ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ وہ واقع ہونے والا قَرِيْبًا ۝ قریب ہے۔

ف: دراصل لفظ عسیٰ طمع کے لئے مستعمل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ کے لئے یقین کا معنے دیتا ہے یعنے قیامت کا وقت قریب ہے اسی لئے اس کا حساب اور سزا بھی قریب ہے۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ اس دن کہ قبروں سے تمھیں بلائے گا جیسے اس نے تمھیں عدم سے وجود کی طرف بلایا۔ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ تو تم اسے زندوں کی طرح جواب دو گے یعنے یاد کرو اس وقت کو جب کہ تمھیں اللہ تعالےٰ قبروں سے اٹھائے گا تو تم اٹھ کھڑے ہو گے، اس معنے کے لئے دعا و استجاب کو اس لئے استعارہ کیا گیا ہے تاکہ بندوں کو معلوم ہو کہ قیامت میں ان کا زندہ کرنا اللہ تعالےٰ کے لئے اتنا آسان ہے اور تمھارے زندہ کرنے میں تو معمولی وقت لگے گا۔

ف: ابوحیان نے فرمایا کہ یہاں پر دُعا اپنے حقیقی معنے میں ہے یعنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا کرنے والا بلائے گا تو اسے ہم سب اپنے کانوں سے سنیں گے۔ اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے چنانچہ فرمایا:

یوم ینادی المناد من مکان قریب اس وقت قریبی جگہ سے منادی پکارے گا۔

اب نستجیبون کا معنے ہوگا کہ تم بلانے والے کے بلاوے کی موافقت کرو گے۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ تم کو قیامت میں اسرافیل علیہ السلام بلائیں گے تو تم قبروں سے اٹھ کر ان کے بلانے کی طرف چلو گے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے حساب وکتاب اور جزا وسزا کی حاضری مراد ہے۔
ف: فقیر اویسی کہتا ہے کہ قیامت میں متعدد بار بلاوا ہو گا مثلاً بعث ونشر کا بلاوا اور حشر کا بلاوا، چنانچہ فرمایا:
مھطعین الی الداع — داعی کی طرف دوڑنے والے اور حساب وکتاب کا بلاوا۔

چنانچہ فرمایا:
وتری کل امۃ جاثیۃ کل امۃ تدعیٰ الی کتابھا الیوم۔ — گھٹنے کے بل گرنے والی جماعت کو دیکھو گے اور اس دن جماعت اپنے حساب وکتاب کی طرف بلائی جائے گی۔

یہاں پر وہی پہلا بلاوا مراد ہے کیونکہ آیت میں بعث ونشر کی گفتگو چل رہی ہے۔
بِحَمْدِهٖ یہ تستجیبون سے حال ہے یعنے اللہ تعالیٰ کو جواب دو گے درآں حالیکہ تم اللہ تعالیٰ کی حمد کرنے والے ہو گے اور قیامت میں اٹھانے پر اس کی قدرت کا اعتراف کرتے ہو گے۔ چنانچہ حضرت سعید ابن جبیر نے فرمایا کہ قیامت میں کفار مکہ سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہیں گے:
سبحانک اللھم وبحمدک — اے اللہ تعالیٰ! تو پاک ہے اور ہم تیری حمد کرتے ہیں۔
اگرچہ وہ اس کی تقدیس وتحمید بیان کریں گے لیکن اس وقت انھیں تقدیس وتحمید کوئی فائدہ نہ دے گی۔
ف: الکواشی میں ہے بحمدہ بمعنے بارادتہ وامرہ۔
ف: کاشفی نے فرمایا ہے کہ بصائر میں لکھا ہے کہ حمد بمعنے امر ہے۔ چنانچہ آیت فسبح بحمد ربک میں بھی حمد بمعنے امر ہے یعنے اللہ تعالیٰ کے امر پر نماز پڑھیئے۔ اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اپنے حکم سے بلائے گا اور تم اس کے امر کا جواب دو گے۔
وَتَظُنُّوْنَ جب تم بہت بڑے ہولناک امور کو دیکھو گے تو تم گمان کرو گے کہ اِنْ لَّبِثْتُمْ تم نہیں ٹھہرے دنیا یا قبور میں۔ اِلَّا قَلِیْلًا ○ مگر تھوڑی مدت بہ نسبت اس کے جو تم زندہ ہونے کے بعد دائمی طور پر ٹھہرو گے۔
سوال: دنیا میں انسان کو خواہ کتنی ہی طویل عمر نصیب ہو تب بھی وہ اپنے آپ کو تھوڑی عمر گذارنے کا تصور کرتا ہے کیوں؟
جواب: دنیا میں مختلف آرزوں سے طویل وقت قلیل محسوس ہو گا لیکن وہاں قیامت میں ہولناک امور کی وجہ سے دنیوی زندگی کے اوقات ذہن سے اتر جائیں گے۔
سبق: کاشفی نے لکھا ہے کہ دنیا کی زندگی کو معمولی سمجھو کیونکہ آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کو کوئی نسبت نہیں۔ دانا وہی ہے جو فانی اور قلیل زندگی کو باقی اور دائمی زندگی میں صرف کرے تاکہ آخرت میں حسرت اور ندامت نہ ہو۔
ف: شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا:

بدنی توانی کہ عقبیٰ خری ا
بخر جان من ورنہ حسرت خوری
کسے گوئے دولت ز دنیا ببرد
کہ با خود نصیبے بعقبیٰ ببرد

ترجمہ : دنیا کے عوض تم آخرت خرید سکتے ہو تو اے میری جان ! خرید لو ورنہ حسرت کھاؤ گے۔ وہ شخص دولت کی گیند دنیا سے لے جائے گا جو اپنے ساتھ آخرت کا سامان لے گیا۔

سبق : لازم ہے کہ اعمال صالح کا ارتکاب اور برائیوں سے اجتناب کر کے قیامت کے دن کی تیاری کی جائے کیونکہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جس کا مرتبہ عین الیقین میں بدل جائے گا۔

ف : انسان جب مرتا ہے تو اس کے لئے قیامت ہو جاتی ہے کیونکہ انسان مرتے وقت قیامت اور فرشتوں کو آنکھوں سے دیکھتا ہے اور بہشت اور دوزخ اس کے سامنے ہوتی ہیں لیکن اسے اس وقت کسی نیک عمل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی اس لئے وہ گویا قیامت میں حاضر ہی ہو گیا۔ اور قاعدہ ہے کہ جس عمل پر کسی کی موت واقع ہوتی ہے وہ اسی عمل پر قیامت میں اٹھے گا۔ اسی لئے اہلِ اللہ کہتے ہیں کہ بڑا خوش بخت ہے وہ انسان جس کا خاتمہ ایمان پہ ہوا۔

ع

خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ بر قولِ ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم ردّ کنی در قبول
من و دست و درمان آلِ رسول[1]

ف : حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ انسان کو تین دولتیں نصیب ہوں تو وہ بہت خوش قسمت ہے :

(۱) زندگی طاعتِ الٰہی میں بسر ہو۔
(۲) موت کلمۂ شہادت پہ ہو۔
(۳) آخرت میں قبر سے اُٹھتے ہی اسے بہشت کی خوشخبری سنائی جائے۔

اور ظاہر ہے کہ عاصی اور منکر کو قیامت میں اٹھتے ہی دوزخ کی خبر سنائی جائے گی۔

سبق : انسان پہ طاعت الٰہی اور اقرار قیامت لازمی ہے کیونکہ جب وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ویران زمین کو آباد کرتا

---

[1] : ۔ اضافہ از فقیر اویسی برائے خویش وجملہ اقارب وتمام اہلِ اسلام ۱۲۔

بے قوت قدرت ہے کہ وہ قیامت میں تمام کو زندہ کرے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

خاک را و نطفہ را و مضغہ را
پیش چشم ماہمی دارد خدا
کز کجا آوردمت اے بدنیت
کہ ازان آید ہمی خفریقیت
تو بداں عاشق بدی در دور آن
منکر این فضل بودی آن زمان
ایں کرم چون دفع آن انکارتست
کہ میان خاک می کردی نخست
حجت انکار شد انشار تو
از دوا بدتر شد ایں بیمار تو
خاک را تصویر ایں کار از کجا
نطفہ را خصمے و انکار از کجا
چون دراں دم بے دل وبے سربدی
فکرت و انکار را منکر بدی
از جمادی چونکہ انکارت برست
ہم ازیں انکار حشرت شد درست
پس مثال تو چون حلقہ زنیست
کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست
حلقہ زن زیں نیست دریابد کہ ہست
پس ز حلقہ بر ندارد ہیچ دست
پس ہم انکارت مبین مے کند
کز جماد او حشر صدفن مے کند

ترجمہ : خاک و نطفہ و مضغہ کو اللہ تعالٰے نگاہ میں رکھتا ہے ۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۱۸۰ پر)

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ○ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ○ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ○ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ○ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ○ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ○ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ○

ترجمہ: اور میرے بندوں کو فرمائیے کہ وہ بات کہیں جو بہتر ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمھیں خوب جانتا ہے وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے یا چاہے تو تمھیں عذاب دے اور ہم نے تمھیں ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ اور تمہارا رب تعالیٰ انھیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور بے شک ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت بخشی اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔ فرمائیے کہ انھیں پکارو جنھیں تم نے اللہ کے سوا معبود خیال کیا ہوا ہے وہ تو تجھ سے تکلیف ہٹانے کا خیال رکھتے ہیں اور نہ ہی پھیر دینے کا۔ وہ بندے جنھیں یہ پوجتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت سے امید رکھتے، اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تمھارے رب تعالیٰ کا عذاب ڈر کے لائق ہے۔ اور کوئی بستی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے مٹا نہ دیں یا اسے سخت عذاب نہ دیں، یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ اور ہمیں ایسی نشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگر یہ کہ پہلے لوگوں نے جھٹلایا اور ہم نے ثمود کو اونٹنی دی آنکھیں کھولنے کے لئے تو انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم صرف ڈرانے کے لئے نشانیاں بھیجتے ہیں اور جب ہم نے فرمایا کہ تمام لوگ تمہارے رب کے قبضہ میں ہیں اور ہم نے نہیں بنایا وہ دکھاوا جو ہم نے آپ کو دکھایا مگر لوگوں کی آزمائش کے لئے اور وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت ہے اور ہم انھیں ڈراتے ہیں تو ان کی بہت بڑی سرکشی ہی بڑھتی ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

۲ - اے بدنیت انسان میں نے تجھے کہاں سے پیدا کیا جو تجھے اس سے فخر اور ناز ہے ۔

۳ - اس وقت تو اس کا عاشق تھا آج تو اللہ تعالے کے فضل کا منکر ہے ۔

۴ - اس کرم کا جب تجھے انکار ہے وہی جو تم نے خاک کے درمیان انکار کیا تھا ۔

۵ - تیرے انکار سے دنیا میں آنا ہوا دوا سے الٹا تیرا مرض بڑھ گیا ۔

۶ - مٹی سے ایسی شکل کہاں، نطفے سے جھگڑا اور انکار کیسا ۔

۷ - اس وقت جب کہ نہ تیرا سر تھا نہ دل نہ تجھے انکار کی خبر نہ شکر کی ۔

۸ - ڈھیلے سے تیرا وجود ہوا اس سے تجھے انکار نہیں ایسے ہی مرنے کے بعد اٹھنے کا بھی انکار نہ ہو ۔

۹ - تیری مثال اس حلقہ مارنے والے کی ہے جس کے اندر سے خواجہ خود کہے کہ خواجہ نہیں ۔

۱۰ - حلقہ زن نے اس نیست سے ہستی پائی اس کا منکر ہے تو اسے حلقہ سے کوئی فائدہ نہیں ۔

۱۱ - ایسے ہی تیرا انکار ظاہر ہوگا جیسے جماد سے وجود ظاہر ہوا ۔ قیامت میں اس کی خوب وضاحت ہوگی ۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَقُلْ اور اے محبوب مجھا صلے اللہ علیہ وسلم فرمایئے ۔ لِعِبَادِیْ میرے ایمان والے بندوں کو۔ یَقُوْلُوْا مشرکین کے ساتھ گفتگو کرتے وقت کہیں ۔ یہ مضارع مبنی ہے اور اس کے نون کو حذف کرنا بمعنے امر کی وجہ سے ہے یہ ایسے ہے جیسے اسم متمکن ندار کے وقت مبنی علی الضم ہوتا ہے جیسے یا زید' اسے قبل اور بعد سے مشابہت کی وجہ سے مبنی کیا گیا اور اسے بمعنے امر کی وجہ سے مبنی پڑھا گیا ہے ۔

الَّتِیْ وہ کلمہ جو کہ ھِیَ اَحْسَنُ ط وہی احسن ہے اور ان سے خواہ مخواہ لڑائی جھگڑا نہ کرو اور یہ ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن کی طرح ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالے کے چند مخصوص ایسے بندے بھی ہیں جنھیں وہ اپنی طرف منسوب فرماتا ہے اس سے ان پر اس کی خصوصیت سے نظر کرم کا پتہ چلتا ہے اسی وجہ سے ان کا ہر قول و فعل اور خلق احسن سے احسن تر ہوتا ہے ۔

ان کے قول احسن سے ان کی لا الٰہ الا اللہ کی دعوت مخلصانہ مراد ہے اور ان کے فعل احسن سے مراد یہ ہے کہ وہ قانون شریعت و آداب طریقت پر چلتے اور عالم حقیقت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کا خلق احسن یہ ہے کہ انھیں اللہ تعالٰے کی معیت نصیب ہوتی ہے یعنے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالے کے سپرد کرتا ہے اور اسے ہر وقت طلب الٰہی کا شغل ہوتا ہے اور خلق خدا

سے احسان کرتا ہے تو اس میں اسے کسی قسم کا طمع اور لالچ نہیں ہوتی اور نہ ہی ان سے شکریہ کا طلب گار ہوتا ہے بلکہ ان کی برائیوں سے درگذر کرتا ہے اور ہر وقت ان کی خیر خواہی کے تصور میں رہتا ہے اور ان کو بلا تکلف امر بالمعروف کرتا ہے اور رسوا کئے بغیر ان کو برائیوں سے روکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ

حل لغات: نزغ بینهم بمعنے افسد و اغری و وسوس، یعنے شیطان ان کے مابین فساد ڈالتا اور شر کو ابھارتا اور ان کا آپس میں جھگڑا برپا کرتا ہے اسی وجہ سے ان کی ایک دوسرے سے ناراضگی و عناد، ازدیاد فساد کا موجب بن جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان ان کے مابین اس وقت فساد برپا کرتا ہے جب وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی ترک کر دیں۔ اس لئے عاقل وہ ہے جو صحابہ کرام کی طرح وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ہر وقت خیر خواہی سے پیش آتا ہے وہ زمانے کے فرق کا قائل نہیں وہ ہر زمانہ کو وہی زمانہ سمجھتا ہے جو رسول اللہ صلے علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ بے شک شیطان قدیم سے ہے۔ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ انسان کے لئے کھلا دشمن ہے اس کی دشمنی ظاہر ہے، اور وہ انسان کی صلاح کے بجائے تباہی و بربادی چاہتا ہے اور اس کی دشمنی تو اس وقت سے کھل کر سامنے آگئی ہے جب کہ آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکالا گیا اور ان سے نورانی اور بہشتی پوشاک اتروائی۔

رَبُّكُمْ اے مشرکو! تمہارا رب تعالٰے، اَعْلَمُ بِكُمْ تمہیں بہ نسبت ہمارے خوب جانتا ہے۔ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اگر وہ چاہے تو تمہارے حال پر رحم فرما کر تمہیں ایمان کی توفیق بخشے۔ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ یا چاہے تو تمہیں عذاب دے یعنے تمہیں کفر پر موت دے۔ یہ التی ھی احسن کی تفسیر اور اس کے مابین کا جملہ معترضہ ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ انہیں یہ، اور ان جیسے اور کلمات کہو اور صاف صاف نہ کہو کہ وہ اہل نار ہیں۔ اس لئے کہ ایسے کلمات شر و فساد کو ابھارتے ہیں، علاوہ ازیں کسی کے انجام کا کیا پتہ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے اللہ تعالٰے مرنے سے پہلے دولت ایمان سے نوازے۔ یہی صاحب کشاف کا مذہب ہے اور اسی کو قاضی بیضاوی اور ابوالسعود رحمہ اللہ تعالٰے نے لیا ہے۔

ف: جمہور نے فرمایا ہے کہ التی ھی احسن سے بحسب المعنے گفتگو اور رحمت، اور کفار اور ان کی ایذار سے نجات دلانا اور تعذیب سے اہل اسلام کو کفار پر مسلط کرنا مراد ہے اس معنے پر ربکم کا خطاب اہل اسلام کو ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ھو اعلم یعنے اللہ تعالٰے اسے خوب جانتا ہے جسے وہ اپنے لطف اور رحمت کی صفت کا مظہر بناتا ہے۔ اسی وجہ سے اس پر رحم فرما کر اسے شیطان کے اضلال و اغوا سے بچاتا ہے اور اسے بھی خوب جانتا ہے جسے وہ اپنے قہر اور عذاب کی صفت کا مظہر بناتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے اضلال و اغوا

کے عذاب میں مُبتلا کرتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ○ اور ہم نے آپ کو ان کا وکیل نہیں بنایا یعنے اے محبوب مدنی صلے اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے وکیل نہیں کہ جس کے ہاں ان کے جملہ امور سپرد کئے گئے ہوں تاکہ ان کو ایمان کے لئے جبر کریں۔ کما قال :

لیس لك من الامر شیء

بلکہ ہم نے تو آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے ۔ بنا بریں آپ بھی کافروں سے نرمی سے پیش آئیں اور اپنے صحابہ کرام کو بھی فرمایئے کہ وہ نرمی سے کام لیں اور ان کی اذیتیں اور تکالیف برداشت کریں اور ان سے خصومت اور جھگڑے بند رکھیں ۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
اللہ تعالٰے نے مجھے لوگوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنے کا ویسے ہی حکم فرمایا ہے جیسے فرائض کی پابندی کا ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرفست
با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

ترجمہ : دونوں جہانوں کی آسائش کی تفسیر دو لفظوں میں ہے کہ دوستوں سے لطف و کرم اور دشمنوں سے نرمی ۔

ف : بعض بزرگوں نے دارین کی عیش کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالٰے سے صدق اور خلقِ خدا کے ساتھ انصاف اور نفس پر قہر اور غرباء و مساکین سے شفقت اور بزرگوں کی عزت و احترام اور درویشوں کی خیر خواہی اور دشمنوں کے ساتھ نرمی اور علماء کے ساتھ تواضع اور درویشوں کے ساتھ سخاوت اور جاہلوں کے ساتھ خاموشی چاہیئے ۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اور تمہارا رب تعالٰے خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے یعنے ان کے ظاہری و باطنی تفصیلی احوال کو جانتا ہے کہ کون اصطفاء و اجتباء کا اہل ہے اور کون نہیں ۔ انہیں سے جنہیں نبوت و ولایت کے لئے اختیار فرماتا ہے وہ واقعی اس کے مستحق ہوتے ہیں ۔ اس میں کفارِ مکہ کا رد ہے، وہ کہتے تھے کہ یتیم ابی طالب نبوت کا کس طرح مستحق ہو سکتا ہے جس کے ساتھی نہایت کنگال اور بھوکے لوگ ہیں جیسے حضرت صہیب و بلال و خباب وغیرہم رضی اللہ عنہم ۔ ان کا خیال تھا کہ نبوت کفارِ مکہ کے کسی بڑے سرمایہ دار کو دی جاتی ۔

ف : من فی السموات فرما کر کفار مکہ کے قول "لولا انزل علینا الملائکۃ" کا رد فرمایا ۔ اور "من فی الارض" فرما کر "لو لا نزل ھذا القراٰن علی رجل من القریتین عظیم" کا رد فرمایا ۔ القریتین سے مکہ و طائف کی کوئی ایک بستی اور رجل عظیم سے ولید بن مغیرہ مخزومی اور عروہ بن مسعود ثقفی جیسے سرمایہ دار لیڈر مراد ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات میں ہے کہ اللہ تعالےٰ کو خوب علم ہے اس کا جسے اس نے اپنے لطف و کرم کا مظہر بنایا جیسے آسمان میں ملائکہ اور زمین پر مومنین اور اسے اس کا بھی علم ہے جسے اس نے اپنے قہر کا مظہر بنایا جیسے آسمان پر ابلیس اور زمین پر کافریں۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلٰى بَعْضٍ بیضاوی اور اس کی اتباع میں ابوالسعود نے فرمایا کہ ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضائل نفسانیہ اور تبری از علائق نفسانیہ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت بخشی ہے ان کی فضیلت کثرت اموال و اولاد وغیرہ سے نہیں یہی وجہ ہے کہ داؤد علیہ السلام کو اگر کوئی فضیلت حاصل تھی تو بوجہ کتاب زبور کے، نہ کہ ملک اور شاہی کی وجہ سے۔

تردید از صاحب روح البیان فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف ایک دوسرے پر افضل ہیں تو صرف اسی وجہ سے کہ وہ علائق جسمانیہ کے لحاظ سے پاک ہیں حالانکہ فضیلت کی صرف یہی وجہ بتانا سراسر غلط ہے اس لئے کہ یہ تو انہیں امت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہے نہ بحیثیت نبوت ایک دوسرے سے افضل ہونے کی وجہ ہے۔

تحقیقی قول اس مسئلہ کی تحقیق یوں ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں علائق روحانیہ ہوتے ہیں کیونکہ جس میں روحانی علائق ہوں اس کا اللہ تعالےٰ تک پہنچنا محال ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عالم قدس سے فیض یاب ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اہلِ حق نے فرمایا کہ معرفتِ الٰہی کا دروازہ اس پر نہیں کھلتا جس کے دِل میں معمولی سا تعلق ملک و ملکوت سے ہو اور علائق جسمانیہ ملائکہ کی طرح ضرر رساں نہیں اموال کی کثرت اور ازدواجی رشتہ کے تعلقات اور آل و اولاد کی ضروریات ہوں یا نہ ہوں انھیں تعلقات باللہ کے لئے حائل نہیں ہوتے، مثلاً یحییٰ و عیسیٰ علیہ السلام ہر دونوں تجرد اور زاہد تھے اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کثیر الاموال و الاولاد تھے ان ہر چاروں کے مراتب میں بحیثیت نبوت کے کسی قسم کا فرق نہ تھا باوجودیکہ وہ متجرد و زاہد اور یہ مالدار اور سرمایہ دار تھے اور انھیں دنیوی امور نے سخت گھیر رکھا تھا لیکن یہ صرف ظاہری طور پر تھا ورنہ عرفان حق میں ہر دونوں یکساں تھے ہاں انہیں ایک دوسرے پر فضیلت نزول کتاب آسمانی اور رسالہ دخلۃ اور کلام و معراج رؤیۃ و شفاعت وغیرہ وغیرہ کی وجہ سے تھی، کما قال تعالےٰ:

تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض منهم من كلم الله۔ (الآیۃ)

اور قاعدہ ہے کہ قرآنی آیات ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں۔

افضلیت انبیاء کی تفصیل سیدنا شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام کو فضیلت بوجہ مجموعی طور ملک کے بادشاہ ہونے کی وجہ سے اور عیسیٰ علیہ السلام کو گہوارہ میں کلام کرنے اور

روح القدس سے مؤید ہونے اور احیاء الموتی اور گارے سے باذن الٰہی پرندہ بنانے کی وجہ سے۔ اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے اور ہاتھ کے نورانی، اور لکڑی کے سانپ ہونے اور دریا کے خشک ہونے اور پتھروں سے پانی بہنے کی وجہ سے اور صالح علیہ السلام کی فضیلت ناقہ کے پتھر سے نکلنے کی وجہ سے اور ہود علیہ السلام کی فضیلت ریح عقیم اور ابراہیم علیہ السلام آگ سے نجات پانے اور یوسف علیہ السلام جمال اور تاویل رویا سے فضیلت پا گئے۔

خلاصہ یہ کہ انھیں تجلیات حق سے بحیثیت نبوت وافر نصیبہ حاصل ہوا۔ اس لئے وہ دوسروں سے افضل ٹھہرے۔ عالم میں ہر ایک کو اللہ تعالیٰ سے عطا نصیب ہوتی ہے اور رزق میں بندوں کو ایک دوسرے سے افضل بنایا ہے۔ رزق دو قسم کا ہے:

① حسی، یہ اجسام کے لئے ہوتا ہے۔

② عقلی، یہ ارواح کو حاصل ہوتا ہے اور ارواح کا رزق علوم ہیں۔

ہاں بایں معنے کہ انھیں اللہ تعالیٰ سے نسبت ہے اور اس کی ولایت سے نوازے گئے ہیں تو پھر وہ بمنزلہ ایک نفس کے ہیں ان میں فرق و امتیاز روا نہ رکھا جائے گا اسی حیثیت کو مد نظر رکھ کر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے انبیاء علیہم السلام سے افضل نہ سمجھو۔

وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو فضیلت بخشتے ہوئے زبور دی اور اس کی ڈیڑھ سو، سورتیں تھیں اس میں حرام و حلال کے مسائل اور فرائض و حدود کا بیان نہیں بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی تحمید و تمجید اور دعا پر مشتمل تھی۔ اور یہاں پر نکرہ اور سورۂ انبیاء میں اسے معرفہ مثلاً: ولقد کتبنا فی الزبور الخ" لانے میں کوئی خاص فرق نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے کبھی عباس اور کبھی العباس لکھا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولقد فضلنا الخ میں اشارہ ہے کہ حکمت ازلیہ کا تقاضا یونہی تھا کہ مقبولان حق کے ایک دوسرے پر درجات بلند ہوں اور مردود کے مرتبے کم، اس لئے کہ یہ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات لطف و قہر کے مظاہر ہیں اور ان ہر دونوں کو لطف و قہر سے جیسے جتنا جس قدر حصہ ملا اسی قدر اپنے مرتبہ میں ظاہر ہوا۔ اس میں ایک حکمت یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ کا ازل تا ابد اظہار ہو۔ اور انبیاء علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے قربِ الٰہی اور امت کو سنوارنے میں جتنا کمال حاصل ہوگا اسی قدر وہ دوسروں سے افضل ہوگا۔ اسی وجہ سے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اور آپ کی امت جملہ امم سے افضل، اور آپ کی کتاب یعنے قرآن مجید تمام کتابوں سے افضل ہے، اور واٰتینا داؤد زبورا میں اشارہ ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت داؤد علیہ السلام سے افضل ہیں تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کی کتاب یعنے قرآن مجید زبور سے افضل ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی کتاب کے مناقب و کمالات گذشتہ تمام آسمانی کتب میں بیان فرمائے۔

اے وصف تو در کتاب موسیٰ
وے نعت تو در زبور داؤد
مقصود توئی ز آفرینش
باقی بطفیل تست موجود

ترجمہ: اے محبوب مدنی صلے اللہ علیہ وسلم! آپ کے اوصاف موسےٰ علیہ السلام کی کتاب میں اور آپ کی نعت پاک داؤد علیہ السلام کی زبور میں مذکور ہے۔ تخلیق میں اصل آپ ہیں باقی جملہ عالم آپ کے طفیل پیدا ہوا۔

ف: حضور علیہ السلام کے افضل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کے متبعین کثرت ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بہشت میں اہلِ جنّت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں میری امت کی ہوں گی۔

انا حبیب اللہ جامع الاصول میں بروایت زہری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ اقدس کے باہر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف کے منتظر بیٹھے تھے اور آپس میں گفتگو فرما رہے تھے، اور حضور علیہ السلام حجرۂ اقدس میں ان کی تمام باتیں سنتے رہے، ان میں سے کوئی تعجب کے طور پر کہتا کہ، سبحان اللہ! اللہ تعالےٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا، واہ! واہ! اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا۔ تیسرے نے کہا، عیسےٰ علیہ السلام کا کیا کہنا کہ انھیں اللہ تعالےٰ نے روح اللہ، وکلمۃ اللہ بنایا۔ چوتھے نے کہا، حضرت آدم علیہ السلام کی عجب شان تھی کہ انھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔ بات یہاں تک پہنچی تو حضور علیہ السلام حجرۂ اقدس سے باہر تشریف لائے اور انھیں السلام علیکم کہنے کے بعد فرمایا: میں نے تمہارا کلام سنا، تم نے کہا کہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، واقعی وہ اسی طرح تھے۔ اور تم نے کہا، عیسےٰ علیہ السلام روح اللہ تھے ہاں، وہ واقعی ایسے تھے، اور تم نے کہا، آدم علیہ السلام صفی اللہ تھے ہاں، وہ واقعی ایسے ہی تھے۔ لیکن یاد رکھو کہ میں حبیب اللہ ہوں اور میں یہ فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا اور یاد رکھو! قیامت میں لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ میں فخریہ نہیں کہہ رہا اور یاد رکھو کہ اللہ تعالےٰ کے ہاں میں اولین و آخرین سے مکرم ترین ہوں اور میں یہ فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا، اور بہشت کا دروازہ سب سے پہلے میں ہی کھٹکھٹاؤں گا میرے دروازہ کھٹکھٹانے پر ہی اللہ تعالےٰ بہشت کا دروازہ کھولا جائے گا تو میں سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گا اور میرے ساتھ مہاجرین کے فقراء صحابی (رضی اللہ عنہم) ہوں گے اور میں یہ فخریہ نہیں کہہ رہا۔

چار یار افضل ہیں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اللہ تعالےٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر افضل بنایا اور میرے یاروں کو تمام عالمین پر سوائے انبیاء و مرسلین (علیہم السلام) کے فضیلت بخشی اور میرے تمام یاروں سے میرے چار یار:

① ابوبکر ② عمر ③ عثمان ④ علی (رضی اللہ عنہم) افضل ہیں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

خدا بر سروراں سرداریش داد

ز خیل انبیاء سالاریش داد

پے دیوار ایمان بود کارش

شد او را چار رکن از چار یارش

ترجمہ : اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام کائنات کا سردار بنایا اور تمام انبیاء علیہم السلام پر بھی آپ کو سرداری بخشی ۔ آپ کا کام ایمان کی چار دیواری کو مضبوط کرنا ہے اور ایمان کی چار دیواری کے رکن آپ کے چار یار ہیں (رضی اللہ عنہم) ۔

ف : جیسے گھر چار دیواری کے بغیر گھر نہیں ہو سکتا ایسے ہی دین اسلام چار یاروں کی عقیدت و محبت کے بغیر نامکمل ہے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

میرے بعد میری اور میرے خلفاءِ راشدین کی سنت کو لازم پکڑو ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ خلفاءِ راشدین بہ نسبت باقی جملہ اہلِ اسلام کے اصول دین ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَقُلِ ادْعُوا اور اے محبوب مدنی (صلے اللہ علیہ وسلم) فرمائیے کہ اے مشرکین مکہ بلاؤ ۔ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ انہیں جن کو تم معبود سمجھتے ہو ۔ مِّنْ دُوْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے سوا یعنی اللہ تعالیٰ سے متجاوز ہو کر دوسروں کو معبود بناتے ہو مثلاً ملائکہ علیہم السلام اور مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ بی بی مریم ، اور عزیر علیٰ نبینا علیہما السلام کو معبود مانا ۔ فَلَا یَمْلِكُوْنَ پس وہ طاقت نہیں رکھتے ۔ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ تمہارے دکھ درد ٹالنے کی مثلاً مرض اور فقر و قحط دور کرنا وغیرہ وَلَا تَحْوِیْلًا ○ اور نہ ہی ان چیزوں کو تم سے منتقل کر کے دوسروں کو چپٹا سکتے ہیں ۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ ، اولئک مبتدا اور الذین اس کی صفت ہے ۔ یَبْتَغُوْنَ اس کی خبر ہے ۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ معبودانِ باطلہ جنھیں مشرکینِ مکہ پوجتے ہیں انہیں اپنے لئے طلب کرتے ہیں ۔ اِلٰی رَبِّهِمُ اپنے رب تعالیٰ یعنی اپنے جملہ امور کے مالک کی طرف ۔ الْوَسِیْلَةَ یعنے قربۃ بالطاعۃ والعبادہ ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ کفار مکہ اپنے بتوں کو وسیلہ اور دستاویزی اپنی طاعت و عبادت کے لئے بارگاہِ حق میں بتوں کو قربت کا سبب سمجھتے ۔

اَیُّهُمْ اَقْرَبُ یہ یبتغون سے بدل ہے اور ای موصولہ ہے یعنے جو اللہ تعالیٰ کو قریب تر ہیں وہ بھی اس کی بارگاہ میں وسیلہ طلب کرتے ہیں اور جو غیر اقرب ہیں وہ کیوں نہ وسیلہ طلب کریں اور مقرب بارگاہ سے ملائکہ کرام و دیگر مقربین مراد ہیں یعنے جب مقرب لوگ بارگاہِ حق میں وسیلہ لاتے ہیں پھر غیر مقرب کے لئے تو بطریق اولیٰ وسیلہ ضروری ہے ۔

ف : الکواشی میں ہے : ایھم استفہام مبتدا ہے اس کی خبر اقرب ہے اور اس کا منصوب ہونا یدعون کی وجہ سے

ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف قرب ڈھونڈتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ ان کے معبودوں میں سے کون زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہے تو اپنی رہائی کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور میں اسے وسیلہ بنائیں نیز اللہ تعالےٰ کے ہاں قرب کے لئے وسیلہ بناتے ہیں۔

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ اور وسیلہ کے بعد اللہ تعالےٰ کی رحمت کے امیدوار بنتے ہیں۔ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اور اللہ تعالےٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں بایں معنے کہ اگر وہ اپنے معبودوں کو خداوند تعالےٰ کو وسیلہ بنائیں گے تو عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے اس معنے پر یہ بھی منجملہ دوسرے بندوں میں شامل ہو گئے اگرچہ بارگاہ حق میں وسیلہ بننے کے لائق نہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو پھر وہ معبود کس طرح ہو سکتے ہیں اور پھر ان سے دکھ درد ٹالنے کی امید رکھنا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ بے شک تیرا رب تعالےٰ اس لائق ہے کہ اس سے ڈر کیا جائے اور تمام مخلوق اس سے ڈرتی ہے یہاں تک کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام بھی اس سے خوفزدہ ہیں۔ اگرچہ مجرم و خطاکار لوگ اپنی کمال غفلت سے نہیں ڈرتے بلکہ الٹا اس سے لئے وگردانی کرتے ہیں اللہ تعالےٰ کے ڈر کو عذاب سے تعبیر کرنا صرف اسی لئے ہے کہ تحذیر من اللہ کا سبب یہی ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے معذرت کی بجائے اس کے قہر و عذاب سے ڈرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خوف خداوندی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقت کہا جب کہ انہیں شہادت کے وقت خنجر مارا گیا کہ اے عمر امیر المومنین رضی اللہ عنہ آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جبکہ دوسرے بہت سے لوگ کفر میں گرفتار تھے اور آپ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس وقت مدد کی جب دوسرے لوگوں نے آپ کو سخت اذیتیں پہنچائیں اور وصال کے وقت حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ سے راضی تھے اور آپ نے اپنی حکومت میں سب کا صحیح فیصلہ فرمایا کہ کوئی بھی آپ کے فیصلے سے ناخوش نہیں تھا اور پھر آپ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مغرور وہ ہے جسے تم اپنے خیال سے اس کا دل بہلاؤ، میں سمجھتا ہوں کہ قیامت کے ہولناک امور کے عوض میں اگر میں ساری دنیا کی اشیاء فدیہ کے طور پر دے دوں تب بھی نجات ناممکن معلوم ہوتی ہے۔

ف: المطلع سے قیامت مراد ہے یعنے موت کے بعد کے اوقات۔ اور اسے مطلع سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس وقت انسان اعمال کو جھانک کر دیکھتا ہے اور اسے اس وقت بہت بڑے ہولناک امور درپیش ہوتے ہیں۔

ف: بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ حزن طعام نہیں کھانے دیتا اور خوف گناہ نہیں کرنے دیتا اور امید بر رحمت حق طاعات کے لئے قوت بخشتی ہے اور موت کا ذکر فضول باتوں سے بچاتا ہے اور خوف و رجا منجانب اللہ مخصوص بندوں کو نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ وہی مفیض الخیر والجود ہے۔

رد وہابیہ و دیوبندیہ: ہمارے دور کے معتزلہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے وسیلۂ بارگاہ حق کو شرک کہنے اور

اور انھیں بتوں سے تشبیہ دے کر عوام کو دھوکہ دیتے ہیں اور اسی آیت کو استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں، حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ آیت میں کافروں کے بتوں کو وسیلہ بنانے کی مذمت ہے نہ، انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانے سے روکا گیا ہے لیکن تعصب کا بیڑا غرق ہو کہ اس نے وہابیوں، نجدیوں، دیوبندیوں اور مودودیوں وغیرہم کو ایسی پٹی پڑھائی کہ آیت کو خواہ مخواہ انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرادیا حالانکہ جمہور اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کرام کو بارگاہ حق میں وسیلہ بنانا جائز ہے اور اس آیت کو بتوں پر محمول کرتے ہیں۔

(چنانچہ اس کی مزید تشریح فقیر[1] نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ سردست صاحب روح البیان کا حوالہ لیجئے جو دیوبندی بریلوی اختلاف سے دو صدی پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ وہ حوالہ یہ ہے):-

واما الانبياء وورثتهم الكمل فوسائط بين الله تعالى وبين الخلق ولابد من طاعتهم من حيث نبوتهم وورثتهم ومن التقرب اليهم لتحصيل الزلفى۔	بہر حال انبیاء اور ان کے وارثین کاملین تو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں اسی لئے ان کی طاعت بحیثیت نبوت و ولایت ضروری ہے اور ان کا تقرب قرب الٰہی کا بہترین وسیلہ ہے۔

از انس فرزند مالک آمدہ است
کہ بمہانی او شخصی شدہ است
او حکایت کرد کز بہر طعام
دید انس دستار خوان را زرد فام
چرکن آلودہ گفت اے خادم
اندر افگن در تنورش یک دم
در تنور پر ز آتش در فگند
آن زمان دستر خوان را ہوشمند
جملہ مہمانان دران حیران شدند
انتظار دودِ کندوری بدند

---

[1]:- اویسی غفرلہ، کی تفسیر اویسی۔

[2]:- روح البیان جلد ۵، صفحہ ۱۷۵۔

بعد یک ساعت بر آور از تنور

پاک و اسپید و ازاں او ساخ دور

قوم گفتند اے صحابئ عزیز

چون نہ سوزید و منقیٰ گشت نیز

گفت زانکہ مصطفٰے دست و دہان

بس بمالید اندرین دستار خوان

اے دل ترسندہ از نار و عذاب

با چنان دست و لبے کن اقتراب

چون جمادی را چنین تشریف داد

جانِ عاشق را چہا خواہد کشاد

مرکلوخ کعبہ را چوں قبلہ کرد

خاک مرداں باش اے جان دو نبرد

ترجمہ: ۱۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ آپ کے ہاں ایک مہمان آیا۔

۲۔ اس مہمان نے بیان کیا کہ حضرت انس نے کھانے کے لیے دستر خوان طلب فرمایا تو وہ دستر خوان میلا تھا۔

۳۔ حضرت انس نے دستر خوان کو میلا دیکھا تو خادمہ سے فرمایا کہ اس دستر خوان کو ایک ساعت کے لیے تنور میں ڈال دے۔

۴۔ عقلمند خادمہ نے آگ سے جلتے ہوئے تنور میں دستر خوان کو ڈال دیا۔

۵۔ خادمہ نے اسے تنور میں ڈالا تو تمام مہمان حیران رہ گئے۔ دستر خوان جلنے اور تنور سے دھواں اُٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔

۶۔ خادمہ نے تھوڑی دیر بعد اسے تنور سے نکالا تو وہ دستر خوان نہایت صاف وشفاف تھا۔

۷۔ لوگوں نے پوچھا اے صحابی! بتایئے کہ یہ دستر خوان جلنے کے بجائے صاف ستھرا ہو گیا ہے (اس کی وجہ کیا ہے)

۸۔ اس نے فرمایا کہ اس دستر خوان سے حضور علیہ السلام نے ہاتھ مبارک اور چہرہ پاک کو لگایا تھا۔

۹۔ اے جہنم کی آگ اور عذاب سے ڈرنے والے دل! ایسے مقدس ہاتھ اور مبارک ہونٹ والے سے تو وابستگی پیدا کر۔

۱۰۔ (کیونکہ) جب اس نے ایسے جماد کو شرف بخشا تو اپنے عاشق پر کیوں نہ لطف و کرم فرمائے گا۔

۱۱۔ جب وہ ڈھیلوں کو کعبہ وقبلہ بناتا ہے تو تم بھی اللہ والوں کی خاک پا ہو جاؤ مرتبہ پاؤ گے۔

وَاِنْ یہ ان نافیہ، مِّنْ استغراقیہ ہے ۔ قَرْیَۃٍ سے بستی یا شہر مراد ہے ۔ حضرت ابو السعود رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اس سے وہ بستی مراد ہے جہاں کفار رہتے ہوں یعنے کافروں کی کوئی ایسی بستی نہیں ۔ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا مگر ہم اسے ضرور تباہ و برباد کرنے والے ہیں خسف سے ، یا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے مکینوں کو تباہ و برباد کریں گے ۔ جب وہ ان بڑے بڑے جرائم و معاصی کا ارتکاب کریں گے جو اُن کی تباہی و بربادی کا موجب ہوں گے ۔ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت کے دن سے پہلے ۔ اور قبل قیامت کی تخصیص اسی لئے ہے کہ قیامت کے وقت تو ہر بستی اور ہر شہر تباہ و برباد ہو گا وہاں کے مکین کافر ہوں گے یا نہ اور نہ ہی انہیں اس وقت سزا اور عذاب کے طور پر تباہ کیا جائے گا بلکہ دنیا کی عمر ختم ہو جانے کی وجہ سے ۔ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا یا اس بستی کے مکینوں کو عذاب دیا جائے گا اور عذاب و ہلاکت کا اسناد بستی کی طرف مجازاً ہے ۔ عَذَابًا شَدِيْدًا سخت عذاب ، یا تو انھیں قتل کیا جائے یا انہیں قحط اور زلزلوں میں مبتلا کیا جائے گا ، یا دنیوی بلائیں یا اُخروی عذاب کا ابتلاء مراد ہے ۔ اس لئے یہاں پر عذاب کو قبلیتہ یوم القیامۃ سے مقید نہیں کیا گیا اور یہ بھی ہے کہ بہت سے نافرماں لوگوں کی بستیوں کو قیامت تک تباہی و بربادی سے محفوظ رکھا جائے گا یہی ابو السعود (مفسر) رحمہ اللہ تعالٰے کا مذہب ہے ۔

صاحبِ روح البیان کی تردید فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اس کو عام اور شق اول کو خاص کرنا آیت کے سیاق کے خلاف ہے کیونکہ قبلیتہ یوم القیامہ جیسے شق اوّل میں مراد ہے ایسے ہی شق ثانی میں اور یہ یوم القیامہ کے بعد کے عذاب شدید کے بھی منافی نہیں جیسا کہ نصوص کے مضامین سے ظاہر ہے نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قبل یوم القیامہ کے عذاب شدید سے کفار کی جڑ اکھیڑنا اور بعد یوم القیامہ کے عذاب شدید سے انھیں مختلف عذاب میں مبتلا کرنا مراد ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد کفار کو مختلف عذابوں میں مبتلا کیا جائے گا ۔

ف: بحر العلوم میں القریۃ کو عام بتایا ہے ۔ انھوں نے حدیث شریف ذیل سے استدلال فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر اللہ تعالٰے کا بہت زیادہ رحم و کرم ہے ۔ اسے اگر عذاب میں مبتلا فرمائے گا تو اس کا عذاب قتل و زلازل و فتن میں ہے ۔

نیز فرمایا کہ میری امت کی جہنم کی سزا یہ ہے کہ اسے مٹی کے نیچے دبا کر مٹایا جائے گا ۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ لفظ ہلاک نیک اور عذاب بُری بستیوں کی طرف اشارہ ہے ۔

ممالک دنیا کی تباہی کی علامات مفسرین نے فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ کو حبشی ، اور مدینہ طیبہ کو بھوک ، اور بصرہ کو غرقابہ ، اور ایلہ کو عراق اور جزیرہ کو جبل ، اور شام کو روم ، اور فارس کو زلزلے ، اور اصفہان کو دجال اور نہاوند کو پہاڑ ، اور مصر کو دریائے نیل کا انقطاع ، اور اسکندریہ کو بربر اور اندلس کو روم ، اور خراسان کو گھوڑوں کے کھر ، اور ری کو دیلم ، اور دیلم کو ارمن ، اور ارمن کو خزر ، اور خزر کو ترک ، اور ترک کو آسمانی کڑک ، اور سندھ کو ہند ، اور ہند کو سد سکندری کے مکین ؛ اور انھیں یاجوج ماجوج تباہ و برباد کریں گے ۔

حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ جزیرہ تباہی سے امن میں رہے گا یہاں تک کہ ارمینیہ تباہ ہوگا اور ارمینیہ امن میں رہے گا یہاں تک کہ مصر تباہ ہوگا اور مصر امن میں رہے گا یہاں تک کہ کوفہ تباہ ہوجائے گا اور کوفہ ایک بہت بڑی خونریز جنگ سے تباہ ہوگا اور جب خونریز جنگ ہوگی تو قسطنطنیہ بنی ہاشم کے ایک فرد کے ہاتھوں تباہ ہوگا۔

كَانَ ذٰلِكَ وہ جو ہلاک و تعذیب مذکور ہوا ہے۔ فِى الْكِتٰبِ وہ لوح محفوظ میں ہے۔ مَسْطُوْرًا○ لکھا ہوا کہ اس سے بال برابر کمی و بیشی نہ ہوگی اس لئے کہ ان تمام باتوں کا ذکر اور ان کے کوائف و حالات اور ان کے اسباب موجبہ اور وقت مقررہ تفصیل کے ساتھ لوح محفوظ میں مذکور و مسطور ہے۔

قضا و قدر لوح محفوظ میں مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے قلم کو نور سے پیدا فرمایا تو اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیا اور اس کے ہر دونوں ہاتھ سیدھے ہیں اور قلم کی لمبائی پانچ سو سال کے برابر ہے اسی طرح لوح محفوظ کی مسافت ہے۔ اللہ تعالٰی نے قلم کو فرمایا کہ چل، وہ چلی تو لوح محفوظ پر آنے والے تمام واقعات کو لکھا نیکوں اور بروں کو اور ہر رطب و یابس کے ذرہ ذرہ کو لکھا۔ اب اللہ تعالٰی سے جو حکم یا خبر پہنچے تو تم اس کی تصدیق کیا کرو اور اس کی بہت بڑی قدرت کا اعتراف کرو۔

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے سب سے پہلے قلم کو اپنے ہاتھ سے، پھر نون یعنی دوات کو پیدا فرما کر اسے فرمایا کہ لکھ۔ اس نے عرض کی: یا اللہ! کیا لکھوں۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو کچھ ہوا اور کچھ قیامت تک ہوگا سب کچھ لکھ دے اس کے بعد قلم کے منہ پر مہر لگا دی۔ اسی لئے اب قیامت تک قلم نہیں بولے گی یعنی کچھ نہیں لکھے گی۔ (رواہ ابن عباس رضی اللہ عنہما)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قـریـة سے انسانی ڈھانچہ اور اس کی ہلاکت سے قلب و روح کی موت مراد ہے یعنے ہم ہر انسانی ڈھانچہ کو روح و قلب کی موت کے ساتھ ماریں گے۔ قبل یوم القیمة ڈھانچہ کی موت سے پہلے اس لئے کہ جو بھی مرتا ہے اس کے لئے قیامت قائم ہوجاتی ہے۔ او معذبوھا یا اسے بلاؤں اور امراض و علل و مصائب اور نقص فی الاموال والانفس اور دوسرے عجیب و غریب، ریاضات و مجاہدات (اختیاراً یا اضطراراً مخالفات ہوئی) میں مبتلا کریں گے۔ عذابا شدیدا، اور وہ عذاب شدید اس معنے پر ہیں کہ مالوفات کا ترک نفس کے لئے عذاب شدید ہے۔ کان ذلك فی الکتاب مسطورا یہ ازل سے اللہ تعالٰی کی عزت و عظمت اور اس کی کبریائی جبروتی طاقت کتاب میں لکھا ہوا ہے کوئی عاشق صادق بھی اس کے جمال کے شوق میں اس کے جلال کے خیموں تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ دکھ درد کے عقبہ کو عبور نہ کرے۔

کما قال تعالٰی:۔

فلا اقتحم العقبة العقبة وما ادراك ما العقبة

جب اس کے گھر تک پہنچنے والوں کا یہ حال ہے۔

لم تکونوا بالغیہ الا بشق الانفس — تم اس کے ہاں نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنے نفوس کو دکھ درد میں نہ ڈالو۔

تو پھر واصلین باللہ کی کیا کیفیت ہوگی، اسی لئے حضور تاجدار انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرح کسی نبی کو ایذا نہیں دیا گیا یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کو کوئی نہیں پہنچا تو اسی لئے سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ اور سیر باللہ میں ان کی طرح کسی نے اذیتیں اور مشقتیں نہیں جھیلیں اس لئے کہ سیر میں جسم کو پگھلانا ضروری ہے کیونکہ سیر الی اللہ میں افعال پگھل جاتے ہیں اور سیر فی اللہ میں صفات اور سیر باللہ میں ذات۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا :؎

جفا نبردہ چہ دانی تو قدر یار
تحصیل کام دل بتگا پوی خوشتر است

ترجمہ : اے دکھ نہ دیکھنے والے تمہیں دوست کی قدر وقیمت کا کیا پتہ، دلی مراد حاصل کرنے کے لئے سخت تر دوڑ دھوپ ضروری اور اسی میں مزہ بھی ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا :؎

مکن ز غصہ شکایت کہ در طریق طلب
براحتے نرسیدہ آنکہ زحمتے نکشید

ترجمہ : غصہ محبوب سے شکایت مت کر اسی لئے کہ راہ طریقت میں راحت نصیب نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں دکھ درد نہ ہو۔

نیز فرمایا :؎

خام را طاقت پروانہ پر سوختہ نیست
نازکانرا نرسد شیوۂ جان افشانی

ترجمہ : کچے عاشق کو پروانہ پرسوختہ والی طاقت کہاں نازک وجود لوگوں کو جان قربان کرنے کا طریقہ ہی نہیں۔

اے اللہ! ہمیں بلاؤں پر صبر کی توفیق بخش اپنے اولیاء کرام کی نعمتوں سے کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرما۔

تفسیر عالمانہ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ۔ باء زائد ہے یعنے وہ آیات جو کفار مکہ نے طلب کئے مثلاً احیاء الموتٰی اور صفا پہاڑی کو سونا بنا دینا اور مکہ کے پہاڑوں کو کہیں دور پھینکنا تاکہ مکہ کی زمین صاف ستھری ہو کر کھیتی کے قابل ہو جائے اور اس پر نہروں کا اجراء ہو اور وہ اس باغ بو سکیں۔ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ط یہ اعم الاشیاء سے استثناء مفرغ ہے۔ یعنے ان آیات مذکورہ کے بھیجنے پر ہمیں کسی شے نے نہیں روکا مگر ان کے پہلے لوگوں کی تکذیب

نے اور یہ لوگ بھی ان کی عادات پر ہیں اسی لئے ان کے کہنے پر ہم نے آیات مذکورہ نہیں بھیجیں اور الاولون سے عاد وثمود جیسے کفار مراد ہیں وہ اس لئے کہ اگر آیات مذکورہ بھیجی بھی جائیں تو ان کافروں کی طرح یہ بھی تکذیب کرتے اور پھر جیسے ان کے انکار پر ان کو جڑ سے اکھیڑ لیا گیا اور تباہ و برباد ہوئے یہ بھی ان کی طرح تباہ و برباد ہو جاتے کیونکہ تکذیب پر ہم مکذبین کو نہیں چھوڑتے بلکہ انھیں فوراً تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور ان کی تباہی و بربادی موقوف کر دی گئی ہے اور نہ ہی ان کو تباہ و برباد کرنے کا ہمارا ارادہ ہے کیونکہ ان میں بہت سے اہل ایمان موجود ہیں اور آئندہ بھی اہل ایمان پیدا ہوں گے ۔

ربط : اجمالی ذکر کے بعد اب مکذبین کے بعض گروہ کی تکذیب کی تفصیل بتاتے ہیں کہ :۔

وَاٰتَیۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَۃَ اس کا عطف ماقبل کے مضمون پر ہے جو نظم کلام سے ثابت ہو رہا ہے گویا عبارت یوں تھی :

وما منعنا ان نرسل بالایات الا ان کذب بھا الاولون حیث اٰتیناھم ما اقترحوا من الاٰیات الباھرۃ فکذبوھا واٰتینا ثمود الخ	اور ہمیں کوئی روکاوٹ نہیں کہ ہم آیات بھیجیں مگر ان کے اولین کی تکذیب نے ہمیں روکا کہ انھوں نے بھی یہی آیات طلب کئے اور ہم نے ان کے مطالبہ پر آیات باہرہ بھیجے تو انھوں نے ان کی تکذیب کی اور ہم نے ثمود کو ناقہ دی یہ بھی ان کی طلب پر ۔

مُبۡصِرَۃً دراں حالیکہ واضح برہان اور ذو ابصار تھی اس معنے پر یہ باب نسبتی ہوگا اور تاء مبالغہ کی ہے یا فعل کا اسناد ناقہ کی طرف ہے اور حال مشاہدہ کرنے والے سے ہوگا یہ معنے مجازی ہوگا ۔ **فَظَلَمُوۡا بِھَا** تو ان لوگوں نے ناقہ پر ظلم کیا یعنے انھوں نے ناقہ کے معجزہ ہونے کا انکار کیا ۔ دراں حالیکہ وہ ظالم تھے یعنے انھوں نے صرف کفر پر اکتفار نہ کیا بلکہ کفر کے ساتھ انھوں نے ناقہ کے ساتھ وہی کیا جو کرنا تھا مثلاً اس کی کوچیں کاٹیں اور اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی میں ڈالا بسبب ناقہ کی کوچیں کاٹنے کے ۔

ف : یہاں پر ناقہ اور ثمود کی تخصیص اس لئے ہے کہ وہ بھی ان کی طرح عربی تھے اور اہل عرب کو ثمود کے حالات بہت زیادہ معلوم تھے اور ان کے برباد ہونے کو انھوں نے آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور اب بھی ان کے سامنے آثار ظاہر اور واضح تھے ۔

وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰیٰتِ اور ہم ان کے مطالبہ کے مطابق آیات کو نہیں بھیجتے ۔ **تَخۡوِیۡفًا** ○ مگر ڈرانے کے لئے یعنے ہم ان کی طلب پر آیات نازل کرتے ہیں پھر جب وہ تکذیب کر دیتے ہیں تو پھر ہم ان کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں یا بعض آیات ان کی طلب کے بغیر آئے جیسے معجزات امام الانبیاء علیہ وعلیہم السلام اور نزول قرآن ۔ ان کے انکار پر اہل مکہ کو عذاب آخرت میں مبتلا کیا جائے گا کیونکہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا معاملہ قیامت کے دن میں مؤخر کیا گیا ہے یہ صرف آپ کی تکریم و تعظیم کے پیش نظر کیا گیا ۔

رحمت ، رحمت دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک آپ کی امت کے لئے بہت بڑی اماں تھی ۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی سنت مبارکہ اُمت

کے لئے امان ہے جو لوگ سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو مٹاتے ہیں تو اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو تباہ و برباد کرتا ہے اس لئے کہ اس امت کو بھی اعمال قبیحہ کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے لیکن یہ قرب قیامت میں ہوگا جیسے ہم نے ابھی چند سطور پہلے اس کو لکھا ہے مثلاً ان پر زلزلے آئیں گے اور انھیں مختلف عبرتوں میں مبتلا کیا جائے گا اور ان پر طاعون آئے گا یہ صرف اہل فسق کو سمجھانے کے لئے ہوگا اسی طرح ان پر ظالم لوگوں کو مسلط کیا جائے گا۔ اس سے بڑھ کر اور عذاب کیا ہوگا کہ ظالم لوگوں کا تسلط ہو۔

سبق: اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ طریقۂ تقویٰ و احیاء سنت خیر الوریٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں جد وجہد کریں۔

حدیث شریف: (حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا:) جو بھی میری سنت کو زندہ کرتا ہے تو گویا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے میرے ساتھ محبت کی تو وہ میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔

حدیث شریف (حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا):۔
جو میری سنت کی محافظت کرتا ہے اللہ تعالےٰ اسے چار خصلتوں سے سرفراز فرماتا ہے:۔

① اولیاء اللہ کے دل میں اس کی محبت ہوگی۔
② فاسقوں فاجروں کے دلوں پر اس کی ہیبت ہوگی۔
③ رزق میں وسعت ہوگی۔
④ دین میں وثوق نصیب ہوگا۔

اولیاء اللہ کی شان جیسے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی امت کے لئے بہت بڑی اماں ہے ایسے ہی اولیائے کرام جو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے وارث کامل ہیں ان کی حیات بھی امت کے لئے اماں ہے اس لئے کہ وہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے والے ہیں اور ان کا اعتقاد حضور علیہ السلام کے اعتقاد پر ہے مثلاً رسول اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل ہیں اور آپ کے طریقہ کی اتباع کرتے ہیں اور آپ کی شریعت کو زندہ رکھتے ہیں۔ اس معنے پر اولیاء اللہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت سے عذاب الٰہی سے بچاؤ نصیب ہوتا ہے۔

استمداد از اولیاء

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باھل القبور[1] — جب تم امور میں متحیر ہو تو اہل قبور سے مدد مانگو۔

---

[1] روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۱۷۸

اور کاشفی نے رسالہ العلیہ، اور ابن الکمال فی اربعینہ میں بھی ایسا ہی لکھا ہے ۔

شرح الحدیث اہلِ قبور سے مراد وہ اولیاء کرام ہیں جو اضطراری موت سے پہلے موت اختیاری سے فوت ہوئے یعنے موتوا قبل ان تموتوا پر عمل کرنے والے اولیاء کرام سے مدد مانگنا حدیث نبوی سے ثابت ہے ۔

[لیکن ایسی احادیث کو دورِ حاضر کے معتزلہ نہیں مانتے ۔ یہ ان کی شومِ بختی ہے کیونکہ ایسی احادیث ان کے مذہب کے خلاف ہیں اور ان کا قاعدہ ہے کہ جو احادیث ان کے مذہب کے خلاف ہوں تو وہ ان کا انکار کر دیتے ہیں ۔ ان کے نہ ماننے سے حدیث شریف کی رفعت شان میں کمی نہیں آتی بلکہ ان کا اپنا نقصان ہے ۔ مگر ہم بحمد اللہ تعالےٰ احادیث مبارکہ کو سرآنکھوں پر رکھتے ہیں اور یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ان احادیث مبارکہ کے ماننے والے اولیاء کرام ہیں اسی حدیث پاک کے مطابق [1]] ۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

مدد از خاطر رندان طلب اے دل ورنے

کار صعبست مبادا کہ خطائے بکنیم

ترجمہ : اہل اللہ سے مدد طلب کرو ورنہ کام مشکل میں پڑجائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان سے مدد نہ کرنے میں ہم خطا میں مبتلا نہ ہوجائیں ۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عجیب نکتہ وہ مومن جو ایمان میں صادق و خالص و مخلص ہے اسے قیامت میں اللہ تعالےٰ عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اس لئے کہ وہاں ہم سب کے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم موجود ہوں گے اور اللہ تعالےٰ کا قانون ہے کہ جہاں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود ہوں وہاں اللہ تعالےٰ عذاب نہیں بھیجتا ۔ یہی وجہ ہے کہ کل قیامت میں دوزخ ایسے مومن سے کہے گی :-

جز یا مومن فان نورك قد اطفاء ناری اے مومن مجھ سے جلد ز گذر کر جا اس لئے کہ تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا ہے ۔

باقی رہے فاسق و فاجر، انھیں بھی جہنم میں ڈالا جائے گا تو بھی اسے خالص و مخلص بنانے کے لئے نہیں بھیجا جائے گا ۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یاد کیجئے جب کہ ہم نے آپ کو کہا یعنے جب ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ۔ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ط بے شک تیرا رب علم و قدرت کے لحاظ سے لوگوں پر محیط ہے اس لئے کہ وہ سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں ۔ اسی بنا پر آپ میرے احکام ان پر جاری فرمائیے اور آپ کسی سے خوف نہ کیجئے ۔

صوفیانہ معنے : بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا لوگوں پر محیط ہونے کا معنٰے یہ ہے کہ وہ صور موجودات میں تجلی فرماتا ہے اس

---

[1] :- اضافہ از اویسی غفرلہٗ ۔

معنے پر وہ پاک ذات اپنے جمیع اسمار کی احدیت کی بنا پر موجودات کے ذرّہ ذرّہ میں ذاتاً وحیاۃً وعلماً وقدرۃً ودیگر صفات کے ساتھ ساری ہے اور اسی احاطہ بالسرایۃ کی بنا پر زمین وآسمان کا ذرہ ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں اور جو شے اس سے پوشیدہ ہو تو وہ معدوم ہے وہ موجود نہ ہوگی۔ یاد رہے کہ یہ احاطہ ظرف بالمظروف اور احاطہ الکل بالاجزاء اور احاطۃ الکلی بالجزئیات کے قبیل سے ہے کیونکہ تمام تعینات لاحقہ لذاتہ المطلقۃ کو لازم ہیں، بالواسطہ یا بلا واسطہ، بالشرط یا بلا شرط اور یاد رہے کہ کثرۃ اللوازم وحدۃ ملزوم کو نہ قادح ہیں اور نہ منافی ۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْ ۔ رؤیاء سے یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ مشاہدات مراد ہیں جو آپ نے شب معراج زمین وآسمان کے عجائبات معائنہ فرماتے اور اسے رؤیا سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ رؤیا اور رؤیت ایک شے ہے ۔ (کذا فی الکواشی)

رؤیا کبھی خواب میں ہوتا ہے اور کبھی جاگتے ؛ یا اس معنے پر کہ آپ نے یہ واقعات رات کو دیکھے تھے اور ایسے جلدی جیسے خواب میں دیکھے جاتے ہیں ۔ بعض مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا کہ ان عجائبات کو 'رؤیا' سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معراج کو منامی (خواب) سے تعبیر کرتے تھے جسمانی طور پر ماننے کے لئے وہ ہرگز تیار نہیں تھے۔ اور الحواشی السعدیہ میں لکھا ہے کہ معائنہ جسمانی کو تشبیہ واستعارہ کے طور پر رؤیا کہا جاتا تھا۔ اس لئے کہ وہ عجائبات جو بطور خرق عادات نظر آئے وہ ایسے تھے جیسے انسان عادتاً خواب میں دیکھتا ہے ۔

اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ ہم نے وہ عجائبات جو آپ کو شب معراج مشاہدہ کرائے ۔ وہ باوجودیکہ ایک بہت بڑا معجزہ تھے کہ جسے ماننے کے لئے ادنٰی درجہ کا آدمی تیار نہیں ہوتا۔ وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لئے تھا کہ ان میں کون آپ کی تصدیق کرتا ہے اور کون انکار ۔ چنانچہ واقعہ معراج کے بعد بہت سے لوگ مرتد ہوگئے ۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ط اس کا عطف الرؤیا پر ہے اور درخت پر لعنت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کھانے والے ملعون ہیں۔ یہ مجازی ہے یا اس کا معنٰے یہ ہے کہ وہ درخت رحمت ربّانی سے دور ہے اور اس سے زقوم کا درخت مراد ہے اور یہ جہنم کی جڑ سے پیدا ہوا اور ایسی جگہ پر ہوتا ہے جو رحمت حق سے بہت دور ہوتی ہے ۔ اب معنے یہ ہوا کہ وہ درخت جسے ملعون کہا گیا ہے وہ بھی لوگوں کے لئے آزمائش ہے بایں معنی کہ کافر کہتے ہیں کہ ادھر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنم میں آگ ہے اور وہ جلا کر راکھ بنا دیتی ہے، ادھر فرماتے ہیں کہ یہ زقوم کا درخت جہنم کی جڑ سے پیدا ہوا ہے یہ تو عقلاً محال ہے ۔ چنانچہ اسی بات کو سن کر کافر گمراہی کے گڑھے میں گر گئے ! در عقل کو اپنا پیشوا بنایا تو مارے گئے ۔ حالانکہ وہ خود دیکھتے تھے کہ شترمرغ آگ کے انگاروں کو نگل جاتا ہے اور آگ سے گرم شدہ لوہے کو کاٹ دیتا ہے لیکن ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہوتا اسی طرح وہ گرم لوہے کو بھی کاٹ لیتا ہے اور یہ بھی انہیں معلوم ہے کہ سمندل کے بالوں سے تیار کردہ رومال کو آگ نہیں جلاتی بلکہ اس پر معمولی اثر بھی نہیں ہوتا ۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ اس سے عجیب تر وہ معاملہ ہے کہ اہل عرب سبز درخت سے آگ حاصل کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالٰے

نے فرمایا :

جعل لکم من الشجر الاخضر نارا (اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ بنائی۔

اس سے ان نالائقوں کو سمجھ نہ آئی تھی کہ وہ ذات جو درخت کے اندر آگ امانت رکھ سکتی ہے وہ درخت کو آگ میں سے اگا سکتی ہے۔

ف : المرخ اور العفار دو درخت ہیں جو عرب کی وادیوں میں پیدا ہوتے ہیں جس سے لوگ مسواک تیار کرتے ہیں اور وہ سبز رنگ کے دو درخت ہیں جن سے پانی گرتا رہتا ہے۔ المرخ بیش کر اس پانی پڑ ا جاتا ہے جس سے اللہ تعالٰی کے حکم سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

وَنُخَوِّفُهُمْ اور ہم انہیں ان سے اور ان جیسی اور آیات سے ڈراتے ہیں اس لئے کہ یہ تمام آیات ڈرانے کے لئے ہیں۔ فَمَا يَزِيدُهُمْ پس انہیں ڈرانا نہیں بڑھاتا۔ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ○ بہت بڑی سرکشی کو، ایسی سرکشی جو حد سے بڑھی ہو اگر ہم ان کے مطالبہ پر وہ آیات جو طلب کرتے ہیں بھیجیں تو ان کے ساتھ وہی کریں گے جو انھوں نے پہلی آیات سے کیا اور پھر ہم ان کی جزا و سزا میں وہی کریں گے جو ہم نے ان جیسوں سے کیا حالانکہ ہم نے ان کے عذاب کی تاخیر قیامت تک مقرر کر رکھی ہے۔

ف : اللہ تعالٰی نے عیسٰی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بہت سے حسین چہرے اور فصیح زبان اور تندرست بدن والے جہنم کی آگ میں جھونک دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے ہر انسان پر خوف الٰہی لازم ہے یہاں تک کہ عرفاء ہر وقت خوف خدا سے سرشار رہتے ہیں تو پھر عوام کا کیا کہنا۔ انہیں ہر وقت خوف خدا سے سرشار ہونا لازمی اور ضروری ہے۔

حکایت حضرت مزنی نے فرمایا کہ میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کی مرض الموت کے وقت حاضر ہوا میں نے عرض کی کہ حضرت استاذ مکرم کیسا حال ہے؟ آپ نے فرمایا : میں دنیا سے کوچ اور دوستوں سے جدا اور اعمال سے ملاقات اور موت کا گھونٹ پی کر بارگاہِ حق میں پیش ہونے والا ہوں پھر نامعلوم میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے واللہ میری روح بہشت کو جاتی ہے یا دوزخ میں۔ اور میں کہہ رہا ہوں : ؎

ولم ادر ای الحانتین تنوبنی

وانك لا تدری متی انت میت

ترجمہ : مجھے معلوم نہیں کہ مجھے دو جگہوں سے کونسی جگہ نصیب ہوتی ہے اور تجھے کیا معلوم کہ تم کہاں اور کب مروگے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

لاتخافوا ہست نزل خائفان

ہست درخور از برائے خائفان

ہر کہ نترسد مرورا ایمن کنند

مر دل ترسندہ را ساکن کنند

(بقیہ صفحہ ۱۹۹ پر)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ○ قَالَ
أَرَءَيْتَكَ هَٰذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُۥٓ إِلَّا قَلِيلًا ○
قَالَ اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُورًا ○ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ
مِنْهُم بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَٰلِ وَالْأَوْلَٰدِ وَعِدْهُمْ
وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَٰنُ إِلَّا غُرُورًا ○ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ○
رَّبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِۦٓ إِنَّهُۥ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ○ وَإِذَا مَسَّكُمُ
الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّآ إِيَّاهُ فَلَمَّا نَجَّىٰكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنسَٰنُ
كَفُورًا ○ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ
وَكِيلًا ○ أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم
بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِۦ تَبِيعًا ○ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ ءَادَمَ وَحَمَلْنَٰهُمْ فِي الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ الطَّيِّبَٰتِ وَفَضَّلْنَٰهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ○

ترجمہ: اور جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو شیطان کے سوا سب نے سجدہ کیا، کہا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے بنایا۔ کہا کہ دیکھئے! جسے تُو نے مجھ پر فوقیت دی اگر تُو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو لازماً میں ان کی اولاد کو پیس ڈالوں گا سوائے چند ایک کے۔ فرمایا، جا! ان میں سے جو تیری اتباع کرے گا تو بے شک تم سب کی پوری سزا جہنم ہے۔ اور جس پر تو قابو پائے اپنی آواز سے ڈگمگا دے اور ان پر سوار اور پیادے چڑھا دے اور ان کے مال اور اولاد میں ان کا ساجھی اور انہیں وعدے دے اور شیطان انہیں وعدہ نہیں دیتا مگر دھوکے کا۔ بے شک جو میرے خاص بندے ہیں ان پہ تیرا ذرّہ بھر بھی قابو نہیں اور آپ کا ربّ کافی کارساز ہے۔ تمہارا رب وہ ہے جو دریا میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو، بے شک وہ تمہارا بہت بڑا مہربان ہے۔ اور جب تمہیں دریا میں دکھ پہنچتا ہے تو سوائے اس کے کہ جنہیں تم پوجتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں پھر جب وہ تمہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو روگردانی کرتے ہو اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ خشکی کا کنارہ تمہارے ساتھ دھنسا دے یا تم پر پتھراؤ بھیجے پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ۔ یا پھر اس سے بے فکر ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ دریا میں لے جائے پھر تم پہ جہاز توڑنے والی ہوا بھیجے تو تمہیں کفر کی وجہ سے غرق کر دے پھر اپنے لئے کوئی ایسا نہ پاؤ جو اس پر ہمارا پیچھا کرے۔ اور بے شک ہم نے آدم زادوں کو عزت بخشی اور انہیں خشکی اور تری کا سوار بنایا اور انہیں نفیس اشیاء عطا فرمائیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت بخشی۔

(بقیۂ صفحہ نمبر ۱۹۱)

آنکہ خوفش نیست چون گوئے ترس
درس چہ دہی نیست او محتاج درس

ترجمہ: جسے خوف خدا نہیں اسے کیوں کہتے ہو کہ ڈر، ایسے کو درس کیوں دیتے ہو اسے درس کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھنے سننے سے ایمان کی رونق بڑھتی ہے اور باب یقین میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے کہ اچھی مٹی سے صاف خراب نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ اسے اپنی اصلی طبع سے نکالتی ہے اور خراب مٹی سے بیج پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ خبیث میں استعداد ہے ہی نہیں بلکہ بانجھ عورت کی طرح اس میں سے انگوری کی پیدائش ناممکن ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں علوم وفہوم سے نوازے۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ۔ یاد کیجئے جب کہ ہم نے تمام ملائکہ سے فرمایا۔

ف: اس سے وہ ملائکہ کرام مستثنیٰ ہیں جنھیں حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں اتنا استغراق ہے کہ انھیں تخلیق آدم علیہ السلام بلکہ جملہ عالم کے کسی امر کا بھی شعور نہیں۔

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام تحیہ واکرام کے طور پر سجدہ کرو اس لئے کہ ان میں ایسے فضائل و کمالات پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ سجدے کے مستحق تھے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے انھیں اپنی خصوصی تجلی سے نوازا۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ حقیقتہً یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کو تھا۔ آدم علیہ السلام درمیان میں ایسے تھے جیسے ہمارے کعبہ معظمہ ہمارے سجدوں کا مرکز ہے۔

فَسَجَدُوْا تمام ملائکہ کرام نے آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کا اعتراف کر کے بلا انکار سجدہ کیا۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کے حق کی ادائیگی ہوئی، دوسری طرف حق تعالیٰ کے امر کی فرمانبرداری۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کرام کو اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے سے سعادت ابدی نصیب ہوتی ہے۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔ اس نے تکبر کر کے سجدہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کا یہ انکار اور استکبار اس کی شقاوت ازلی پر دلالت کرتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ ابد، ازل کا شیشہ ہے اس میں ہی سعادت و شقاوت کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

بحرالعلوم میں لکھا ہے کہ ابلیس کو ملائکہ سے استثنار جائز ہے اگر چہ وہ جنی تھا وہ از قبیل تغلیبیت ہے کہ جیسے مردوں میں عورت کا شمول بظاہر نہیں مثلاً، کہا جائے :" خرجوا الا فلانۃ " لیکن استثنار کیا گیا ہے اور یہ استثنا منفصل ہے ۔

قَالَ . ابلیس نے اعتراض وعجب اور تکبّر و انکار کے طور پر کہا جب کہ اسے اللہ تعالےٰ نے توبیخاً فرمایا ۔ یا ابلیس مالك ان لا تكون مع الساجدین ۔ تو اس نے جواباً : ءَاَسْجُدُ . کیا میں سجدہ کروں جب کہ میں اعلیٰ سے یعنی نار سے پیدا کردہ ہوں یہ استفہام انکاری ہے ۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ ابلیس نے کہا کہ میں سجدہ نہیں کرتا اور نہ ہی یہ میرے شایاں شان ہے بلکہ یہ محال ہے کہ میں اعلیٰ ہو کر سجدہ کروں ۔

خلاصہ یہ کہ اس استفہام سے انکار مُراد ہے جس سے نفی کا معنے مطلوب ہے ۔

لِمَنْ خَلَقْتَ اس کا منصوب ہونا از قبیل نزع الخافض ہے ۔ یہ دراصل من طین تھا یہ نزع الخافض واختار موسیٰ قومہ کے طریق پر ہے ۔ یہ دراصل من قومہ تھا یعنے شیطان نے آدم علیہ السلام کی تحقیر کرتے ہوئے کہا کہ میں اسے سجدہ نہیں کرتا جسے تو نے مٹی سے پیدا فرمایا ہے ۔ اسی وجہ سے ابلیس کو لعین اور درگاہ حق سے راندہ اور بعید رکھا گیا ۔ قَالَ ملعون اور درگاہِ حق سے راندگی اور بعیدگی کے بعد آدم علیہ السلام سے عداوت ظاہر کی اور حسد پر اقدام کرتے ہوئے کہا ۔ (کذا قال فی الارشاد) ۔ اور یہ بھی اس میں ہے کہ ابلیس نے یہ اس وقت کہا جب اسے اللہ تعالےٰ سے قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت مل گئی ۔ اور اسے ملأ الاعلیٰ کی جماعت سے طوقِ لعنت پہنا کر اور راندۂ درگاہ بنا کر نکالا گیا ۔ اور اس کی تصریح یہاں اس لئے نہیں کی گئی کہ اس کا ذکر دوسرے مقام پہ آگیا ہے اسی لئے اس کے دو کلاموں میں شیطان کے قال کو درمیان میں لایا گیا ہے تاکہ ظاہر ہو کہ کلام ثانی، کلام اوّل سے متصل نہیں اور اس کلام کا دار و مدار پہلے کلام پر نہیں بلکہ کسی اور کلام پر ہے ۔ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ کاف ضمیر خطاب کا ہے اور اسے ارأیت فاعل کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اسے مستقل اسم نہیں قرار دیا جاسکتا تاکہ کہا جائے کہ یہ محلاً منصوب ارأیت کا مفعول بہ ہے ۔ اور اسے ارأیت کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے تاکہ اسناد زیادہ سے زیادہ موکد ہو ۔ اس معنے پر کاف کا یہاں پر اپنا ذاتی اعراب نہیں ۔ ھذا مفعول اوّل اور اسم موصول اس کی صفت اور ارأیت کا مفعول ثانی محذوف ہے جیسا کہ صفت اس کے محذوف ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور ارأیت یہاں پر بمعنے اخبرنی ہے ۔ اس لئے کہ رویت بمعنے علم اخبار کا سبب ہے اسی اعتبار سے سبب الاخبار بول کر اخبار مراد لیا گیا ہے اور استفہام امر سے مجاز ہے اس اعتبار سے استفہام بول کر امر مراد لیا گیا ہے کیونکہ استفہام جامع الطلب ہے ۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ اے اللہ ! مجھے اس شخص کی خبر دیجئے جسے تو نے مجھ پر مکرم تر بنایا اور مجھے اس کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیا ۔ اسے تو نے مکرم و معزز اور خلافت وسجدہ کا حقدار کیوں بنایا ؟ حالانکہ مَیں تو اس سے بہتر ہوں اس لئے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا ہے اور مجھے آگ سے ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

① آنکه آدم را بدن دید او رمید
و آنکه نور مؤتمن دید او خمید

---

② تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو را نہ بیند جز کہ طین

ترجمہ: ① جس نے آدم علیہ السلام کے صرف بشری صورت کو دیکھا وہ مردود و ملعون ہوا اور جس نے نور (محمدی) امانت رکھے ہوئے دیکھا وہ ساجد ہوا۔

② اے بھائی! تو بھی قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھ اس لئے کہ صرف دیوار سے مٹی نظر آتی ہے۔ (حقیقت اندر پوشیدہ ہے)

لَئِنْ اَخَّرْتَنِ البتہ اگر تو مجھے زندگی دے کر کچھ مہلت دے دے جیسے دوسروں کو وعدۂ موعود کے بعد موت دی جاتی ہے میرے لئے کچھ وقت مؤخر کیا جائے۔ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قیامت تک، اور مجھ میں اغوار و اضلال کی صفت بھی بحال ہے اور یہ جملہ نیا ہے اور لام قسم پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا جواب ہے۔ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ البتہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد پر غلبہ پا جاؤں گا۔ چنانچہ دوسرے مقام پر کہا:

فبعزتك لاغوينهم اجمعين — مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔

حل لغات: احتنكہ بمعنے استولى عليه (كذا فى القاموس)

الارشاد میں ہے کہ احنكت الدابة و احتنكها۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب سواری کو رسی سے مضبوط باندھ کر کھینچ لے جایا جائے۔ یا اس کا معنے ہے کہ میں انھیں گمراہ کرکے ان کی جڑ کاٹ دوں گا۔ اب معنے یہ ہوگا کہ اولاد آدم کو ایسا گمراہ کروں گا کہ وہ تیرے عذاب کا نشانہ ہو کر جڑ سے کٹ جائیں گے یہ، احتنك الجراد الارض اس وقت بولتے ہیں جب ٹڈی زمین پر کھڑے ہوئے کھیتوں کو ایسا کھا جائے کہ اس کا نام و نشان بھی ظاہر نہ ہو صرف خالی زمین باقی رہ جائے۔

نکتہ: یہ جرأت شیطان کو اس لئے ہوئی کہ اس نے دیکھا کہ آدم علیہ السلام کو میں نے معمولی جھانسے سے بہشت سے نکلوایا تو ان کی اولاد تو ویسے ہی شہوات سے پُر ہے اسی لئے انھیں حق سے دور کرکے باطل کی طرف لے جانے میں کیا دیر لگے گی۔ اسی لئے ایسے لمبے چوڑے دعوے کئے وغیرہ وغیرہ۔

اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مگر ان میں سے بہت تھوڑے اور وہ اللہ تعالٰی کے مخصوص بندے جنھیں اللہ تعالٰی نے اپنے فضل و کرم سے معصوم بنایا یعنے انبیاء علیہم السلام۔

قَالَ اذْهَبْ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے شیطان! تو اپنے بُرے طریقے پر چل اور انھیں جیسے چاہے گمراہ کر لے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یہ ذہاب۔ مجیٔ کی نقیض نہیں بلکہ اس کا معنے یہ ہے کہ اے ابلیس! جس کا تجھے ارادہ ہے تو بے شک

پورا کرلے اور جس طرح تجھ سے ہوسکتا ہے تو اسے مجھ سے دور کرلے اور اسے نفس کی جملہ خواہشات کے باوجود اپنی طرف مائل کرلے یا یہ امر تہدیدًا اور اہانتہً ہے جیسے جو تمہارا کہنا نہیں مانتا، تم اسے کہتے جاؤ اور جو تیرا جی چاہے کرلے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ امر اہانت والعاد کا ہے یعنے شیطان کو اللہ تعالےٰ نے اپنی درگاہ کے قرب سے ہٹا کر فرمایا: جا تو اپنے مشن کے لئے جتنا جی چاہے زور لگالے۔

فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ پس وہ جو ان میں سے تیری تابعداری کرے گا۔

فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ تحقیق بےشک تمہاری جزا جہنم ہے۔ یہاں مخاطب کا صیغہ تغلیبًا ہے اور متبوعیۃ کے حق کی رعایت کی گئی ہے۔ مَوْفُوْرًا ۝ یہ وفر الشیٔ سے ہے بمعنے کمل یعنے تم مکمل جزا دیئے جاؤ گے۔ اس کا منصوب ہونا فعل مضمر کی وجہ سے ہے۔

ف: کاشفی نے اس کا معنے لکھا ہے کہ موفورا بمعنے جزاء تمام یعنے عذاب بر دوام۔

وَاسْتَفْزِزْ اور جلدی کر اور دوڑ۔ اسی سے ہے: استفزہ الغضب بمعنے استخفہ اور الاستفزاز بمعنے سبک کردن یعنے جلدی کرنا۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ استفز بمعنے استزل وحرك بمعنے یہاں سے ہٹ کر پوری دوڑ دھوپ کر۔

مَنِ اسْتَطَعْتَ اولاد آدم سے جسے تو گمراہ کرنا چاہتا ہے گمراہ کرلے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اولاد آدم میں سے جسے تو ڈگمگانا چاہتا ہے، ڈگمگا دے۔

بِصَوْتِكَ اپنی آواز یعنے وسوسہ کے شر اور گناہ کی طرف دعوت دینے سے۔

ف: ہر وہ جو اللہ تعالےٰ کی نافرمانی کی طرف بلائے وہ ابلیس کے گروہ اور اس کے لشکر میں داخل ہے۔

مسئلہ: امام زاہدی نے لکھا ہے کہ وہ آواز جو انسان کے منہ سے رضائے حق کے خلاف نکلے وہی ابلیس کی آواز ہے۔

مسئلہ: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ راگ و مزامیر ہی شیطان کی آوازیں ہیں۔ اس معنے پر فحش گانے بجانے والے ابلیس کا لشکر ہوں گے۔

حدیث شریف: میں فحش گانے بجانے والوں کے لئے سخت وعیدیں وارد ہوئیں ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ میں مزامیر کے توڑنے اور خنزیر کو قتل کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

ف: المزامیر: مزمار کی جمع ہے۔ وہ ایک آلہ ہے جسے گانا گانے کے وقت بجایا جاتا ہے۔

مسئلہ: اس سے گانے بجانے کے تمام آلات مُراد ہیں اور کسرسے حقیقی معنے مراد نہیں بلکہ اس سے مبالغہ مطلوب ہے۔

سوال: حدیث شریف میں مزامیر کی مذمت ہے حالانکہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت اشعری کی تلاوتِ قرآن مجید

کی آواز سن کر فرمایا کہ انھیں داؤد علیہ السلام کے مزامیر سے کچھ حصہ عطا ہوا ہے۔ اس سے مزامیر کا جواز ثابت ہوتا ہے؟
جواب: مزامیر داؤد علیہ السلام سے حقیقی مزامیر مراد نہیں بلکہ ان کی آواز کو مزامیر سے صرف تشبیہ دی گئی ہے اور وہ بھی بایں معنی کہ داؤد علیہ السلام کے حلق میں گویا مزامیر تھے۔

ف: حدیث شریف میں لفظ آل داؤد واقع ہوا ہے اس میں لفظ 'آل' زائد ہے۔ اس سے صرف داؤد علیہ السلام کی ذات مراد ہے۔ (کذا فی شرح الاربعین لابن کمال)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے ابلیس اولاد آدم علیہ السلام کو فلاسفہ کی تمویہات اور تشبیہات اہل الھواء و البدع اور خرافات دہریہ و طاعات اباحیہ سے جتنا تیرا جی چاہے گمراہ کر لے اسی طرح ان کے اور مناسب امور جو خلاف شرع ہیں انھیں مبتلا کر لے۔

تفسیر عالمانہ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ اور سواروں اور پیدلوں کو اپنی طرف کھینچ لے یعنے انھیں اپنے زمرہ میں ملالو جو تیرے معاون و مددگار رہیں اور تو ان پر وسوسہ وغیرہ ڈال کر اپنا تسلط جمالے۔

ف: الکواشی میں ہے کہ جلب اور اجلب ایک ہے بمعنے الحث والصیاح یعنے اے ابلیس اپنے اعوان وانصار کو جو ان میں سوار اور پیدل ہیں سب کو آواز دے کر اپنے پاس بلالے تاکہ فتنہ وفساد میں وہ تیرا ساتھ دیں۔

ف: الخیل الخیالۃ بتشدید الیاء بمعنے گھوڑ سوار اسی سے ہے۔

حدیث شریف:

یا خیل اللہ ارکبی — اے اللہ تعالیٰ کے گھوڑ سوارو! میری مدد کو پہنچو۔

اور الرجل بالسکون بمعنے 'الراجل' یعنے وہ شخص جس کی کوئی سواری نہ ہو کہ جس پر وہ سوار ہو جسے ہم پیدل کہتے ہیں۔

ف: حضرت ابن عباس وقتادہ ومجاہد رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ خیل و رجل انس وجن سے ہوتے ہیں۔ اس معنے پر ہر وہ جو معصیت حق میں سوار ہو کر جنگ میں شامل ہو وہ شیطان کا سوار ہے اور وہ جو معصیت حق میں پیدل ہو کر جنگ میں شمولیت کرے وہ شیطان کا پیدل مددگار ہے نیز اس کا یہ معنے بھی ہے کہ استفزازہ بخیلک ورجلک کو شیطان گمراہ کرنے پر مسلط ہونے سے تشبیہ دی گئی ہے گویا شیطان نے ایسے لوگوں کو اپنے پاس بلاکر گمراہ کرنے پر تسلط رکھتا ہے پھر وہ اپنے مراکز کو چھوڑ کر شیطان کے تابع فرمان ہو جاتے ہیں پھر جیسے ہی شیطان چاہتا ہے انھیں اپنے کام میں لگا سکتا ہے یہاں تک کہ وہ ان بیچاروں کی جڑ ہی کاٹ ڈالتا ہے۔

وَشَارِكْهُمْ اور انھیں شرکت دے۔ فِي الْاَمْوَالِ ان کے اموال میں یعنے اموال کے حاصل اور جمع کرنے میں برانگیختہ کرنے میں کہ وہ حرام طریقوں سے مال جمع کریں اور پھر غیر مشروع میں انھیں خرچ کریں مثلاً ریا کے طور پر اور فضول خرچی سے اور

زکوٰۃ کو روک کر وغیرہ وغیرہ۔ وَالْاَوْلَادِ اور اولاد کو حرام طریق سے حاصل کرنے میں۔ ایسے ہی انہیں زندہ درگور کرنا یا ان کے متعلق شرک کا ارتکاب کرنا مثلاً، ان کے عبدالعزیٰ و عبدالحارث و عبدالشمس و عبدالدار وغیرہ نام رکھنا۔ اسی طرح انہیں باطل ادیان میں داخل ہونے پر برانگیختہ کر کے گمراہ کرنا اور ان سے غلط اور غیر مشروع صنعتوں میں لگا دینا اور ان سے بُرے اعمال کرانا وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان کو عام اجازت دی گئی ہے کہ اولادِ آدم کو طلبِ دنیا اور اس کی حکومت کے حصول میں ان کی استعداد اور ان کے اوقات ضائع کرائے اور انہیں نفوس کی تہذیب و تزکیہ اور ان کی تادیب سے غافل کر دے اور نہ ہی انہیں صفاتِ مذمومہ سے بچنے کا موقعہ دے اور نہ ہی صفاتِ محمودہ سے موصوف ہونے دے اور نہ ہی فرائض و سنن اور علومِ دینیہ حاصل کرنے دے اور نہ ہی انہیں طلبِ آخرت اور درجاتِ علیا اور نجاتِ نار اور درکاتِ سفلی کا شوق پیدا کرنے دے۔

جماع میں شرکت حضرت امام جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جماع کے وقت شیطان مرد کے ذکر پر بیٹھتا ہے جب مرد اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو جونہی مرد جماع کرتا ہے تو شیطان بھی اس کا شریک رہتا ہے یہاں تک کہ جب مرد کو انزال ہوتا ہے تو شیطان بھی اپنی منی عورت کی فرج میں گرا دیتا ہے اسی طرح شیطان انسان کے اکثر امور میں شرکت کرتا ہے۔[1]

حدیث شریف حدیث شریف میں ہے کہ جب ابلیس زمین پر اترا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ! مجھے زمین پر رجیم بنا کر اتارا لیکن کم از کم کوئی میرا گھر تو ہوتا جس میں مَیں بسر اوقات کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حمام تیرا گھر ہے۔ پھر عرض کی کہ میرے لئے مجلس بھی مقرر فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بازار اور راستوں کے چوک تیری مجلسیں ہیں۔ پھر عرض کی کہ میرا طعام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب انسان طعام کھائے اور کھانے میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے تو اس میں شریک ہو جایا کر، وہی تمہارا کھانا ہے۔ پھر عرض کی کہ میرے پینے کی کیا شے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر نشہ والی اشیاء، تیرے پینے کی چیزیں ہیں۔ عرض کی کہ میرا مؤذن کون ہے؟۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمام مزامیر تیرے مؤذن ہیں۔ عرض کی کہ میرے لئے قرآن بھی ہو جسے میں پڑھتا رہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اشعار (قبیحہ) تیرا قرآن ہیں۔ عرض کی کہ میری مطالعہ کی کوئی کتاب بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ داغ لگانا، تیری کتاب ہے۔ عرض کی کہ

---

[1] :۔ اسی لئے حکم ہے کہ جماع کے وقت زن و شوہر یہ دعا پڑھتے ہیں۔

"جنب الشیطان و جنبا الشیطان عما رزقتنا"

ورنہ اولاد پر شیطان کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ مرگی اور ام الصبیان وغیرہ اسی وجہ سے ہوتے ہیں۔ (اویسی)

میری باتیں کیا ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جھوٹیں باتیں تیری ہی باتیں ہیں ۔ عرض کی میرے قاصد کون ہیں؟ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ تمام کاہن اور جادوگر وغیرہ تیرے قاصد ہیں۔ عرض کی میری شکار گاہیں کیا ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ عورتیں تیری شکار گاہیں ہیں۔ (کذا فی بحر العلوم للسمرقندی)

وَعِدْهُمْ اور انہیں مواعید باطلہ کا وعدہ دے مثلاً یہ بتادے کہ معبودانِ باطلہ بھی شفاعت کریں گے اور انہیں غلط فہمی میں مبتلا کرے کہ ان کے آباؤ اجداد بہت بڑی بزرگی کے مالک تھے اور انہیں توبہ سے ہٹادے اور بتائے کہ ابھی بہت وقت ہے اور دنیا میں کھا پی لے اور مزے لوٹ لے پھر کسی وقت توبہ کرلینا اور انہیں غلط خیالی میں ڈال دے کہ نہ بہشت ہے نہ دوزخ وغیرہ وغیرہ۔ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ یہ لام عہد کی ہے یا جنس کی۔ اور انہیں شیطان وعدہ نہیں دیتا۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

تم میں سے ایک کے ساتھ ایک شیطان ضرور ہوتا ہے۔

اِلَّا غُرُوْرًا ۝ مگر دھوکہ کا یعنے اسے ثواب دکھا کر گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔ غرور بمعنے خطا کو ایسے رنگ میں دکھانا کہ جس سے ثواب محسوس ہو۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ اوامر بطریق تہدید وارد ہیں جیسے اپنے نافرماں آدمیوں کو کہیں کہ جو چاہو کرتے رہو۔ بعض نے کہا کہ یہ اوامر خذلان وتخلیہ کے ہیں۔

اِنَّ عِبَادِیْ یہ اضافت تشریفی ہے۔ اس سے اللہ تعالےٰ کے مخلص بندے مراد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مخلصین کے متبعین ان میں شامل نہیں۔

ف : حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بندہ مخلص وہ ہے جو غیر کی قید وبند سے آزاد ہو۔

شیخ عطار رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا : ؎

چون تو در بند صد چیزی خدا بندہ چوں باشی
کہ تو در بند ہر چیزی کہ باشی کہ بندہ آئی

ترجمہ : جب تو سینکڑوں چیزوں کی قید وبند میں ہے پھر تو اللہ تعالےٰ کا بندہ کیسے ہو سکتا ہے اس لئے کہ تو ہر شے کی قید وبند میں ہو گیا ہے پھر اس کی بندگی سے تجھے کیا ملے گا۔

لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ تیرا ان پر کوئی تسلط نہیں اور نہ ہی تو انہیں گمراہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا:

انہ لیس لہ سلطان علی الذین اٰمنوا وعلی ربہم یتوکلون۔ — بے شک شیطان کا اہلِ ایمان اور اہلِ تقویٰ اور اپنے رب تعالےٰ پر توکل کرنے والوں پر کوئی تسلط نہیں۔

وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝ اور تیرا رب تعالےٰ ساز گار کافی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالےٰ پر توکل کرتے ہیں

اور اللہ تعالٰی سے استمداد کرتے ہیں اسی لئے اے ابلیس تو انہیں گمراہ نہیں کر سکے گا۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰے کے بندے کونین کی غلامی سے ہیں اور نہ ہی انھیں کونین کے تعلقات یادِ حق سے پھیر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی معاملہ میں شیطان کی تابعداری کرسکتے ہیں اور نہ ہی شیطان انھیں اپنے داؤ میں لاسکتا ہے نہ ہی شیطان انھیں گمراہ کرکے ماسویٰ اللہ کے اشغال میں مشغول رکھ سکتا ہے۔ وکفی بربک وکیلا۔ اس لئے کہ اللہ تعالٰے ان کا سازگار کافی ہے کیونکہ وہی سعادت کے اسباب ان کے لئے مرتب کرتا اور ان سے شقاوت کے اسباب دور فرماتا اور شیطان سے وہی ان کی حفاظت فرماتا ہے اور وہی انھیں اپنی طرف راہ دیتا ہے۔

ازالۂ وہم فقیر (حقی) کہتا ہے کہ ان پر شیطان کے عدم تسلط سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ انھیں اپنی شرارتوں کا نشانہ بھی نہیں بناتا بلکہ وہ اپنی شرارت کے لئے ہر طرح کی جدوجہد قائم رکھتا ہے۔ کما قال:۔

ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون

آیت میں لفظ اذا تحقیق و وقوع کے لئے آتا ہے لیکن وہ حضرات شیطان کی شرارتوں سے محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ انھیں تائید ایزدی حاصل ہوتی ہے۔

یہودی کا سوال اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جواب مروی ہے کہ ایک یہودی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہم اللہ تعالٰے کی عبادت حضورِ قلب سے کرتے ہیں ہمیں ذرہ بھر بھی شیطان کے وسوسوں کا خطرہ نہیں ہوتا اور ہم نے سنا ہے کہ آپ کے صحابہ نماز میں ہزاروں وسوسوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے فرمایا کہ یہودی کے سوال کا جواب دیجئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا: اے یہودی! تمھیں معلوم ہے کہ کسی جگہ پر دو گھر ہوں، ایک سونے چاندی، جواہر اور موتی اور یاقوت و مرجان سے پُر ہو اور اس میں نفیس اور قیمتی سامان موجود ہو اور دوسرا بالکل خالی، جس میں مذکورہ اشیاء کا نام و نشان تک نہ ہو۔ اب بتایئے! چور کس گھر میں آئے گا اس قیمتی اشیاء سے پُرشدہ میں یا خالی میں؟ یہودی نے کہا کہ چوری ان قیمتی اشیاء کی ہوگی اور وہ پُرشدہ گھر میں جائے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ ہمارے قلوب چونکہ توحید و معرفت و ایمان و یقین اور تقوٰے و احسان وغیرہا سے پُر ہیں اور تمھارے دل ان فضائل و کمالات سے خالی ہیں اسی لئے ابلیس خالی قلوب میں جا کر کیا کرے گا۔ یہودی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰے عنہ کی تقریر سن کر اسلام قبول کر لیا۔

سبق: اس سے یہ ثابت ہوا کہ شیطان مردود اولیاء اللہ کو بہکانے کی کوشش تو کرتا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوتا۔ اسی لئے ان کا محافظ و نگران خود اللہ تعالٰے ہے۔

رَبُّکُمُ تمھارا پروردگار، یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر الَّذِیْ ہے۔ یعنے وہ قادر حکیم ہے جو کہ یُزْجِیْ۔ الازجاء سے ہے بمعنے چلانا مثلاً، کہا جاتا ہے: زجاہ و ازجاہ بمعنے ساقہ، یعنے اسے چلایا۔ ویسوق یعنے یجری یعنی وہ

اللہ تعالٰی اپنی قدرتِ کاملہ سے چلاتا ہے ۔

لَكُمْ تمہارے منافع کے لئے الْفُلْكَ کشتیوں کو فِي الْبَحْرِ دریا میں۔

ف: القاموس میں ہے کہ البحر ہر وہ دریا جس کا پانی بہت ہو ۔

لِتَبْتَغُوا تاکہ تم طلب کرو۔ مِنْ فَضْلِهٖ اس کے فضل و کرم سے رزق کو۔ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ بے شک وہ ازلاً ابداً تمہارے لئے رَحِيْمًا ○ رحیم ہے۔ اس لئے کہ اس نے تمہارے لئے وہ اشیاء تیار فرمائیں جن کے تم محتاج ہو اور پھر ان کے حصول کے اسباب تمہارے لئے آسان فرماتے حالانکہ وہ اگر آسان نہ فرماتا تو ان کا حصول تمہارے لئے دشوار ہوتا اور الرحمۃ سے یہاں پر دنیوی اور جلد حاصل ہونے والی ہر چھوٹی بڑی نعمت مراد ہے ۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ اور جب تمہیں پہنچتی ہے ۔ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ دریا میں کوئی تکلیف مثلاً غرق ہو جانے کا خطرہ۔ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ جنھیں تم پکارتے رہے وہ تم سے دُور ہو گئے یعنے تمہارے دلوں سے ان کا خیال و تصور بھی ختم ہو گیا۔ اِلَّآ اِيَّاهُ پھر سوائے اللہ تعالٰی کے تم اور کسی کو نہیں پکارتے یعنے اس وقت صرف تمہیں اللہ تعالٰی کو ہی واحد لا شریک جانتے ہو اور سمجھتے ہو کہ اس وقت سوائے اس کے اور کوئی مشکل حل نہیں فرمائے گا ۔ اور یہ بھی ہے کہ یہ استثنا منقطع ہو۔ اب معنٰے یہ ہو گا کہ جن کو سمجھتے تھے کہ وہ تمہاری مدد کو پہنچیں گے اور تمہاری فریاد رسی کریں گے جیسے عیسٰے بن مریم اور ملائکہ کرام علیہم السلام وہ سب تم سے دور ہو گئے اب تمہاری مشکل کشائی کرنے والا اللہ تعالٰی ہی ہے جس کے متعلق تم بالآخر ماننے پر مجبور ہو کہ وہی مشکلات کے وقت کام آتا ہے ۔ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ پس جب کہ تمہیں اللہ تعالٰی غرق ہونے سے بچا کر اِلَى الْبَرِّ جنگلوں میں پہنچا دیتا ہے اَعْرَضْتُمْ تو تم توحید سے روگردانی کرتے اور بت پرستی میں لگ جاتے ہو پھر تمہیں اللہ تعالٰی کی نعمتیں بھول جاتی ہیں اور تم کفرانِ نعمت کرتے ہو۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ○ اور انسان بہت بڑا ناشکرا ہے ۔

نکتہ: وکنتم کفورا کے بجائے وکان الانسان کفورا لانے میں اشارہ ہے کہ انسان من حیث الانسان کفرانِ نعمت کرتا ہے۔

اَفَاَمِنْتُمْ- ہمزہ انکاری اور فاء عاطفہ ہے اس کا عطف فعل محذوف پر ہے ۔ اصل عبارت یوں تھی: انجوتم فامنتم کیا نجات پانے کے بعد بے خوف و خطر ہو گئے ہو۔ یہ کہ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اللہ تعالٰی تم کو جنگلوں کے کناروں میں دھنسا دے اگرچہ تم جنگلوں کو اپنی امن کی جگہ سمجھتے ہو لیکن اللہ تعالٰی قادر ہے کہ تمہیں یہاں بھی عذاب میں مبتلا کر دے جیسے قارون کو جیتے جی زمین میں دھنسا دیا ۔

ف: وبکم الخ محلاً منصوب حال ہے اور جانب البر مفعول بہ ہے یعنے اللہ تعالٰی جنگل کی طرف کو الٹا دے۔ درانحالیکہ تم اسی پر ہو اور یہ بھی ہے کہ با سببیہ ہو۔ اب معنے یہ ہو گا کہ جنگل کے کنارے کو تمہارے سبب سے بدل دے کہ تم اسی میں ہو۔

سعدی مفتی نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی جنگل کی اسی طرف کو الٹ دے جس پر تم ہو تاکہ اس کے دھنس جانے سے تم تباہ و برباد

ہو جاؤ۔ یہ اس لئے ہے کہ ان کی وجہ سے جنگل کے کنارے کے الٹنے سے ضروری نہیں کہ وہ تباہ و برباد ہو جائیں۔
کاشفی نے اس کا معنےٰ یوں کیا ہے کہ اے کافرو! کیا تم دریا سے نکل کر زمین پر پہنچنے سے اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بے خوف و خطر ہو گئے ہو، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ اللہ تعالےٰ قادر ہے کہ تمھیں جیتے جی زمین میں دھنسا دے اور تم تباہ و برباد ہو جاؤ۔
قاموس میں ہے کہ خسف المکان یخسف خسوفا بمعنے فلاں زمین میں دھنس گیا۔
اور کہا جاتا ہے :
خسف اللہ بفلان الارض بمعنے فلاں کو اللہ تعالےٰ نے زمین میں دھنسا دیا۔ یہ فعل لازم و متعدی ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔
اور التہذیب میں ہے کہ الخسف بمعنے کسی چیز کو زمین میں دھنسا دینا۔ اسی سے ہے فخسفنا بہ وبدارہ الارض۔
اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ یا بھیج دے تمھارے اوپر حَاصِبًا پتھراؤ یعنے ایسی ہوا چلاتے جو تم پر کنکریاں برسائے۔ جو تمھیں سنگسار کر کے تباہ و برباد کرے اور یہ عذاب دریا میں غرق ہونے سے سخت تر ہے۔ یا اس کا معنے یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ تمھارے اوپر پتھر برسائے جیسے قوم لوط اور اصحاب فیل پر برسائے گئے۔ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا پھر تم نہ پاؤ اپنے لئے کوئی کارساز جو عذاب الٰہی سے تمھاری حفاظت فرمائے یا تجھ سے یہ عذاب دور فرمادے اس لئے اللہ تعالیٰ کا امر غالب ہے اور اسے کوئی روکنے والا نہیں۔
اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ یا تم بے خوف و خطر ہو کہ تمھیں اللہ تعالےٰ دریا میں دوبارہ لوٹا دے اگرچہ تم سمجھتے ہو کہ اب تم دریا سے نکل کر جنگلوں میں صحیح و سالم پہنچ گئے ہو۔ تَارَةً باری۔ اُخْرٰى دوسری۔ وہ اس طرح اللہ تعالیٰ تمھارے لئے ایسے اسباب پیدا کر دے کہ جن سے تم دوبارہ کشتیوں پر سوار ہو کر دریائی سفر کے لئے مجبور ہو جاؤ۔ اس طرح جب تم کشتیوں پر سوار ہو تو وہ تمھیں دریا میں ڈبو دے۔
سوال ، لوٹانے کی نسبت اللہ تعالےٰ کی طرف کی گئی ہے حالانکہ ان کا لوٹنا اپنے اختیار سے ہوگا اسی لئے اس کا اسناد بندوں کی طرف ہونا زیادہ موزوں تھا؟
جواب : چونکہ ان کے لوٹنے کے اسباب کی تخلیق اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے اسی مناسبت سے اس کا اسناد اللہ تعالےٰ کی طرف کیا گیا ہے۔
ف : اس میں اشارہ ہے کہ انھیں دریائی سفر سے بہت سخت تکلیفیں پہنچیں اسی لئے اسے اعادہ سے تعبیر کیا گیا کہ اگر قدرتی طور پر لوٹائے نہ جائیں تو وہ از خود دریائی سفر کے نام لینے تک کے بھی روادار نہیں۔
سوال : یہاں پر لفظ الیٰ کو کیوں اختیار کیا گیا ہے حالانکہ عبارت کا تقاضا تھا کہ یہاں پر لفظ فی ہو؟
جواب : تاکہ اشارہ ہو کہ ان کا استقرار طبعی جنگلوں میں ہے چنانچہ ظاہر ہے۔

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ تو تمہارے اوپر بھی دراں حالیکہ تم دریا میں ہو۔ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ زوردار آندھی۔ قاصف الیسی آندھی کہ جہاں سے گزرے وہاں کی ہر شئے کو نہ صرف جڑسے کاٹ دے بلکہ اسے تہس نہس کردے۔

سوال : یہاں پر قاصفة کہنا چاہیئے تھا اس لئے کہ ریح مونث ہے۔

جواب : چونکہ اس کا بالمقابل مذکر نہیں اور قاعدہ ہے کہ جس صفت کا بالمقابل مذکر نہ ہو اسے مونث کے بجائے مذکر کے صیغہ میں لانا جائز ہے جیسے حائضۃ کے بجائے حائض عام مستعمل ہے۔ (کذا فی الکواشی)

فَيُغْرِقَكُمْ پھر تمہیں غرق کردے یعنے ایسی آندھی کہ جب تم پر آئے اور تمہیں چورہ چورہ کرکے دریا میں ڈبو دے جیسا کہ ریح، قاصف کا تقاضا ہے۔ بِمَا كَفَرْتُمْ بوجہ تمہارے کفر کے یعنے تمہارے شرک کرنے اور نجات پا جانے کی نعمت کے کفران کی وجہ سے۔ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ پھر تم نہ پاؤ اپنے لئے ہمارے اوپر اس غرق کرنے پر تَبِيْعًا ۝ کوئی پیچھا کرنے والا تاکہ تمہارے لئے ہم سے بدلہ لے یا تمہارے سے ہمارا عذاب ٹالے۔

ف : القاموس میں ہے کہ التبيع بروزن الامیر یعنے التابع اسی سے ہے۔ ثم لا تجدوا لكم علينا به تبيعا ثائرا وطالبا۔ حملہ اور طلب کرنے والا۔

تفسیر صوفیانہ

آیات میں مندرجہ ذیل اشارات ہیں :

① شریعت بحر حقیقت میں کشتی کی طرح ہے اس لئے کہ جس کے پاس شریعت کی کشتی نہ ہوگی وہ بحر حقیقت کو عبور نہیں کرسکتا۔ (لیکن ہمارے دور میں جو لوگ حقیقت و معرفت کے مدعی ہیں وہ الٹا شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ انھیں ہدایت دے[1])

اور انسان کا مقصود اعظم جذبہ عنایۃ الٰہی ہے اور یہ انسان کے بس سے باہر ہے اور نہ ہی اس کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ جذبہ عنایۃ الٰہی کو حاصل کرلے بلکہ یہ فضلِ الٰہی سے ہے جس پر چاہے فرما دے۔ اللہ تعالےٰ جسے اس جذبۂ عنایت سے نوازتا ہے اسے علم و عمل کے وافر حصہ سے نوازتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

رهرو راه طریقت این بود
کاو باحکام شریعت می رود

ترجمہ : سالک راہ طریقت کا یہی صاف راستہ ہے جو احکام شریعت کے مطابق براستہ طے کرتا ہے۔

② کفرانِ نعمت کرکے حق سے اعراض کرنے کا نتیجہ دائمی خسارہ اور نقصان ہے۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ۔

جو شخص ہزار برس متوجہ الی اللہ رہے لیکن ایک لحظہ حق سے روگردانی کرے تو اس کی ہزار برس کی حاصل کردہ نعمت ضائع ہو جاتی ہے بلکہ نقصان و خسران مزید براں ۔

زیارت مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم وقت کے شیخ کامل حضرت ابو عبد اللہ شیرازی رحمہ اللہ تعالےٰ کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور انھوں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو اللہ تعالےٰ تک پہنچنے کا راستہ معلوم کرکے چل پڑا لیکن چلتے چلتے واپس لوٹا تو اسے اللہ تعالےٰ ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ عالم دنیا میں اور کسی کو عذاب نہ ملا ہو گا ۔

درین راہ دائما ثابت قدم باش
برواز رہزن غم بے الم باش
ز بازار توجہ رو مگردان !
ہمہ سودے کہ خواہی اندرین دان

ترجمہ : اس راہ پر دائمی طور پر ثابت قدم رہ اور رہزن غم سے بے خوف ہو جا۔ لیکن توجہ کو یہاں سے نہ ہٹانا اس لئے کہ تمام منافع اس میں ہے ۔

(۳) یہ جمع جوانب اللہ تعالےٰ کی قدرت و قہر و سلطنت کے لئے برابر ہیں اور اس کے سوا کہیں پناہ نہیں اور نہ اس کے سوا اور کوئی کسی کو دکھ درد سے بچا سکتا ہے ۔ اسی لئے سالک پر لازم ہے کہ وہ ہر آن اور ہر لحظہ ہر جانب سے خوف الٰہی کو دل پر مسلط رکھے کیونکہ ہر آن ہر لحظہ، جمال و جلال الٰہی کے جلوے موجود ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرات جو اہل مشاہدہ اور حضوری ولی ہیں وہ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالےٰ کے محیط ہونے کے تصور میں رہتے ہیں اور انھیں یقین ہے کہ وہ مستغنی ذات ہے وہ جسے چاہے آنکھ جھپکنے سے پہلے تباہ و برباد کردے مثلاً نمرود کو ایک چھوٹے سے مچھر سے تباہ و برباد کر دیا اور اس کی قدرت نے مچھر سے شیر کا کام لیا اور یہ تو عام مشاہدہ ہے کہ بہت سے انسانوں کا لقمہ ابھی منہ میں ہوتا ہے کہ اسے نگلنے نہیں پاتے اور موت کا شکار ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ لقمہ جو انسانی زندگی کے زندہ رکھنے کا ایک سبب تھا لیکن وہ موت کا سبب بن گیا اور اس کی قدرت سے بعید نہیں کہ وہ حیات کے اسباب کو موت کے اسباب بنا دے اور غور سے دیکھو تو دنیا میں اللہ تعالےٰ کی شانیں مختلف طور طریق سے ظاہر ہوتی ہیں ۔

ہر کہ خواہد خدا آرد بچنگ
نیست کس را قوت بازوے جنگ

ترجمہ : جسے اللہ تعالےٰ اپنی گرفت میں لاتا ہے پھر کس کو طاقت ہے کہ وہ جنگ کے لئے دست دراز کر سکے ۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ الکرام والاکرام کا ایک معنے ہے اسی سے الکرامت ہے اب معنے یہ ہو گا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو برگزیدہ بنایا۔

مولانا السعود مفسر رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ تکریم اولاد آدم علیہ السلام کے ہر فرد کو شامل ہے وہ نیک ہو یا بد۔ مومن ہو یا کافر وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ ہم نے اسے اشتراک کی علیحدگی کی کرامت سے بنی آدم کو مخصوص فرمایا اور یہ کرامت دو قسم کی ہے:

(۱) جسمانیہ

(۲) روحانیہ

جسمانیہ کرامت عام ہے جو ہر مومن و کافر کو شامل ہے مثلاً انسانی ڈھانچہ کا اپنے دست قدرت سے چالیس روز گارا گوندھنا اور بلا واسطہ ماں کے پیٹ میں اس کا نقشۂ انسانی تیار فرمانا وہ اس لئے کہ انسان کو اللہ تعالےٰ نے صورت بخشی اور احسن ترین شکل بنائی اور اسے صحیح وسالم اور مکمل و کامل تیار فرمایا کہ چلے تو سیدھا ہو کر اور کسی شئے کو پکڑے تو دونوں ہاتھوں سے اور کھائے تو انگلیوں کی طاقت کو استعمال کر کے اور پھر اسے ڈاڑھی سے مزین فرمایا اور اس کے سر کی زلفیں تیار فرمائیں تو بہترین اسلوب کے ساتھ۔ اور کرامت روحانیہ بھی دو قسم کی ہے:

(۱) خاصہ

(۲) عامہ

اس عامہ کرامت میں مومن و کافر برابر ہیں وہ اس لئے کہ ان ہر ایک میں مخصوص روح پھونکی اور اسے کل اسماء سکھائے اور تخلیق سے پہلے میثاق میں الست بربکم کہہ کر ہمکلامی کا شرف بخشا اور اسے اپنے خطاب سے نوازا اور اسے اس وقت بولنے کی طاقت عطا فرمائی۔ چنانچہ میثاق میں انسان نے کہا تھا: بلیٰ اسی وقت انسان نے عبودیت کا معاہدہ کیا پھر اسے فطرت انسانی پر پیدا فرمایا اور اس کے لئے رُسل کرام بھیجے اور اپنی کتب اس کے لئے نازل فرمائیں اور اسے حضرت الٰہیہ کی دعوت دی اور اس کے ساتھ بہشت کا وعدہ فرمایا اور اسے جہنم سے ڈرایا۔ اس کے لئے اپنی آیات، دلالات، معجزات ظاہر فرمائے۔

کرامت روحانیہ خاصہ صرف انبیا علیہم السلام اور اولیاء کرام اور مخصوص بندوں کو بخشی مثلاً انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کو نبوت و رسالت سے اور اولیا کرام کو ولایت سے اور ایمان و اسلام سے اہلِ ایمان کو نوازا اور پھر ان جملہ حضرات کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشی اور صراطِ مستقیم سے صراط اللہ وسیر الی اللہ وفی اللہ و باللہ مراد ہے کہ ان حضرات نے مقامات حقیقت کو عبور فرمایا اور جذبات لاہوتیہ اور متخلق باخلاق الٰہیہ کی برکت سے ناسوتیہ سے عبور کر کے اور انانیت کو مٹا کر بقاء ہویت میں پہنچے۔

ف : حضرت امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آیت لہٰذا میں بنی آدم سے صرف اہل ایمان مراد ہیں کافر اس میں شامل نہیں، اس لئے کہ کافر کو نص صریح میں ذلیل وخوار کہا گیا۔ کما قال :

ومن یھن اللہ فمالہ من مکرم

اس معنے پر کافر کو تکریم کا کوئی حصہ بھی نصیب نہیں ہے۔ اور اہلِ ایمان کی تکریم کا معنٰے یہ ہے کہ ان کے ظاہر کو اللہ تعالےٰ نے توفیق ومجاہدات سے آراستہ اور ان کے باطن کو تحقیق ومشاہدات سے منور فرمایا ہے۔

ولی اللہ کی شان آسمانوں میں

بحر العلوم میں ہے کہ ہمارے نزدیک بظاہر آیت کا معنٰے یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو اللہ تعالےٰ نے ایمان اور عمل صالح سے برگزیدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

ان المومن یعرف فی السماء کما یعرف الرجل اھلہ وولدہ وانہ اکرم علی اللہ من ملك مقرب[1]

مومن آسمان میں ایسے مشہور ہے جیسے انسان اپنے گھر میں گھر والوں میں معروف ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ملک مقرب سے زیادہ برگزیدہ ہے۔

ساری کائنات حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی طفیلی ہے

حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو صرف اسی لئے اعزاز واکرام سے نوازا کہ ان میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا ؎

(۱) اے شرف دادہٗ آدم بتو
روشنیٔ دیدہٗ عالم بتو

(۲) کیست دریں خانہ کہ خیل تو نیست
کیست بریں خوان کہ طفیل تو نیست

(۳) از تو صلائے بالست آمدہ
نیست بمہمانی ہست آمدہ

ترجمہ : (۱) آدم علیہ السلام کے خاندان کا شرف آپ سے ہے عالم کائنات کی روشنی آپ سے ہے۔
(۲) وہ کون ہے جو اس دنیا میں آپ کا حلقہ بگوش نہ ہوا ہو۔
(۳) آپ ہی سے اَلست کی آواز آئی جسے بھی وجود نصیب ہوا اسے لازماً آپ کی مہمانی سے حصہ لینا ضروری ہوا۔

---

[1] روح البیان جلد ۵، صفحہ ۱۸۵، جدید

وَحَمَلْنٰهُمْ اور ہم نے انھیں اٹھایا یعنے سوار کیا۔ فِی الْبَرِّ جنگلوں میں یعنے جانوروں کی سواریوں سے نوازا۔ وَالْبَحْرِ اور دریاؤں میں کشتیوں کے ذریعے۔ یہ حملتہ سے ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کوئی کسی کے لئے سواری کا انتظام کرے اور مخلوق میں کوئی ایسا نہیں جو ہر ایک پر ایسا احسان فرماتے۔

فائدہ صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ ہم نے اپنے بندوں کو جسمانیۃ کے جنگلوں اور روحانیۃ کے دریاؤں سے عبور کرکے انھیں ساحل ربانیہ تک پہنچایا۔

ف : حقائق سلمی میں ہے کہ ہم نے بنی آدم کو معرفت و توحید سے برگزیدہ بنایا اور انھیں نفس کے جنگل اور قلب کے دریا کی سواریاں دیں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بَر سے صفات ظاہرہ اور بحر سے ذات کے پوشیدہ حقائق مُراد ہیں۔

وَرَزَقْنٰهُمْ اور ہم نے انھیں رزق بخشا۔ مِنَ الطَّيِّبٰتِ پاکیزہ چیزوں سے یعنے مختلف اور لذیذ نعمتوں سے جو تمھاری صنعت سے حاصل ہوتی ہیں اور بعض ایسی نعمتیں ہیں جن میں تمھاری صنعت کو کوئی دخل نہیں ہے جیسے گھی، مکھن اور کھجور و شہد، ایسے ہی ان کی طرح دیگر میٹھی چیزیں۔

فائدہ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان سے اللہ تعالے کے وہ عطیات مراد ہیں جو حدوث کی آلائش سے پاک ہیں انھیں وہ کھاتا پیتا ہے جو اللہ تعالے کے ہاں گذارتا ہے یہی مشاہدات کے طعام اور مکاشفات کی پینے کی چیزیں ہیں جن سے ملائکہ مقربین کو ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ اللہ تعالے نے اپنے خصیص ترین بندوں کو معرفت کے برتنوں میں مشاہدات کے طعام کھلائے اور محبت کے پیالوں میں مکاشفات کی شربت پلائی اور یہ مشاہدات و مکاشفات صرف اپنے انھی بندوں سے مخصوص فرمائے اسی وجہ سے ملائکہ مقربین کو ان کے سجدے کا حکم فرمایا۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ملائکہ را چہ سود از حسن طاعت
چوں فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ : حُسن طاعت سے ملائکہ کو کیا فائدہ جب کہ اللہ تعالے نے عشق کا فیض آدم کو عطا فرمایا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

فرشتہ عشق نداند کہ چیست قصہ مخوان
بخواہ جام گلابے بخاک ریز

ترجمہ : فرشتے کو عشق کا کیا پتہ اور اس کے سامنے عشق کا قصہ مت چھیڑ۔ عشق کے پیالے میں گلاب کا پانی ملا کر مٹی پر گرا دے یعنے آدم علیہ السلام کو عشق کی دولت سے نوازا گیا اور ملائکہ اس دولت سے ناآشنا رہے۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ اور ہم نے انہیں علوم وادراکات میں فضیلت بخشی مثلاً انھیں قوائے مدرکہ سے مرکب کیا جن کی وجہ سے یہ حق و باطل اور حسن و قبح کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا بہت سی مخلوقات پر سوائے ملائکہ کرام علیہم السلام کے ہم آدم و بنو آدم کو فضیلت بخشی ہے۔ تَفْضِيْلًا ۝ بہت بڑی فضیلت۔ اس معنے پر بنو آدم پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں اور کفرانِ نعمت سے دور ہوں اور اپنے قوائے مدرکہ کو عقائدِ حقہ میں استعمال کریں اور باطل عقائد جیسے کفر و شرک وغیرہ کو اپنے سے دور کریں اور ایسے گندے عقائد کو ادنیٰ عقل کو تمیز عطا ہوتی ہے۔

مسئلہ بنو آدم کی فضیلت ماسویٰ ملأ الاعلیٰ کے لئے ہے اس لئے کہ وہ عقول محضہ ہیں اور انھیں جنس ملائکہ سے اس لئے مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ ان کے علوم دائمی اور وہ خطا و خلل سے خالی ہیں۔

مسئلہ: اس سے وہ افضلیت ثابت نہیں ہوتی جو متنازع فیہ ہے اس لئے کہ یہاں مطلقاً وہ فضیلت مراد ہے جو جمیع افرادِ بشر میں مشترک ہے جس میں ہر نیک اور ہر بُرا شامل ہے۔ اور یہی فضیلت عظم درجہ و زیادہ قربت عند اللہ کا موجب نہیں ہوتی۔ (کذا فی الارشاد)

مسئلہ بحر العلوم میں ہے کہ آیت سے معلوم ہوا کہ بنی آدم کو بہت سی مخلوق پر افضل بنایا گیا لیکن بہت تھوڑے ہیں جن کو ان سے افضل بنایا گیا ہو ان میں ان کے ماں باپ یعنے آدم و حوا علیٰ نبینا علیہما السلام اس لئے کہ انھیں بحیثیت اصالۃ کے تمام اولاد پر فضیلت ہے۔

تردید معتزلہ معتزلہ کا خیال ہے نیز اسی طرح کلبی اور ابو بکر باقلانی کا گمان ہے کہ علی الاطلاق ملائکہ، آدم اور بنو آدم سے افضل ہیں حالانکہ ان کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ یہ عقیدہ سجود ملائکہ کے منافی ہے کیونکہ جب آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے سجدہ کیا تو لازماً آدم علیہ السلام ملائکہ سے افضل ٹھہرتے ہیں کیونکہ ادنیٰ اعلیٰ کو سجدہ کرتا ہے نہ کہ اعلیٰ ادنیٰ کو۔ نیز اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کے لئے فرمایا ہے:

وعلم آدم الاسماء کلھا

ان دونوں دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام ملائکہ سے افضل ہیں کیونکہ ملائکہ کو سجدہ کا حکم دے کر اللہ تعالےٰ نے واضح فرمایا کہ سجدہ گذاروں سے مسجود افضل ہے اور پھر آدم علیہ السلام کا علمی حیثیت سے ان کے مسجود ہونے کا استحقاق ظاہر فرمایا۔

اس دعوےٰ کی تیسری دلیل یہ آیت ہے:

ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین۔

العالمین میں ملائکہ بھی شامل ہے۔ اس سے ان کے غلط عقیدہ کی واضح تردید ہے جب کہ انھوں نے کہہ دیا کہ ملائکہ علے الاطلاق بشر سے افضل ہیں۔ چوتھی دلیل بھی ہمارے دعویٰ کو ثابت کرتی ہے وہ یہ کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالےٰ نے مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت بخشی ہے۔

سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی پر فرشتے کو سزا

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں شبِ معراج ساتویں آسمان پر پہنچا تو مجھے ایک (نوری) فرشتہ ملا جو نور کے تخت پر رونق افروز تھا میں نے اسے السلام علیکم کہا تو اس نے مجھے سلام کا جواب دیا (لیکن تعظیم وتکریم کے لئے نہ اٹھا) اللہ تعالٰے نے اس کے ہاں پیغام بھیجا کہ میرے محبوب نبی اور پیارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو السلام علیکم کہا اور تُو نے ان کی تعظیم وتکریم نہیں کی اور نہ ہی تو نے ان کا استقبال کیا۔ اس لئے تجھے سزا دی جاتی ہے کہ تو قیامت تک کھڑا رہ اور تجھے تا قیامت بیٹھنے کی اجازت نہیں۔

[اس سے وہابیہ دیوبندیہ، نجدیہ اپنے نظریہ پر نظرِ ثانی کریں جب کہ وہ بزرگانِ دین کے لئے اٹھنے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں تو قیامِ تعظیمی کے ترک پر نوری فرشتے کو سخت سزا میں مبتلا کیا گیا ہے۔[1]]

مسئلہ:۔ الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ اہلِ حق کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ملائکہ سے افضل ہیں۔

مسئلہ: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس فضیلت کے متعلق علماء کرام کا بہت زیادہ اختلاف ہے۔ جمہور اہلِ سنت کا مذہب ہے کہ رسل البشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ اولیائے بنی آدم سے افضل ہیں۔[2]

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ وفضلناھم علٰے کثیر ممن خلق تفضیلا۔ میں مِمن خلق سے ملائکہ کرام مراد ہیں اسی لئے کہ وہ اللہ تعالٰے کی دوسری مخلوق سے زیادہ ہیں اور انسانِ کامل ملائکہ سے افضل ہے اس لئے کہ وہ احسن تقویم کا مالک ہے اور احسن تقویم سے بلا واسطہ نور الٰہی کے فیض کو قبول کرنے کی حُسنِ استعداد مراد ہے اور یہ دولت صرف اور صرف انسان کو نصیب ہوئی ہے۔ کما قال تعالٰے:۔

انا عرضنا الامانۃ ــــ الی قولہ:۔

وحملھا الانسان اور امانت سے نورِ الٰہی مراد ہے۔ کما صرحہ تعالٰے:۔

اللہ نور السموات والارض۔

الی ان قال:

نور علٰی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء۔

---

[1] :۔ اضافہ از فقیر اویسی غفرلہٗ

[2] :۔ ہمارے دور ۷۲/۱۳۷۳ھ میں ایک اور اختلاف رونما ہوا وہ یہ کہ جو رسل ملائکہ کو اولیائے بنی آدم مثلاً صدیق اکبر و عمر رضی اللہ عنہما وغیرہما سے افضل نہ مانے تو وہ کافر ہے یا نہیں؟ جمہور اہلسنت نے کہا کہ اس عقیدہ کا منکر کافر ہے اور بعض بزرگوں نے لکھا کہ ایسے عقیدے کا منکر کافر نہیں۔ اس موضوع پر طرفین نے متعدد رسائل لکھے گئے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ (اویسی)

اسے اچھی طرح سمجھ لے اور میری تقریر کو کبریت احمر سے عزیز تر سمجھو بلکہ یہ عنقا رسے بھی نایاب ہے ۔
ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ یہ آیت انسان کی فضیلت اور اس کی جامعیت پر دلالت کرتی ہے اور واضح کرتی ہے کہ بہ نسبت دوسری مخلوق کے انسان کا آئینہ از برائے انعکاسی صفات الٰہی ہمہ اوست میں صاف تر ہے ۔ چنانچہ مندرجہ ذیل اشعار سے اس حقیقت کو سمجھئے ۔

آمد آئینہ جملہ کون ولی
ہیچ آئینہ نکردہ جلی
بہ نمودند بوجہ کمال
صورت ذو الجلال والافضال

زانکہ بود این تفرق عددے
مانع از سر جامع واحدی
گشت آدم جلائے این مرآت
شد عیاں ذات او بجملہ صفات
مظہرے گشت کلی وجامع
سر ذات از صفات از لامع

شد تفاصیل کون را مجمل
بر مثال تعین اوّل
بوئے این دائرہ مکمل شد
آخر این نقطہ عین اول شد

ترجمہ : تمام کائنات کا آئینہ ولی اللہ ہے اور اس جیسا آئینہ اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہی نہیں ۔ اسی میں بدرجہ کمال ہر شئے کو ظاہر فرمایا بلکہ ذوالجلال والافضال کی صورت بھی اس سے نظر آتی ہے صرف بات اتنی ہے کہ تفرق عددی سرجامع واحدی سے مانع ہے آدم ہی اس کا جلا اور روشنی بنا ہے کہ اسی سے ہی ذات وجملہ صفات ظاہر ہوئیں ۔ آدم کلی طور پر اور جامع طریق سے مظہر بنا ہے ۔ اسی سے تو ذات وصفات کے اسرار چمکے ہیں ۔ یوں کہئے ! کہ یہی تفاصیل کل کا اجمال ہے اور تعین اوّل یہی ہے اسی سے ہی دائرہ ذات وصفات مکمل ہوا ہے بعینہٖ اوّل وآخر کا نقطہ یہی ہے ۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا
يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ وَاِنْ
كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝
وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ
وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ
لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

ترجمہ: جس دن تمام انسانوں کو ہم ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے سو جو اپنا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں پائیں گے تو یہ لوگ اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے اور تاگے برابر بھی ان کا نقصان نہ کیا جائے گا۔ اور جو اس دنیا میں اندھا ہوگا وہ آخرت میں بھی اندھا اور زیادہ گمراہ ہوگا۔ اور قریب تھا کہ وہ آپ کو لغزش دیتے ہماری وحی سے جو ہم نے آپ کو بھیجی تاکہ آپ ہماری طرف اس کے سوا غلط بات منسوب کریں اور اس وقت وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو قریب تھا کہ آپ اس کی طرف تھوڑا سا جھکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو زندگی اور موت میں دوہرا عذاب چکھاتے پھر تم ہمارے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔ اور بیشک قریب تھا کہ یہ لوگ تمھیں زمین سے ڈگمگا دیں کہ تمھیں یہاں سے باہر کر دیں اور ایسا ہوتا تو وہ تمہارے پیچھے نہ ٹھہرتے مگر تھوڑا۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَ نَدْعُوْا۔ اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب اور مفعول بہ ہے۔ كُلَّ اُنَاسٍ اس دن کو یاد کرو کہ تمام گروہ از بنی آدم اناس، الناس کی جمع ہے۔ (کذا فی القاموس)

بِاِمَامِهِمْ اپنے اس مقتدا کے ساتھ ہوگا جس کی اس نے اقتدار کی ہوگی۔ یہاں پر امام سے ہر امت کا نبی مراد ہے مثلاً، کہا جائے گا یا امت موسیٰ و یا امت عیسیٰ وغیرہ یا مقتدار دینی مراد ہے مثلاً، کہا جائے گا یا حنفی یا شافعی وغیرہ یا اس سے کتاب آسمانی مراد ہے مثلاً، کہا جائے گا: یا اھل القرآن، یا اھل الانجیل یا اس سے دین مراد ہے مثلاً، کہا جائیگا یا مسلم، یا یہودی، یا نصرانی اور یا مجوسی وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قیامت میں ہر شخص اس گروہ سے اٹھایا جائے گا جس کی اس نے اتباع کی ہوگی مثلاً، دنیا میں جو لوگ دنیا اور اس کے شہوات اور اس کی زینت میں مشغول رہیں گے انھیں کہا جائے گا: یا اھل الدنیا۔ اور جو لوگ آخرت اور اس کی نعمتوں اور اس کے درجات کے لئے

کوشاں رہیں گے انہیں پکارا جائے گا، یااھل الاخرۃ۔ اور جو لوگ رسول اللہ علیہ وسلم کی اتباع اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب کے لئے کی ہوگی تو انہیں پکارا جائے گا؛ یااھل اللہ۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں پر امام۔ ام کی جمع ہے جیسے خف کی جمع خفاف بروزن فعال آتا ہے اور قیامت میں ماں سے منسوب ہوکر پکارے جائیں گے۔ اس سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کا اجلال و اکرام مطلوب ہے کیونکہ ان کی نسبت ماں کی طرف ہوتی ہے اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو ماں کی طرف منسوب کرنے میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا اجلال و اکرام مقصود ہے کیونکہ ان کے ماسوا باقی تمام لوگوں کو آباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ قیامت میں اولاد الزنیٰ کی پردہ پوشی ہو، اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے بی بی عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یدعوا الناس یوم القیامۃ بامھاتھم ستراً منہ علےٰ عبادہٖ۔	بے شک اللہ تعالےٰ قیامت میں لوگوں کو ماں سے منسوب کرکے بلائے گا تاکہ اپنے بندوں کے عیوب کی ستاری ہو۔

(کذا فی بحر العلوم)

دوسری حدیث شریف جو تلقین کے متعلق وارد ہے، سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضور سرورِ کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارا کوئی مسلم بھائی فوت ہو تو اس پر مٹی ڈالنے کے بعد یعنے قبر کو مکمل کرنے کے بعد اس کی قبر کے سرہانے بیٹھ کر کہے:

"یا فلان بن فلانۃ"

- قبر میں میّت اس کی آواز کو سنتی ہے[1] لیکن اسے جواب نہیں دیتی۔

اس کے بعد کہے:

"یا فلان بن فلانۃ"

وہ شخص یہ آواز سن کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد تیسری بار کہے:

"یا فلان بن فلانۃ"

یہ سن کر میّت کہتی ہے کہ اے بھائی! اللہ تعالےٰ تمہیں راہ ہدایت بخشے اور تم پر اللہ تعالےٰ رحم فرمائے۔ میّت کے اس جواب کو تم نہیں سمجھتے اس کے بعد کہے: اے قبر والے بھائی! تم کلمہ "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ" کو یاد کرو جسے تم دنیا میں پڑھا کرتے تھے اور یاد کرو تم اللہ تعالےٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے، قرآن کے کتاب ہونے اور کعبہ کے قبلہ ہونے پر راضی تھے۔ اب تمہارے ہاں منکر نکیر

---

[1] اس سے وہابیوں نجدیوں کا رد ہے جو کہ وہ سماع موتیٰ کے منکر ہیں ۱۲۔ (اویسی)

آئیں گے وہ ایک دوسرے کو کہتے ہیں اٹھو چلئے اب یہاں کیسے بیٹھیں جب کہ اسے باہر سے ہمارے سوال کے جواب سکھائے جارہے ہیں یہی تلقین منکر نکیر کے سوالات سے حائل ہوجاتی ہے لے ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ! (صلے اللہ علیہ وسلم) جس میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو تو پھر کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ماں کے نام پر اماں حوا کا نام لینا چاہیے۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی رحمۃ اللہ تعالے) اور اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ صحیح لکھا ہے۔ (وکذا فی التذکرہ للامام القرطبی)

مسئلہ: اس حدیث شریف سے دو مسئلے ثابت ہوئے:

(۱) تلقین کھڑے ہو کر کرنا مستحب ہے۔

(۲) انسان کو مرنے کے بعد باپ کی بجائے ماں سے منسوب کرکے پکارا جاتا ہے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ اپنے نام اچھے رکھا کرو اس لئے کہ قیامت میں تمہارے اور تمہارے آباء کے اسماء سے تمہیں پکارا جائے گا۔ یہ حدیث تمہارے مذکورہ بالا بیان کے خلاف ہے؟

جواب: دراصل اس حدیث شریف میں صرف اچھے نام رکھنے کی ترغیب ہے اور ترغیبات میں ایسے بیانات واقع ہوتے ہیں۔ اسی لئے اسے بیان سابق کے منافی نہیں کہا جاسکتا۔ اور زمانۂ جاہلیت میں بہت بڑے گندے اور قبیح نام رکھے جاتے مثلاً کسی کا نام المضطجع اور کسی کا نام اصرم اور کسی کا نام عاصیہ ہوتا وغیرہ! ورحضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایسے اسماء قبیحہ کو اچھے نام سے تبدیل فرمادیتے تھے مثلاً، اصرم جو کہ صَرمٌ سے مشتق ہے بمعنے القطع کو زرعۃ سے تبدیل کیا اور "زرعۃ" بالضم والسکون کھیتی کے ایک حصہ کو کہا جاتا ہے گویا الصرم کو سمجھایا کہ تو مقطوع نہیں بلکہ منبت اور متصل بالاصل ہے۔ اور المضطجع کو المنبث سے اور عاصیہ کو جمیلہ سے تبدیل فرمایا۔

فَمَنۡ اُوۡتِیَ ان پکارے ہوئے لوگوں میں سے جسے دیا جائے کِتٰبَہٗ اس کا اعمال نامہ۔ بِیَمِیۡنِہٖ دائیں ہاتھ میں اس سے سعادت مند لوگ مراد ہیں اور دائیں ہاتھ سے اس کی جانب مراد ہے کہ اس طرح اس کی شرافت اور اسے بشارت دینا مطلوب ہے۔ فَاُولٰٓئِکَ یہ جمع لفظ مَنۡ کی وجہ سے ہے وہ معنیً جمع ہے۔ یَقۡرَءُوۡنَ کِتٰبَہُمۡ پس وہ لوگ اعمالنامے پڑھیں گے۔ اس سے ان کی قرأۃ ظاہرہ مراد ہے اس لئے کہ وہ اپنے اعمال نامے پڑھ کر خوش ہوں گے، اور اپنی نیکیوں سے منافع حاصل کریں گے۔

سوال: اشقیاء کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی تو اپنے اعمال نامے پڑھیں گے؟

جواب: وہ پڑھ کر بولیں گے نہیں، بوجہ خوف وحیاء اور ان کے لئے نیکیاں بھی نہیں ہوں گی جن سے وہ منافع حاصل کریں اسی بنا پر ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

لے: ہم اہلسنت اس تلقین کو "اذان قبر" سے موسوم کرتے ہیں ۱۲۔ (اویسی)

وَ لَا يُظْلَمُوْنَ اور ان کے اعمال نامے پر لکھے ہوئے اعمال صالحہ کی جزا ر گھٹائی نہیں جائے گی بلکہ ان میں اضافہ کیا جائے گا۔ فَتِيْلًا ○ فتیل کی مقدار میں الفتیل ہر وہ جو دو انگلیوں کے درمیان میل کچیل جیسی شے مُراد ہے اور وہ چھلکا مُراد ہے جو کھجور کی گٹھلی کے درمیان واقع ہوتا ہے یا اس سے مطلق معمولی شے مراد ہے۔ کیونکہ اہلِ عرب قلت وحقارت کے وقت لفظ فتیل بولتے ہیں۔

وَمَنْ كَانَ اور ان بلائے ہوئے لوگوں میں سے جو ہو گا۔ فِیْ هٰذِهٖۤ اسی دنیا میں اَعْمٰى اس سے قلب کا اندھا مراد ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اس کا دِل راہ صواب نہیں دیکھتا تھا۔ فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى پس وہ آخرت میں اندھا ہو گا یعنے اسے راہ نجات نصیب نہ ہو گا اور یہ ظاہر ہے کہ جسے راہ ہدایت نصیب نہ ہو گی اسے نجات کب نصیب ہو سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ کافر کو قیامت میں بہشت کا راستہ نہ ملے گا اور نہ ہی عاصی کو مطیع کا مرتبہ ملے گا بلکہ وہ ایسے مقامات پر پہنچنے سے قاصر ہے۔ وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا ○ اور وہ دنیوی نابینا کی بہ نسبت راہ نہ پانے سے بھی زیادہ گمراہ ہو گا اس لئے کہ اس کی استعداد زائل ہو جائے گی اور اسباب و آلات بھی مفقود ہو جائیں گے اور نہ ہی اس کو اس کے حصول کی مہلت نصیب ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فمن اوتی کتابہ سے اہل سعادت مراد ہیں جنھیں قرآن مجید نے اصحاب الیمین سے موسوم کیا ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ السابقین یعنے اہلِ اللہ کو کتاب عمل نامے کی ضرورت نہ ہو گی اور نہ ہی ان سے حساب لیا جائے گا۔ فاولئك يقرءون كتابهم پس وہ لوگ اپنی کتاب پڑھیں گے اس لئے کہ یہی اصحابِ بصیرت وارباب قرآت و درایت ہیں۔ ولا یظلمون فتیلا۔ اور ان لوگوں پر اعمال صالحہ کی جزا دینے پر بال برابر بھی ظلم نہ ہو گا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اصحاب الشمال ہی شقاوت والے ہیں اور یہ اعمال نامہ کی کتاب نہیں پڑھیں گے کیونکہ یہی اصحاب العمی والجہالۃ ہیں۔

ومن کان فی ھذہ اعمی اور جو شخص دنیا میں اس قرآت و درایت بالبصیرت سے اندھا رہا اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

فانہا لا تعمی الابصار۔

فھو فی الاخرۃ اعمی تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اس لئے کہ اس دن راز کھل جائے گا اور اس وقت تمام پوشیدہ باتیں سامنے آجائیں گی۔ آج دنیا میں جس کا دل اللہ تعالےٰ کی معرفت سے اندھا ہو گا وہ قیامت میں بھی رویۂ حق سے محروم رہے گا اور اس دنیا میں ظاہری آنکھیں ختم ہو جائیں تو ان کی صحت وتندرستی ممکن ہے لیکن قیامت میں پہنچنے کے بعد ایسے تدارک ہاتھ سے نکل جائیں گے اسی لئے جو یہاں باطنی آنکھوں سے نابینا رہا تو مرنے کے بعد بھی محروم رہے گا۔

واضل سبیلا - اور وہی بہت زیادہ گمراہ ہے یعنے وہ واصل باللہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس کی استعداد ختم ہو چکی ہوگی اسی لئے اس کی استعداد کے فساد کا تدارک نہیں ہوسکے گا۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ اگر کوئی سوال کرے کہ کیا ظاہری موت کے بعد کسی کو ترقی فی المعرفۃ اور سلوک کی بیداری نصیب ہوسکتی ہے۔

سالک صادق فی طلبہ جب اپنے مقام طبیعت اور نفس سے سفر کرتا ہوا موت کا شکار ہوا یعنے اختیاری موت کے مرتبہ تک پہنچنے سے پہلے ہی موت اضطراری مرا تو اسے واصلین میں شامل کر لیا جائے گا چنانچہ آیتِ ذیل میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

ومن یخرج من بیتہ مہاجرا الی اللہ ورسولہ ثم یدرکۃ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ۔

ف : اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو سالک تکمیل سے پہلے مر گیا تو اسے موت کے بعد بھی منزل مقصود تک پہنچایا جاتا ہے چنانچہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ جو شخص کعبۃ اللہ کو جاتے ہوئے مر جائے تو اس کے لئے دو حجوں کا ثواب ملتا ہے۔ اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت میں ہے کہ وہ جو چاہے کرے اسی معنے پر اگر وہ چاہے کہ تو عالم برزخ میں بھی کسی غیر مکمل سالک کو کسی کامل کی روح سے تکمیل کرا دے یا براہ راست بلا واسطہ کے اس کی تکمیل فرمائی تاکہ اس کا نقصان موہوم کمال معلوم سے بدل جائے۔

قبر میں قرآن کی تعلیم شرع میں ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بعض بندوں کی ادھوری تعلیم قرآن کی تکمیل کے لئے اس کی قبر میں ایک فرشتہ بھیجتا ہے تاکہ اسے قرآن مجید پڑھا کر اس کی تعلیم کی تکمیل فرمائے۔ یہ بعض اُن بندوں کے متعلق ہے جو تحصیل علوم عربیہ کے دوران فوت ہو جائیں۔ اس سے بھی ہمارے دعوےٰ مذکورہ کی تائید ہوتی ہے۔

ف : مرنے کے بعد غیر سالک کو کسی قسم کی ترقی الی المعرفۃ الحق نصیب نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ قاعدہ شریعت میں مسلم ہے اور اس کی عقلاً و کشفاً بھی تائید ہوتی ہے کہ جسے اس عالم دنیا میں کسی قسم کا کمال نہیں ملا اور نہ ہی وہ اس کے حصول کے درپے تھا تو اسے مرنے کے بعد کسی قسم کی ترقی نصیب نہیں ہوتی۔ (کذا فی الفکوک)

نیز اسی میں ہے کہ اس کی واضح دلیل یہ آیت ہے :

ومن کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ ۔

یاد رہے کہ اس کا حکم عام نہیں بلکہ یہ صرف اس بدبخت کے لئے ہے جس نے دنیا میں معرفتِ الٰہی سے منہ موڑا۔ ورنہ قیامت میں عوام سے حجابات دُور کئے جائیں گے۔ جن کی وجہ سے دار آخرت میں سب کچھ دیکھے گا یہاں تک کہ دار آخرت کی نعمتیں اور جہنم کا عذاب اور ان کے جملہ حالات آنکھوں سے مشاہدہ کرے گا اگرچہ دنیا میں عوام کو یہ امور حاصل نہیں تھے لیکن آخرت میں

حاصل ہو جائیں گے ۔

سوال : تمھاری تقریر مذکور حدیث " اذا مات ابن آدم انقطع عملہ " جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں" کے منافی ہے ۔

جواب : واقعی انسان کے وہ امور جن کے حصول کا تعلق اعمال سے تھا وہ تو منقطع ہو جاتے ہیں لیکن جن کا حصول محض فضلِ الٰہی اور رحمتِ حق سے متعلق ہے تو ان کا حصول منقطع نہیں ہوتا اور نہ اسے انقطاع کے دائرہ میں داخل کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ وہ اس کا فضل وکرم بہت سے بندوں کو مرنے کے بعد شاملِ حال ہوا اور ہمارا دعوےٰ یعنی مراتب ترقی کا حصول بھی اسی میں داخل ہے یعنے مراتب ترقی مرنے کے بعد محض فضل ربّانی اور لطفِ رحمانی سے نصیب ہوتے ہیں۔ (کذا فی شرح الفصوص للمولیٰ جامی قدس سرہٗ)

ف : یہی تقریر " ولیس للانسان الا ما سعیٰ " کے سوال پر جاری کریں یعنے یہ غلط ہے کہ ہر وہ شئے جو انسان کو حاصل ہو وہ اس کی سعی پر موقوف ہے اس لئے کہ بہت سے امور ایسے ہیں جن میں سعی انسان کو کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اب آیت کا معنے یہ ہوگا کہ ہر وہ امور جنھیں انسان کی سعی سے تعلق ہے وہ اس کی سعی سے حاصل ہوں گے اور باقی وہ امور جو انسانی سعی سے باہر ہیں وہ اسے فضل ربانی کے صدقے حاصل ہوں گے اسے یوں سمجھئے کہ جو امور عالم ملکوت سے متعلق ہیں وہ محض فضل ربّانی اور لطف رحمانی سے حاصل ہوتے ہیں ان میں انسانی سعی کو کسی قسم کا دخل نہیں ہے ۔ (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

سبق : عاقل وہ ہے جو دنیا سے کوچ کرنے سے پہلے تحصیل بصیرت کے لئے کوشش کرتا ہے اور وہ جد و جہد کرتا ہے کہ وہ ان لوگوں سے ہو جائے جو ہر شے میں اللہ تعالےٰ کا جلوہ دیکھتے ہیں ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

این جہان پُر آفتاب و نور ماہ
او بہشتہ سر فرو بُردہ بچاہ
کہ اگر حقست کو آن روشنی !
سر بر آر از چاہ بنگر اے دنی
جملہ عالم شرق و غرب آن نور یافت
تا تو در چاہی نخواہد بر تو تافت
چہ رہا کن رو بایوان و کروم !
کم ستیز اینجا بدان کاللج شوم

اے بسا بیدار چشم و خفتہ دل
خود چہ بیند چشم اہل آب و گل
و آنکہ دل بیدار و دارد چشم سر
گر بخسپد بر کشاید صد بصر
گر تو اہل دل نہ بیدار باش
طالب دل باش و در پیکار باش
در دلت بیدار شد می خسپ خوش
نیست غائب ناظرت از ہفت و شش
گفت پیغمبر کہ خسپد چشم من !
لیک کے خسپد دلم اندر وسن
شاہ بیدارست حارس خفتہ گیر
جان فدائے خفتگان دِل بصیر

ترجمہ: (۱) یہ جہان نور اور آفتاب و ماہتاب سے پُر ہے لیکن اس کی روشنی کنوئیں میں ہے۔

(۲) اگر حق کا متلاشی ہے تو اسے وہ روشنی نصیب ہو جاتی ہے اسی لئے اے دوست! تو اسے اچھی طرح دیکھ۔

(۳) جملہ مشرق و مغرب نے اسی سے نور پایا ہے تو اگر ایسے ہی گمراہی کے کنوئیں میں رہے گا تو تجھے روشنی نصیب نہ ہوگی۔

(۴) تُو اپنی گمراہی دُور کر کے اسی باغ اور اسی ایوان کی طرف دیکھ اور ٹیڑھے بدبخت کی طرح کسی سے لڑائی نہ کر۔

(۵) تمہیں بہت سے لوگ بظاہر بیدار اور درحقیقت خفتہ دل ملیں گے لیکن اس نور کو یہ آب و گل کی آنکھ نہیں دیکھ سکے گی۔

(۶) ہاں جس کا دل بیدار ہو اگر اس کی آب و گل کی آنکھ خواب میں ہو تو کیا حرج ہے اس لئے کہ اس کے دل کی ہزاروں آنکھیں کھلی ہوتی ہیں۔

(۷) اگر تو بیدار دل نہیں تو بیدار دِل ہو کسی اہلِ دل کا طالب ہو جا اور اسی کے دروازہ کا گدا بن جا۔

(۸) اگر تیرا دل بیدار ہو گیا ہے تو پھر تم مزے سے نیند کرو اس لئے کہ تیرے دل کی آنکھیں اب کل کائنات

کو دیکھیں گی۔

(۹) حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی اور دل بیدار ہوتا ہے۔

(۱۰) تیرا دل بیدار ہے تو اسے یوں سمجھئے کہ شہنشاہ جاگ رہا ہے لیکن پہرے دار نیند میں ہے اور میری جان ان لوگوں پر قربان جن کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ

شانِ نزول: اس آیت کے شانِ نزول میں اختلاف ہے۔ صحیح ترین وہ ہے جو تفسیر الکواشی میں ہے وہ یہ کہ مشرکین نے حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ انھیں آیت رحمت کی بجائے آیت عذاب اور آیت عذاب کے بجائے آیت رحمت دیں اور حجر اسود کو بوسہ دیتے وقت ان کے بتوں کو بھی (تعظیماً) ہاتھ لگا دیا کریں اور اپنے سے ضعفاً و مساکین (غرباء) کو ہٹا دیں وغیرہ وغیرہ، اس سے آپ کو انھوں نے اپنے مسلمان ہونے پر پُرامید کیا۔ آپ کے متعلق بعض کو گمان ہوا کہ آپ ان کی ان شرائط سے کچھ مائل ہیں کہ ان کے مطالبہ کو پورا کرنا چاہیئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترکیب: یہ اِنْ مخففہ من الثقلہ ہے اور ضمیر شان محذوف ہے اور وہی ضمیر اسی اِنْ کا اسم ہے اور لام تاکید کی ہے اس فرق کے لئے لائی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ اِنْ نافیہ نہیں بلکہ تاکیدیہ ہے۔ اب معنےٰ یہ ہوا کہ شان یہ ہے کہ قریب تھا کہ وہ ڈگمگا کر تمھیں فتنہ میں ڈالنا چاہتے اور تمھارے ساتھ دھوکہ کرنا چاہتے ہیں۔

کاشفی نے لکھا ہے کہ وہ تمھیں پھیرنا چاہتے تھے۔

عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اس سے جو ہم نے تمھاری طرف وحی کی یعنے امر و نہی اور وعد و وعید سے۔ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا تاکہ تم ہمارے اوپر بہتان تراشی کرو وغیرہ۔ غَیْرَهٗ اس کے غیر معنے کا جو ہم نے تم پر اتارا یعنے امر و نہی وغیرہما کے۔ وَاِذًا اور اگر تم ان کی اتباع کر دیا ان کے مطالبہ کو مانو تو اس وقت، لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا۝ تو تمھیں دوست بنالیں گے یعنے وہ تمھارے دوست بن جائیں گے اور تم ان کے لیکن تم میری دوستی سے دور ہو جاؤ گے۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ اور اگر ہم تمھارے دل کو ثابت یعنے مضبوط نہ کرتے۔ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْـًٔا قَلِیْلًا۝ الرکون بمعنے معمولی طور پر کسی طرف جھکنا اور قلیلا کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے یعنے قریب ہے کہ آپ ان کی مراد کے مطابق تھوڑے سے جھک جاؤ کیونکہ ان کا دھوکہ بہت زیادہ سخت اور ان کا حیلہ، مکر اور فریب بہت زیادہ تیز ہے، لیکن چونکہ ہماری عصمت نے آپ کی مدد فرمائی اسی نے آپ کو ان کے مطالبہ کی طرف جھکنا تو درکنار آپ کو اس کے قریب بھی بھٹکنے نہ دیا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے مطالبہ کو پورا کرنے کا ارادہ بھی نہ فرمایا اگرچہ انھوں نے

اس پر بہت بڑا زور لگایا اور یہ اپنی طرف جھکانے کا سخت ترین حملہ تھا۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ عصمت توفیق الٰہی اور عنایت حق پر موقوف ہے۔

نکتہ: بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اسے "قلیل" سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ اصل خلقت کے لحاظ سے آپ کی روحانیت آپ کی بشریت پر غالب تھی اس لئے کہ آپ کی روحانیت کے آگے کوئی ایسی شے نہیں ہوتی جو آپ کو ذات حق کے مشاہدہ سے حاجب ہو۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ اگر منجانب اللہ تثبیت اور قوت نبوت اور نور ہدایت اور نظر عنایت حق کا اثر نہ ہوتا تو آپ اہل ہوٰی کی خواہش کے مطابق اپنی انسانیت کے منافع حاصل کرنے کے لئے بھولے سے جھک جاتے لیکن آپ بچ گئے اس لئے کہ آپ کی روحانیت کا نور آپ کی بشریت کے نور پر غالب ہے۔

اِذًا اگر آپ تھوڑے سے بھی ان کے مطالبہ کی طرف جھکتے تو، لَاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ہم آپ کو ضعف حیات و ضعف ممات یعنے دنیا و آخرت کا عذاب چکھاتے۔ ضعف کا یہ معنٰے بھی ہے کہ دارین میں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے کہ اس جیسا عذاب اور کسی کو نہ ہو۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ بڑوں کی خطا بہت زیادہ خطرناک ہوتی ہے اور یہ عبارت دراصل یوں تھی:

"عذابا ضعفا فی الحیٰوۃ وعذابا ضعفا فی الممات" یعنے مضاعفاً اس کے بعد موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ضعف صفت کو اپنے موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ اگر آپ ان کی طرف جھک گئے تو دنیا اور آخرت کے کسی درد میں ہم آپ کو مبتلا کریں گے۔

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○ پھر اپنے لئے کوئی حامی و مددگار نہیں پاؤ گے جو تمہیں ہمارے عذاب سے بچا سکے۔

ف: امام ثعلبی نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور علیہ السلام نے یہ دعا مانگی:

اللھم لاتکلنی الی نفسی ولوطرفۃ عین۔ اے اللہ تعالےٰ! ہمیں لمحہ بھر نفس کے سپرد نہ کرنا۔

الٰہی بر رہ خود دار ما را
دمی بانفس ما مگداز ما را

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنے راستہ پر ثابت قدم رکھ، لمحہ بھر بھی ہمیں نفس کے سپرد نہ فرما۔

وَاِنْ كَادُوْا اہل مکہ کی شان یہ ہے کہ قریب تھا کہ وہ آپ کو لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ۔ یہ استفزہ بمعنے ازعجہ سے ہے یعنے وہ مکروفریب سے آپ کو بہت جلد نکال دیتے بعض نے اس کا ڈگمگا دینا معنے کیا ہے یعنے آپ کو وہ ڈگمگا دیتے۔ مِنَ الْاَرْضِ اس زمین سے جس میں آپ سکونت پذیر ہیں یعنے مکہ پاک کی دھرتی سے۔ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ
الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ
نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ
اَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ
اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ
الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَاِذَاۤ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ
يَئُوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝

ترجمہ: طریقہ ان کا جو ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے اور ہمارے طریقہ میں تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ سورج ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک نماز قائم کیجئے اور صبح کا قرآن بے شک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور رات کے حصے میں بھی سو آپ تہجد پڑھا کریں یہ خالص آپ کے لئے اضافہ ہے قریب ہے کہ آپ کو آپ کا پروردگار ایسے مقام پر اٹھائے گا جس کو سراہیں گے۔ اور یوں عرض کیجئے کہ اے میرے رب! مجھے سچی جگہ میں داخل فرما اور سچی جگہ سے نکال اور اپنی طرف سے ایسا غلبہ عطا فرمائیے جو تیری طرف سے نصرت یافتہ ہو۔ اور فرمائیے! حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے والا ہے۔ اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو اہل ایمان کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالمین کے لئے نقصان بڑھتا ہے۔ اور جب ہم انسان کو نعمت سے نوازتے ہیں تو روگردانی کرتا ہے اور اپنی جانب ہٹ جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو ناامید ہو جاتا ہے۔ فرمائیے ہر شخص اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون تم میں زیادہ ہدایت پر ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

تاکہ وہ تمہیں نکال دیں۔

سوال: یہ مضمون تحقیق کے خلاف ہے جب کہ سب کو یقین ہے کہ حضور علیہ السلام مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تھے اس کا سبب کفار مکہ کا اخراج تھا چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وکاین من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتک التی اخرجتک۔ — اور بہت سے علاقے زیادہ قوت والے ہوتے ہیں بہ نسبت اس علاقہ کے کہ جس سے آپ کو نکالا ان بستی والوں نے

اور حدیث شریف ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت کے لئے نکلے تو فرمایا کہ اے مکہ! بخدا میں تجھے چھوڑ کر جا رہا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ تو اللہ تعالٰے کے ہاں محبوب ترین شہر ہے لیکن میں کیا کروں کہ اگر مجھے تیری

قوم نکلنے پر مجبور نہ کرتی تو میں تجھے چھوڑ کر ہرگز ہرگز باہر نہ جاتا۔
جواب اس آیت کے نزول کے بعد فوراً حضور علیہ السلام نے ہجرت نہیں کی اور نہ ہی کوئی آپ کا نزول آیت کے فوراً بعد ہجرت کا قائل ہے بلکہ سب کو معلوم ہے کہ نزول آیت ہذا کے عرصہ بعد آپ نے ہجرت فرمائی جب کہ اللہ تعالے کا حکم ہوا اور وہ بھی اس وقت جب کہ کفار مکہ نے آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔
چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ اہل مکہ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکالنے کے لئے باہم مشورہ کیا کہ کسی طرح انھیں مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ ہجرت سے قبل کفار مکہ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر ظلم وستم کی حد کر دی۔ اسی لئے آپ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تو یہی آیت اتری تو لَّا يَلْبَثُونَ خِلَٰفَكَ وہ بھی آپ کے بعد نہیں ٹھہریں گے یعنے آپ کو نکالنے کے بعد وہ بھی ہمیشہ مکہ معظمہ میں نہیں رہیں گے۔ إِلَّا قَلِيلًا ○ مگر تھوڑی مدت۔
چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ تھوڑے عرصہ کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد غزوۂ بدر میں یہ لوگ تباہ وبرباد ہوئے۔

(تفسیر آیات صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ

سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا۔ السنۃ بمعنے العادۃ اور اس کا منصوب ہونا علی المصدریۃ ہے دراصل عبارت یوں تھی: سن اللہ سنۃ الخ۔ اور اللہ تعالے کی عادت کریمہ یہی رہی ہے کہ جس امت کے پاس رسول بھیجا اور اس امت نے نافرمانی کی تو اسے تباہ وبرباد کر دیا۔
سوال: تم نے اللہ تعالے کی عادت کہا اور آیت میں سنۃ کی اضافت رسل کرام علیہم السلام کی طرف ہے؟
جواب: یہ اضافت مجازی ہے وہ اسی لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی خاطر ہی اللہ تعالے نے وہی عادت کریمہ اختیار کر رکھی تھی چنانچہ ہمارے ترجمہ کا قرینہ اگلا مضمون ہے کہ:
وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا اور نہیں پاؤ گے ہمارے اسی طریقہ میں کہ جو امت رسول اللہ صلے علیہ وسلم کی نافرمانی کرتی ہے ہم اسے تباہ وبرباد کرتے ہیں)۔ تَحْوِيلًا ○ کوئی تبدل وتغیر۔
آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالے کی حکمت بالغہ اسی میں ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو دشمنوں کی تکالیف ومشقات میں مبتلا کرکے آزمائے تاکہ اس طرح سے ان کی تعلیم وتربیت میں اضافہ ہو اسی طرح سے ان کے جواہر روحانیہ ربانیہ کا اوصاف نفسانیہ کا تصفیہ وتزکیہ ہوتا ہے اور یہ طریقہ کار دوبارہ انبیاء علیہم السلام ہرگز تبدیل نہ ہوا۔ اس لئے کہ یہ طریقہ کار مبنی بر حکمت ومصلحت وارادۂ قدیمہ ہے اور جس طریقہ کار میں حکمت ومصلحت وارادۂ قدیمہ ہو اس میں تبدل وتغیر ناممکن ہے۔

نسخہ روحانی بزرگان دین نے فرمایا کہ لوگوں کی بھلائی سے دُور بھاگنے میں خیر وبرکت ہے اور اسی میں انسان کو جدوجہد کرنی چاہیئے بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کے شر سے بھاگے اس لئے کہ لوگوں کی بھلائی قلب اور روح کو

نقصان پہنچاتی ہے اور ان کا شر بدن کو دکھ دیتا ہے اور انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ بدن کا دکھ درد سر پر رکھ لے لیکن قلب و روح تک تکلیف اور برائی نہ پہنچنے دے۔

وہ دشمن جو تجھے اپنے مولیٰ سے ملائے اس دوست سے بہتر ہے جو تجھے مولیٰ سے دور کرے۔

ہر آزمائش اللہ تعالیٰ کا چابک ہے جس سے بندے کو حقیقت توحید کی طرف لے جاتا اور اسباب علاقات دارین سے منقطع کرتا ہے بظاہر تو درد ہے لیکن درحقیقت یہ بہت بڑی اور عجیب و غریب اور لذیذ نعمت ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ ہر چہ ساقی ماکرد عین الطافست

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی کسی تقدیر کے سامنے تجھے انکار نہ کرنا چاہیئے بلکہ یوں سمجھ کہ مالک جو کرتا ہے عین لطف و کرم ہے۔

ازالہ وہم اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا اس سے لازم نہیں آتا کہ (معاذ اللہ) آپ میں کوئی خامی ہوگی بلکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا لازمی ہے کہ آپ سے نہ کبھی ظاہراً کوئی خامی ہوئی اور نہ باطناً بلکہ آپ کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کی نگرانی سے ہوتا تھا۔ اسی لئے آپ پر اگرچہ مخالفین کے کئی طرح کے حربے ہوتے لیکن آپ سے معمولی طور پر بھی لغزش نہ ہوتی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے مضامین میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ آپ کو ہر طرح تحفظ اور جملہ امور میں احتیاط کے حکم سے امت کو تنبیہ ہوگی کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو ان امور کے متعلق تحفظ کا حکم فرما رہا ہے تو پھر ہم کون ہیں، ان میں کوتاہی کرنے والے۔

سبق اس سے انسان کو سبق دیا گیا ہے کہ تیرے ظاہری اور باطنی بہت بڑے دشمن ہیں اس لئے تمہیں ہر وقت چوکس رہنا چاہیئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صبر میں خیر و برکت ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان کے صبر سے آزمائش اور ابتلا ہٹ جاتا ہے اور دوسرا دشمن تباہ و برباد ہو جاتا ہے کما قال تعالےٰ:-

و اذا لا یلبثون خلافک الا قلیلا۔

قدسی حدیث شریف اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کوئی میرے کسی ولی کی اہانت کرتا ہے وہ میرے مقابلہ کے لئے میدانِ کارزار میں اترتا ہے یعنے جو ولی اللہ کو ناراض کرتا ہے اور اسے اذیّت و تکلیف پہنچاتا ہے اور ولی اللہ سے اہلِ تقویٰ مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی مدد فرماتا ہے اور جس کی مدد اللہ تعالیٰ فرمائے اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ اگر کرے گا بھی تو تباہ و برباد ہوگا۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ نماز پر مداومت کیجئے۔ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ سورج کے زوال یا غروب کے وقت۔

حلِ لغات: دلوک کہا جاتا ہے : دلکت الشمس دلوکا بمعنے غربت یا بمعنے اصفرت یا بمعنے زالت عن کبد السماء (کذا فی القاموس)

اِلٰی غَسَقِ الَّیۡلِ رات کی تاریکی تک غسق بمعنے رات کی تاریکی اس سے دوسری عشار[1] کی نماز کا وقت مراد ہے اور الغاسق اللیل، اس وقت بولتے ہیں جب شفق غائب ہو جائے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی نماز کا وقت ہو جائے تو اسے اس کے معین وقت میں ادا کیا جائے اس سے اسے دو وقتوں کے درمیان علی الدوام قائم کرنا مراد نہیں ۔ وَ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ اور فجر کی نماز کے وقت اس کا منصوب ہونا اقم کے مفعول پر معطوف ہونے کی وجہ سے ہے یا اغرائً منصوب ہے اور اس کا عامل (الزم) محذوف ہے اور یہاں قرآن سے نماز مراد ہے اس لئے کہ قرآن یعنے قرات نماز کا ایک رکن ہے اور جز بول کر کل مراد لینا بھی عام قاعدہ ہے اور نماز کے ارکان میں سے کسی ایک رکن کو بول کر نماز مراد لینا بھی عام ہے مثلاً کبھی رکوع یا سجود بول کر نماز مراد لی جاتی ہے ۔

پرویزی ٹولہ کا رَد دلوک سے زوال مراد ہو تو آیت سے پانچ نمازوں کا ثبوت ملا ۔[2]

اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ کَانَ مَشۡهُوۡدًا بے شک فجر کی نماز مشہود ہے یعنے یہ وہ وقت ہے جس میں رات اور دن والے فرشتے حاضر و موجود ہوتے ہیں یعنے دن والے آجاتے ہیں اور رات والے آسمان پر چڑھتے ہیں خلاصہ یہ کہ یہ وہ وقت ہے کہ اس میں رات کے ڈائری نویس فرشتوں کی آخری اور دن والوں کی آخری گھڑی ہے ۔

ف : فجر کی نماز کے وقت رات والے صبح کی نماز کا مشاہدہ کر کے اسے رات کے اعمال میں لکھتے ہیں اور دن والے فرشتے اسے دیکھ کر دن کی ڈائری کی ابتدار میں درج کرتے ہیں ۔

نکتہ : یہ وقت قدرتِ الٰہی کے شواہد سے ہے بایں معنی کہ اس وقت رات کی تاریکی جاتی ہے اور دن کی روشنی پھیلتی ہے اور نیند سے فراغت ہوتی ہے جو کہ وہ موت کی مانند ہے ۔

وَ مِنَ الَّیۡلِ اور اس کا محلاً منصوب ہونا علی الظرفیۃ ہے اب معنے یہ ہوگا کہ آپ رات کے بعض حصے میں اٹھئے ۔ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ اور نیند کو ہٹایئے ۔ تہجد ۔ ھجود سے مشتق ہے بمعنے النوم یعنے نیند اور صیغۂ تفعل کبھی ازالہ کے لئے بھی آتا ہے جیسے تاثم بمعنے جانب الاثم و ازالہ یعنے اس نے گناہ سے کنارہ کیا اور گناہ کو زائل کیا اور التہجد یعنے نوم قبیل اضداد سے ہے اور بہ کا ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اور یہاں مطلق قرأت القرآن مراد ہے نہ وہ جس کا ابھی ذکر ہوا یعنے صبح کے وقت کا قرآن پڑھنا یا یہ ضمیر بعض کی طرف لوٹتی ہے ۔

سوال : بعض کا لفظ عبارتِ قرآن میں موجود نہیں ہے پھر لفظ بعض کی طرف ضمیر کا لوٹانا کیسا ؟

---

[1] اہل عرب مغرب کو عشار اولیٰ اور عشار کو عشار اخیرہ کہتے ہیں ۱۲ ۔
[2] اضافہ از اویسی غفرلہ ۔

جواب : (من اللیل) سے لفظ بعض سمجھا گیا ہے ۔ اب معنے یہ ہوا کہ آپ رات کے بعض حصہ میں تہجد کے لئے اٹھئے ۔ اس تقریر پر بَا بمعنے فی ہے ۔

نَافِلَةً لَّكَ ۔ نفل بمعنے الزیادۃ یعنے یہ تہجد فرائض نماز سے ایک زائد عبادت ہے ، اور یہ صرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور آپ کے کسی امتی پر تہجد فرض نہیں ۔ چنانچہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین امور مجھ پر فرض ہیں اور تمہارے لئے سنت ہیں :

(۱) وتر

(۲) مسواک

(۳) قیام اللیل (تہجد)

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہ تہجد نفل ہے لیکن چونکہ آپ کے درجات کے کمال کو کوئی نہیں پہنچ سکتا اس لئے امت کے لئے تہجد بھی نفل ہے لیکن امت کے نفل تہجد ان کے گناہوں کا کفارہ اور وہ خلل جو ان کے فرائض میں واقع ہوا ان کے تدارک کے لئے ہے ۔

مسئلہ : حضرت قتادہ اور حضرت مجاہد رضی اللہ تعالے عنہما نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تہجد کا وجوب منسوخ ہے ایسے ہی آپ کی امت کے لئے ۔

اس تقریر پر تہجد سب کے لئے مستحب ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالے نے نافلۃ لک فرمایا ۔ اگر تہجد واجب ہوتی تو لک کی بجائے علیک فرماتا اور نافلۃ کا منصوب ہونا علے المصدریۃ ہے اور اس کا عامل تنفل ہے ۔

عَسٰی لغت میں اس کا استعمال طمع کے لئے آتا ہے اور قاعدہ ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالے کی جانب سے طمع واشفاق واجب کی مانند ہوتا ہے ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس کا معنے ہے ، شاید اور البتہ ایسے ہی ہو گا ۔

اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ آپ کو آپ کا رب تعالے روضۂ اطہر سے اٹھائے گا ۔ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ ایسے مقام پر جو آپ کے ہاں اور تمام لوگوں کے نزدیک محمود ہو گا ۔ اس سے اہل حشر کے لئے وہ مقام شفاعت عامہ مراد ہے جسے دیکھ کر جملہ اولین وآخرین رشک کریں گے ۔ اس لئے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام کے ہاں تمام مخلوق حاضری دے گی تو ہر ایک شفاعت سے انکار فرما دیں گے بلکہ ہر ایک اپنے بجائے دوسرے پیغمبر علیہ السلام کے حوالے کر دیں گے ، یہاں تک کہ تمام لوگ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں حاضر ہوں گے تو آپ فرمائیں گے کہ میں تو تمہاری شفاعت کے لئے پہلے سے منتظر ہوں اور صرف میں ہی اس کا مستحق ہوں ۔ اس کے بعد آپ شفاعت فرمائیں گے جو اس کا اہل ہو گا ۔

ف : صاحب فتوحاتِ مکیہ رحمۃ اللہ تعالے نے فرمایا کہ مقام محمود ایک ایسا مقام ہے جو تمام مقامات کا مرکز ہے بلکہ تمام

اسمائے الٰہیہ کا نظارہ گاہ ہے اور وہ صرف حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے اور باب شفاعت اسی جگہ سے کھلے گا۔

اے ذات در دو کون مقصود وجود
نام تو محمدؐ و مقامات محمود

ترجمہ: اے محبوب، مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم! دونوں جہانوں اور جملہ وجود کا مقصود ہے آپ کا نام نامی اسم گرامی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کا مقام محمود ہے۔

معتزلہ اور وہابیہ نجدیہ وغیرہا کا رد آیت میں منکرین شفاعت معتزلہ (اور وہابیہ نجدیہ اور فرقہ نیچری وغیرہا) کا رد ہے جب کہ وہ کہتے ہیں کہ شفاعت کے عقیدہ سے نااہل کو ثواب کا مستحق بنانا لازم آتا ہے اور یہ ظلم ہے۔ ان کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ یہی اعتراض تو اللہ تعالےٰ پر بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے فضل اور لطف و کرم سے جسے چاہے بخش دے اور اپنے عدل و الطاف سے عذاب کے مستحق کو عذاب میں مبتلا کرے اور یہ بھی عقیدہ اپنے مقام پہ حق ہے کہ اللہ تعالےٰ پر کوئی شے واجب نہیں بلکہ وہ مالک و مختار ہے اپنے بندوں میں جس طرح چاہے تصرف کرے۔

سوال: اگر معتزلہ سے سوال وارد ہو کہ تمہاری کتب روایات میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی — میری امت کے اہل کبائر کے لئے میری شفاعت حق ہے۔

اس حدیث شریف سے لازم آتا ہے کہ بُرے کو برائی کے ارتکاب کی کھلی چھٹی ہے وہ جس طرح چاہے کرتا رہے جب کہ اس کے دل میں عقیدہ راسخ ہوگا کہ مجھے حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم چھڑالیں گے۔ اس سے الٹا بڑے بڑے گناہ مثلاً زنا، قتل اور شراب وغیرہ کی اشاعت ہوگی اور یہ بات روح اسلام کے خلاف ہے اور بعثت انبیاء علیہم السلام کے بھی منافی ہے[1]

جواب: اس سے برائی کی اجازت و اشاعت لازم نہیں آتی بلکہ اظہار شانِ رسالت و کمال نبوت مقصود ہے کہ بارگاہِ حق میں ان کی اتنی رسائی ہے کہ باوجودیکہ اللہ تعالےٰ کا مجرم جہنم کا مستحق ہے اور عذاب اس کے لئے لازم ہو چکا ہے لیکن محبوبِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایسے بندے کی نجات کے لئے عرض کرتے ہیں تو ذوالجلال والاکرام اپنے مجرم بندے کو بخش دیتا ہے اور احکم الحاکمین خود اس شان کو ظاہر فرماتا ہے کہ میرے ہاں اس شفیع المذنبین کا وہ مرتبہ ہے کہ میں اپنے قانون عدل و انصاف کو توڑ سکتا ہوں لیکن اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی دل شکنی نہیں کرتا۔

---

[1] یہی تقریر ہمارے دور کے معتزلہ یعنی وہابی، دیوبندی، نجدی اور تبلیغی وغیرہ عوام میں بیان کرتے ہیں۔ جب کہ ہم اہلسنت آقائے کونین صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات بیان کرتے ہیں ۱۲۔ (اویسی)

تازیانۂ عبرت [صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالٰی نے معتزلہ کے رد میں مذکورہ بالا جواب لکھ کر آخر میں لکھتے ہیں!

ففیه مدح الرسول صلے اللہ علیه وسلم نفسه بماله عند الله تعالٰی من الدرجة الرفیعة والوسیلة [1]

اس میں حضور نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالٰی کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور آپ ہی اللہ تعالٰی کے ہاں سب کے وسیلہ جلیلہ ہیں۔

مسئلہ: جب ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا کبائر کی شفاعت فرمانا حق ہے تو صغائر کی شفاعت بطریق اولیٰ ثابت ہوئی۔

ازالۂ وہم معتزلہ کا یہ کہنا کہ شفاعت کبائر ظلم ہے یہ ان کا وہم اور گمان ہے ورنہ ان کا اللہ تعالٰی کے متعلق کیا خیال ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالٰی نے پیدا فرمایا اور اس کے لئے ارتکاب کبائر کی قدرت اور طاقت پیدا فرمائی اللہ تعالٰی کے اس فعل کو نہ کوئی برائی کی اشاعت واجازت سے تعبیر کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے کوئی ظلم سے موسوم کر سکتا ہے جب ذات حق پر اس قسم کا اعتراض نہیں ہو سکتا تو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیوں؟ حالانکہ نبوت الوہیت کے تجلیات کا مظہر ہے (یہی جواب وہابیہ، دیوبندیہ کے جملہ اعتراضات کا دفعیہ بن سکتا ہے جب کہ وہ اپنے بہت سے عقائد ومسائل میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدف نشانہ بناتے ہیں۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمۃ)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

گفت پیغمبر کہ روز رستخیز
کے گذارم مجرمان را اشک ریز

من شفیع عاصیاں باشم بجان
تا رہانم شان ز اشکنجہ گران

عاصیان و اہل کبائر را بجہد
وارہانم از عتاب ونقض عہد

صالحان امتم خود فارغند
از شفاعتہائے من روز گزند

بلکہ ایشاں را شفاعتہا بود!
گفت شان چوں حکم نافذمی رود

ترجمہ: (۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں مجرموں کو آنسو بہاتے ہوئے کیسے چھوڑوں گا۔

(۲) بدل وجان میں ہی مجرموں کا شفیع ہوں تاکہ میں انہیں شکنجہ گراں سے نجات دلاؤں۔

۳ عاصیوں اور اہلِ کبائر کو کوشش کر کے عذاب اور عتاب سے بچا لوں گا۔

۴ میری امت کے نیک بخت فارغ ہوں گے انہیں قیامت میں میری شفاعت کبریٰ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

۵ بلکہ انہیں بھی میری خاص شفاعت نصیب ہوگی۔ اور ان پر بھی حکم الٰہی نافذ ہوگا تو بھی میری شفاعت سے ضرور بہرہ ور ہوں گے۔

رکعات تہجد آیت میں تہجد کی ترغیب ہے اور اس کی آٹھ رکعتیں ہیں۔ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم زندگی بھر رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات پڑھتے رہے۔ چار رکعت پڑھتے ان کے حسن وطول کا کیا پوچھنا۔ اسی طرح چار رکعت دیگر پڑھتے تھے ان کا حسن وطول بھی پہلی چار رکعت کی طرح ہوتا تھا۔ اس کے بعد تین رکعت (وتر) پڑھتے تھے۔

وقتِ تہجد حضرت شیخ عبدالرحمٰن بسطامی رحمہ اللہ تعالےٰ "ترویح القلوب" میں لکھتے ہیں کہ جب رات کی آخری تہائی باقی بچ رہے تو نیند سے اٹھ کھڑا ہونا چاہیے اور وضو کر کے تہجد کی بارہ رکعت پڑھنی چاہئیں اس میں فاتحہ کے بعد جتنا چاہے قرآن مجید پڑھے اور فراغت کے بعد اوراد و وظائف پڑھے اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعت پڑھا کرتے ان میں آٹھ تہجد اور تین رکعت وتر اور دو رکعت نفل دیگر لیکن ان کے درمیان سلام نہیں پھیرتے تھے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے برگزیدہ حفاظ القرآن اور رات کو تہجد پڑھنے والے ہیں۔

ے

دلا برخیز و طاعت کن کہ طاعت بہ زہر کار است
سعادت آں کسے دارد کہ وقت صبح بیدار است
خروساں در سحر گوینده قم یا ایہا الغافل
تو از مستی نمی دانی کسے داند کہ ہشیار است

ترجمہ: اے دل اٹھ اور طاعت کر اس لئے کہ طاعت ہر کام سے بہتر ہے سعادت اس شخص کی ہے جو صبح کے وقت بیدار ہو کر عبادت کرتا ہے۔ مرغ صبح کو اٹھ کر بار بار پکارتے ہیں کہ اے غافل! اٹھ کھڑا ہو غفلت کی مستی سے تو اسے نہیں پہچان سکتا اس کا علم اسے ہے جو ہوشیار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

ے

اذا کثر الطعام فحذرونی
فان القلب یفسده الطعام
اذا کثر المنام فنبهونی
فان العمر ینقصه المنام
اذا کثر الکلام فسکتونی
فان الدین یهدمه الکلام
اذا کثر المشیب فحرکونی
فان الشیب یتبعه الحمام

ترجمہ (۱) جب طعام زیادہ ہو تو مجھے ڈراؤ اس لئے کہ قلب طعام سے خراب ہوتا ہے۔
(۲) جب نیند زیادہ ہو تو مجھے بیدار کرو اس لئے کہ نیند عمر کو گھٹاتی ہے۔
(۳) جب میرا بولنا زیادہ ہو تو مجھے خاموش کراؤ، اس لئے کہ کثرتِ کلام دین کو ڈھا دیتی ہے۔
(۴) جب بڑھاپا بڑھ جائے تو مجھے متحرک کرو اس لئے کہ بڑھاپا کے پیچھے موت چل رہی ہے۔

شیطان کی شرارت حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان سوتا ہے تو شیطان اس کے سر پر تین گرہیں لگاتا ہے، تو جب وہ نیند سے اٹھ کر ذکر الٰہی کرتا ہے تو ان میں سے ایک گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد جب بندہ وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اس کے بعد اگر دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو اس کے بعد تمام گرہیں کھل جاتی ہیں اس سے بندہ صبح کو ہشاش بشاش اور خوش خوش اٹھتا ہے ورنہ وہ سست اور خبیث النفس ہو کر اٹھتا ہے۔

ف: شب بیدار آدمی کی رات نورِ عبادت کی وجہ سے اس کے چہرے کی طرح نورانی ہوتی ہے۔

حکایت ایک نوجوان عابد فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنے ورد و وظیفہ سے غفلت کرکے سو گیا، خواب میں دیکھا کہ میری عبادت گاہ (حجرہ) پھٹ گئی اس سے چند حسین عورتیں نکلیں کہ جن کے حسن و جمال کے سامنے سورج بھی شرمسار ہوتا لیکن ان میں ایک نہایت قبیح تھی کہ دنیا میں اس جیسی گویا کوئی قبیح نہ ہوگی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو، اور کس کے لئے ہو اور یہ قبیح عورت کس کے لئے؟ انھوں نے کہا، ہم سب تیری وہ راتیں ہیں جنھیں تو عبادت کے لئے بیدار رکھتا ہے اور یہ تیری وہ رات ہے جس میں تو غفلت کرکے سو گیا۔ اگر تو اسی رات مر جاتا تو تجھے یہی نصیب ہوتا جسے تو نے قبیح کیفیت میں دیکھا۔

ف: بعض بزرگوں کی عادت تھی کہ وہ عشاء کی نماز سے صبح کی نماز تک بیدار رہتے، جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ اور ان کی طرح اور اکابر و اولیاء رحمہم اللہ تعالےٰ۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ مجھے شیطان گھر میں نظر آجائے تو مجھے اتنی کوفت نہیں ہوتی جتنی کوفت مجھے گھر میں سرہانے سے دیکھنے

سے ہوتی ہے اس لئے کہ سرہانہ نیند کی دعوت دیتا ہے۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ سحر کے وقت اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کے قلوب کو دیکھتا ہے ان میں جو بیدار ہوتا ہے تو اس کے دل کو نور سے بھرپور فرما دیتا ہے جس سے روحانی فوائد سے وہ دل نورانی ہو جاتا ہے پھر ان کے قلوب کے انوار کئی غافل دلوں کو منور فرماتے ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ اور فرمائیے کہ اے میرے رب تعالےٰ! مجھے قبر میں داخل فرما۔ **مُدْخَلَ صِدْقٍ**۔ صدق کا داخلہ یعنے طہارت اور گناہوں سے پاک صاف کر کے۔ **وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ** قیامت میں مجھے قبر سے نکالئے یعنے پسندیدہ طریقہ سے مجھے قبر سے اٹھائیے تو باکرامت اور تجھے ملوں تو امن وسلامتی کے ساتھ۔

سوال: تم نے آیت میں یہ قیدیں کہاں سے نکال لیں؟

جواب: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بعث علےٰ مقام محمود کے ذکر کے بعد سے یہی معنیٰ ثابت ہوتا ہے۔

ف: مُدْخَلٌ و مخرج یعنے ادخال و اخراج ہے اور انھیں صدق کی طرف مضاف بنانے میں مبالغہ مطلوب ہے جیسے حاتم الجود میں مبالغہ ہے یعنے ایسا ادخال جسے ادخال کہنا حق ہے اور ایسا ادخال کہ جس میں کسی قسم کی کراہت نہ ہو اس لئے کہ یہ مدخل ومخرج سوا کے مقابلہ میں مستعمل ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ادخال مدینہ طیبہ میں داخل کرنا اور اخراج سے مکہ معظمہ سے نکالنا مراد ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ یہ آیت ہجرت کے حکم کے وقت نازل ہوئی چنانچہ اس آیت پر یہ آیت " وان کادوا یستفزونک الخ" دلالت کرتی ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دعا عام ہے جس مکان میں داخل ہو یا جس کام کو شروع کرے اسی طرح مکان سے نکلنے اور کام سے فراغت کے بعد یہی دعا پڑھے۔ اکثر مفسرین نے اسی قول کو راجح بتایا ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ اے اللہ تعالےٰ جس کام میں مجھے داخل یا فارغ کرے تو مجھ سے صداقت کا ظہور ہو اور مجھے ذوالوجہین نہ بنانا اس لئے کہ ذوالوجہین امین نہیں ہوتا۔

وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ اور اپنی نصرت ورحمت کے خزانوں سے میرے لئے بنا۔ **سُلْطٰنًا** برہان وغلبہ **نَّصِيْرًا** مددگار، جو اعدائے دین پر میری مدد کرے یا اس سے کوئی بادشاہ مراد ہے یا طاقت مطلق مُراد ہے یعنے طاقت عطا فرما جو اسلام کی مدد کرے اور اسے کفر پر غالب فرمائے۔ آپ کی یہ دعا، واللہ یعصمک من الناس اور فان حزب اللہ ہم الغالبون۔ سے مستجاب ہوئی اور آپ نے یہ دعا اس لے مانگی تاکہ آپ کا دین تمام ادیان پر غالب ہو تاکہ آپ کے ماننے والے تمام روئے زمین کی شاہی کریں اور اللہ تعالےٰ نے بھی ابتداً آپ سے وعدہ فرمایا کہ فارس وروم بے دینوں سے چھین کر آپ کے قبضہ میں دے گا۔

عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے فضائل حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کا حاکم بنا کر فرمایا کہ جائیے! اللہ تعالےٰ نے آپ کو حاکم بنایا ہے یا در حضرت

اسید رضی اللہ عنہ منافق کے لئے سخت اور مؤمن کے لئے نہایت نرم تھے آپ نے مکہ معظمہ میں جاتے ہی اعلان کر دیا کہ اگر کوئی نماز با جماعت سے رہ گیا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا کیونکہ مجھے علم ہے کہ نماز با جماعت کا تارک منافق ہوتا ہے[1] اہل مکہ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ نے اہل اللہ پر ایک خشک مزاج اعرابی کو مسلط فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے بہشت کے دروازے پر حاضر ہو کر اسے کھٹکٹایا بہشت کا دروازہ کھل گیا تو اس میں حضرت عتاب بن اسید ہوئے۔

اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالٰے نے اسلام کو اہلِ اسلام کے ذریعے سے مدد فرمائی اور جو بھی اہلِ اسلام پر ظلم کرے اور پھر جو بھی ان کی مدد کرے وہی اللہ تعالٰے کے نزدیک سلطانا نصیرا ہے۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ اور فرمایئے کہ حق یعنے اسلام و قرآن آیا۔ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ یہ زھق (درحہ) سے ہے بمعنے خرج و ذھب و ھلك الشرك والشیطان یعنے شرک و شیطان ہلاک ہو گیا۔

ع

دیو بگریزد ازان قوم کہ قرآن خوانند

ترجمہ: شیطان ان لوگوں سے بھاگتا ہے جو قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ امام قشیری رحمہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ حق سے مراد وہ شے ہے جو اللہ تعالٰے کے لئے ہو اور اس کا غیر باطل ہے اور تاویلات کے مصنف نے فرمایا کہ حق سے وجود ثابت حق تعالٰے اور باطل سے وجود بشری امکانی مراد ہے کہ یہ قابل زوال و فنا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب لمعات وجود حقانی کی شعاعیں ظاہر ہوتی ہیں تو وجود موہوم ممکن اس کے بالمقابل لاشے و مضمحل ہو جاتا ہے: ؎

ہمہ ہر چہ ہستند ازان کمتر اند
کہ با ہستیش نام ہستی برند
چو سلطان عزت علم برکشد
جہان سر بجیب عدم درکشد

ترجمہ: تمام موجودات اس کے بالمقابل کمتر ہیں انھیں لائق نہیں کہ اس کے وجود کے بالمقابل اپنی ہستی کا دم ماریں۔

---

[1] دیو بندیوں، وہابیوں اور دیگر بدمذاہب کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ اس پر فقیر کی کتاب "التحقیق الکامل فی امتیاز الحق والباطل" یعنے دیو بندی و بریلوی کا فرق۔ کا مطالعہ کیجئے۔ جب کوئی سنی کسی بدمذہب مثلاً دیو بندی وہابی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تو اسے تارک جماعت کا طعنہ دیا جاتا ہے حالانکہ انھیں معلوم نہیں کہ جب ہم تمہاری نماز ہی نہیں سمجھتے تو پھر ترک کیسا؟ ۱۲ (اویسی)

جب سلطان عزت جھنڈا لہراتا ہے تو تمام جہاں جیب عدم میں اپنا سر چھپاتا ہے۔

اِنَّ الْبَاطِلَ بے شک باطل کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ كَانَ زَهُوْقًا ○ اس کی شان یہ ہے کہ وہ مٹنے والا اور غیر ثابت ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یوم فتح مکہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں داخل ہو کر دیکھا کہ بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے آپ اپنے تیر کو ایک ایک بت کی آنکھ میں ڈال کر فرماتے تھے: جاء الحق وزھق الباطل۔

اسی طرح بتوں کے منہ پر کوڑے لگا کر گرا دیا صرف ایک بت خزاعہ بیت اللہ کی چھت پر رہ گیا اور وہ پیتل کا تھا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن سیدہ ترینہؓ (آپ کے بڑے نواسے) سے فرمایا کہ اسے تیر مارئیے حضرت علیؓ نے بیت اللہ کی چھت پر چڑھ کر اسے تیر مار کر توڑ دیا۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ اور ہم قرآن مجید میں ایسی آیات نازل کرتے ہیں جو تمہارے سینوں کے شکوک وشبہات اور اوہام کی بیماریوں کو شفا بخشے۔ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اور اہل ایمان کے لئے رحمت ہے۔

ف: اہل ایمان کا نام اس لئے لیا ہے کہ صرف وہی اس سے نفع پاتے ہیں اور یہ مِنْ بیانیہ ہے اس کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے اسے مبیّن سے پہلے لایا گیا ہے اس لئے کہ قرآن مجید کا ہر حرف اہل ایمان کے دین اور ان کی اصلاح نفوس میں بمنزلہ دوا رشافی ہے۔

وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ○ اور قرآن ظالموں کو نہیں بڑھاتا مگر ہلاکت وتباہی میں۔ کافروں کو ظالمین سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ کافروں نے قرآن مجید جیسی شفا کو اپنے لئے ضرر اور نقصان کا موجب سمجھا اسی لئے وہ کفر وتکذیب میں مبتلا ہو کر تباہ وبرباد ہوئے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اہل ایمان کو اہتداء وارشاد کے درمیان جو شکوک وشبہات طاری ہوتے ہیں اور ان کے لئے بمنزلہ امراض واسقام کے ہیں اور کافروں کو جو جہل وعناد نصیب ہوا ہے وہ ان کے لئے موت وتباہی وبربادی ہے۔

ف: اس سے قرآن مجید کو عجیب الشان ثابت کرنا مطلوب ہے کہ جیسے بعض بارشیں تیز اور سخت ہوں تو آگے زمین میں استعداد قبولیت نہ ہو تو وہی بارش تباہی وبربادی کا موجب بن جاتی ہے۔ ایسے ہی قرآن مجید کی رحمت وشفا ہونے میں تو شک وشبہ الٹا یہی قرآن مجید ان کے لئے تباہی وبربادی کا موجب بن جاتا ہے۔

حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ وگلے لؤلؤ ومرجان نشود

ترجمہ: جوہر پاک چاہئے اس سے ہی وہ فیض کو قبول کرتا ہے ورنہ ہر پتھر اور گل تو لؤلؤ مرجان نہیں ہوتے۔

تعویذات کا ثبوت قرآن مجید جیسے امراض روحانی کے لئے شفا ہے ایسے ہی امراض جسمانی کو بھی شفا بخشتا ہے چنانچہ منقول ہے کہ حضرت الاستاذ ابوالقاسم قشیری قدس سرہٗ کا صاحبزادہ سخت علیل ہوگیا کہ اس کی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس سے استاذ موصوف کو سخت پریشانی تھی اسی اثنا میں خواب میں انھیں اللہ تعالےٰ کی زیارت ہوئی تو شکایت عرض کردی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ آیات شفار مجموعی طور پر مریض پر پڑھتے اور اسے لکھ کر برتن میں دھو کر پلائیے۔ چنانچہ ایسے کیا تو ان کا صاحبزادہ شفایاب ہوگیا۔

آیات شفار آیات شفار چھ ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) ویشف صدور قوم مومنین

(۲) شفاء لما فی الصدور

(۳) فیہ شفاء للناس

(۴) وننزل من القرآن ماھو شفاء ورحمۃ للمومنین

(۵) واذا مرضت فھو یشفین

(۶) قل ھو للذین اٰمنوا ھدی وشفآء

حضرت تاج الدین سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے بزرگوں کو آیاتِ شفار کا عامل دیکھا۔ چنانچہ بے شمار بیماروں کو شفا نصیب ہوئی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آیات شفا برتن پر یا کاغذ پر لکھ کر دھو کر پلایا جائے۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من لم یستشف بالقرآن فلا شفاہ اللہ[1] جو قرآن مجید سے شفا حاصل نہیں کرتا، خدا کرے اسے شفا نصیب نہ ہو۔

ف: (اس حدیث شریف سے وہابی نجدی عبرت حاصل کریں جو تعویذات لکھنے اور جھاڑ پھونک کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں[2]:

ف: یاد رہے کہ آیت و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی شفار بخشی جسمانی و روحانی ہر قسم کی بیماری کے لیے (اس سے وہابیہ نجدیہ کا وہم دور ہوا کہ وہ قرآن مجید کو صرف امراض روحانی میں منحصر کرتے ہیں)

نسخہ ہر مرض حضرت شیخ تمیمی قدس سرہٗ "خواص القرآن" میں لکھتے ہیں: سورۃ فاتحہ کو پاک برتن پر لکھ کر پاک پانی سے دھو لیا جائے پھر اس پانی سے مریض اپنا منہ دھوئے تو شفایاب

---

[1]:۔ روح البیان، جلد ۵، صفحہ ۱۹۴۔

[2]:۔ اضافہ از فقیر اویسی۔

ہو گا۔ (انشاء اللہ)

دیگر: وہ شخص کہ جس کے دل میں بے چینی، گھبراہٹ اور خفقان یا کسی قسم کا شک و شبہ ہو تو سورۃ فاتحہ کو لکھ کر دھو کر پئے شفا ہو گی۔ (انشاء اللہ)

قوتِ حافظہ: سورۃ فاتحہ کو مشک سے شیشہ کے برتن پر لکھ کر اسے گلاب کے پانی سے دھو کر کند ذہن کو سات دن مسلسل پلایا جائے تو اس کا حافظہ تیز ہو گا اور جو کچھ سنے گا وہ کبھی نہ بھولے گا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ قرآن مجید کا دامن مضبوط پکڑے اور اسی سے ہی اپنے بیماروں اور بیماریوں کا علاج کرے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے کہ قرآن مجید تمہاری بیماری اور اس کا علاج بھی بتاتا ہے۔ تمہاری بیماری تمہارے گناہ، اور علاج استغفار ہے۔

ف: سب سے پہلے بیماری کا پہچاننا لازمی ہے اس لئے کہ جب تک بیماری کی تشخیص نہ ہو گی اس کا علاج کیسا؟ اور قرآن مجید کو سمجھنے والے اور اس کے عارفین ایسی باتوں کو خوب جانتے ہیں اور اسی کو وسیلہ بنا کر اپنے حصول مطالب میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا اور جب ہم انعام کرتے ہیں۔ عَلَى الْاِنْسَانِ انسان پر یعنی اسے صحت بدنی اور وسعت مالی سے نوازتے ہیں۔ اَعْرَضَ تو ہماری شکر گذاری سے روگردانی کرتا ہے۔ وَنَا بِجَانِبِهٖ ۚ اور بنفس خود دُور ہوتا ہے اور کنارہ کشی کرتا ہے یعنی تکبر و غرور کرتا اور طریق حق سے دور بھاگتا ہے۔ اس سے اس کا تکبر و غرور مُراد ہے کیونکہ خلق خدا سے دوری اور روگردانی متکبرین کی عادات میں شامل ہے۔

حل لغات: ونابه وعنه بمعنے بعدت اسی طرح ناء وعنه بمعنے بعد۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ اور جب اسے فقر یا مرض یا حادثۂ آسمانی پہنچتا ہے۔

نکتہ: انعام کا اسناد اللہ تعالٰے کی طرف اور مس کا شر کی طرف اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰے کا منشا بندوں پر انعام و اکرام ذاتی ہے اور اسے دکھ اور درد میں مبتلا کرنا عارضی ہے یعنی ان کے کردار کی سزا کی وجہ سے۔

كَانَ يَئُوْسًا ۝ تو وہ سخت ناامید ہوتا ہے اور ذرہ بھر بھی اسے اللہ تعالٰے کی رحمت کی امید نہیں رہتی اور یکسر اس کے فضل و کرم کو بھلا بیٹھتا ہے اور یہ وصف انسان من حیث الانسان ہے کہ ان کے اکثر کا یہی حال ہوتا ہے۔ اسی معنے پر آیت فاذا مسه الشر فذو دعاء عریض۔ سے ہم پر اعتراض نہیں اس لئے کہ ہم نے اکثر کو ناامیدی سے موصوف کیا ہے ورنہ اس کے بعض افراد ایسے ہیں جن کا اسی دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ دکھ اور درد کے وقت اللہ تعالٰے کے حضور میں دعائیں مانگتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

قُلْ كُلٌّ فرمایئے کہ ہر ایک مومن و کافر يَّعْمَلُ عمل کرتا ہے۔ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ط اپنے اس طریقہ پر جو لائق ہے یعنی ہدایت یا گمراہی پر۔

ف ہر کہ آن کند کہ از و سزد

ترجمہ: ہر شخص وہی کرتا ہے جو اس کے لائق ہے۔

حل لغات: یہ ذ د شواکل' کے محاورہ سے ہے یعنے وہ بڑا راستہ جس سے چھوٹے چھوٹے راستے نکلتے ہوں۔

القاموس میں ہے کہ الشاکلۃ بمعنے الشکل والناحیۃ والنیۃ والطریقہ والمذھب ہے۔

فَرَبُّكُمْ پس تمہارا رب جس نے تمہیں طبائع مختلف میں پیدا کیا۔ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا وہ سیدھے راستے والے کو خوب جانتا ہے وہ طریقہ حق کے لحاظ سے زیادہ ظاہر اور امین ہے یعنے وہ ہدایت یافتہ اور گمراہ کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

آیت میں اشارہ ہے کہ اعمال احوال کی نشانیاں ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

در زمین گر نیشکر ور خود نیست

ترجمان ہر زمین نبت ویست

ترجمہ: زمین میں اگر گنا ہے یا نہیں ہر زمین کا ترجمان اس کی انگوری ہے۔

سبق: جو شخص اپنے اندر خیر و بھلائی اور طاعت و شکر پائے تو وہ اللہ تعالےٰ کا بے شمار شکر کرے کہ اس نے اس کی توفیق بخشی ہے اگر اپنے اندر فسق، شر، کفر اور ناامیدی پائے تو اس سے پہلے اپنے آپ کو سنبھال لے کہ معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔

حکایت ایک بادشاہ جو بہت بڑی زیب و زینت اور بہت بڑی بادشاہی اور خزانوں کا مالک تھا۔ اس نے اپنے ملک کے امراء کو دعوت دی اور اس میں قسم قسم کے بہترین کھانے پینے کی چیزیں مہمانوں کے لئے تیار کیں جب کھانے کا ارادہ کیا تو کسی نے باہر سے بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لوگوں نے کہا اے فقیر! یہ کیا حرص اور گستاخی ہے۔ ذرا دیر کیجئے مہمان کھانا کھالیں پھر آپ جی بھر کر کھانا کھانا۔ اس نے کہا کہ مجھے کھانے پینے کی ضرورت نہیں۔ مجھے صرف بادشاہ سے ملاقات کرنی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ تیرا بادشاہ سے کیا کام؟ جب دروازہ نہ کھلا تو دوبارہ ایسے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا کہ محل ہل گیا۔ بادشاہ کے خدام کے ہتھیار سنبھالے اور ارادہ کیا کہ فقیر سے مقابلہ کیا جائے تو فقیر نے بڑے زور سے چیخ ماری اور کہا کہ خیال کرکے مقابلہ کرنا میں ملک الموت ہوں۔ میں تمہارے بادشاہ کی روح قبض کرنے اور اسے اس دار الفنا کی شاہی سے معزول کرنے کے لئے آیا ہوں۔ یہ سن کر تمام لوگوں کے حواس باختہ ہو گئے اور ایسے دم بسکوت ہوئے کہ گویا ان کے جسم میں جان ہی نہیں بادشاہ نے ملک الموت سے تھوڑی سی مہلت مانگی لیکن موت سے مہلت کیسی! بادشاہ کو سخت افسوس ہوا اور مال و دولت کی مذمت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے اسی نے دھوکہ میں رکھا لیکن افسوس کہ آج میں خالی ہاتھ جا رہا ہوں اور جو کچھ کمایا تھا وہ دشمنوں کے ہاتھ دے رہا ہوں

لیکن مجھے اس سے سوائے حساب دینے اور عذاب الٰہی کے کیا ہاتھ آیا۔ اللہ تعالٰے نے مال کو بولنے کی طاقت دی اور کہا' اسے بادشاہ مجھ پر لعنت کیوں کرتا ہے بلکہ تجھے اپنے اوپر لعنت کرنی چاہیئے اس لئے کہ میں تو تیرے تابع تھا اور تو پورے طور پر مالک و مختار تھا۔ دیکھئے اب تو مر رہا ہے تب بھی ظلم سے باز نہیں آرہا کہ مجھ بے گناہ کو گالی دے رہا ہے حالانکہ اس میں گناہ تیرا ہے۔

ف : اس حکایت سے چند امور ثابت ہوئے :۔

① بادشاہ کو اللہ تعالٰے نے ملک و ملک اور مال و جاہ و جلال سے نوازا لیکن بادشاہ نے اس کے شکر سے روگردانی کی اور اسے اس سے کسی قسم کا فائدہ نہ ہوا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

خردمند طبعان منت شناس
بدوزند نعمت بمیخ سپاس

ترجمہ : عقلمند منت و احسان شناس ہوتے ہیں اسی لئے وہ نعمتوں کو شکر کی میخ سے مضبوط کرتے ہیں۔

② بادشاہ کو موت نے گھیرا تب بھی اللہ تعالٰے کے فضل و کرم اور احسان سے ناامید تھا تبھی تو وہ لعن اور گالی میں مشغول تھا۔ حالانکہ اس پر لازم تھا کہ وہ اس وقت توبہ اور توجہ الی اللہ کرتا اور اللہ تعالٰے ہر بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب اس کی روح حلقوم تک نہ پہنچے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا :

؎

طریقے بدست آر و صلحے بجوی
شفیعی برانگیز و عذرے بگوی
کہ یک لحظہ نہ بندد اماں
چوں پیمانہ پرشد بدور زماں

کوئی اچھا طریقہ اختیار کرکے صلح کرے اور کوئی سفارشی کھڑا کرکے عذر پیش کردے وہاں امان کی کوئی صورت نہیں جب دور زمان سے پیمانہ لبریز ہو جائے۔

③ بادشاہ نے اپنی عادت کے مطابق عمل کیا تو اسے شر کی سزا مل گئی۔ دراصل اس میں خیر و بھلائی کی استعداد تھی ہی نہیں۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ط قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ○ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ط اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ○ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ○ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ○ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ○ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ○ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ط وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ط قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○

ترجمہ : اور آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں فرمائیے کہ روح میرے رب کے امر کی ایک شے ہے اور تم بہت تھوڑا علم دیئے گئے ہو۔ اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی اسے لے جاتے پھر تم کسی کو نہ پاتے کہ وہ تمہارے لئے ہمارے ہاں وکالت کرے۔ مگر تمھارے رب کی رحمت بے شک آپ پر اس کا بہت بڑا فضل ہے۔ فرمائیے اگر انسان اور جن تمام اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار ہو۔ اور بے شک ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثل طرح طرح سے بیان فرمائی پھر بھی اکثر لوگوں نے نہ مانا مگر ناشکری کی اور انھوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ زمین سے ہمارے لئے چشمہ بہائیں۔ یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر ان کے اندر آپ بہتی نہریں جاری فرمائیں۔ یا آپ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرائیں جیسا آپ کا خیال ہے یا اللہ تعالٰی اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ۔ یا آپ کا سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور آپ کے آسمان پر چڑھنے پر بھی ہم آپ کی تصدیق نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اتاریں جسے ہم پڑھیں۔ فرمائیے میرے رب کی پاکی ہے۔ میں تو ایک بشر اللہ تعالٰی کا بھیجا ہوا ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَيَسْئَلُوْنَكَ

شانِ نزول : منقول ہے کہ کفار عرب نے نضر بن حارث و ابی بن خلف و عقبہ بن ابی معیط کو مدینہ طیبہ بھیجا تاکہ یثرب (مدینہ طیبہ) کے یہود سے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کریں جب یہ لوگ یہودیوں کو ملے اور حالات

سننے سے یہودی متعجب ہوئے اور کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب ہے اور جس شخص کی تم باتیں سناتے ہو ہمیں اس کے حالات سے نبوت کی خوشبو آتی ہے لیکن تم واپس جاؤ اور اس شخص سے چند سوالات دریافت کرو :

① مشرق و مغرب کے کونہ کونہ کی سیر کس نے کی ؟
② وہ نوجوان کون ہیں جو چند سال پہلے زمین میں گم ہوگئے ہیں ؟
③ روح کیا ہے ؟

اگر وہ پہلے دو سوالوں کا جواب دیں اور تیسرے کے متعلق فرمائیں کہ مجھے اس کا علم نہیں تو یقین کر لینا کہ وہی آخرالزماں نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نضر بن حارث وغیرہ واپس مکہ معظمہ پہنچے اور ایک بہت بڑے جلسے میں حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہر تینوں سوال کئے۔ آپ نے دو سوالوں کے جواب دیئے اور تیسرے کے بارے میں آیت ہٰذا نازل ہوئی : ویسئلونک اور آپ سے یہود سوال کرتے ہیں"،

عَنِ الرُّوْحِ ط اس روح کے بارے میں جو بدن انسانی میں ہے اور اسی پر انسانی زندگی کا دار و مدار ہے۔ اور یہودیوں نے آپ سے روح کی حقیقت کا سوال کیا، انھیں جواب میں کہا گیا کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم فرمایئے کہ روح کی حقیقت کا علم ان علوم سے ہے جنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات کے لئے مخصوص فرمایا ہے اور وہ ان اسرار مخفیہ اور رموز پوشیدہ سے ہے جس کی گرد کو عقول بشر نہیں پہنچ سکتیں۔ امر کی جمع امور ہے بمعنے شان اور اضافت اختصاص علمی کی وجہ سے ہے اسے امر تخلیقی سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ امر کو ان ہر دونوں سے تعلق ہے۔

ف : بیضاوی نے کہا کہ اللہ تعالےٰ کے کن سے جملہ موجودات پیدا ہوئیں ان کا پہلے کسی قسم کا مادہ نہ تھا اور نہ ہی انھیں کسی اصل سے پیدا کیا گیا جیسے اجساد میں اعضاء کو پیدا کیا گیا ہے۔

ف : جملہ موجودات کئی قسم کی ہیں :

① بعض وہ جو نہ کسی مادہ سے تعلق رکھتی ہیں اور نہ ہی ان کی کوئی مدت معین ہے انھیں مبدعات سے تعبیر کرتے ہیں جیسے مجردات۔ یہ ہر وجہ سے بالفعل موجود ہیں اس کی حالت کسی وجود کی منتظر نہیں اور یہ ان اسماء کے مظاہر ہیں جن کی بعض حرکت سے زمان مقدر ہوتا ہے۔

② بعض وہ جو کسی مادہ اور معین مدت سے متعلق ہیں انھیں محدثات سے موسوم کیا جاتا جیسے عناصر اور وہ مخلوق جو ان سے مرکب ہوئیں۔

③ بعض وہ ہیں جن کا کسی مادہ سے کوئی تعلق نہیں لیکن معین مدت میں پیدا ہوئیں اس قسم کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس قسم کی مخلوق کا کوئی وجود نہیں اس لئے کہ ہر وہ شے جو کسی مدت میں موجود ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مادہ میں

ظاہر ہو یہ اس کا مذہب ہے جو قائل ہے کہ نفس ناطقہ بدن کے حدوث کے وقت حادث ہوا ہے۔ یہ اقسام باقیہ اسمائے متغیرۂ احکام کے مظاہر ہیں۔ یہ وہ تحقیق ہے جس پر صرف اہل اللہ مطلع ہوئے ہیں۔(ذکرہ داؤد القیصری قدس سرہٗ)

ف: میرے شیخ و پیر و مرشد روح اللہ روحہ الطاہر نے تفسیر الفاتحہ للشیخ صدر الدین القنوی قدس سرہٗ کی شرح میں لکھا کہ خلق یعنے عالم عین و کون و حدوث روح اور جسم سے مرکب ہے اور امر عالم علم اصل اور اس کا مبدا قل الروح من امر ربی الخ ہے۔ اس پر مزید تبصرہ اور تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

وَمَا أُوتِيتُم اور اے مومنو! اور کافرو! تم نہیں دیئے گئے۔ (کذا فی تفسیر الکواشی)

مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا علم سے مگر تھوڑا یعنے اس جیسے امور علم کا تعلق ممکن مگر تھوڑا کہ جس کے لئے تم طرق حواس سے استفادہ کر سکو اس لئے کہ عقل کا اکتساب معارف نظریہ کو اس وقت ہو سکتا ہے جب احساس جزئیات سے ضروری بات کا استفادہ ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے جس کی حس مفقود ہو وہ علم سے بے بہرہ ہوتا ہے اور بہت سی ایسی اشیاء بھی ہیں جن کا حس کو ادراک نہیں ہوتا اور نہ ہی لذات احوال کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ روح کی لذات معرفہ حاصل نہیں ہو سکتی ہاں عوارض سے اس کا امتیاز اور عوارض سے اسے التباس سے دور کیا جا سکتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ وما اوتیتم الخ میں خطاب عام ہے اس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہودیوں نے سوال کیا کہ کیا روح کے متعلق قلت علمی سے صرف ہم مراد ہیں یا آپ لوگ اس میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ بھی اس میں شامل ہیں یہودیوں نے کہا کہ کیا حال بھی عجیب ہے کہ کبھی تو دعویٰ کرتے ہیں:۔

و من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا

اور کبھی فرماتے ہیں:۔

قلت علمی دربارۂ روح ہم اور تم برابر ہیں۔ ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللہ۔

ازالۂ وہم یہود اور ردّ عقیدۂ وہابیہ و دیوبندیہ یہود کا قول مردود ہے اس لئے کہ قلت لفظی کے اشتراک سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا علم مبارک بھی قلیل ہے بلکہ آپ کی قوت علمی بمقابلہ علم خداوندی قلیل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مخلوق ہیں اور اللہ تعالےٰ خالق ہیں مخلوق کا علم حادث ہے اور خالق کا علم قدیم اور مخلوق کا علم متناہی ہے اور اللہ تعالےٰ کا علم غیر متناہی اور متناہی کو غیر متناہی سے

وہی نسبت ہے جو قطرہ کو سمندر سے ہے

علم غیب مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم تردید وہابیہ اور دیوبندیہ

ہم اور ہمارے مشائخ کبار رحمہم اللہ تعالےٰ کا عقیدہ یہی ہے جو صاحب روح البیان دو صدیاں پہلے لکھ گئے ہیں۔ لکھتے ہیں ؎:

قال بعض الکبار علم الاولیاء من علم الانبیاء بمنزلة قطرة من سبعة اکبر و علم الانبیاء من علم نبینا (صلی اللہ علیہ وسلم) بہذہ المثابة و علم نبینا من علم الحق بہذہ المنزلة فالعلم الذی اوتیہ العباد وان کان کثیرا فی نفسہ و لکنہ قلیل بالنسبة الی علم الحق ؎۲	بعض بزرگوں نے فرمایا اولیاء کا علم انبیاء کے علوم کے سامنے ایسے ہے جیسے قطرہ کو دریا سے نسبت اور دیگر انبیا علیہم السلام کے علوم حضور علیہ السلام کے علم مبارک کے سامنے ایسے ہی ہے اور ایسے ہی حضور علیہ السلام کے علم اللہ کے علوم کے سامنے۔ اگرچہ بندوں کے علوم کتنے ہی کثیر ہوں لیکن علم حق تعالےٰ کے سامنے قلیل ہیں۔

[ف: اسے ہم کہتے ہیں علم کلی، اور وہ بھی اپنے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے، اور وہ بھی بایں معنی کہ مخلوق اور کل کائنات کے علوم کے اعتبار سے۔ ورنہ اللہ تعالےٰ کے علوم سے علم نبوی کو کیا نسبت۔ اور وہابیوں دیوبندیوں کو نامعلوم کس لئے ضد ہے کہ وہ علم کلی اللہ تعالےٰ کی صفت بتاتے ہیں حالانکہ علم کلی سے عالم کائنات کے ابتداء و انتہا مراد ہے اور یہ علم حادث اور مخلوق ہے اللہ تعالےٰ کا علم غیر مخلوق اور قدیم ہے۔ اس سے اہل علم سوچیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کی توحید کی آڑ میں ذاتِ باری تعالےٰ کی توہین تو نہیں کر رہے ؎۳]

ف: حضرت شیخ ابومدین مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ علم جو اللہ تعالےٰ نے ہمیں بخشا ہے یہ ہمارا ذاتی نہیں بلکہ یہ عاریت کے طور پر ہمیں ملا ہے اور وہ بھی معمولی طور پر اور وہ بھی گاہے گاہے۔ ورنہ ہم اپنے آقا کے سامنے جاہل ہیں اور جاہل کا علم و دانش کا دعوےٰ کیسا؟

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

؎۱: یہی ہمارا عقیدہ ہے جسے ہم بار بار اپنی کتابوں میں اور تحریروں اور تقریروں میں دہراتے ہیں لیکن پھر بھی وہابی دیوبندی ہمیں مشرک کہتے نہیں تھکتے۔ ہم اس کے جواب میں صرف اتنا کہیں گے: انما یفتری الکذب الذین لا یومنون۔

؎۲: روح البیان، جلد ۵، صـ ۱۹۷۔

؎۳: اضافہ از فقیر اویسی۔

سبحانک لا علم لنا الا ما
علمت و الھمت لنا الھا ما

ترجمہ: تو پاک ذات ہے ہمیں کوئی علم نہیں سوائے اس کے کہ تو نے ہمیں سکھایا اور ہمارے دل پر القاء فرمایا۔

روح کی حقیقت

کو اشی میں لکھا ہے کہ روح اور اس کی ماہیت میں علماء کا اختلاف ہے کسی نے بھی اپنے دعوٰی پر دلیل قطعی پیش نہیں کی صرف اسی قدر ثابت ہوتا ہے کہ روح ایک ایسی چیز ہے جس کے جسم سے جدا ہونے سے موت واقع ہو جاتی ہے اگر روح جسم میں رہے تو بقا رہتی ہے۔

رُوح دو قسم کی ہے

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ روح دو قسم کی ہیں:۔

(۱) سلطانی

(۲) حیوانی

پہلی قسم عالم امر سے ہے اسے مفارق بھی کہتے ہیں اس لئے کہ یہ روح سے جدا ہو جاتی ہے اور اسے تدبر و تفکر سے تعلق ہے اور یہ بدن کے خراب ہو جانے سے فنا پذیر نہیں ہوتا البتہ اس میں تصرف نہیں کرتا۔ اس کا محل تعین قلب صنوبری ہے اور قلب عالم ملکوت سے ہے اور دوسرا عالم خلق سے ہے اسے قلب وعقل و نفس بھی کہتے ہیں اور یہ تمام اعضاء میں سرایت کرتا ہے لیکن اس کا زیادہ غلبہ خون میں ہوتا ہے اور یہی اس کا سب سے زیادہ قوی مظہر اور اس کے تعین کا محل دماغ ہے یہ رُوح اس وقت پیدا ہوتا ہے جب روح سلطانی اس انسانی ڈھانچہ سے متعلق ہوتا ہے اور روح حیوانی درحقیقت روح سلطانی کے انوار کا ایک عکس ہے اور یہی تمام افعال وحرکات کا مبدأ ہے اور حیات ایک غیبی اور پوشیدہ امر ہے جو زندہ شے کے آثار سے ہی پتہ چلتا ہے کہ واقعی اس میں حیات ہے مثلاً زندہ کی حس وحرکت اور علم و ارادہ وغیرہ سے معلوم ہو گا کہ اس میں حیات ہے اور ظاہر ہے کہ انسان وغیرہ میں اگر روح نہ ہوتی تو اس سے آثار مختلفہ صادر نہ ہوتے۔ اس لئے کہ یہ امور ایسے ہیں جیسے ذات حق کے لئے صفات۔ جیسے افعال الٰہیہ کے صدور کا دار و مدار صفت کے ساتھ ذات کے اجتماع پر ہے ایسے ہی افعال انسانیہ روح سلطانی کے روح حیوانی کے ساتھ اجتماع سے صادر ہوتے ہیں جیسے ان افعال و آثار کے وجود سے پہلے صفات الٰہیہ کمالیہ باطن غیب ذات احدیہ میں پوشیدہ تھے ایسے ہی روح حیوانی اس بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے روح سلطانی میں بالقوّت موجود تھی۔

رد وہابیہ: ہماری اس مختصر سی تقریر سے ثابت ہوا کہ حضور سرورعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار[۱] — اللہ کے ولی مرتے نہیں بلکہ وہ ایک دار سے دوسرے دار میں منتقل ہو جاتے ہیں۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کون کہتا ہے کہ ولی مر گئے۔ بلکہ وہ تو قید سے چھوٹے اور اپنے گھر گئے ۔ (از اویسی)

ف : وہ اس لئے کہ انتقال فنائے تام کے وقت انسلاخ کی طرح ہے ۔

روح کے احوال : روح پانچ احوال پر مشتمل ہے :۔

(۱) حالۃ العدم ۔ کما قال :۔

هل اتی علی الانسان حین من الدهر ۔ الآیۃ

حالۃ الوجود فی عالم الارواح ۔ کما قال تعالیٰ :۔

(۲) خلقت الارواح قبل الاجساد بالفی سنۃ

ترجمہ: میں نے ارواح کو دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔[۱]

(۳) حالۃ التعلق ۔ قال تعالیٰ :۔

ونفخت فیہ من روحی ۔

(۴) حالۃ المفارقہ ۔ قال تعالیٰ :۔

کل نفس ذائقۃ الموت ۔

(۵) حالۃ الاعادۃ ۔ قال تعالیٰ :۔

سنعیدها سیرتها الاولیٰ

ف : (۱) حالۃ العدم کی معرفت سے یہ فائدہ ہوگا کہ انسان اپنے آپ کو حادث اور ذاتِ حق کو قدیم ماننے کے عقیدہ پر راسخ ہو جائے گا ۔

(۲) حالۃ الوجود فی عالم الارواح کی معرفت سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے صفات ذاتیہ کے قائل ہو جائیں گے کہ وہ واقعی قدرت ، حیات ، علم ، وجود ، سمع ، بصر ، کلام ، ارادہ اس کی ذاتی صفات ہیں ۔

~~لہ ۔ اس روایت اور مسئلہ کو وہابیہ~~ سرے سے ہی نہیں مانتے ۔ (اویسی)

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

[۱] :۔ اس حدیث شریف کو وہابی دیوبندی نہیں مانتے تو یہ ان کی بدقسمتی ہے اور منکرین حدیث اور ان میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ منکرین حدیث چند روایات کو نہیں مانتے اور یہ شانِ رسالت و ولایت کی روایات کو نہیں مانتے ۱۲ ۔ (اویسی)

(۳) تعلق الروح بالجسد کی معرفت سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہم یقین کریں گے کہ ہمارا رب تعالےٰ عالم غیب و شہادت کی کلیات وجزئیات کے ذرّہ ذرّہ کو جانتا ہے۔

(۴) نفخ الروح فی البدن کی معرفت سے ہمیں یہ ہوگا کہ ہم اپنے عقیدہ میں پختہ ہو جائیں گے کہ واقعی ہمارا رب تعالےٰ رزاق، توّاب، غفار، رحمٰن، رحیم، منعم، محسن اور وہاب ہے۔

(۵) حالۂ مفارقہ کی معرفت سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ ہمارے روح کو جسم کے ساتھ رہنے سے جتنا خباثت ظلمانیہ چمٹ گئی تھیں وہ اس حالت میں دور ہوں گی اور مقام عندیت کے ذوق سے ہم بہرہ مند ہوں گے۔

(۶) اعادۂ روح سے یہ فائدہ ہوگا کہ ہم نعمات اخرویہ سے نوازے جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بیشمار عوالم پیدا فرمائے بعض روایات میں تین سو ساٹھ ہزار عالم مذکور ہیں لیکن یہ تمام صرف دو عالم میں محصور ہیں:۔

(۱) عالم خلق

(۲) عالم امر

چنانچہ فرمایا: الا لہ الخلق والامر۔ عالم دنیا اور وہ اشیاء کہ جن کا حواس خمسہ یعنے سمع، بصر، شم و ذوق، لمس سے ادراک ہو سکتا ہے انھیں عالم خلق اور عالم آخرت اور وہ امور جن کا حواس باطنہ یعنے عقل، قلب، سر، روح، خفی سے ادراک کیا جاتا ہے انھیں عالم امر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عالم امر اولیات عظائم ہیں یعنے وہ اشیاء جنھیں بقا کے عوالم کے لئے پیدا فرمایا جیسے روح، عقل، قلم، لوح، عرش، کرسی، جنت اور نار۔

ف: عالم امر کو امر سے اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اسے بلا واسطہ لفظ کن سے پیدا فرمایا۔ کما قال تعالےٰ:

خلقتك ولم تك شيئا

اور چونکہ اس کا امر قدیم ہے اور وہ شے جو اس امر سے پیدا ہوگی اسے (مدتِ دراز تک) بقاء ہوگی۔ اگرچہ ہم اس کے متعلق حدوث کا عقیدہ رکھیں گے اور عالم خلق کو اس لئے اس نام سے تعبیر کرتے ہیں کہ اسے اللہ تعالےٰ نے شے کے وسائط و وسائل سے پیدا فرمایا۔ کما قال:۔

وما خلق الله من شيء

پھر چونکہ وہ ایک مخلوق شے کے وسیلے سے پیدا کی گئی ہے۔ اسی لئے اسے خلق سے تعبیر فرمایا اور اسے جلد تر فنا کے لئے پیدا فرمایا۔

روح کی حقیقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی اور ردِّ وہابیہ دیوبندیہ اس سے ثابت ہوا کہ روح من امر ربی۔ روح کی

تعریف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ روح عالم امر اور عالم بقار سے ہے اسے عالم خلق و عالم فنا سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کی حقیقت کا علم ایسے علوم سے ہے کہ جنھیں اللہ تعالٰے نے صرف اپنی ذات کے ساتھ مخصوص رکھا اور کسی کو اس کا علم نہ دیا۔ جن جاہلوں کا خیال ہے کہ اس کا علم اللہ تعالٰے نے اپنے نبی علیہ السلام کو نہیں دیا (معاذ اللہ) حالانکہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جو خدا کی ذات کو خوب جانتے ہیں پھر باقی اشیار کے نہ جاننے کا کیا معنے؟ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا،

وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيماً

یقیناً علم روح ایسا مخفی علم نہیں جو اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب علیہ السلام کو نہ دیا ہو۔

ازالہ وہم وہابی آپ کے علم روح کی خبر نہ دینا یا اس کے لئے وحی کا انتظار کرنا جب آپ سے یہودیوں نے سوال کیا سو وہ بھی رازداری کا ایک طریقہ تھا جسے یہودیوں نے نہ سمجھا کیونکہ وہ کم عقل تھے پھر وہ قلبی طور پر ٹیڑھے بھی تھے اور ان کے عقائد بھی خراب تھے اور راز و رموز کو وہی جانتے ہیں جو محرم راز ہوں اور محرم راز وہی ارباب سلوک اور اصحاب سیر الی اللہ ہیں کیونکہ جب وہ نفس اور نفسانیت سے گذر کر واصل الی عالم الارواح ہوئے تو نور روح سے سر کو جانا اور عالم روح سے گذرے تو شواہد حق سے روح کو معلوم کیا اور منزلِ حق کو عبور کیا تو انوار صفات سے مشاہدات جمیل خفی کو پہچانا اور جب انانیت وجود سے تجلی صفات جلال کے سطوات کے ذریعہ فانی ہوئے اور بحر حقیقت کی گہرائی میں پہنچے تو ان پر ہویت حق منکشف ہوئی اور جب بحر ہویت میں غرق ہوئے اور بقار الوہیت کی وجہ سے اللہ تعالٰے کو اللہ کی ذات سے پہچانتے ہیں۔

سبق: جب یہ ایک ولی اللہ کا حال ہے تو پھر اس ذات کا کیا کہنا جو عالم ما کان و ما یکون ہیں، صلے اللہ علیہ وسلم۔

[جو کچھ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا ہے وہی حق ہے اور یہی جمہور اہلسنت کا مذہب ہے لیکن بدقسمتی سے ہمارے دور میں ایک گروہ پیدا ہوا ہے جو قائل ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت کا علم نہ تھا۔ یہ ان کا کہنا مبنی بر جہالت ہے ورنہ صاحب روح البیان کے علاوہ دوسرے علمار محققین بھی تصریح فرما چکے ہیں کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت معلوم تھی چنانچہ چند تصریحات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) علامہ علاؤالدین رحمہ اللہ تعالٰے تفسیر خازن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علم معنی الروح ولکن لم یخبر بہ لان ترك الاخبار بہ کان علما النبوتہ ۔

یعنے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حقیقتِ روح معلوم تھی۔ لیکن آپ نے اس کی خبر نہ دی کیونکہ اس کی خبر نہ دینا، یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

اس سے آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

وما اوتیتم الا قلیلا ھو خطاب للیھود ۔

یعنے اور نہ دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا علم، یہ خطاب یہود کو ہے۔

ف: اس آیت کی تفسیر سے صاف واضح ہوگیا کہ روح کی حقیقت حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک میں تھی۔ لیکن اس کا اظہار نہیں فرمایا۔

(۲) شیخ محقق علامہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ، مدارج النبوت میں علم روح کے متعلق فرماتے ہیں:۔

چہ گونہ جرأت کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفین صلے اللہ علیہ وسلم کند دادہ است او را حق سبحانہٗ تعالےٰ علم ذات و صفات خود و فتح کردہ بروئے فتح مبین از علوم اولین و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ درجنب جامعیت و قطرہ ایست از دریا و ذرہ ایست از بیدار۔

(مدارج النبوت جز ثانی ص ۶۵)

یعنے مومن عارف یہ ہمت کس طرح کر سکتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سید المرسلین وامام العارفین سے حقیقت روح کے علم کی نفی کرے۔ حالانکہ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے ان کو اپنی ذات وصفات کا علم دیا ہے اور ان کے لئے علوم اولین و آخرین کھول دیئے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابل روح انسانی کی کیا حقیقت ہے۔ وہ تو اس دریا کا ایک قطرہ ہے اور اس جنگل کا ذرّہ ہے۔

ف: خلاصہ یہ کہ شیخ محقق علیہ الرحمہ کے کلام سے واضح ہوگیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم کے آگے روح کی کیا حقیقت ہے اس لئے کہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے اپنی ذات وصفات اولین و آخرین کے علوم عطا فرما دیئے ہیں۔ روح تو آپ کے دریا کا ایک قطرہ اور جنگل کا ایک ذرّہ ہے۔

(۳) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں علم روح کے متعلق فرماتے ہیں:۔

ولا تظن ان ذالك لم يكن مكشوفا لرسول الله صلى الله عليه وسلم فان من لم يعرف الروح فكانه لم يعرف نفسه ومن لم يعرف نفسه فكيف يعرف الله سبحانه ولا يبعد ان يكون ذالك مكشوفا لبعض الاولياء والعلماء۔

(احیاء العلوم، غزالی)

یعنے گمان نہ کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم ظاہر نہ تھا۔ اس لئے کہ جو شخص روح کو نہیں جانتا وہ اپنے نفس کو نہیں پہچانتا وہ اللہ سبحانہٗ کو کیونکر پہچان سکتا ہے اور بعید نہیں ہے کہ بعض اولیاء اور علماء کو بھی اس کا علم ہو۔

مندرجہ بالاحوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کا علم ہے نیز قرآن مجید کی کسی آیت میں علم روح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمانے کی نفی تو ہے ہی نہیں۔ یہ محض قیاس باطل ہے آیت روح کو عدم علم نبی کے لئے سند بنانا اول درجہ کی سفاہت ہے[1]

مزید تشریح کے لئے فقیر کی کتاب "الفتوح فی حقیقۃ الروح" پڑھئے۔]

روح نور ہے روح انسانی وہی پہلی ہے جس سے قدرت کا تعلق ہوتا ہے :۔

جوھرۃ نورانیۃ ولطیفۃ ربانیۃ من عالم الامر ھو الملکوت الذی خلق من لاشئی[2]

روح ایک نورانیہ جوہر اور ربانی لطیفہ ہے عالم امر سے متعلق ہے اور عالم امر عالم ملکوت سے اور عالم ملکوت وہ ہے جو کسی شے کے واسطہ سے پیدا نہیں کیا گیا ہے۔

اور عالم خلق وہ ملک ہے جو کسی شے کے واسطے سے پیدا کیا گیا۔ اللہ تعالےٰ کا ارشادِ گرامی ہے :۔

اولم ینظروا فی ملکوت السموات والارض

اس سے ثابت ہوا کہ عالم دو ہے جنھیں دنیا و آخرت اور ملک و ملکوت اور غیب و شہادۃ اور صورت و معنے اور خلق و امر اور ظاہر و باطن اور اجساد و ارواح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جب اس قسم کے الفاظ استعمال کئے جائیں تو عالم کا ظاہر و باطن مراد ہوتا ہے۔ اور آیت سے یہی ثابت ہوا کہ ملکوت سے عالم کا باطن کہ جو کسی واسطہ کے بغیر پیدا کیا گیا اور اس کے ماسوا کا نام ملک ہے یعنے وہ جو کسی شے کے واسطہ سے پیدا کیا گیا۔

اوّل کائنات حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اول ما خلق اللہ جوھرہ۔

اور فرمایا :۔

اول ما خلق اللہ روحی۔

اور فرمایا :۔

اول ما خلق اللہ العقل۔

---

[1] :۔ [.....] اضافہ از فقیر اویسی۔

[2] :۔ روح البیان، جلد ۵ ۔ صہ ۱۹۹۔

اور فرمایا :

اول ما خلق الله القلم

(ان چاروں سے ایک ہی شے مراد ہے صرف اس کے مختلف اوصاف کی وجہ سے مختلف اسمات سے تعبیر کیا گیا ہے)[1]

چنانچہ مشائخ کبار نے فرمایا کہ اول المخلوقات علے الاطلاق ملک کروبی ہے جسے عقل کہا جاتا ہے اور وہی صاحب القلم ہے اوصاف قلم کو قلم سے تعبیر کیا گیا جیسے صاحب سیف کو سیف سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ کہا جاتا اور یہی پہلا اسلامی لقب ہے جو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا ۔ اور قرآن مجید میں ہے :

یوم یقوم الروح و الملائکۃ صفاً

اس آیت کی تفسیر میں حدیث شریف میں وارد ہوا کہ روح سے فرشتہ مراد ہے جو صف باندھ کر بارگاہ حق میں کھڑا ہوتا ہے۔

ممکن ہے کہ اس ملک سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس مراد ہو۔ اس لئے مختلف روایات

شانِ رسالت ومختلف صفات سے جس مخلوق اول کو موصوف کیا ہے وہ ایک ذات ہے اس میں مختلف صفات موجود ہیں انہی مختلف صفات کی وجہ سے اسے مختلف اسمار سے موسوم کیا گیا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے اصل کائنات حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

لولاک لما خلقت الکون[2] آپ نہ ہوتے تو کائنات کو پیدا نہ کرتا۔

ف : اس سے واضح ہوا کہ اصل کائنات ہمارے آقا و مولی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی کل کائنات آپ کی فرع ۔ اس لئے کہ روح کے اندر کل کائنات کا بیج موجود تھا جب وہ اپنی قوت کو پہنچا اور اسے چالیس سال گذرے تو جسم و روح سے موجودات کے شجرہ سے ثمرہ خارج ہوا جسے سدرۃ المنتہیٰ سے تعبیر کرتے ہیں ! اور قاعدہ ہے کہ ثمرہ درخت کی ٹہنیوں سے نکلتا ہے اسی لئے آپ قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر تشریف لے گئے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا :۔

نحن الاخرون السابقون یعنے ثمرہ کی طرح سب کے بعد آئے اور تخلیق میں بیج کی طرح سب سے پہلے ہیں۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ سب سے پہلی مخلوق حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس ہے جس کے ساتھ

خلاصہ کلام سب سے پہلے قدرتِ حق کا تعلق ہوا۔ آپ کے مختلف صفات کی وجہ سے آپ کے مختلف اسمائیں مثلاً چونکہ آپ جملہ کائنات کے جوہر ہیں اسی لئے آپ کو دُرّۃ و جوہرۃ سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا :۔

---

[1] : اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] :۔ روح البیان، ج ۵ صفحہ ۱۹۹

اول ما خلق اللہ جوھرہ

اور دوسری روایت میں ہے:

درۃ فنظر الیھا فذابت فخلق منھا کذا وکذا

اور بوجہ آپ کی نورانیت کے آپ کو نور کہا گیا اور آپ کے عقل کی وفرت سے آپ کو عقل سے موسوم کیا گیا اور آپ میں ملکی صفات کا غلبہ تھا اسی لئے آپ کو ملک (فرشتہ) سے تعبیر کیا گیا اور آپ چونکہ صاحب قلم تھے اسی لئے آپ کو قلم کہا گیا۔

[صاحب روح البیان مذکورہ بالا دلائل لکھ کر آخر میں ان لوگوں کا رد لکھتے ہیں جو قائل تھے

رد وہابیہ و دیوبندیہ کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کی حقیقت معلوم نہیں اور یہی عقیدہ ہمارے دور میں مودودی اور پرویزی جیسے بدقسمتوں کے علاوہ دیوبندیوں اور وہابیوں کا ہے[1]]

فقیر (اسماعیل حقی) کی عبارت ملاحظہ ہو، فرمایا:۔

وکیف یظن بہ علیہ السلام انہ لم یکن عارفا بالروح والروح ھو نفسہ وقد قال "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ"[2]

اور حضور علیہ السلام پر کیسے بدگمانی ہو سکتی ہے کہ کہا جائے کہ آپ کو روح کا علم نہ تھا حالانکہ وہ خود روح تھے اور قاعدہ ہے جو اپنے آپ کو جانتا ہے وہ خدا تعالے کو جانتا ہے۔

تو اصل وجود آمدی از نخست تمام ارواح حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے روح پاک سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اسی معنے پر آپ اصل الارواح ہیں، اسی معنے پر آپ کا اسم گرامی "اُمّی" ہے بمعنے ام الارواح یعنے ارواح کا اصل۔ اسی لئے آپ ابوالارواح ہیں اور آدم علیہ السلام ابوالبشر اور حوا ام البشر۔ اس سے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کو سمجھ لیجئے کہ جب اللہ تعالے نے اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس کو پیدا فرمایا تو اس کے بعد صرف اللہ تعالیٰ تھا یا رسول اللہ، اور کوئی شئے نہ تھی۔ جب اور کوئی شے نہ تھی تو حضور علیہ السلام کو کس طرف منسوب کیا جاتا سوائے ذات حق کے اسی معنے پر آپ کو نور اللہ وغیرہ کہا جاتا ہے اور چونکہ آپ سب سے پہلے ہیں اسی لئے شجرۃ الوجود سے آپ کو ثمرہ دار بنایا اور آپ وہی مقدس ذات ہیں جس سے سب سے پہلے قدرت حق کا تعلق ہوا اور سب سے پہلے آپ ہی کی روح تھی جسے اللہ تعالے نے ونفخت فیہ من روحی کہہ کر آپ کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ اس تقریر پر یہ اضافت تشریفی ہے جیسے بیت اللہ میں اضافت تشریفی ہے اور اسے بھی اللہ تعالے نے بیتی فرما کر اپنی

---

[1]: اضافہ از فقیر اویسی

[2]: روح البیان جلد ۵، صفحہ ۱۹۹۔

طرف منسوب فرمایا اور آیت میں روح سے سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں یعنے جب اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق فرما کر ان کے اندر روح پھونکا اور اس روح کو اپنی طرف منسوب فرمایا تو کہا:

ونفخت فیہ من روحی

اس آیت میں روح سے حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام کی روح حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح کا جلوہ ہے اس کی دلیل ہماری مذکورہ بالا تقریر ہے۔ اسی طرح آپ کی اولاد کی ارواح بھی حضور علیہ السلام کی روح کی ایک جھلک ہے چنانچہ آیت ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین، ثم سواہ ونفخ فیہ من روحی سے بھی معلوم ہوتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

ونفخنا فیہ من روحنا

اس سے بھی یہی کہا جائے گا کہ پھونک تو جبریل علیہ السلام کی تھی لیکن روح سے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جسے اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا۔ حدیث شریف "ادم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ" میں ایک نکتہ یہی ہے کہ آپ تمام کائنات کے باپ ہیں اسی لئے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد آپ کی پناہ میں ہوں گے۔

وما اوتیتم من العلم الا قلیلا سے وہم ہوتا ہے کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہیں

ازالۂ وہم اس کے ازالہ میں صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہ خطاب ان یہود کی طرف راجع ہے جنھوں نے حضور علیہ السلام سے روح کے متعلق سوال کیا تھا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم نے اے یہودیو! مجھ سے روح کے متعلق سوال کیا اور اس سے تمھیں جواب ملا کہ وہ من امر ربی سے متعلق ہے اور تم میرے کلام کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے کہ میں تمھیں عالم آخرت کی خبر دے رہا ہوں اور میرا کلام عالم غیب سے متعلق ہے اور تم عالم دنیا کے لوگ ہو اور تم صرف عالم محسوس کی باتیں سمجھ سکتے ہو اور تمھیں عالم آخرت سے تھوڑا علم نہیں دیا گیا کیونکہ تم عالم آخرت سے غافل ہو۔

کما قال تعالےٰ:-

یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا وھم من الاخرۃ غافلون۔

تفسیر عالمانہ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اور البتہ اگر ہم لے جائیں وہ جو ہم نے آپ کے ہاں وحی کی۔ پہلی لام توطئہ کی ہے اس قسم کے لئے جو محذوف ہے اور دوسری لام جواب کے لئے اور یہی جواب قسم اور شرط کے جواب کے قائم مقام ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ بخدا اگر ہم قرآن کو لے جائیں اور صدور ومصاحف سے مٹانا چاہیں تو ہم اس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رکھیں اور اگر باقی ہو تو آپ اسے نہ جانیں جیسے پہلے آپ کو ذاتی طور پر علم نہیں تھا کہ کتاب وغیرہ کیا ہے۔

ازالہ وہم: یہ جملہ بالفرض والتقدیر کے قبیل سے ہے اور بالفرض والتقدیر کا اجراء محالات میں بھی ہوتا ہے اور یہ تو محال

بھی نہیں لیکن پھر بھی ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب کے پیش نظر اسے محالات میں داخل کرتے ہیں۔ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ قرآن مجید کے چلے جانے کے بعد پھر تم نہیں پاؤ گے یہی معنے کاشفی نے لکھا ہے۔ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ ایسا وکیل جو ہمیں مجبور کرکے قرآن مجید واپس لوٹائے اور علینا وکیلا کے متعلق ہے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ہاں اگر تمہارے اوپر تمہارا رب تعالٰے رحم فرما کر قرآن مجید واپس لوٹائے وہ ایک علیحدہ بات ہے گویا رحمت الٰہی سے ہی قرآن آپ کے سپرد کیا جا سکتا ہے اس معنے پر یہ استثنار متصل ہے۔ اور کاشفی نے لکھا ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ لیکن یہ رب تعالٰے کی رحمت ہے کہ یہ قرآن مجید تمہارے ہاں باقی ہے اور وہ محو نہیں ہوتا اس معنے پر یہ استثنار منقطع ہے۔

ف : الکواشی میں ہے کہ الا رحمۃ من ربک مفعول لہ ہے۔

اب معنے یہ ہوا کہ ہم نے اسے محفوظ فرمایا رحمت کی وجہ سے۔

قاعدہ : یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اس سے مراد آپ کے غیر ہیں۔ یہ قاعدہ تمام مفسرین کو مسلم ہے۔

[لیکن افسوس! کہ دور حاضر کے بے ادب اور گستاخ نبوت اس قاعدہ کے خلاف اس قسم کی آیات کو ظاہر پر محمول کرکے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جی بھر کر گستاخی اور بے ادبی کرتے ہیں][1]

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ بے شک آپ پر اللہ تعالٰے کا بہت بڑا فضل ہے کہ آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور آپ کے ہاں کتاب بھیجی اور اسے آپ کی خاطر محفوظ رکھا۔

ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ آپ پر اللہ تعالٰے کا بہت بڑا فضل ہے کہ آپ کو تمام اولاد آدم کا سردار اور خاتم پیغمبراں بنایا اور لواء الحمد اور مقام محمود عطا فرمایا اور قرآن مجید جیسی بلند مرتبہ کتاب بخشی اور پھر اسے آپ کی امت میں باقی رکھا۔ اسے محو نہیں فرمایا۔

قُلْ اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم! فرمایئے۔ ان لوگوں سے جو قرآن کی بزرگی سے بے خبر ہو کر کہتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ انسان کا کلام ہے۔ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ اور تمام انس وجن متفق ہوں۔ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ بلاغت، کمال، معنے، حسن نظم، اخبار عن الغیب، عربی خالص، ارباب بیان اور اہل تحقیق کی فہم کے مطابق اس جیسا قرآن لاؤ۔

ازالۂ وہم آیت میں صرف جن وانس کی قید اس لئے ہے کہ مقابلہ انہی سے تھا۔ ملائکہ کے ساتھ یہ معاملہ نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ قرآن کا انکار انس وجن سے صادر ہوا۔ اور فرشتوں کو اس کا انکار تھا ہی نہیں۔ اسی لئے انس وجن کی تخصیص کی گئی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انس وجن آیات قرآنی نہیں لا سکتے، باقی مخلوق لا سکتی ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ مسلم ہے کہ قرآن مجید جیسا

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی

کلام سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کوئی نہیں لا سکتا۔

ف: عین الحیوۃ میں ہے کہ یہاں جن میں ملائکہ بھی شامل ہیں۔ اس لئے کہ لغت میں جن ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس کا ادراک نہ ہو سکے مثلاً کہا جاتا ہے۔ "جن بترسد" یہ اس شخص کے لئے بولتے ہیں جو اپنی ڈھال کے ساتھ چھپ جاتے۔ اسی لئے ڈھال کو عربی میں مجن کہا جاتا ہے اس معنے پر ملائکہ بھی ہم سے اوجھل ہیں اس لئے اگر انہیں جن کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نکتہ: بحر العلوم میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انس و جن صرف محال پر مجتمع ہوتے ہیں اور یہ صرف انہی کا خاصہ ہے۔ ملائکہ کی یہ شان نہیں کہ وہ محال پر مجتمع ہوں۔

لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ اس جیسا قرآن نہیں لائیں گے جو صفات بدیعہ میں اس کا مماثل ہو۔ یہ قسم محذوف کا جواب ہے جیسا کہ اس پر لام توطئہ کی دلالت کرتی ہے اور یہ شرط کی جزا کے بھی قائم مقام ہے اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا جواب جزم کے بغیر ہوتا اس لئے کہ شرط فعل ماضی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ اس جیسا اس لئے نہیں لا سکتے کہ وہ قرآن مجید اللہ تعالےٰ کی صفت ہے پھر یہ عقیدہ ہے کہ جیسے اس کی ذات کی کوئی مثل نہیں ہو سکتی کیونکہ صفات قدیمہ ہیں اور اس کی ذات پاک کے ساتھ قائم ہیں ہاں مخلوق کی صفات متغیر و فنا پذیر ہیں اور وہ یہاں مراد نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں یعنی اس جیسے کلام کے لانے کے لئے ایک دوسرے کے معاون اور حامی بنیں تب بھی اس جیسا کلام نہیں لا سکیں گے

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا اور بخدا ہم نے ایسے مختلف وجوہ سے بار بار بالتکرار بیان کیا ہے جو مزید تقریر و بیان اور رسوخ و اطمینان کا موجب ہے۔ لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لوگوں کے لئے اسی قرآن میں جو کئی طریقوں اور بہترین اوصاف سے موصوف ہے۔ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ہر طرح کے عجیب و غریب معنے سے یہ لفظ اس کلام کے لئے جو عجیب و غریب اور پرکشش حسین ترین ہو۔ قرآن کو اس طریقہ سے اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ سننے والے اسے قبول کریں۔ فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ پس لوگوں نے انکار کیا سوائے ناشکری اور سوائے حق کے انکار کے۔

سوال: کلام موجب سے استثناء ناجائز ہے مثلاً ضربت الا زیداً کہنا جائز نہیں؟

جواب: یہ کلام متاول ہے یعنے فابیٰ میں نفی کا معنے ہے اسی لئے استثناء جائز ہے یعنے ابی بمعنے لم یرد ولم یرض وما قبل وما اختار کا ہے۔

آیت سے چند فوائد حاصل ہوئے:

(۱) قرآن مجید اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی اور عظیم ترین نعمتوں سے ہے اسی لئے ہر عالم دین اور حافظ قرآن پر لازم ہے کہ وہ اس کا شکر ادا کریں اور اس کے حقوق اس سے قبل پورے کریں جب کہ امر ہاتھ سے نکل جائے یعنے موت سے پہلے۔

حدیث شریف (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دینی امور میں سب سے پہلے عالم دنیا سے امانت اور سب سے آخر میں نماز اٹھ جائے گی بہت سے لوگ نمازی تو ہوں گے لیکن دیندار نہیں ہوں گے اور ایسا زمانہ آئے گا کہ دنیا میں قرآن تو ہوگا لیکن اس کے احکام میں سے کسی ایک پر بھی پابندی کرنے والا نہ ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کی کہ حضرت یہ کیسے ہوگا جب کہ ہم نے اسے اپنے قلوب میں خوب مضبوط کرلیا ہے اور پھر اسے اپنے مصاحف میں لکھ کر تصحیح کا پورا اہتمام کیا ہے پھر ہم نے اپنی اولاد کو بھی حافظ بنایا اور انہیں وصیت کی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قرآن مجید یاد کرائیں اسی طرح یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہیگا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگ قرآن سے منہ موڑیں گے تو ان سے قرآن مجید اٹھا لیا جائے گا تو وہ ہماری اصطلاح میں ان جیسا فقیر و تنگدست کوئی نہ ہوگا اس لئے کہ اس وقت قرآن مجید نہ ان کے دلوں میں محفوظ ہوگا نہ ان کے صحیفوں میں۔

حدیث شریف (۲) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ قرآن کو آسمان کی طرف اٹھا' اور اسے وہاں رکھا نہ جائے گا جہاں سے اتارا گیا اور اس کی عرش کے گرد شہد کی مکھیوں کی سی آواز ہوگی۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ اے قرآن مجید! کیا کہتے ہو؟ قرآن مجید فرمائے گا یا اللہ! لوگ مجھے پڑھتے تھے لیکن مجھ پر عمل نہیں کرتے تھے۔

حدیث شریف (۳) حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ نے فرمایا:
تین اشخاص دنیا میں غریب ہوں گے:۔

(۱) قرآن مجید ظالم کے دل میں۔

(۲) نیک مرد بدعمل قوم میں۔

(۳) قرآن مجید ایسے گھر میں جہاں اس کی تلاوت نہ کی جائے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا :-

علم چند آنکہ بیشتر خوانی
چون عمل نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند
چار پائے و برو کتابے چند
آن تہی مغز را چہ علم و خبر
کہ برو ہیزمست و یا دفتر

ترجمہ: (۱) علم جتنا پڑھو لیکن اس پر عمل نہ کرو تو تم نادان ہو۔

۲۔ وہ نہ محقق ہے نہ دانش مند بلکہ وہ ایک جانور ہے جس پر چند کتابیں لدی ہوئی ہیں ۔

۳۔ اس خالی دماغ کو کیا پتہ کہ اس پر لکڑیاں ہیں یا کتابیں ۔

اور فرمایا :۔

عالم اندر میان جاہل را
مثلے گفتہ اند صدیقاں
شاہدے درمیاں کورانست
مصحفے درمیان زندیقاں

ترجمہ : عالم دین جاہلوں میں ہو تو اس کی مثال بزرگوں نے دی ہے کہ محبوب حسین وجمیل اندھوں میں ہے یا قرآن مجید بے دینوں میں ۔

(۲) نہ انسان میں استعداد ہے : کسی دوسری مخلوق میں کہ قرآن مجید جیسا کلام تیار کر سکے کہ جس میں قرآن مجید کی طرح غایت درجہ کا اختصار و فصاحت اور دقت و حداقت اور لطائف غایت لطف و نظامت اور حقائق غایت حقیقت و نزاہت ہو

ف : جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی عبارت عوام کے لئے اور اشارہ خواص کے لئے اور لطائف اولیاء کے لئے اور حقائق انبیاء علیہم السلام کے لئے ہیں ۔

مثنوی شریف میں ہے :۔

خوش بیان کرد آن حکیم غزنوی
بہر محجوبان مثال معنوی
کہ ز قرآن گر نہ بیند غیر قال
این عجب نبود ز اصحاب ضلال

کز شعاع آفتاب پر ز نور
غیر گرمی می نیابد چشم کور
تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین
ظاہر قرآن چو شخص آدمیست
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیست

[ترجمہ اور شرح فقیرؑ کی کتاب " صدائے نوحی " میں ہے]

مسئلہ : قرآن مجید غیر مخلوق ہے کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کی صفت ہے اور اللہ تعالےٰ کی جملہ صفات غیر مخلوق اور ازلی ہیں ۔

مسئلہ : حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جو اللہ تعالےٰ کی کسی صفت کو مخلوق کہے یا ان کے قدیم ہونے میں توقف کرے یا شک کرے تو وہ کافر باللہ ہے اور وہ وجوہ جو حدوث لفظ پر دلالت کرتے ہیں ان میں اشعریہ اور منصوریہ مختلف فیہ نہیں ہیں مثلاً کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالےٰ کا کلام حرف اور صوت ہے اور وہ ہر دونوں اللہ تعالےٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور وہ باوجود این ہمہ قدیم ہیں اور اس سے عجیب تر ان کا یہ قول ہے جو کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی جلد اور اس کے گتے اور غلاف وغیرہ بھی قدیم ہیں (یہ ان کی جہالت ہے) ۔

ف : حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ان کا کہنا کہ قرآن مجید کے حروف ہیں اس کے دو معنے ہیں ۔ ایک معنے یہ کہ وہ یعنے قرآن مجید مرکب اور کلام ملفوظ ہے اور دوسرا معنے یہ کہ وہ لکھا ہوا اور مرقوم و مخطوط ہے اور اسے لکھا جاتا ہے اور اس کے لکھنے میں حروف ہیں اور ان کے ساتھ گفتگو بھی کی جاتی ہے اسی معنے پر اس کے الفاظ کے حروف ہیں ۔ ان دونوں معنوں پر کیا کہا جائے گا کہ یہی حروف کہ جس سے کلام بولا جا رہا ہے وہی اللہ تعالےٰ کے کلام کی صفت ہے یا مترجم عنہ کی ۔

ف : حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالےٰ مختلف صورتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوگا جسے حقیقت نصیب ہوگی تو وہ جلووں کو قبول کرے گا اس معنے پر وہ کلام جس کو ہم بولتے ہیں وہ کلام الٰہی بھی ان بعض حروف میں متلفظ کی صورتوں میں ہو تو کیا حرج ہے جیسے وہ بے صورت قیامت میں کسی صورت میں جلوہ گر ہوگا، ایسے ہی اس کے کلام کو سمجھئے ۔ حضرت شیخ اکبر نے یہاں پر طویل گفتگو کے بعد لکھا ہے کہ جب ہماری تقریر سے ثابت ہوگیا کہ بے صورت صورت میں جلوہ گر ہوگا تو اسی طرح کہا جائے کہ یہی کلام الٰہی ہے جسے ہم تلاوت کرتے اور اسے سنتے اور بولتے ہیں جسے ہم قرآن تورات اور انجیل سے تعبیر کرتے ہیں ۔

ف : بعض نے لکھا کہ کلام رتبہ میں متکلم کا عین ہوتا ہے اور اس کا معنے اس کے ساتھ دوسرے رتبہ میں قائم ہوتا ہے جیسے کلام نفسی کا حال ہے کہ وہ حروف سے مرکب ہے اور انہی حروف سے عالم مثال و حس میں متعین ہوا جسے تعین کے بعد محسوس کیا گیا ۔

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کو اکثر لوگ نہیں جانتے اور نہ ہی وہ تنبیہات ربانیہ سے متنبہ ہوتے ہیں اسی لئے ہزاروں میں ایک ہوتا ہے جسے بہشت نصیب ہوتی ہے ورنہ ان کے اکثر دوزخ میں جاتے ہیں ۔ ان سے وہ جاہل مراد ہیں جو حق تعالےٰ سے اعراض کرتے ہیں ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

عہ : فقیر اویسی غفرلہ

گفتن با جہول خوابناک
تخم افگندن بود در شورہ خاک
چاک حمق و جہل نپذیرد رفو
تخم حکمت کم دہش اے پند گو

ترجمہ: جاہل غافل کو نصیحت ایسے ہے جیسے شور زمین میں بیج ڈالا جائے۔ اور حماقت و جہالت کا چاک سلائی قبول نہیں کرتا اسی لئے اسے حکمت کا بیج مت دے اور نہ ہی اسے نصیحت کہہ۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْا

شان نزول: امام واحدی رحمہ اللہ تعالے نے اسباب نزول میں لکھا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالے عنہما سے مروی ہے کہ عتبہ و شیبہ و ابوسفیان و نضر بن حارث و ابا البختری اور ولید بن مغیرہ و ابوجہل و عبد اللہ بن ابی امیہ و امیہ بن خلف اور دیگر قریش و بڑے بڑے لیڈر کعبہ معظمہ میں جمع ہوئے اور طے کیا کہ حضرت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مذہبی گفتگو کر کے ان سے آج کے دن فیصلہ کی بات کی جائے تاکہ روزانہ کی خلفشار نہ ہو چنانچہ انھوں نے اپنا ایلچی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں بھیجا اور کہلوا بھیجا کہ آج کعبہ معظمہ میں آپ کی قوم کے جملہ سردار جمع ہیں اور آپ سے کوئی بات کہنا چاہتے ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سنتے ہی تشریف لائے کیونکہ آپ کو ہر وقت ان کے اسلام قبول کرنے کی خواہش رہتی تھی اور خیال فرمایا کہ شاید انھوں نے میری تبلیغ کو مان لیا ہے۔ جب آقائے نامدار محمد صلے اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لا کر بیٹھ گئے تو

کافروں کا مکالمہ کافروں نے کہا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم اپنی برادری (عرب) میں آپ جیسے کسی کے متعلق یاد نہیں رکھتے جس طرح آپ نے اپنی قوم میں پھوٹ ڈالی ہے کہ آپ نے اپنے آباء کو گالی دیں اور ان کے دین پر عیب لگایا اور عقلمندوں کو بیوقوف کہا اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا اور ہماری برادری میں پھوٹ ڈالی غرضیکہ کوئی برا کام نہیں جیسے آپ نے نہ کیا ہو۔ اب ہم آپ سے عرض کرتے ہیں کہ یہ کام آپ نے اگر حصول مال کے لئے کیا ہے تو ہم آپ کو اتنا مالا مال کر دیں گے کہ آپ جیسا مالدار اور کوئی نہ ہوگا۔ اگر آپ لیڈری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنی تمام برادری (عرب) کا لیڈر منتخب کر لیتے ہیں۔ اگر آپ ہمارے اوپر شاہی کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر آپ پر جنوں کا اثر ہے تو ہم آپ کا طبی علاج کرائیں اگرچہ اس علاج پر ہماری جائداد کام آجائے تب بھی ہم ایسا کرنے کو تیار ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا جواب مجھے تمہاری بیان کردہ تمام باتوں سے اتفاق نہیں، میں نے تمہیں تبلیغ اسلام نہ تو حصول مال کے لئے کی ہے نہ ہی لیڈری کے لئے اور نہ ہی بادشاہ بننے کے لئے بلکہ مجھے میرے اللہ تعالےٰ نے

تمہارے ہاں رسول بنا کر بھیجا اور مجھے تمہاری تبلیغ کے لئے کتاب دی ہے اور مجھے حکم فرمایا کہ میں اہل ایمان کو بہشت کی خوشخبری دوں اور کافروں کو دوزخ کا ڈر سناؤں اور الحمد للہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کیا اور جتنا مجھ سے ہو سکا میں نے تمہیں نصیحت دی ہے اگر تم میرے مواعظ کو مانو تو دنیا و آخرت میں عیش و آرام میں رہو گے اگر نہیں مانتے تو میں اس وقت تک صبر کروں گا جب تک میرا رب تعالےٰ تمہارے متعلق مجھے کوئی نیا فیصلہ کن حکم نہیں سناتا۔

کافروں کی تقریر کافروں نے کہا کہ اگر آپ ہماری باتوں سے اتفاق نہیں کرتے تو ایک کام اور کیجئے وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم پسماندہ لوگ ہیں اور علاقہ بھی پسماندہ ہے نہ یہاں مال کی فراوانی ہے اور عیش و عشرت بھی ہم میں نہیں کیونکہ ہمارے ہاں اسباب نہیں۔ اگر آپ اللہ تعالےٰ کے نبی ہیں تو اپنے اللہ تعالےٰ سے سوال کیجئے تاکہ وہ ہمارے ان پہاڑوں کو دور پھینکے جنھوں نے ہماری معیشت کو تنگ کیا ہوا ہے پھر ہمیں مالی وسعت عطا فرمائے اور ہمارے علاقوں میں نہریں جاری فرمائے جیسے شام و عراق میں نہروں کا جال بچھایا ہے اور ہمارے اسلاف کو زندہ کرے ان میں قصی بن کلاب کا ہونا ضروری ہے اس لئے کہ وہ ہمارے مشائخ سے تھے اور بہت بڑے صدق گو تھے ہم ان سے آپ کے بارے میں پوچھیں گے کہ کیا آپ سچ فرماتے ہیں یا جھوٹ (معاذ اللہ) اگر آپ ہمارے سوالات کا حل فرما دیں تو ہم آپ کے دین کی تصدیق کریں گے ورنہ ہم معذور ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تقریر دلپذیر حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان امور کے لئے مامور ہو کر مبعوث نہیں ہوا۔ میں جن احکام کے لئے بھیجا گیا ہوں وہ میں نے تمہیں پہنچا دیئے ہیں اب تم مانو تو تمہارے لئے دارین کی بھلائی ہے ورنہ میں اللہ تعالےٰ کے حکم کا منتظر ہوں۔

کفار کے دیگر سوالات کافروں نے کہا کہ اگر آپ وہ نہیں کر سکتے تو یوں کیجئے کہ اپنے رب تعالےٰ سے سوال کیجئے کہ وہ آپ کے ساتھ ایک فرشتے کو بھیج دے جو آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور دعا کیجئے کہ آپ کا رب آپ کو باغات اور خزانے اور سونے اور چاندی کے محلات دے تاکہ آپ اپنے کاروبار میں کسی کے محتاج نہ ہوں کیونکہ اپنے معاش کے حصول کے لئے بازاروں کا چکر لگاتے رہتے ہیں۔ اس سے آپ کو آرام مل جائے گا۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا جواب باصواب حضور اکرم صلے اللہ نے فرمایا کہ میں اس طرح کے سوالات اللہ تعالےٰ سے نہیں کرتا اور نہ ہی اس نے مجھے ایسے سوالات کے لئے بھیجا ہے بلکہ مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور جس کام کے لئے مجھے بھیجا ہے میں بفضلہٖ تعالےٰ اسے بخوبی سرانجام دے چکا ہوں۔

کفار کا دیگر سوال کافروں نے کہا کہ پھر تو اپنے رب تعالےٰ سے سوال کیجئے تاکہ وہ ہماری ہٹ دھرمی پر ہمارے اوپر آسمان کا کچھ حصہ گرا دے جیسے تم خود بھی کہتے ہو کہ میرا رب تعالےٰ چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

نبی علیہ السلام کا جواب حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میرے رب تعالےٰ کی مرضی ہے کہ وہ چاہے تو

ایسا کر دے اگر نہ چاہے تو اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔

ایک اور کافر کا سوال

ایک اور کافر نے کہا اور اس کی تائید میں عبداللہ بن امیہ بن المغیرۃ المخزومی اٹھ کھڑے ہوئے جو اس وقت کافر تھے یہ حضرت عبداللہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے عمزادے یعنی بی بی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ یہ بعد میں مسلمان ہو گئے اور اسلام کے بہت بڑے شیدائی تھے۔ انھوں نے کہا کہ میں آپ کی تصدیق نہیں کرتا یہاں تک کہ آپ آسمان کی طرف سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور میں آپ کو دیکھتا رہوں اور یقین کر سکوں کہ واقعی آپ آسمان پر چڑھ گئے ہیں اور پھر اسی طرح آپ نیچے اتر آئیں اور وہاں سے آپ ایک ایسا نسخہ لے آئیں جو مضامین سے پُر ہو اور وہ کھلا ہوا ہو جسے ہم پڑھ سکیں اور آپ کی واپسی پر آپ کے ساتھ فرشتے ہوں اور وہ گواہی دیں۔

حضور علیہ السلام کی آخری کارروائی

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ان سے مایوس اور نہایت غمزدہ ہو کر واپس تشریف لائے اور کفار کی تابعداری سے ناامیدی دیکھی اور سمجھا کہ یہ لوگ مجھ سے بہت دور ہو گئے تو اللہ تعالے نے آپ پر یہی آیت اتاری کہ وقالوا الخ اور مشرکین مکہ اور ان کے سرداروں نے کہا کہ

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کی نبوت و رسالت کا ہرگز اعتراف نہیں کریں گے۔

حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے بہائیں مِنَ الْاَرْضِ مکہ کی زمین سے يَنْۢبُوْعًا ○ پانی کا ایسا چشمہ کہ وہ کبھی کم نہ ہو۔ ینبوع ہر اس کثیر الماء چشمہ کو کہتے ہیں جس سے جوش سے پانی نکلتا ہو اس کا پانی نہ دھنستا ہو اور نہ کم ہوتا ہو۔

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ یا ہو تمہارے لئے باغیچہ کہ جس کے درخت اپنے نیچے والی تمام چیزوں کو چھپا دیں۔

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ کھجوروں اور انگوروں کے درختوں سے۔ نخیل۔ نخلة کی اور عنب۔ عنبة کی جمع ہے۔

فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ پس تم زوردار نہریں جاری کرو۔ خِلٰلَهَا ان باغات کے درمیان۔

ف: القاموس میں ہے خلال الدار یعنے ہر وہ جو دار کی دیواروں کے ارد گرد اور گھروں کے مابین واقع ہو اور خلال السحاب یعنے مخارج الماء۔

تَفْجِيْرًا ○ کثرت کے ساتھ یعنے پیدا کرنے کے لئے لایا گیا ہے اس سے باغات کے درمیان پانی کے وقت نہروں کا اجراء مراد ہے یا ان کا دائمی اجراء مطلوب ہے جیسا کہ لفظ فاء سے معلوم ہوتا ہے اس سے ابتدائی اجراء مراد نہیں۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا یہ کسفة کی جمع ہے جیسے قطعة کی قطع جمع آتی ہے یہ دونوں لفظ و معنے ایک ہیں اور یہ السماء سے حال ہے کما کا کاف محلا منصوب ہے اس لئے کہ وہ مصدر محذوف کی صفت ہے اب عبارت یوں بنے گی کہ

اسقاطا مماثلا لما زعمت۔ اس سے ان کی مراد "ان پہاڑوں کے ٹکڑے گرنا" ہے۔

اَوْ تَاْتِیَ یا آپ لائیں بِاللّٰہِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیْلًا ۝ قبیل بمعنے مقابل جیسے عشیر بمعنے معاشر آتا ہے اب معنے یہ ہوا کہ آپ اللہ تعالٰے اور ملائکہ کو سامنے لائیے یا قبیل بمعنے کفیل ہے یعنے ایسا ضامن لائیے جو آپ کے دعوٰی کی گواہی دے اور یہ لفظ " اللہ " سے حال ہے اور " الملائکہ " کا حال محذوف ہے اور اس کا قرینہ یہی لفظ قبیلاً ہے اور وہ محذوف بھی قبیلا ہے ۔

اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ یا ہو تمہارا گھر سونے کا ۔ اس سے ان کی مراد زیب و زینت ہے ۔
ف : کاشفی نے لکھا ہے کہ آپ اپنا سونے کا گھر بنوائیے جس میں اپنی زندگی بسر کریں اور اس فقر و تنگدستی سے نجات پائیں ۔

اَوْ تَرْقٰی یا تم چڑھ جاؤ ۔ فِی السَّمَآءِ آسمان میں یعنے اس کے معارج میں ۔ یہاں مضاف محذوف ہے ۔ رقی فی السلم و فی الدرجۃ از باب علم رضی کی طرح ہے بمعنے صعد اور کہا جاتا ہے ، علا صعوداً علواً

وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ اور ہم تیرے چڑھنے کی وجہ سے ہم اعتراف نہیں کریں گے ۔ لام تعلیل کی ہے اگر لن نومن بمعنے لن نصدق کریں تو لام صلہ کی ہے ۔ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے آسمان سے ایسی کتاب اتاریں جس میں تمہاری تصدیق ہو نَّقْرَؤُهٗ ط جسے ہم خود پڑھیں اور تم سے سمجھنے کی ضرورت نہ ہو ۔

ف : ایسے مطالبات سے ان کا مقصد صرف عناد تھا اور بس ۔ اگر وہ اس سے رہبری چاہتے تو انھیں معجزاتِ نبوی کے دیکھنے سے ہدایت نصیب ہو جاتی ۔ قُلْ تعجب کے طور پر انھیں فرمائیے جب کہ وہ سختی سے مطالبہ اور بار بار لایعنی سوال کر رہے ہیں اس سے تنزیہ مقصود ہے ۔ سُبْحَانَ رَبِّیْ میرا رب پاک ہے اس سے کہ اس پر کوئی تحکم کرے یا اس کی قدرت میں اس کا کوئی شریک ہو ۔ هَلْ كُنْتُ میں نہیں ہوں ۔ اِلَّا بَشَرًا مگر بشر ہوں اور میں فرشتہ بھی نہیں ہوں کہ آسمان پر چڑھ جاؤں اسی طرح دوسرے مطالبات کو پورا کر دوں ۔ رَّسُوْلًا ۝ اور اللہ تعالٰے کی طرف سے مامور ہوں کہ اس کے پیغامات تم تک پہنچاؤں ۔ مجھ میں دوسرے رسولوں کی طرح ذاتی طور پر ایسے اختیار نہیں جو میں تمھیں تمہارے مطالبات پورا کر دوں[1] اس لئے کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اپنی امتوں کے سامنے وہی ظاہر فرماتے جو ان کے حالات کے مناسب ہوتا اور نہ انھیں اور نہ مجھے طاقت ہے کہ ہم جبراً اللہ تعالٰے سے ایسے امور منوائیں ۔

ترکیب : بشرا ۔ کنت کی خبر اور رسولا ۔ بشرا کی صفت ہے ۔

لہ ۱ ۔ یہ صرف کفار کی ہٹ دھرمی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ورنہ مذکورہ بالا جملہ امور حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور معجزات کے ظاہر فرمائیے بلکہ ان سے بھی مزید برآں ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس حیوانی ظاہری محسوسات سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ایسی بصیرت نہیں ہوتی جس سے وہ شواہد حق اور دلائل نبوت کو دیکھ سکیں اور اعجاز عالم معانی کا اعجاز ولایت روحانیہ اور قوت ربانیہ سے نصیب ہوتا ہے اسی سے تزکیۂ نفوس و تصفیہ قلوب و تجلیۃ الارواح حاصل ہوتا ہے اور حکمت کے چشمے ارض قلوب سے بہ نکلتے ہیں تاکہ اس سے مواصلات کے باغات میں مشاہدات کی کھجوریں اور مکاشفات کے انگور پیدا ہوں۔

سبق صادق سالک پر لازم ہے کہ وہ عالم معنے تک پہنچنے کی طلب رکھے۔ اس لئے انسان کا حقیقی مطلب یہی ہے اور وہاں علم و عمل اور تواضع سے حالۃ تراب کی طرف رجوع کے بغیر پہنچنا ناممکن ہے۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حوارین سے پوچھا کہ دانہ کہاں اگتا ہے۔ سب نے عرض کی زمین سے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسے ہی حکمت قلب سے پیدا ہوتی ہے جیسے دانہ زمین سے اس میں عیسیٰ علیہ السلام نے اشارہ فرمایا کہ حکمت تواضع اور رفع تکبر سے نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد عالی ہے کہ

"بندے کے قلب کی حکمت کے چشمے زبان سے ظاہر ہوتے ہیں"

اور چشمے زمین سے ہی ابلتے ہیں کیونکہ پانی کے چشموں کے ابلنے کی جگہ زمین ہی ہے لیکن یہ مقام ترک جاہ و جلال سے نصیب ہوتا ہے اور معرفت نفس اور اس کی عبودیت یعنے اس کا عبد ہونا اس کا دوسرا نام ہے اور قاعدہ ہے عبودیت اور ریاست یعنے جاہ و جلال ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے کیونکہ ایک ہی بندہ بادشاہ ہو اور وہی رعایا ہو، یہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح عارف جامی قدس سرہٗ نے اشارہ فرمایا : ؎

با لباس فقر باید خلعت شاہی درست

زشت باشد جامہ نیمے اطلس و نیمے پلاس

ترجمہ : فقیر کے لباس سے ہی شاہی خلعت درست ہے ورنہ وہ لباس خراب لگتا ہے جس میں ادھا اطلس ہو اور آدھا ٹاٹ ہو۔

ف : آیت میں کافروں کے مطالبات سے ان کی گستاخی اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا کمال ادب اور فنار فی اللہ ہونا اور ترک اعتراض قابل غور ہے۔

حکایت : جب لیلےٰ نے مجنوں کا پیالہ توڑا تھا تو مجنوں تین دن شوق سے رقص کرتا رہا۔ لوگوں نے کہا کہ اسے مجنوں! تو کس

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۶۵)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّىْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

ترجمہ: اورکس بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے ہاں ہدایت آئی مگر یہ کہ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالٰی نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا۔ فرمایئے اگر زمین پر فرشتے ہوتے آرام سے چلتے تو ان پر ہم فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے۔ فرمایئے اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمھارے درمیان، بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالٰی ہدایت دے وہی ہے ہدایت یافتہ اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ان کے لئے اللہ کے سوا تم حمایتی نہیں پاؤگے۔ اور قیامت کے دن ہم ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے اندھے اور گونگے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب بجھنے لگے گی تو ہم ان کے لئے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ اور یہ ان کی سزا اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا تھا کہ کیا جب ہم ہڈیاں ہوکر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کیا انھیں اتنا معلوم نہیں کہ جس نے آسمان اور زمین بنائے وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے اور بنائے اور اس نے ان کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا ہے جس میں ذرا بھی شک نہیں سو ظالمین انکار کئے بغیر نہ رہے۔ فرمایئے اگر تم لوگ میری رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو خرچ ہو جانے کی فکر سے انھیں روک رکھتے اور انسان بڑا کنجوس ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

لئے رقصاں ہے کیا تو نے اس سے یہی سمجھا ہے کہ لیلیٰ تجھ سے محبت کرتی ہے۔ مجنوں نے کہا کہ تم نے اس راز کو نہیں سمجھا دراصل لیلیٰ نے پیالہ توڑ کر بتایا ہے کہ جب تک فنا کامل نہ ہوگی مقصد کو نہیں پاؤ گے۔ مجنوں کی سمجھ کتنی قابل داد ہے کہ صوفیاء کرام نے فرمایا کہ واقعی سالک صادق اپنے مقصود کو نہیں پا سکتا جب تک کہ اسے فنائے کلی نصیب نہ ہو۔

خمیر مایۂ ہر نیک و بد توئی جامی
خلاص از ہمہ می بایدت ز خود بگریز

ترجمہ: ہر نیک و بد کا خمیر اے جامی! تو ہے تمام امور سے خلاص پانا چاہتے ہو بلکہ خودی سے فارغ ہو جا۔

سبق: عاقل وہ ہے جو وجود کو فانی اور شہود کو حاصل اور قلب کو ماسویٰ اللہ کی گرد و غبار سے پاک کرتا ہے بلکہ اسے رب تعالیٰ کے ذکر کے سوا اور کسی شے سے انس ہوتا ہی نہیں۔

ف: حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ موت کے وقت انسان کے ساتھ تین صفات باقی رہتی ہیں:

(۱) صفا القلب یعنے قلب کا دنیا کی ہر شے سے پاک ہونا۔
(۲) ذکر الٰہی سے انس۔
(۳) اللہ تعالےٰ کی محبت۔

اور قلب کی طہارت اور صفائی معرفت سے اور معرفت دائمی ذکر و فکر اور یہی تینوں صفات ہی منجیات یعنے نجات دہندگان ہیں۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اور قریش مکہ یعنے کفار کو کس چیز نے روکا ہے۔ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اس سے کہ ایمان لائیں قرآن و نبوت پر۔ اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى جب کہ ان کے ہاں آئی ہے ہدایت یعنے وحی کے نزول کے وقت۔ منع یا ان یومنوا کا ظرف زمان ہے۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا مگر ان کا کہنا۔ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ سے حال ہے یعنے وہ انکار کرتے ہوتے کہتے تھے کہ اللہ تعالےٰ کا رسول جنس بشر سے نہیں ہوتا۔

[یہی ہم اہلسنت بریلوی کہتے ہیں۔ مخالفین ہمارے اوپر بہتان تراشتے ہیں کہ اہلسنت بریلوی انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے منکر ہیں۔ تشریح آیت قل انما انا بشر مثلکم میں آئے گی۔ ان شاء اللہ[1]]

ف: ان کو ایمان کی دولت سے یہی اعتقاد مانع تھا جیسا کہ آیت میں ان کے قول سے ثابت ہوتا ہے۔

قُلْ آپ ان کے شبہ کے جواب میں فرمائیے لَوْ كَانَ اگر پایا جائے اور ثابت ہو جائے فِي الْاَرْضِ زمین میں بشر کی بجائے مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ فرشتے لوگوں کی طرح دو قدموں پر چلتے ہوئے نظر آئیں وہ آسمان پر پروں کی

---

[1] از اویسی غفرلہٗ۔

طرف نہیں اُتریں گے کہ آسمان والوں سے کچھ سن کر اہلِ زمین کو پیغامِ الٰہی بتائیں۔ مُطْمَئِنِّيْنَ زمین کے ساکن اور اسی میں قرار پانے والے۔ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ سے حال ہے یعنے ہم ان پر آسمان سے فرشتہ نازل کرتے۔ رَّسُوْلًا ۝ تاکہ انھیں دنیا و دین کے وہ ضروری امور جن کے وہ محتاج ہیں کے احکام بتائیں اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ جنس جنس کی طرف میلان رکھتی ہے اور چونکہ زمین کے مکین بشر ہیں اسی لئے لازم ہے کہ ان کے ہاں جو بھی رسول بن کر تشریف لائے وہ بشر ہو تاکہ افادہ و استفادہ ممکن ہو اور کفار اس کنار سے بے خبر تھے کہ جنسیت انس پیدا کرتا ہے اور غیر جنسیت سے نفرت۔

ولا

اُو بشر فرمودہ و خود را مثلکم

تا بجنس آیند و گم گردند گم

زانکہ جنسیت عجائب جاذبیست

جاذب جنست ہر جا طالبیست

ترجمہ: حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو بشر اور مثلکم فرمایا تاکہ جنس سمجھ کر لوگ آپ کے ہاں حاضر ہوں اور محویت حاصل کریں اس لئے کہ جنسیت عجیب جاذب شے ہے اور جہاں طلب ہو تو جنس جنس کی جاذب ہوتی ہے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ فرمایئے، اللہ تعالےٰ واحد لاشریک کافی ہے۔ شَهِيْدًا گواہ اس بات پر کہ میں نے تمھارے ہاں اس کے احکامات پہنچائے اور تم نے تکذیب کی اور سخت سے سخت مخالفت کی۔ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ میرے اور تمھارے درمیان۔ بیننا نہیں فرمایا تاکہ فرق معلوم ہو، اسی طرح : انك میت و انهم میتون، فرمایا، تاکہ عوام اور نبی علیہ السلام کی موت میں فرق ہو۔ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ بے شک وہ اپنے بندوں (رسل اور امتی) خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا سے باخبر اور ان کے ظاہری اور باطنی احوال کو دیکھتا یعنے محیط ہے۔ تو انھیں ان کے اعمال کی جزاء و سزا دے گا۔ اس میں حضور علیہ السلام کو تسلی اور کفار کو تہدید ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جاہلوں کو اسی سے انکار ہے کہ وہ انسان کامل کو ان کے ہم جنسوں کی طرف راز و نیاز سکھانے کے لئے بھیجے اور ان کا خیال ہے کہ ملائکہ بشر[1] سے افضل ہیں حالانکہ ملائکہ ساجد

---

[1] یہاں بشر من حیث البشر کی فضیلت کا بیان ہے ورنہ کفار کی بشریت ملائکہ سے افضل نہیں ایسے ہی حضور علیہ السلام کی بشریت کل کائنات سے افضل ہے۔ یہ ہے نسبت کی شان ۱۲۔

اور بشر مسجود تھا علاوہ ازیں بشر میں اسرار خلافت مخفی رکھے اگر ان اسرار کے اہل ملائکہ کرام ہوتے تو اللہ تعالٰی ان کو بھی نوازتا اسی وجہ سے اسے زمین پر رسول بنا کر نہیں بھیجا اس سے ثابت ہوا کہ رسالت و خلافت او رملوکیت کا اہل صرف حضرت انسان ہے

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ یہ جدید کلام ہے اسے امر میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ اب معنے یہ ہوگا کہ اللہ تعالٰی جس کے لئے ہدایت پیدا کرے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ اور جسے اللہ تعالٰی ہدایت کا راہ دکھائے یعنے اس کے لئے ہدایت اور توفیق کا حکم کرے۔

فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ پس وہی ہے ہدایت یافتہ۔ وَمَنْ يُّضْلِلْ اور جس میں اللہ تعالٰی ہدایت پیدا کرے لیکن یہ تخلیق اس کے برے اختیار کے بعد ہوتی ہے۔

ف: کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ اور جسے اللہ تعالٰی گمراہی کا حکم فرمائے اور اسے مراتب علیا سے گرائے۔

فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ تو تم ان کے لئے ہرگز نہیں پاؤ گے۔

نکتہ: ہدایت میں صیغہ واحد اور ضلال میں صیغہ جمع میں اشارہ ہے کہ طریق حق واحد ہے اور اس پر چلنے والے بہت تھوڑے ہیں اور گمراہی میں جمع کے صیغہ میں اشارہ ہے کہ گمراہی کے راستے بے شمار اور اس پر چلنے والے بھی بہت ہیں۔

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ معین و مددگار اللہ تعالٰی کے سوا۔

ف: من دونہ محلاً منصوب اور صفت ہے اور حال ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

اور اولیاء یعنے انصار ہے یعنے ایسے مددگار جو انہیں حق کا راستہ دکھائیں اور تم سے گمراہی دُور کریں۔

حدیث شریف میں صرف رسول ہوں اور ہدایت (تخلیقی) میرے ہاتھ میں نہیں اگر میرے ہاتھ میں (ہدایت تخلیقی) ہوتی تو تمام روئے زمین پر کوئی بھی گمراہ نہ ہوتا سب کے سب میرے اوپر ایمان لاتے۔

ابلیس بھی صرف گمراہی کو اچھا کر کے دکھاتا۔ اگر اس کے ہاتھ میں کچھ ہوتا تو روئے زمین پر سب کو گمراہ کر لیتا لیکن اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اسے ہدایت بخشتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مکن بچشم حقارت نگاہ بر من مست
کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت او

ترجمہ: چشم حقارت سے مجھے مت دیکھ اس لئے کہ معصیت و زہد اسی کی مشیت کے بغیر نہیں۔

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور ہم انہیں اٹھائیں قیامت کے دن۔ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ان کے چہروں پر یعنے انہیں قیامت میں گھسیٹ کر یا پیدل لے جائیں گے اور اسے قدرت ہے کہ وہ مجرموں کو چہرہ کے بل چلائے کیونکہ جب

اسی نے قدموں سے چلنے کی طاقت بخشی ہے وہ سر کے بل چلنے کی بھی قدرت بخش سکتا ہے۔ عُمْيًا۔ یہ وجوههم کی ضمیر جمع غائب سے حال ہے اور عمی۔ اعمی کی جمع ہے۔ وَّبُكْمًا یہ ابکم کی جمع بمعنے اخرس یعنے گونگا۔ وَّصُمًّا اصم کی جمع اور صمم (محرکۃ) سے ہے بمعنے کان کی قوت شنوائی کا بند ہو جانا یا قوت سماع کا بوجھ ہو جانا کہ جس سے اونچا سنا جا سکے۔

سوال: یہ آیت مندرجہ آیات کے خلاف ہے:

(۱) سمعوا لها تغيظا وزفيرا

(۲) ورای المجرمون النار

(۳) دعوهنالك ثبورا

جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کا معنے یہ ہے کہ وہ قیامت میں ایسا امر نہیں دیکھیں گے جو انہیں مسرور کرے اور ایسا کلام نہیں بولیں گے جو بارگاہ حق میں قبول ہو اور نہ ہی ایسی کوئی بات سنیں گے جس سے وہ محظوظ ہوں اور اس سے لذت پا سکیں یہ اس کا بدلہ ہے کہ دنیا میں آیات و عبرتوں سے عبرت نہیں پکڑتے تھے اور نہ ہی حق بولتے اور نہ ہی حق کو سنتے تھے۔

ف: مقاتل نے فرمایا کہ یہ اس وقت کہا جائے گا جب انہیں حکم ہوگا: اخسادا فيها ولا تكلمون، اس کے بعد تمام کفا بہرے گونگے اندھے ہو جائیں گے۔ (نعوذ باللہ من سخطہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ونحشرهم الخ یعنے انہیں اندھا گونگا اس لئے اٹھایا جائے گا کہ وہ دنیا کی عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ علی وجوههم یعنے دنیا کی کم درجہ اشیاء اور اس کی منقش اور شہوات کی چیزوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ عمیا رؤیت حق سے اندھے دیکھا قول حق سے گونگے۔ وصما استماع حق سے بہرے ہوں گے وہ اس لئے کہ وہ ازلی نور کے چھینٹوں سے محروم رہے تھے۔ اسی لئے فرمایا:

ومن كان فى هذه اعمٰى الخ

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جس حالت میں زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے اسی حالت پر موت آئے گی اور وہ اسی حالت میں قیامت میں اٹھے گا۔

تفسیر عالمانہ مَاْوٰىهُمْ ان کا مسکن اور منزل۔ الماویٰ ہر وہ جگہ جہاں کوئی شئے رات بسر کرنے کے لئے یا دن کو رہنے کے لئے تیار کرے۔ جَهَنَّمُ ط دوزخ ہے۔ یہ ماواھم کی خبر ہے اور جملہ كُلَّمَا خَبَتْ مستانفہ ہے۔

حل لغات: خبت النار۔ الحرب والحدۃ خبوا وخبوا سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب آگ اور جنگ

وغیرہ بجھ جائے اور ان کا جوش ختم ہو جاتے۔ (کذا فی القاموس)

زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ اور ہم ان کے لئے جلانے والی آگ بڑھائیں گے یا اس کا معنے یہ ہے کہ ہم ان کے لئے آگ روشن کریں گے یعنے جب آگ ان کے چمڑے اور گوشت کھا جائے گی تو پھر ہم ان کے چمڑے اور گوشت پیدا کریں گے تو آگ کا جوش اس سے اور بڑھ جائے گا۔

سوال : آیت "كلما نضجت جلودهم جلودا غيرها" سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے چمڑے صرف پک جائیں گے اور تم کہتے ہو کہ آگ ان کے چمڑوں اور گوشت کو کھا جائے گی اور وہ جل کر اور راکھ ہو کر مٹ جائیں گے ؟

جواب : آیت مذکورہ میں نضج سے مجازی معنے مراد ہے وہ یہ کہ ان کے چمڑوں اور گوشت میں آگ اثر کر جائے گی اس کے بعد چمڑے کچے رہیں یا جل کر راکھ ہو جائیں۔

ف : اس کے بعد اللہ تعالےٰ انھیں نئے بنا دے گا تاکہ وہ اپنی سزا کو دیکھیں اور انھیں معلوم ہو کہ ان کا مرنے کے بعد کا انکار غلط تھا۔ اسی لئے انھیں بار بار مارنا اور اٹھانا، سزا کے ساتھ ساتھ عبرت دلانا مقصود تھا۔

چنانچہ فرمایا : ذٰلِكَ یہ مبتدا اور اس کی خبر جَزَآؤُهُمْ ہے یعنے یہ ان کی سزا بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا اس سبب سے ہے کہ انھوں نے ہمارے ان آیات عقلیہ ونقلیہ سے انکار کیا جو ان کے مرنے کے بعد اٹھنے پر واضح طور پر دلالت کرتی تھیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ لوگ حرص وشہوت کی آگ میں ہیں پھر ان کے مقصد پورے ہونے پر جب شہوت وحرص کی آگ بجھ جاتی ہے تو پھر دوسرے مطالب کے حصول کے لئے ان کی خواہش اور حرص کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اگر یہ ایمان دار ہوتے تو دنیا کی حرص اور اس کے شہوات پر ٹوٹ نہ پڑتے اور نہ ہی ان آیات بینات کا انکار کرتے جن کی طرف انبیاء علیہم السلام نے ہدایت بخشی۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

کوزۂ چشم حریصاں پر نشد
تا صدف قانع نشد پر در نشد

ترجمہ : حریصوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی پر نہ ہوا۔ صدف بھی جب تک قانع نہ ہوئی اس وقت تک پُر نہ ہوئی۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْٓا اور جب منکرین نے بہت سخت انکار کرتے ہوئے کہا کہ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا۔ کیا جب کہ ہم ہو جائیں ہڈیاں۔ وَّرُفَاتًا۔ الرفات بمعنے الحکام بمعنے چورہ چورہ اور مجاہد نے فرمایا رفات بمعنے مٹی۔ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ یہ یا تو مصدر ہے یعنے اپنے غیر فعل سے مفعول مطلق ہے دراصل لمبعوثون بعثنا جديدا، تھا۔ یا حال ہے بمعنے مخلوقین مستانفین۔ (اس آیت کی تفسیر اسی سورت

میں پہلے بیان ہو چکی ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا یا انھوں نے تفکر نہیں کیا یا انھوں نے نہیں جانا کہ اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بے شک اللہ تعالٰی وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو مادہ کے بغیر بنایا باوجودیکہ یہ چودہ طبق اللہ تعالٰی کی سب سے بڑی مخلوق ہے۔ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ قادر ہے۔ پراس کے کہ وہ ان جیسے اور بنائے یعنے صغر میں ان کے مثل ہوں یا یہ کہا جائے کہ لفظ مثل زائد ہے اور " خلق " سے اعادہ مراد ہے۔ اسی لئے کاشفی نے لکھا کہ لفظ مثل سے شے کی ذات مراد ہوتی ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

مثلك لا يفعل كذا (تیرے جیسے ایسے نہیں کرتے یعنے تم ایسا نہیں کرتے)

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ط اور ان کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا کہ جس میں کوئی شک نہیں۔ اس کا عطف اولم یروا پر ہے اس لئے کہ یہ قد رءو کے معنے میں ہے۔ اب معنے یہ ہوا کہ انھیں معلوم ہے کہ وہ ذات جو آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق پر قادر ہے اور اسے یہ بھی قدرت ہے کہ قیامت میں انھیں اٹھائے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان کے فنا کرنے کا ایک دن مقرر کیا ہے اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اس وقت سے ان کی موت یا ان کے قیامت کے دن اٹھنے کا دن مراد ہے۔

فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ پس ظالموں نے انکار کیا کہ حق کے سامنے سر جھکانے سے رک گئے اور نہ سر تسلیم خم کرنے سے وہ راضی تھے۔ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ سوائے اس سے انکار کرنے کے۔

قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں سے فرمایئے۔ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے یعنے اس کے رزق کے وہ تمام خزانے جو تمام مخلوق کے لئے ہر وقت کھلے ہیں اور انتم مرفوع ہے بوجہ فعل کہ جس کی فعل مذکور تفسیر کرتا ہے اور یہ مبتدا نہیں اس لئے کہ انتم ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی:

لو تملكون انتم تملكون۔

اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ اس وقت تم بخل کرتے یعنے امسکتم بمعنے بخلتم ہے اس لئے کہ بخیل کو ممسک کہا جاتا ہے اسی لئے اس کے لئے مفعول محذوف نہیں مانا گیا۔ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ط اس کے ختم ہونے کے خطرے سے۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ اور انسان فطرتاً تنگدل ہے۔ قتورا۔ قتر بمعنے ضیق سے ہے یعنے انسان فطری طور پر سخت سے سخت بخیل مزاج ہے۔ اس لئے کہ انسان ہر وقت ضروریات میں گھرا رہتا ہے اور اسے اپنی ضروریات پورا کرنے کا ہر وقت خیال رہتا ہے اور جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کے عوض لینے کے درپے رہتا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے بنی سلمہ قبیلہ سے پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ انھوں نے

عرض کی کہ جد بن قیس، اور ساتھ یہ بھی شکایت کی کہ وہ بخیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بخل سے بڑھ کر اور کون سی بیماری ہو سکتی ہے آج کے بعد تمہارا سردار عمر بن الجموح ہے۔

تفسیر صوفیانہ بخل اور حرص انسان کی صفات مذمومہ سے ہیں انسان پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو ان دونوں صفات سے پاک اور منزہ رکھے بلکہ اپنے آپ کو سخاوت اور قناعت سے آراستہ پیراستہ کرے بلکہ اپنے سے طول امل (یعنے دل کی تمنائیں) دور رکھے اس لئے کہ شیطان بخیل کے ساتھ رہتا ہے اگرچہ وہ عبادت گذار ہو اور سخی سے دُور بھاگتا ہو اگرچہ وہ فاسق ہو۔

ازالۂ وہم بعض لوگ ہر بات میں انبیاء و اولیاء کو اپنے جیسا سمجھ کر عمومی حکم میں ان حضرات پر عام حکم لگاتے ہیں حالانکہ یہی غلطی انھیں گستاخی اور بے ادبی کی طرف لے جاتی ہے۔ وہابی، دیوبندی اور ان کے ہم نوا اسی قاعدہ اور ضابطہ میں مبتلا ہیں مثلاً یہی بخل اگرچہ انسانی فطرت میں داخل ہے اس لئے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہونے کی وجہ سے قبض و یبوست (بخل وغیرہ) میں مُبتلا ہو لیکن اللہ والے (انبیاء و اولیاء اس سے مستثنیٰ ہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالٰی کے خواص بندے اور اس کی صفات سے متعلق اور اس کی ذات کے اسرار کے متحقق ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا:

ے

لــہ راحۃ لو ان معشار جودھا

علی البرکان الــبر انـدی من البحر

ترجمہ: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی ایسی ہے کہ اگر اس کی سخاوت کا دسواں حصہ جنگل کو نصیب ہو جائے تو وہ دریا سے بھی زیادہ سخی ہے۔

ف: الراحۃ بمعنے الکف یعنے ہاتھ کی ہتھیلی۔ المشعار بمعنے العشر یعنے دسواں حصہ۔

حکایت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی ایک شخص سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ کو گالی دینا شروع کر دیں۔ اسے مارنے کے لئے ہر آزاد اور غلام دوڑ پڑے آپ نے فرمایا کہ اسے مت مارو بلکہ میرے ہاں لے آؤ۔ جب حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی! تو نے میری مذمت کی اس سے مجھے ناراضگی نہیں اس لئے کہ جتنا تو نے میرے عیوب گنائے ہیں اس سے کئی گناہ زیادہ میرے عیوب پوشیدہ ہیں (یہ انکساری سے فرمایا) بتایئے تجھے کیا شے چاہیئے تاکہ تیری خدمت کروں۔ حضرت کی ان کریمانہ باتوں سے اس شخص کا شرمساری سے سر جھک گیا۔ آپ نے اپنا قیمتی کمبل اسے عنایت فرما دیا اور فرمایا کہ اس شخص کو ہزار درہم دے دیا جائے۔ وہ شخص یہ انعام لے کر کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اولادِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں۔

لـہ ۱۔ اضافہ از اویسی غفرلہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ
لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
بَصَآئِرَ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ
مَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ
الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا
وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ قُلْ اٰمِنُوْا
بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ
وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ
يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ
وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ
كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝

ترجمہ: اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو روشن نشانیاں دیں تو بنی اسرائیل سے پوچھ لو جب وہ ان کے ہاں تشریف لائے تو اس سے فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ علیہ السلام میرا گمان ہے کہ تم پر کسی نے جادو کیا ہے۔ کہا بے شک تمھیں معلوم ہے کہ انھیں نہیں اتارا مگر آسمان و زمین کے پروردگار نے جو دل کی آنکھیں کھولنے کے اسباب ہیں اور بے شک میرے گمان میں اے فرعون تو ضرور تباہ و برباد ہونے والا ہے۔ پھر اس نے چاہا کہ انھیں زمین سے نکال دے سو ہم نے اسے اور اس کے تمام رفقاء کو غرق کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو کہا کہ زمین پر رہو پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا ہم تم کو جمع کر کے لائیں گے۔ اور ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ اتارا اور حق کے لئے اترا اور ہم نے ہی آپ کو صرف خوشی اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔ اور ہم نے قرآن کو جدا جدا کر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تدریجاً اتارا۔ فرمائیے اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، بے شک وہ لوگ جنھیں اس کے نزول سے پہلے علم ہے جب ان پر یہ پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے رب کو بے شک ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہے گا۔ اور ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے خشوع کو بڑھاتا ہے۔ فرمائیے! اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو گے اس کے تمام نام اچھے ہیں اور اپنی نماز تو بہت آواز سے پڑھئے اور نہ بالکل چپکے اور ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کیجئے۔ اور کہو کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کو جس نے اپنے لئے بچہ اختیار نہ فرمایا اور ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں اور کمزوری کے

سبب سے اس کا کوئی مددگار نہیں اور اس کی خوب برائیاں بیان کیجئے ۔

بقیہ صفحہ نمبر

ف : اس سے یہ وہم نہ ہو کہ اہلِ بیت نبوی دنیا دار تھے بلکہ وہ فطرۃً سخی تھے ۔
کسی نے کیا خوب کہا : ؎

وھم ینفقون المال فی اول الغنی

ویستانفون الصبر فی اٰخر الفقر

اذا نزل الحی الغریب تقارعوا

علیہ فلم تدر المقل من المثری

ترجمہ : وہ حضرات بہت زیادہ مال خرچ کرتے ہیں اور صبر کو ترجیح دیتے ہیں جب کسی قبیلہ میں کوئی مسافر آتا ہے تو یہی حضرات ان کی خبر گیری کرتے ہیں ۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

اگر گنج قارون بچنگ آوری

نماند مگر آنکہ بخشی بری

بخیل توانگر بدینار و سیم

طلسمت بالائے گنجی مقیم

ترجمہ : اگرچہ قارون کا خزانہ تمہارے ہاتھ لگ جائے ۔ تیرے ہاں وہی رہے گا جو اللہ تعالٰے کی راہ میں تونے لٹا دیا ۔ اور بخیل کو دینار و زر کا طلسم سمجھے جو اس پر پہرہ دے رہا ہے وہ زر سالہا سال ایسے ہی رہتی ہے کہ گویا طلسم اس کے سر پر لہرا رہا ہے جب اچانک اس کے سر کو اجل کے پتھر سے پھوڑیں گے تو اس کے خزانہ کو آرام سے لوگ آپس میں تقسیم کریں گے ۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گذشتہ)

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ اور بے شک ہم نے موسٰے علیہ والسلام کو عنایت فرمائے نو معجزات ۔ بَيِّنٰتٍ جو ان کی نبوت پر واضح طور پر دلالت کرتے تھے اور وہ احکام جو اللہ تعالٰے کی طرف سے لائے ان کے لئے روشن دلائل تھے اور وہ نو معجزات یہ ہیں :۔

① عصار
② ید بیضاء
③ ٹڈی
④ جوئیں
⑤ مینڈک
⑥ خون
⑦ طوفان
⑧ قحط کے سال
⑨ نقص ثمرات

فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ تو بنی اسرائیل سے سوال کیجئے یعنے ہم نے انھیں کہا کہ اِذْ جَآءَهُمْ جب ان کے ہاں تشریف لائیں تو اسے موسی علیہ السلام بنی اسرائیل کے بارے میں فرعون کو کہنا کہ وہ بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ جانے کی اجازت دے۔ یہاں بنی اسرائیل سے یعقوب علیہ السلام کی اولاد مراد ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا ہے کہ اسے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل یعنے ان کے علماء سے پوچھیئے کہ یہ معجزات موسلے علیہ السلام کے تھے یا نہیں، تاکہ مشرکین کو آپ کی نبوت کی تصدیق ہو، تاکہ ان کے ہاں آپ کی صداقت ظاہر ہو۔ جب کہ انھوں نے آپ سے ان معجزات کے متعلق امتحان لینا چاہا اور ان کے سوالات پر آپ نے جوابات دیئے جو سو فیصد صحیح نکلے۔

اور دوسرا معنے یہ ہے کہ جب موسلے علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہاں آئے تو آپ بنی اسرائیل سے سوال کیجئے کہ وہ بتائیں کہ موسلے علیہ السلام اور فرعون کے مابین کیا گفتگو ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب موسٰی علیہ السلام ان کے ہاں یہ معجزات لے کر آئے۔ بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ کیا موسٰی علیہ السلام کی برادری نے دیکھ کر ان سے استدلال کیا یا نہ، اور وہ بھی اہلِ حق کی طرح ان پر ایمان لاتے یا نہ اور اہل حق سے وہ حضرات مراد ہیں جنھیں اللہ تعالٰے نے بنی اسرائیل سے امام بنائے اور وہ انھیں راہ ہدایت بتاتے اور اللہ تعالٰے کی آیات پر یقین رکھتے۔

تفسیر عالمانہ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ

ف: الارشاد میں ہے کہ فا فصیحہ ہے یعنے موسلے علیہ السلام نے ارشاد ربانی کے مطابق فرعون کے ہاں آیات بینات

ظاہر فرمائے اور پیغام الٰہی پہنچایا تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا، اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا ۝
بے شک میں نے تمھیں اے موسیٰ علیہ السلام جادو سے متاثر خیال کیا ہے یعنے تم پر کسی نے جادو کیا ہے اسی وجہ سے تیری عقل میں خبط ہے کیونکہ تم ایسی غیر معقول باتیں کرتے ہو جن سے واضح ہوتا ہے کہ تم پر کسی نے جادو کیا ہے۔ اسی طرح کا ملتا جلتا طعنہ کفار مکہ نے بھی حضور علیہ السلام پر مارا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون ۔

ف: ممکن ہے یہ صیغۂ نسبت ہو یعنے مسحور بمعنے ذی سحر۔ چنانچہ تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ فرعون اہل یقین سے تو تھا نہیں بلکہ وہ اہل گمان سے تھا۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور آپ کے معجزات کو جادو تصور کیا۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون بے شک تو نے معلوم کیا یعنے تو نے دل سے مان لیا مگر تو زبان سے اقرار نہیں کرتا۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون! تو نے انھیں اگر عقل سے سمجھا ہوتا تو ضرور تو انھیں مان جاتا۔

مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ ان معجزات کو نہیں نازل کیا ۔ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مگر آسمانوں اور زمینوں کا رب یعنے خالق و مدبر نے ۔ بَصَآئِرَ یہ الآیات سے حال ہے یعنے یہ معجزات بالکل روشن اور واضح ہیں جو تجھے میری نبوت کی صداقت پر راہ دکھاتی ہیں لیکن تو ان کے مقابلہ میں ضد کرتا بلکہ تکبر کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان معجزات میں ہر معجزہ فرداً فرداً میری نبوت و رسالت پر دلالت کرتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو نور بصیرت و عقل سے دیکھنے کی دعوت دی۔ اور شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علم سعادت کو کھینچ کے نہیں لاتا۔ اس کا کام صرف اتنا ہے کہ جہالت کو اپنے صاحب سے دور بھگا دے پھر صاحب علم کی قسمت کہ وہ سعادت حاصل کرے تو اس کے لئے آسان ہے اگر سستی کرے تو نقصان ہے۔ اسی لئے مشائخ کرام نے فرمایا کہ اہل علم کو چاہیئے کہ وہ اپنے علم کو اپنے لئے حجاب نہ بنائے۔ یہی وجہ ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو، ابلیس نے آدم علیہ السلام کے حال کو اور یہود نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا علم تھا لیکن بے چارے توفیق ایمان سے محروم رہے۔ اسی لئے بدبختوں کے سردار شمار ہوئے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم ظلما وعلوا

حضرت کمال خجندی نے فرمایا :

در علم محققاں جدل نیست
از علم مراد جز عمل نیست

ترجمہ: محققین کے نزدیک علم میں جدل نہیں اور علم سے بھی عمل مراد ہے۔
اور حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نہ من ز بے عمل درجہان ملولم و بس
ملالت علما ہم ز علم بے عمل ست

ترجمہ: میں بے عملی سے ملول نہیں ملال ان سے ہے جو علم کے ہوتے بے عمل ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ مثبورا بمعنے ہر خیر سے دور اور ہر برائی کا خوگر مثلاً کہا جاتا ہے: ما ثبرك عن ھذا یعنے تجھے اس سے کس چیز نے باز رکھا۔ یا مثبور بمعنے ھالك ہے از ثبور بمعنے ہلاک۔ اب معنے یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون مجھے یقین ہے کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ تو عقل و بصیرت کے بغیر تباہ و برباد ہونے والا ہے۔
ف: ظن دو قسم کی ہے:۔

① جھوٹا
② سچا

فرعون کا گمان جھوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کا گمان سچا تھا۔

فَاَرَادَ فرعون نے اپنے جھوٹے گمان کے نتیجہ سے ارادہ کیا کہ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ۔ الاستفزاز بمعنے الازعاج فرعون موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو دور ہٹائے۔ مِّنَ الْاَرْضِ زمین مصر سے یا تمام روئے زمین سے قتل کر کے یا جڑ سے کاٹ کر۔ فَاَغْرَقْنٰهُ تو ہم نے فرعون کو غرق کر دیا۔ وَمَنْ مَّعَهٗ اور وہ لوگوں کو جو فرعون کے ساتھ تھے یعنے قبطیوں کو۔ جَمِیْعًا ۝ سب کو۔ اور موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو آپ کے سچے گمان کی وجہ سے ہم نے نجات بخشی۔
ف: الارشاد میں ہے کہ ہم نے فرعون کی تدبیر کو الٹ دیا کہ اسے اور اس کی قوم کو غرق کر کے سب کی جڑ کاٹ دی۔

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کرنے کے بعد ہم نے کہا: لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو۔ اسْكُنُوا الْاَرْضَ ٹھہرو، اسی زمین میں جس سے تمہارے نکلوانے کا فرعون نے منصوبہ بنایا تھا یعنے مصر کے علاقہ میں یا مطلقاً کوئی اور زمین مصر کی زمین اس وقت مراد ہو سکتی ہے جب ثابت ہو جائے کہ بنی اسرائیل دوبارہ مصر میں واپس لوٹ آئے تھے۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ آخرت کے وعدہ کا وقت آئے گا یعنے قیامت

قائم ہوگی۔ جِئۡنَا بِكُمۡ ہم تمھیں اور انھیں حشر گاہ میں لائیں گے۔ لَفِيۡفًا ○ جماعت ملی جلی یعنے تم تمام لوگوں میں ملے جلے ہوگے پھر ہم حکم کریں گے کہ نیک بخت علیحدہ ہو جائیں اور بد بخت علیحدہ۔

ف: اللفیف بمعنے وہ مختلف قبیلے اور مختلف جماعتیں جو کہ بعض نے بعض کو لپیٹ رکھا ہو۔

القاموس میں ہے کہ جئنا بکم لفیفا بمعنے درآنحالیکہ تمھیں جمع کر کے مختلف قبیلوں میں ملاکر ہم تمھیں لائیں گے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ کفار مومنین کو چمٹ جائیں گے تاکہ ان کی بھی نجات ہو لیکن وامتازوالیوم ایھا المجرمون کے خطاب کی وجہ سے ان کا چمٹنا بے سود ثابت ہوگا بلکہ حکم ہوگا:-

فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر۔

صاحب روح البیان کا بیان فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ کفار کو اہل ایمان کو ظاہری طور پر چمٹنا اور صورۃً ان کے ساتھ رابطہ قائم کرنا اس لئے مفید نہ ہوگا کہ ان کے آپس کے اعتقادات اور اعمال صالحہ میں بہت بڑا فرق ہوگا۔ ان کی مثال اس کشتی کی ہے جو دریا کی موج کے درمیان دریا میں ٹوٹ جائے تو غیر تیراک تیراکی کا سہارا لے لیکن یہ سہارا غیر تیراک کو اس لئے فائدہ نہ دے گا کہ جب دریا کی طغیانی سے تیراک کو خطرہ ہے تو پھر غیر تیراک کو کیسے پار لگائے گا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در آبے کہ پیدا نباشد کنار
غرور شناور نیاید بکار

ترجمہ: جس دریا کے پانی کا کنارہ ہی نہ ہو اس سے تیراک کو غرور کرنے کا کیا فائدہ۔

حدیث شریف جس کے اعمال صالحہ نہ ہوں اسے نسب نہ دے گا یعنے جس کے بُرے اعمال بہت زیادہ ہوں تو اسے دنیا کے شریف خاندان میں پیدا ہونا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ درخت کی ٹہنی جب سوکھ جاتی ہے تو اسے درخت سے کاٹنا پڑتا ہے اگرچہ وہ ٹہنی اسی درخت کی ہے لیکن چونکہ خشک ہوگئی ہے اسی لئے اسے درخت سے جدا کرنا پڑا۔ ایسے ہی شریف خاندان سے تعلق رکھنے والا بندہ اعمال صالحہ نہ ہونے کی وجہ سے خاندان سے کٹ جاتا ہے۔

(اس سے ہمارے دور کے بے عمل گدی نشین اور پیرزادے اور مولوی زادے سوچیں کہ کیا وہ اپنی بدعلی سے اپنے بزرگوں سے سوکھی ٹہنی کی طرح تو نہیں، اگر ہیں تو پھر کچھ موت کے بعد کے متعلق سوچا ہے یا نہیں۔ اور ہمارے عوام اندھے مقلد بھی غور فرمائیں کہ یہ بے عمل پیر اور سجادہ نشین جب سوکھی لکڑی کی طرح اپنے مشائخ کے خاندان سے کٹ کر جہنم کا ایندھن بنیں گے تو پھر تمھارا کیا حشر ہوگا جب کہ تم نے ان کے دامن میں لپٹ کر انھیں اپنا رہبر اور مرشد مانا ہوا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے سچ فرمایا: ؎

آن خود گم است کرا رہبری کنند[1]

سبق: اس ثابت ہوا کہ نسب کی بجائے نسبت تقویٰ فائدہ دے گی۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"ہر پرہیزگار اور پاک عمل والا میری آل ہے۔"

قاعدہ: جس کے اعمال اور عقائد صحیح نہ ہوں وہ حضور علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اگرچہ آپ کے خاندان کا ہو جیسے ابولہب وغیرہ باوجودیکہ وہ حضور علیہ السلام کا چچا تھا لیکن جہنم میں گیا اس سے ہمارے عوام کو جواب مل گیا کہ حضور علیہ السلام کے خاندان کے لوگ شیعہ، وہابی ہوتے ہیں تو ان کا کیا بنے گا۔ اس کا جواب اوپر گذرا۔ اور فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ ایسے لوگ اوّلاً تو صحیح النسب نہیں ہوتے، عرصہ دراز گذر جانے پر عوام میں وہ خاندان نبوت میں مشہور ہوتے ہیں۔ اگر کسی کا واقعی خاندان صحیح سے تعلق ہے تو پھر اس کے ابتدائی (جہاں سے بد مذہبی پھیلی) نطفے میں غلطی ہوئی یعنے والد گرامی نے جماع بر جماع طہارت (وضو و غسل) کے بغیر کیا ہوگا اور وہ نطفہ پلید ٹھہرا تو بد مذہب اولاد پیدا ہوئی یا اس کے بد مذہب ہونے کا سبب اس کی گستاخیٔ نبوت ہوگی یا کسی ولی اللہ کی بے ادبی تا[2]۔

اس قسم کے خاندانی بے عمل پیر فقیر اور بد مذہب لوگ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگان دین سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے۔ اگرچہ وہ دن میں کڑوروں بار اپنے دعوے پہ کڑوروں دلائل پیش کریں اور اپنے خاندان کے فخر کی تسبیح پڑھیں۔

سبق: افسوس کہ اس طرح کے غلط اصول کے باوجود پھر بھی عوام ایسے بے عمل پیروں کو خدا رسیدہ مانتے ہیں بلکہ ہمارے خوشامدی بھی ان میں شامل ہو کر اپنا اور عوام کا بیڑہ غرق کر رہے ہیں۔

وہابی بے وسیلہ کا رد: وہابی ہمیشہ وسیلہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں سمجھتے۔ فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ ہمارے بعض بزرگوں کو اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر کچھ دینا چاہا تو بزرگوں نے اس لئے لینے سے انکار کر دیا کہ یہ عطیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر ہے۔

سبق: اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ تک پہنچنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر ناممکن ہے اور معلوم ہوا کہ آپ کی شریعت محک (کسوٹی) ہے یعنے اس سے عطیات الٰہی کی پرکھ کی جاتی ہے۔ اگر شریعت کے موافق ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ واقعی منجانب اللہ ہیں ورنہ وہ منجانب شیطان و نفس ہے جو لباس حق میں ملبوس ہو کر اسے حاصل ہو رہا ہے

---

[1] اضافہ از فقیر اویسی غفرلہ۔

[2] ایضاً

اسی لئے حق و باطل کی تمیز ضروری ہے اور یہ معاملہ بہت زیادہ سخت ہے۔ اسی لئے اے میرے دوست ثابت قدمی وقار شرعی پر التزام کرنا چاہیئے کہیں تمہیں دشمنی ڈگمگا نہ دے تاکہ تباہی و بربادی نہ ہو۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا :-

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسیست
ہش دار و گوش دل بپیام سروش کن

ترجمہ: عشق کے راستہ میں شیطان کا وسوسہ نقصان نہیں دیتا ہوش کرکے دل کے کان غیبی فرشتے کی طرف متوجہ کر دے، وہی نجات دہندہ اور توفیق بخشنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ اور ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا درآنحالیکہ وہ حق کے ساتھ متلبس ہے اور وہی حق اس کے انزال کا متقاضی ہے اور وہ بھی حق سے متلبس ہو کر نازل ہوا ہے اور اس سے حق مقصود ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حق دو جگہ واقع ہوا ہے اور وہ ایک دوسرے کے مغایر ہے۔ اس سے وہ سوال اٹھ گیا کہ یہاں یہ دوسرا پہلے کی کس طرح تاکید کرسکتا ہے۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کاشفی نے لکھا ہے کہ تبیان میں وارد ہے کہ آیت میں بأ بمعنے علیٰ اور حق سے محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اب عبارت یوں ہوگی: وبالحق انزلناہ وعلے محمد نزل۔

حکایت باغیرت ولی اور سر درد کا وظیفہ مدارک میں ہے کہ احمد بن ابی کجواری نے فرمایا کہ محمد بن سماک بیمار ہوئے تو ان کا قارورہ ایک ہندو طبیب کے ہاں لے گئے تاکہ قارورہ دیکھ کر اس کا علاج کرسکے۔

احمد بن ابی کجواری فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک نیک انسان جس سے خوشبو مہکتی تھی اور بہترین پوشاک پہنے ہوئے ملا۔ اس نے فرمایا کہ کہاں جارہے ہو؟ ہم نے صورت حال بتائی تو انھوں نے فرمایا کہ سبحان اللہ! تم عجیب آدمی ہو کہ ولی اللہ کا علاج اللہ کے دشمن سے کراتے ہو۔ واپس جاؤ اور ابن سماک کو کہو کہ اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھ کر پڑھو:

وبالحق انزلناہ وبالحق نزل۔

وہ بزرگ فرما کر چلے گئے اور آنکھوں سے غائب ہوگئے۔ ہم نے واپس پہنچ کر شیخ محمد بن سماک کو عرض کردیا۔ شیخ نے اپنا ہاتھ درد کی جگہ پر رکھ کر مذکورہ بالا کلمات پڑھے اور انھیں فوراً آرام ہوگیا۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا یہ وظیفہ بتانے والے حضرت خضر علیہ السلام تھے اور طبیبانِ الٰہی کی کارروائیاں یونہی ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قرآن مجید کا باطل سے نہیں بلکہ حق کے ساتھ تعلق ہے وہ اس لئے کہ جب اللہ تعالٰے نے ارواح مقدسہ کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا پھر اسے نفخہ حق سے نوازا تو اسے اسفل سافلین کی طرف بھیجا یعنے اسے انسانی ڈھانچہ میں بند کر دیا اس کے بعد روح اعلیٰ علیین کی طرف جانے کا محتاج ہوا یعنے اسے وصال حق کی طلب ہوئی تو اسے ایک رسی عطا ہوئی جس سے وہ اللہ تعالٰے کی طرف پہنچ جائے۔ اور وہ رسی قرآن مجید ہے چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا :-

واعتصموا بحبل الله جميعا۔

وبالحق نزل اور حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ اہل شقاوت کو اسی قرآن مجید کے ذریعے گمراہ کرے اور انکار وجحود وامتناع سے انھیں اعتصام حق سے محروم رکھے اور اسے اسفل یعنے قالب جسم میں باقی رکھے یہ بھی اس کی حکمت ہے اور اس قرآن سے اہل سعادت کو قرآن مجید کے احکام قبول کرنے اور اس پر ایمان لانے اور اس کے ساتھ معتصم ہونے کی ہدایت بخشے اور اسے اپنے اخلاق سے متخلق کر کے اپنی طرف پہنچنے اور کمال قرب کی توفیق بخشے۔ چنانچہ فرمایا :- واعتصموا بالله هو مولاكم۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے والا اور اہل اطاعت کو ڈرانے والا عذاب سے اہل عصیان کو۔ آپ کا کام صرف بشارت اور نذارت ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ مبشراً اہل سعادت وصول سعادت کو خوشخبری دینے والے ہیں کہ اگر وہ قرآن سے تمسک پکڑیں تو واصل باللہ اور عارف باللہ ہو سکتے ہیں۔ ونذیراً۔ اور اہلِ شقاوت کو شقاوت بعد و ہجران اور جہنم کے سے ڈرانے والے ہیں اور انھیں بتائیں گے کہ اگر قرآن مجید سے تمسک نہیں پکڑو گے اور اس کی رسی سے دور ہو گے تو تمہارا حشر برباد ہو گا۔

ف : سلمی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اسے مژدۂ بہار سناتے ہیں تو اللہ تعالٰے سے روگردانی کرے اور اسے حق سے ڈراتے ہیں تو متوجہ الی اللہ ہوتا ہے اور روگردانی کرنے والے کو خوشخبری اس لئے سناتے ہیں تاکہ اسے اللہ تعالٰے کی وسعت رحمت کا علم ہو گا تو پھر رحمت حق سے امید کر کے اس کی طرف توجہ کرے گا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا :

حافظا رحمت او بہر گنہگاراں ست
ناامیدی مکن اے دوست اگر فاسق باشی

ترجمہ : اے حافظ! رحمت حق گنہگاروں کے لئے ہے اور اے دوست! اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو کہ فاسق ہوگا

اور نیکوں کو ڈراتے اس لئے ہیں تاکہ اللہ تعالٰے کے جلال کی ہیبت سے اپنے اعمال پر اعتماد نہ کریں۔

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ
رندہ از رہ نیاز بدارالسلام رفت

ترجمہ: زاہد غرور میں رہا اسی لئے سلامتی سے راہ طے نہ کرسکا رند نیاز کرکے بہشت میں چلا گیا۔

تفسیر عالمانہ وَقُرْاٰنًا یہ فعل مقدر سے منصوب ہے جس کی تفسیر فَرَقْنٰهُ کرتا ہے یعنے اور ہم نے قرآن مجید کو متفرق یعنے آیت آیت اور سورت سورت کر کے اتارا ہے۔ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ تاکہ لوگوں کے سامنے آپ وقفوں کے ساتھ پڑھیں اس لئے کہ اس طرح سے قرآن مجید کو یاد کرنا آسان ہے اور سمجھنے میں بھی سہولت ہوتی ہے۔ وَنَزَّلْنٰهُ اور اسے تئیس سال کی عمر میں نازل کیا۔ تَنْزِيْلًا ○ جیسا حکمت کے قانون کا تقاضا تھا یعنے اسے حوادث کے مطابق اور سائلین کے جواب کے موافق اتارا گیا۔

قُلْ اے محبوب! صلے اللہ علیہ وسلم کافروں کو فرمائیے کہ اٰمِنُوْا بِهٖٓ قرآن مجید پر ایمان لاؤ۔ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا یا ایمان نہ لاؤ۔ قرآن مجید کی شان و عظمت میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ نہ تمھارا ایمان لانا قرآن مجید کے کمال میں اضافہ کرے گا اور نہ ہی تمھارا انکار کرنا اسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔

حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را

یہ امر تہدیدی ہے (کذافی تفسیر الکاشفی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ بے شک وہ لوگ جو آپ سے پہلے اہل علم تھے یعنے وہ علمائے اہل کتاب جو آپ کی تشریف آوری سے پہلے آسمانی کتابیں پڑھتے اور حقیقت وحی کے عارف اور نبوت کی علامات سے واقف تھے اور انھیں حق و باطل میں امتیاز کرنے پر قدرت حاصل تھی اور سمجھ سکتے ہیں کہ ان میں اہل حق کون تھے اور اہل باطل کون۔ جیسے یہود میں (حضرت) عبداللہ بن سلام اور ان کے تابعین، نصاریٰ میں نجاشی اور ان کے ساتھی۔ (رضی اللہ تعالٰے عنہم اجمعین) اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ جب ان کے سامنے قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں یعنے چہروں پر گرتے ہیں۔ اس معنے پر یہ لام بمعنے علی اور الاذقان بمعنے وجوہ یعنے چہرہ ہے جیسا کہ علم معانی کا قاعدہ ہے کہ جزبول کر کل مراد لیا جاتا ہے۔ سُجَّدًا ○ درآنحالیکہ وہ امرالٰہی کی تعظیم کی خاطر سجدہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ امنوا بہ اولا تومنوا سے تعظیم کا معنے نکلتا ہے یہ اس کی تعلیل ہے یعنے اس قرآن کو تمھارے ایمان لانے یا نہ لانے کی اس لئے پرواہ نہیں کہ اس کو تم سے بلکہ کل کائنات سے بہتر اور افضل شخصیت حضرت

محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم مان چکے ہیں ۔

ف : "قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ ذقن کو خصوصیت سے اس لئے ذکر فرمایا کہ سجدہ کرتے وقت زمین کو قریب تر یہی ہوتی ہے لام خرور کے معنے میں اختصاص پیدا کرنے کے لئے واقع ہوئی ہے ۔

قاضی بیضاوی کے قول پر اعتراض اور اس کے جوابات

سعدی الفتی نے اپنے حواشی میں لکھا ہے کہ قاضی بیضاوی کا یہ کہنا کہ سجدہ کرتے وقت ٹھوڑی زمین کے قریب تر ہوتی ہے یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ سجدہ کے وقت زمین کو ناک اور پیشانی قریب تر ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اس کی توجیہ یوں کی جائے کہ ان کے سجدے ہمارے سجدوں کے برعکس ہوتے ہیں، تو قاضی بیضاوی کا قول صحیح بنتا ۔

فقیر (اسماعیل حقی) کہتا ہے کہ قاضی بیضاوی نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے۔ بایں معنیٰ ہے کہ سجدہ کرنے کے لئے جھکتے وقت واقعی ٹھوڑی زمین کو قریب تر ہوتی ہے مثلاً سجدہ کو جاتے ہوئے پہلے گھٹنوں کو پھر دونوں ہاتھوں کو اور پھر سر کو جھکایا جاتا ہے اور سر کو جھکاتے وقت زمین کو قریب تر ٹھوڑی اور آسمان کے قریب تر سر ہوتا ہے ۔

[صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے یہ لکھ کر اس کے سمجھنے کے متعلق لفظ فافہم سے تنبیہ فرماتی ہے]

وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اور وہ لوگ اپنے سجدے میں کہتے ہیں کہ ہمارا رب تعالےٰ پاک ہے ان افعال سے جن کا کفار ارتکاب اور تکذیب کرتے ہیں یا پاک ہے اس سے کہ جو اس نے وعدہ کیا اس کے خلاف کرے مثلاً کتب آسمانی میں لکھا تھا کہ حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ پر قرآن نازل ہوگا۔ اِنْ كَانَ وَعْدُ لَمَفْعُوْلًا ○ بے شک شان یہ ہے کہ ہمارے رب تعالےٰ کا وعدہ ضرور واقع ہوگا کیونکہ وعدہ خلافی نقص ہے اور اللہ تعالیٰ ہر نقص وعیب سے پاک ومنزہ ہے اور وہ اس پر محال بھی ہے ۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے آخرت کا وعدہ مراد ہے جیساکہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس سے قبل قریش کے انکار بعث ونشر سے بھی واضح ہوتا ہے (واللہ اعلم)

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر کر خوف الٰہی سے روتے ہیں۔

سوال : یخرون کا تکرار کیوں ؟

جواب : دونوں کے اسباب مختلف ہیں مثلاً خرور تعظیم امر الٰہی کی وجہ سے ہے اور دوسرا قرآن مجید کے مواعظ کا قلب پر اثر کی وجہ سے اور قاعدہ ہے کہ سبب مختلف ہو تو تکرار الفاظ موجب کراہت نہیں بنتا ۔

حدیث شریف : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گریہ کرو اور گڑگڑاؤ اس لئے کہ آسمان اور زمین اور سورج اور چاند اور ستارے خوف الٰہی سے روتے اور گڑگڑاتے ہیں۔

وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ○ اور قرآن ان کے خشوع کو بڑھاتا ہے یعنے جیسے وہ سننے کے بعد ان کے علم اور

یقین باللہ میں اضافہ ہوتا ہے ایسے ہی ان کے خشوع میں بھی اور الخشوع بمعنے عاجزی و تضرع -
تواضع وسجود دراصل ارواح کی شان ہے اور بکاء خشوع اجساد کا کام ہے اور ارواح کو اجساد میں اسی لئے بھیجا گیا تاکہ
ارواح اجساد کو ایسے منافع فی العبودیۃ حاصل ہوں -

سجدۂ علما اور اس کا نکتہ صوفیانہ کاشفی نے لکھا ہے کہ قرآنی سجدات میں سے یہ چوتھا سجدہ ہے اور حضرت شیخ قدس سرہٗ نے اسے مسجود العلماء کے نام سے موسوم فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ
سجدہ جلوہ گاہ حق ہے اس لئے کہ خشوع تجلی سے پیدا ہوتا ہے اور وہ تجلی صرف ظاہر پر ہوتی ہے یا ظاہر پر بھی اور باطن پر
بھی پھر اس میں خبر دی ہے اس سے ان کے خشوع میں اضافہ ہوتا ہے اور خشوع تجلی الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا نتیجہ نکلا کہ خشوع کا
اضافہ تجلی حق کی زیادتی کی وجہ سے ہے . اس معنے پر یہ سجدہ تجلی حق ثابت ہوا . اسی لئے لازم ہے کہ سجدہ کرنے والا اس سجدہ کے
برکات سے تجلی کے فیض سے بہرہ ور ہو اور اس کے خضوع میں اضافہ ہو . اس لئے کہ قاعدہ ہے جس کو تجلی حق نوازتی ہے تو اسے
خضوع نصیب ہوتا ہے : ؎

لمعۂ نور تجلّی از قدم
بر حدوث افتد فرد ریزد زہم
پس خضوع ایں جا زوال ہستی است
و ز بلندی موجب ایں پستی است

ترجمہ : قدم کے نور کی تجلی کی چمک حدوث پر پڑتی ہے تو حدوث کو عاجزی نصیب ہوتی ہے اور یہاں پر عاجزی زوال
ہستی مراد ہے اس لئے کہ جو بھی بلندی کا خواہاں ہوتا ہے اسے پستی نصیب ہوتی ہے -

سبق انسان پر لازم ہے کہ اپنے وجود کو ذات حق کے راہ میں خرچ کر کے اسے فانی فی اللہ بنا دے اس لئے کہ
اللہ تعالٰے کے تجلیات صرف اہل فناء کو نصیب ہوتے ہیں اور یہ فناء بھی تجلی حق ہے جیسا کہ خبر مذکور سے معلوم
ہوتا ہے -

مثنوی شریف میں ہے : ؎

چون تجلّی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف محدث را کلیم

ترجمہ : اوصاف قدیم کے تجلیات پڑتے ہیں تو حدوث اپنے اوصاف کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے -

تفسیر عالمانہ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط

شانِ نزول: یہودیوں نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ بار بار رحمٰن کا ذکر فرماتے ہیں حالانکہ تورات میں لفظ' کا ذکر بکثرت ہے ان کے سوال پر یہی آیت نازل ہوئی۔

ف: یہاں پر دعا سے نام لینا مراد ہے۔ ندا کے معنے میں نہیں اور اللہ اور رحمٰن سے بھی اسماء مراد ہیں مسمّی مراد نہیں او تخیر کے لئے ہے بمقصد یہ کہ حسن اطلاق اور مقصود تک پہنچانے میں ہر دونوں مراد ہیں اور معنے یہ ہے کہ اس نام سے اللہ تعالےٰ کو موسوم کر دیا اس نام سے لسے اللہ کا نام لے کر پکارو یا رحمٰن کا نام لے کر۔

اَيًّامَّا تَدْعُوْا جس نام سے بھی اسے پکارو اسی سے ہی حق کو پکارنا ثابت ہوگا۔ لفظ ما ای کے ابہام کے معنے کی تاکید کے لئے ہے یعنے اے لوگو! ان دونوں اسموں سے جس اسم مبارک سے اللہ تعالےٰ کو موسوم یا یاد کرو۔ **فَلَهُ** تو مسمّیٰ کے لئے وہ کیونکر وہ ذات ان دونوں اسماء سے موسوم ہے اسے کسی ایک اسم سے موسوم نہیں کیا جاتا۔ **الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى** اسما اچھے ہیں یعنے اس کے جمیع اسماء حسن ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسے ان دونوں اسماء سے موسوم کرنا بھی حسن ہے اور الحسنیٰ احسن کی تانیث ہے اس لئے کہ اسماء مؤنث کے حکم میں ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ الجماعۃ الحسنیٰ اور اس کے جمیع اسماء حسن اس لئے ہیں کہ اس کے جملہ اسماء جلال و جمال پر دلالت ہیں۔

ف: بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اس کے اسماء حسن اس معنے پر ہیں کہ ہر ایک میں تقدیس و تمجید و تعظیم و ربوبیت کے معانی مستقل ہیں اور اس کے افعال بھی حسن میں یکتا ہیں۔

دوسرا شانِ نزول بعض نے فرمایا کہ جب مشرکین نے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی وقت یا اللہ کہتے ہیں کسی وقت یا رحمٰن پکارتے ہیں تو کہا کہ ہمیں تو کہتے ہیں کہ دو معبودوں کی پرستش نہ کرو اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں اس پر یہی آیت نازل ہوئی۔

ف: ان اسماء کے للذات الواحدۃ کا معنے یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک پر علیٰ طریق السویہ اطلاق کیا جا سکتا ہے ورنہ معنے کے لحاظ سے تو ہر دونوں ایک دونوں سے مختلف ہیں یعنے اطلاق و توحید کے اعتبار سے وہی ایک ذات ہے کہ جس کی پرستش اور عبادت کی جاتی ہے اور لفظ او اباحہ کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان ہر دونوں فعلوں کا ایک جا جمع کرنا جائز ہے اس معنے پر یہ' او ' تخییریہ نہ ہوگا۔ (واللہ اعلم)

ف: مولانا قاری رحمہ اللہ الباری نے فرمایا کہ اسم اللہ میں اختصاص وضعی و استعمالی ہے اور اسم الرحمٰن میں اختصاص استعمالی ہے۔

سوال: اختصاص استعمالی تو پھر اہل یمن مسیلمۃ الکذاب کو رحمٰن الیمامہ نہ کہتے۔

جواب: یہ ان کے تعنت (سرکشی) سے تھا وہ اگر اسے اللہ سے موسوم کرتے تو انھیں پوچھتا۔

ف: امام سہیلی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ مسیلمۃ بہت پرانا آدمی تھا اور قدیم الایام سے ہی دینِ حق کا مخالف تھا اسی مخالفت کی وجہ سے اپنے آپ کو رحمٰن کہلاتا اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ

رضی اللہ عنہ کی ولادت سے پہلے رحمٰن کے نام سے اسی مسیلمہ الکذاب کو پکارا جاتا تھا۔ اس نے طویل عمر پائی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت وحشی نے اسے مار ڈالا۔

گستاخیٔ الٰہی کی سزا ایک سرکش بادشاہ نے اپنا نام "اللہ" رکھا تو فوراً اس کی دبر کی طرف سے پیٹ کا اندر کا تمام حصہ باہر آگیا اسی وجہ سے وہ اسی وقت مرگیا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ذاتِ حق کا ذاتی نام سوائے اس کے اور کسی کے لائق نہیں اور نہ ہی اس کے نام کا کوئی شریک ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: هل تعلم له سميا ۔ سمی بمعنے مشارک فی اسمه کیا اس کا نام شریک کوئی تمہیں معلوم ہے۔

نکتہ: یہی وجہ ہے کہ فرعونِ مصر قبطیوں کو "انا ربكم الاعلى" کو کہتا رہا لیکن اسے انا الله کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

صوفیانہ نکتہ: اللہ تعالےٰ کے جمیع اسماٗ اسم رحمٰن سے استمداد کرتے ہیں اور یہ اسم خاتم النبوت اور شفاعت عامہ کے قائم مقام ہے جملہ اسمار کی اسی پر انتہا ہوتی ہے۔

سبق: سالک پر لازم ہے کہ بعض اسمار کے مراتب میں عبادت کی تکمیل نہ کرے تاکہ اسے مسمیٰ تک پہنچنے کا شرف نصیب ہو اور وہ جمیع اسما کو جمع کرکے تمام لوگوں سے اعلیٰ و بالا ہو۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

دست شد بالائے دست این تا کجا
تا بیزداں کہ الیہ المنتہیٰ
کان یکے دریاست بے غور و کراں
جملہ دریاہا چو سیلے پیش آں

ترجمہ: ہاتھ پر ہاتھ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ تک پہنچا پھر وہ بے کنار دریا ہے اور تمام دریا اس کے سامنے ایک قطرہ سے بھی کم ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ آپ مسجد الحرام میں نماز کی قرأت اتنا بلند نہ کیجئے کہ مشرک آپ کی آواز سن پائیں اس لئے کہ جب وہ آپ کی تلاوتِ قرآن سنتے ہیں تو وہ قرآن اور اس کے نازل کرنے والے اور لانے والے کو گالی بکتے ہیں اور قرآن مجید کے متعلق لغویات تراشتے ہیں۔

ف: یہاں مضاف محذوف ہے اس لئے کہ جہر اور مخافتہ دونوں ایسی صفتیں ہیں جو آواز کے بعد ہی مستعمل ہوتے ہیں اور نماز افعال و اذکار کا نام ہے یا کل بول کر مجازاً جزء مراد لیا گیا ہے۔

وَلَا تُخَافِتْ بِهَا اور نماز کی قرأت کو اتنا بھی آہستہ نہ پڑھئے کہ آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو کچھ سنائی ہی نہ دے یعنے قرأت نماز کو آہستہ آواز میں نہ پڑھئے۔ وَابْتَغِ طلب کیجئے۔ بَيْنَ ذٰلِكَ جہر و مخافت کے

درمیان میں جیسا کہ اوپر ہم نے بیان کیا۔ سَبِیْلًا ○ درمیانہ معاملہ اس لئے کہ امور میں سے بہتر متوسط امر ہے۔ اور اسے سبیل سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ توجہ کرنے والے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اقتدار کرنے والے اس کی طرف قصد کرتے ہیں تو اپنے مقصود و مطلوب کو پاتے ہیں

حدیث شریف مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰے عنہ نے نماز میں آہستہ قرات پڑھی۔ آپ سے وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ میں رب تعالٰے کی مناجات کرتا ہوں اور وہ میری ضرورت کو جانتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ زور زور سے پڑھ رہے تھے۔ آپ سے وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ شیطان کو بھگاتا ہوں اور غافلوں کو جگاتا ہوں۔ جب یہی آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھوڑا سا اونچا پڑھا کرو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تھوڑا سا آہستہ پڑھا کرو۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا اور فرمایئے جملہ تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنے لئے اولاد نہیں بنائی اس لئے کہ اولاد کی ضرورت اُسے ہوتی ہے جو جسمانیت رکھتا ہے اور اللہ تعالٰے جسمانیت سے پاک اور منزہ ہے اس میں یہود و نصارٰی اور قبیلۂ بنی مدلج کا رد ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ عزیر علیہ السلام اور عیسٰی علیہ السلام اللہ تعالٰے کے بیٹے اور ملائکہ اللہ تعالٰے کی لڑکیاں ہیں (معاذ اللہ)۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ اور ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں یعنے الوہیت میں وہ واحدہ لا شریک ہے اس لئے کہ تمام عالم اس کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقا کا کسی معاملہ میں شریک نہیں ہوسکتا۔ اس میں ثنویہ کا رد ہے کہ وہ متعدد معبودوں کے قائل ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے
نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوے کند جز ہالکے

ترجمہ: وہ اپنے ملک میں واحد ہے اس کا کوئی مددگار نہیں اس کے بندوں کا آقا بھی سوائے اسی کے اور کوئی نہیں۔ اس کی مخلوق کا کوئی اور مالک نہیں جو اس کے ساتھ شریک ہونے کا دعوٰی کرے اسے سوائے ہلاکت کے کچھ نصیب نہ ہوگا۔

وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ اور ذلۃ کی وجہ سے اس کا کوئی مددگار نہیں یعنے نہ اسے کوئی ذلۃ (کمزوری) ہے اور نہ ہی اس کی اس ذلت کے دفع کرنے کا کوئی مددگار ہے یعنے نہ اسے کمزوری لاحق ہوتی ہے نہ اسے

کسی مددگار کی ضرورت پڑتی ہے اس میں مجوسی اور صابئین کا رد ہے وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالٰی کے ساتھ اور حمایتی نہ ہوں تو اللہ تعالٰی کو ذلت کا سامنا کرنا پڑے۔

سوال : عدل اولاد کو وجوب حمد کی علت کیوں بنایا گیا؟

جواب : اس میں اولاد نہ ہونے کو علت نہیں بنایا گیا بلکہ بتایا گیا ہے کہ وہی حمد کا مستحق ہے کہ جو اولاد والا نہیں یہ ایسے ہے جیسے اس کی صفات گن کر اس کی حمد کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں : الحمد للہ الاول والاخر اور الحمد للہ رب العالمین وغیرہ وغیرہ۔ (کذا فی اسئلۃ القمہ)

ف : کشاف میں سوال لکھا ہے کہ حمد کو نفی الولد والشرک والذل پر کیوں مرتب کیا گیا ہے حالانکہ حمد کے لئے ان کی نفی ضروری نہیں اس لئے کہ حمد اس کی صفت اختیاری ہے۔

جواب : اس میں اشارہ مطلوب ہے کہ وہ ذات کہ جس کی یہی شان ہے وہ ہر نعمت کے عطا کرنے پر قادر ہے اور وہ اسی معنے پر حمد کا مستحق بھی ہے۔

وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝ اور اس کی عظمت بیان کرو، یا جب کوئی اس کی اولاد یا شریک یا مددگار کی بات کرے تو تم اللہ اکبر کہہ کر اس کی تنزیہ و تقدیس بیان کرو۔

عارفانہ ترجمہ : کاشفی نے لکھا ہے کہ اس کا معنے یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کو وصف واصفان اور معرفت عارفان سے بزرگ تر جانیئے : ؎

فکرہا عاجز است ز اوصافش
عقلہا ہرزہ میزند لافش
عقل عقلست جان جانست او
آن کز و برترست آنست او

ترجمہ : فکر اس کے اوصاف سے عاجز ہے عقل بھی اس کی رسائی تک عجز کا اظہار کرتی ہے۔ عقل بے شک عقل ہے لیکن وہ بھی جان جاناں ہے جسے برتر سمجھا جاتا ہے وہ اس سے بھی برتر ہے۔

ف : حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ بنو عبدالمطلب کا کوئی بچہ جب بولنے لگتا تو آپ سب سے پہلے اسے یہی آیت سکھاتے اور فرماتے کہ آیۃ العزۃ یہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قل ادعوا اللہ الخ میں اشارہ ہے کہ اللہ اسم ذات اور رحمن اسم الصفۃ ہے۔ ایاما تدعوا۔ اسے اسم ذات سے یاد کرو یا اسم صفت سے۔ فلہ الاسماء الحسنی اس کا ہر اسم حسن ہے اسی لئے اسے حسن یعنے اخلاص کے ساتھ یاد کرو۔ ولا تخافت بہا۔ اور اسے بالکل بھول نہ جاؤ ورنہ متابعت اور اسوہ حسنہ

سے محروم ہو جاؤ گے ۔ وابتغ بین ذالک سبیلا ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ فرائض کو ظاہر کر کے مسجدوں میں ادا کرو اور نوافل کو چھپا کر گھروں میں پڑھو۔

وقل الحمد اللہ الذی لم یتخذ ولدا یعنے اس کی اولاد نہیں تاکہ وہ اپنی تمام مہربانیاں اسی پر کرے اور بندوں کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہ دے ۔ ولم یکن لہ شریک فی الملک اور ملک میں اس کا شریک بھی ہو کیسے ؟ جب وہ خود بڑی طاقت کا مالک ہے پھر اسے کیا ضرورت ہے کہ اپنے ساتھ شریک کرے تاکہ وہ اس کی بھلائیاں اس کے بندوں اور ولیوں تک نہ پہنچنے دے ۔ ولم یکن لہ ولی من الذل ۔ اور اسے مددگار کی ضرورت ہی کیا ہے کہ جس کی طرف محتاج ہو کہ صرف اسی کو انعام و اکرام سے نوازے اور باقیوں کو محروم رکھے ۔ ہاں اس کے ایمان والے اور مجاہد فی سبیل اللہ اور اس کی کبریائی بیان کرنے والے اور اس کی محبت و طلب صادق اور عبودیت سے عظمت بیان کرنے والے اس کے دوست ہیں ۔ اسی لئے فرمایا : وکبرہ تکبیرا ۔

ف : حضرت علم الہدیٰ نے فرمایا کہ حق سبحانہ وتعالے کسی کو اس معنے پر دوست نہیں بناتا کہ وہ کریم ذلت سے نکل کر عزت پاسکے بلکہ وہ کسی سے دوستی اس معنے پر کرتا ہے کہ اپنے لطف و کرم سے اس بندے کو ذلت سے نکال کر اوجِ عزت پر ترقی بخشتا ہے ۔ چنانچہ فرمایا ، اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمات الی النور ۔ اور یہ ولایت عامہ ہے کہ جملہ اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے اور انھیں جہل سے علم کی طرف ترقی نصیب ہوتی ہے ۔ اور فرمایا : الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ یہ ولایت خاصہ ہے جو صرف اہل سلوک کے ان حضرات کو نصیب ہوتی ہے جو واصل باللہ ہوتے ہیں اور ان کے علم سے عین کی طرف اور عین سے حق تعالیٰ کی طرف ترقی ہوتی ہے ۔

اللہ کے بندوں کی دو قسمیں

الحکم الحطائیہ کی شرح میں ہے کہ اللہ تعالے کے مخلص بندے دو قسم کے ہیں : ① جنھیں اللہ تعالے نے اپنی خدمت کے لئے خود مقرر فرمایا ہے ۔ وہ عباد ، زہاد اور اہلِ اعمال و اوراد ہیں ۔

② وہ جنھیں صرف اپنی محبّت کے لئے مخصوص فرمایا ہے وہ اہل محبت و وداد اور اہل صفا و اتباع المراد ہیں ۔ یاد رہے کہ اس کے ہر دونوں قسم کے بندے اس کی خدمت اور اس کے تحت طاعت و حرمت ہیں کیونکہ تمام کا مقصود اور توجہ کا مرکز وہی ذات ہے ۔ چنانچہ فرمایا : کلا نمد ھولاء وھؤلاء من عطاء ربک اور یہ آیت عام ہے جو ہر طریق کو شامل ہے اور ہر فریق اس میں داخل ہے ۔ وما کان عطاء ربک محظورا ۔ اور اس کی عطا رو کی ہوئی بھی نہیں اور نہ ہی وہ صرف ایک نوع میں محصور یا کسی صفت خاص میں محدود ہے ۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالے عنہ نے فرمایا کہ دنیا میں حق کا شکار زاہد اور بہشت کا عارف ۔ اور حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالے نے اپنے قلوب کو دیکھا تو بعض ایسے تھے جو معرفت کے حامل نہیں تھے

تو انہیں عبادت میں لگا دیا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روی

چنانکہ پرورشم میدہند می رویم

ترجمہ: میں خود رد کو ملامت نہیں کرتا۔ اسی لئے کہ ہماری جس طرح پرورش ہوتی ہے ہم اسی طرح چلتے ہیں۔ (پھر ملامت کیوں)۔

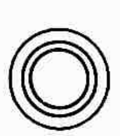
[صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے] اس سورت اسراء کی تفسیر سے ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۱۰۵ھ میں فراغت پائی۔

[فقیر اویسی غفرلہٗ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۹۷۷ء بروز جمعہ تقریباً دس بجے صبح اس سورہ اسراء کی تفسیر کے ترجمہ سے فارغ ہوا۔]

ولہ الحمد والمنۃ وصلی اللہ علی حبیبہ الاکرم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

ھذا آخر مارقمہ قلم الفقیر القادری الی الصالح محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ ربہ القوی۔ غریبکدہ، بہاول پور، پاکستان۔

۱۰/۹ ۹۷ھ مطابق ۲۶/۸ ۷۷ء



سورۃ کہف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ۜ

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ

اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝

ترجمہ تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لائق ہیں جس نے اپنے پیارے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس کتاب میں ٹیڑھا پن نہیں ہے وہ کتاب عدل والی ہے اسے اس لیے اتارا گیا تاکہ اس کا پیارا بندہ بندگانِ خدا کو اس کے سخت عذاب سے ڈرائے اور نیک کام کرنے والے مومنوں کو مژدہ بہار سنائے کہ ان کے لیے آخرت میں اچھا اجر ہے

تفسیر عالمانہ

(ف) سورۃ الکہف مکیہ ہے اس کی ایک سو گیارہ آیات ہیں بعض مفسرین نے فرمایا: واصبر نفسک (الایۃ) مدنیہ ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا لام استحقاق کی ہے یعنی ہر مدح و ثنا اور شکر کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ ہر شئے کا وجود ایک نعمت ہے اور تمام نعمتوں کا مالک صرف وہی ہے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی اور منعم ہے۔

ف قیصری نے فرمایا کہ الحمد کی تین اقسام ہیں۔ (۱) قولی (۲) فعلی (۳) حالی ؛ قولی زبان سے ہوتی ہے یعنی اس کی تعریف اسی

زبان سے بیان کرنا جیسے حضرات انبیاء علیہ السلام نے کی اور بدنی حمد یہ ہے کہ صرف اسی کی رضا جوئی کی نیت سے بدن کے ساتھ عبادات بجا لانا اور اس سے مقصد صرف یہی ہو کہ عبادت کرنے سے اس کی نظرِ عنایت نصیب ہو اس لیے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی تعریف زبان سے ہوتی ہے ایسے ہی بدن کے ہر عضو کے مقابلہ میں شکر الٰہی بجا لانا ضروری ہے گویا اس طرح بندہ اپنے آقا و مولیٰ کی ہر نعمت کے شکریہ کی ادائیگی کرتا ہے اور بندے پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت اپنے آقا و مولیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کرے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ فرمایا کرتے: الحمد للہ علی کل حال ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کرنا چاہیے۔

ف ظاہر ہے کہ بدنی حمد اس طرح سے ادا ہو سکتی ہے کہ ہر عضو کو اس کے مناسب عبادتِ الٰہی میں مصروف رکھا جائے تاکہ شکر حق کے ساتھ بندے کا اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ تسلیم خم ہونے کا ثبوت ہو۔

سبق حمد و شکر کی ادائیگی میں حظوظِ نفسانیہ کو دخل نہ بنائے اور نہ ہی نفس کو خوش کرنے کے درپے ہو حالی حمد یہ ہے کہ روح و قلب کے مقتضیات سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے اس کا طریقہ یہ ہے کہ روح و قلب کو کمالاتِ علمیہ و علمیہ سے آراستہ کیا جائے بلکہ انہیں اخلاقِ الٰہیہ سے سنوارا جائے اس لیے کہ تمام مخلوق مامور من اللہ ہے کہ ہر ایک متخلق با خلاق اللہ ہو چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمانے کی اصلی غرض یہی ہے کہ آدم زادان کے نفوس کے عادات کمالات کو پہنچیں۔

ف حق یہ ہے کہ حقیقی حمد یہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے لیے مقامِ تفصیلی میں اس طرح اپنی حمد فرمائی ہے اس لیے مقامِ تفصیلی اس کی حمد کے مغایر نہیں اور مقامِ تفصیلی سے مظاہرِ حق مراد ہیں۔

ف وہ حمد جو اللہ تعالیٰ نے مقامِ جمعِ الٰہی نے اپنی قولی حمد فرمائی ہے وہ اس کی نازل کردہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں ہے جسے اس نے خود اپنی صفاتِ کمالیہ ظاہر فرما کر اپنی ذاتی کی تعریف کی ہے اور اس کی وہ حمد جسے حمدِ فعلی سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سے یہ جمالی جلالی کمالات ہیں جنہیں اس نے عالمِ غیب سے عالمِ شہادت یا عالمِ بطون سے عالمِ بطون میں یا علم سے عین میں صفات و اسماء کے رنگ میں ظاہر فرمائے ہیں اور اس کی حمدِ حالی اس کے وہ تجلیات ہیں جو فیضِ قدسِ ازلی اور ظہورِ نورِ ازلی کے ساتھ اس کی ذات میں ہیں اس سے نتیجہ نکلا کہ جمعاً و تفصیلاً حامد بھی خود ہے اور محمود بھی۔ خود حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

آنجا کہ کمال کبریائی تو بود
عالم نمی از بحرِ عطائے تو بود
مارا چہ حد حمد و ثنائے تو بود
ہم حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

لہ یہ دونوں صوفیاء کے اصطلاحی الفاظ ہیں اس کی تشریح فقیر اویسی غفرلہٗ نے شرح لوائح جامی میں عرض کر دی ہے ۱۲۔

ترجمہ تیری کبریائی کے کمال کے سامنے یہ جہان کیا ہیں تیری عطا کے بحر بیکنار کی صرف ایک بوند ہیں ہم تیری حمد وثنا کی حد کیا جانیں تو خود ہی اپنی حمد وثنا کو جانتا ہے

یعنی امام الانبیاء حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم اس لیے کہ عبد مطلق اور جمیع ماسوی اللہ سے درحقیقت صرف آپ ہی آزاد ہیں آپ کے سوا باقی تمام مخلوق کسی نہ کسی تصور میں معلق ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں صرف آپ ہی "امتی امتی" پکاریں گے بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح نفسی نفسی کہیں گے۔

ردِ نصاریٰ اس سے معلوم ہوا کہ ہر رسول اپنے مرسل یعنی اللہ تعالیٰ کا عبد (بندہ) ہوتا ہے اس سے نصاریٰ کی تردید ہو گئی جب کہ ان کا عقیدہ ہے عیسیٰ پیغمبر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) "الکتاب" اس سے قرآن مجید مراد ہے اور درحقیقت کتاب کا اسم صرف قرآن پر ہی آنا چاہیئے اس لیے کہ صرف یہی اسم بامسمّیٰ ہے لغت میں الکتاب بمعنے جمع الحروف یعنی حروف کا مجموعہ

سوال اللہ تعالیٰ نے اپنے حمد کے مستحق ہونے کے لیے انزال الکتاب کو کیوں علت بنایا ہے۔

جواب تاکہ بندوں کو تنبیہ ہو کہ انزال کتاب اس کی بڑی نعمت ہے کیونکہ قرآن مجید میں دارین کی سعادت ہے۔

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ میں لہٗ کی ضمیر مجرور قرآن پاک کی طرف راجع ہے **عِوَجًا** چیزے از کجی یعنی نہ اس کی نظم و ترتیب میں کسی قسم کا خلل ہے اور نہ ہی اس کے معانی میں منافات ہے اور نہ ہی اسے حق سے عدول اور باطل کی جانب میلان کا کوئی شائبہ ہے

قاعدہ تجوید حضرت امام حفص نے فرمایا کہ حضرت عاصم کا مختار مذہب یہ ہے کہ عوجا پر سکتہ کیا جائے اور اصطلاح تجوید میں سکتہ کہتے ہیں دم توڑے بغیر معمولی وقفہ کرنا تاکہ کسی کو وہم نہ ہو کہ قیماً عوجاً کی صفت ہے اسی طرح سورۂ یٰسین کے لفظ من مرقدنا میں حضرت عاصم سکتہ کو مختار بتاتے ہیں اس لیے کہ وہاں اہل ایمان کے مقولے سے نہ تو من مرقدنا کو پورے طور منقطع کرنا مطلوب ہے اور نہ ہی اسے لفظ ھذا (جو اس کے بعد واقع ہے) سے ملانا مقصود ہے تاکہ وہاں بھی کسی کو وہم نہ ہو کہ ھذا کا مشار الیہ مرقدنا ہے قیماً کا منصوب ہونا فعل مقدر کی وجہ سے ہے دراصل عبارت یوں تھی وجعلہ قیما اور قیما بمعنے مستقیم ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں نہ افراط (زیادتی) ہے نہ تفریط (کمی) اور قیما کا دوسرا معنے بھی ممکن ہے وہ یہ کہ قرآن مجید دینی اور دنیوی مصلحتوں کی صحیح رہبری کرتا ہے اس کا دوسرا معنے لطافت آمیز ہے اس لیے کہ اس میں اشارہ ہو جائے گا کہ پہلی صفت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا کمال بیان فرمایا اس دوسری صفت میں بتایا کہ یہ مکمل ترین کتاب ہے اس میں بندوں کا ضابطہ حیات کامل طور بیان کیا گیا ہے اپنے دنیوی امور کی رہبری چاہیں تو بھی اس سے حاصل کر سکتے ہیں[1] اور اخروی معاملات کی ہدایت بھی انہیں صرف اسی سے نصیب ہو گی۔

---

[1] بد بخت ہیں جو اس مکمل ترین کتاب کو فرسودہ نظام کا مجموعہ کہتے ہیں ۱۲

مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّ لَا
لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

ترجمہ : جس میں وہ ہمیشہ ٹھہریں گے اور انھیں ڈرائیے جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالے نے اپنی اولاد بنائی ہے اس کے متعلق نہ انہیں کوئی علم ہے اور نہ ہی ان کے آباؤ اجداد کو کتنا بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے نِرا جھوٹ کہہ رہے ہیں۔

تفسیر آیات صفحہ گزشتہ

ف قیم، قیوم، قیام، قائم کے مبالغے کے صیغے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں لکھا ہے کہ ولم یجعل لہ کی ضمیر مجرور عبدہ کی طرف راجع ہے اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مقدس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات کے سوا کسی دوسری شئے کی طرف مائل نہیں فرمایا اور انہیں ان کے [illegible] میں مستقیم (راہ راست پہ) رکھا ہے۔

بمعنے عذاب شدیدا ً یعنی عذاب ایسا سخت جو صادر ہوگا من لدنہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اور وہی اسے نازل فرمائے گا۔ ان کے کفر اور تکذیب کی وجہ سے۔

ف اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان پر ایسا عذاب نازل فرمائے کہ ان کا نام و نشان مٹا کر رکھ دے یا اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے یا دنیا و آخرت ہر دونوں مراد ہیں۔

سوال اللہ تعالےٰ نے اس عذاب کو اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا ہے

جواب اس لیے کہ عذاب نازل کرنے والا صرف وہی ہے

و یبشر اور خوشخبری دے المومنین ان لوگوں کو جو بدل وجان حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام کو مانتے ہیں الذین یعملون الصلحٰت اصطلاح شریعت میں اعمال صالحہ وہ ہیں جو محض لوجہ اللہ ہوں ان لھم یہاں باُ حرف جارہ محذوف ہے دراصل بان لھم تھا یعنی اہل ایمان کو تصدیق اور اعمال صالحہ کے عوض نصیب ہوگا اجرا حسنا ً اچھا اجر۔ اس سے بہشت اور اس کی تمام نعمتیں مراد ہیں

تفسیر عالمانہ مّٰكِثِيْنَ ان لھم کی ضمیر ھم سے حال ہے فِيْهِ اس کی ضمیر اجراً حسناً کی طرف راجع ہے اَبَدًا ۝ بمعنے غیر منقطع اور ہر وہ شئے جس کا منتہیٰ نہ ہو اور نہ وہ کسی حال میں تغیر پذیر ہو سکے اَبَدًا کا مفعول فیہ ہے اسی لیے اسے منصوب پڑھا گیا ہے

سوال آیت انذار کی تقدیم اور تبشیر کی تاخیر کیوں

جواب انذار سے انسان کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور تبشیر سے اسے جلا نصیب ہوتا ہے اسی معنے پر انذار کی تقدیم ضروری ہوئی۔

وَّ يُنْذِرَ اور خصوصیت سے ڈرسنائے اَلَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ اس سے یہود و انصاری اور کفار عرب بنی ملیح کے لوگ مراد ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشا کہ اس کی بھی اولاد ہے مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۔ نہیں اس کا علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے منزہ ہے وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ان سے ان کے صرف آباواجداد مراد نہیں بلکہ ان کے وہ مقتدا مراد ہیں جن کی تقلید میں انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشا یعنی علم کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اولاد سے منزہ مانا جائے کیونکہ اس کے لیے اولاد کا ہونا ممتنع لذاتہ ہے اور ان بیوقوفوں نے محض اپنی جہالت وحماقت سے سوچے سمجھے بغیر اللہ تعالیٰ کے لیے وہ فعل جائز سمجھا جو اس کے لیے بالکل ممتنع ہے۔

ترکیب من علم مرفوع علی الابتداء ہے اس کا مِن نفی کی تاکید کی وجہ سے زائد ہے كَبُرَتْ بمعنے عظمت كَلِمَةً ربہ رجلاً کی طرح کبرت کی ضمیر مبہم ذہنی سے تمیز اور اس کی تفسیر ہے

کلمۃً کی صفت ہے اس بیے واضح کرنا ہے کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ پر اولاد کا عظیم بہتان تراشنے کے معاملہ میں بہت بڑی جرأت کی ہے

ف ان کے منہ سے کلمۃ خروج کا معنے یہ ہے کہ ان کے منہ سے ایک ہوا خارج ہوئی جو کلمہ کی حامل تھی چونکہ اسی ہوا کو انہی حروف سے ملابست ہوئی اسی مناسبت سے مجازاً اس نکلنے والی ہوا کو مجازاً کلمہ سے تعبیر کیا گیا ہے

سوال قاضی بیضاوی نے فرمایا کہ جب ہر کفر کا کلمہ عظیم تر ہوتا ہے تو پھر اس کلمہ کی عظمت کی تخصیص کیوں۔

جواب چونکہ اللہ تعالےٰ کے لیے اولاد کے افتراء میں متعدد قباحتیں (مثلاً اللہ تعالےٰ کے ساتھ غیروں کی تشبیہ اور غیروں کو اس کی ذات میں شریک ٹھہرانا جن کو اس نے اولاد بنایا ان کی محتاجی کا ایہام پھر اولاد کا باپ کی جانشینی کا لازمہ وغیرہ) لازم آتی ہیں جو بندوں کے قلوب کے ٹیڑھے پن کا موجب بن سکتی ہیں

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کلمۃ سے کفر و کذاب مراد ہے جسے بندے اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط نسبت کی جائے اور اس پر جھوٹا بہتان تراشا جائے اور اس کے احکام کی تکذیب کی جائے۔ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اس معاملہ میں نہیں کہتے اِلَّا كَذِبًا ۝ مگر جھوٹ یعنی اللہ تعالےٰ کے حق میں کفار جو کچھ کہتے ہیں یہ ایک ایسا قول ہے جس کا دائرہ صدق میں داخل ہونا ممکن ہی نہیں۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ○ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○ وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ○ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ○

ترجمہ تو کیا تم ان کے پیچھے غم سے اپنی جان نکال دو گے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں جو کچھ زمین پر ہے ۔ بے شک ہم نے اسے اس کا سنگار بنایا ہے تاکہ ہم انھیں آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرتا ہے اور بے شک جو کچھ اس زمین پر ہے ایک دن ہم اسے چٹیل میدان بنا دیں گے کیا تمھیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کی کھوہ اور جنگل والے ہماری ایک نشانی تھے ۔

تفسیر عالمانہ

حل لغات فَلَعَلَّكَ پس شاید تم بَاخِعٌ بمعنی مہلک یعنی ہلاک کر دو گے نَفْسَكَ اپنی جان کو تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس جملہ سے نہی مراد ہے لعلك باخع نفسك بمعنی تبخع نفسك اپنی جان نہ نکالو جیسے اہل عرب کا قول مشہور ہے "لعلك تريد ان تفعل كذا" بمعنے لا تفعل كذا یا یہ وتتخذون مصانع لعلكم تخلدون کے محاورہ سے ہے یہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے لیے فرمایا یعنی اے قوم عاد تم مضبوط محل بناتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے یعنی اس محاورہ میں "لعل" ترجی کا معنے دیتا ہے۔ قاموس میں ہے "بخع نفسه" بروزن منع بمعنے قتلها غما" یعنی اسے غم سے قتل کر ڈالا اور کہا جاتا ہے بخع بالشاة یہ اس وقت بولتے ہیں جب بکری کو ذبح کرنے میں اتنا مبالغہ کیا کہ اس کی بخاع درگ تک پھر اپہنچا دیا یہی اس کا حقیقی معنے ہے پھر تمام مبالغہ بھرے امور میں مستعمل ہوتا ہے اب آیت کا معنے یہ ہوا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کے ایمان لانے کے حرص میں اپنی جان کی بازی لگا رہے ہیں۔

ف البخاع بروزن کتاب سینہ کی ایک رگ کا نام ہے جو گردن کی ہڈیوں میں جاری وساری ہوتی ہے یہ نخاع (بالنون رگ کا نام ہے) کی غیر ہے یہی زمخشری کا خیال ہے ۔

اٰثَارِهِمْ ان کی جدائی و غم و حزن کی وجہ سے ان کے پیچھے ۔

ف کاشفی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ آپ سے ان کے برگشتہ ہونے یا آپ کے احکام سے انکار کے بعد آپ اپنے آپ کو مشقت میں اور اپنے قلب اطہر کو غم میں مت ڈالیے ان لم تومنوا بهذا الحديث میں الحدیث سے قرآن مجید مراد ہے

سوال قرآن مجید کو حدیث شریف سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید حادث ہے یہ تو معتزلہ کا مذہب ہے ۔

جواب قرآن مجید کو حدیث سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کے سنتے ہی اس کا معنے حادث ہوتا جاتا ہے کیونکہ یہ معنے ان حروف کی طرف عائد ہے جسے ہم قرآن مجید سے تعبیر کرتے ہیں

ف صحاح (لغت کی کتاب کا نام ہے) میں لکھا ہے کہ الحدیث "ضد القدیم" قدیم کی نقیض حدیث آتی ہے اور

کلام کو بھی حدیث کہا جاتا ہے وہ کلام قلیل ہو یا کثیر ۔

اَسَفًاo باخِعٌ کا مفعول لہ ہے الاسف بمعنے سخت ترین حزن (کذا فی القاموس) اسی حزن وغضب وحسرت کی شدت کہ کفار نے جب ایمان بالقرآن سے اعراض کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہر اس شخص جیسا ہو گیا جیسے ایک دوست کی جدائی سے دوسرے دوست کا حال ہوتا ہے یعنی دوست کی جدائی سے اس کی جان لبوں پر آجاتی ہے ۔

شفیق نبی صلے اللہ علیہ وسلم حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت سے بہت بڑا پیار تھا ان پر رحمت و شفقت کرنے میں آپ کی مثال نہیں ملتی اور اللہ تعالےٰ کے احکام کی تبلیغ اور عبودیت کی ادائیگی میں مافوق الامکان اُمور سرانجام دیتے تھے یہاں تک کہ خود اللہ تعالےٰ کو روکنا پڑتا چنانچہ بارہا ایسا اتفاق ہوا۔ مثلاً آپ کو اللہ تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا تو آپ نے گھر کا تمام اثاثہ راہِ خدا میں لٹا دیا یہاں تک کہ جسمِ اطہر سے قمیص اتار کر کسی مسکین کو عنایت فرما دیا اور خود ننگے جسم (یعنی قمیص سے ننگے) ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اللہ تعالےٰ نے آپ کو آئندہ ایسا کرنے سے روکا۔ کما قال"۔ " ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسوراً " ۔ اور نہ پورا کھول دو کہ تم بیٹھ رہو ملامت کیے ہوئے اور تھکے ہوئے ۔

حزن وملال کے فضائل بعض مشائخ طریقت نے حُزن کے فضائل میں فرمایا کہ حُزن ادیبوں کا زیور ہے بڑا خوش قسمت وہ انسان ہے کہ جس کا اوڑھنا بچھونا حُزن ہو بلکہ حزن وملال اس کے اندر گھر کر چکا ہو یہاں تک کہ اس کا کھانا پینا بھی حزن ہو اسی سے چوٹی کے کاملین اور انبیاء مرسلین لذت پاتے ہیں بلکہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے سے پیار کرتا ہے تو اس کے دل کو حزون وملول بنا دیتا ہے خلاصہ یہ کہ جسے حزن وملال نصیب نہیں وہ عبادت کے ہر ذوق سے محروم ہے ۔

سوال بعض بزرگوں سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ حزن گھٹیا درجے کے سالک کو نصیب ہوتا ہے ۔

جواب ان کا ارشاد حق ہے لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ حزن محزون کے تابع ہوتا ہے جیسے کسی کا علم اس کے معلوم تک خلاصہ جواب یہ ہے کہ بلند ہمت انسان کے لیے حزن وملال ترقی درجات کا سبب بنتا ہے اور پست ہمت سالک کو ڈبو دیتا ہے ۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں ابراہیم بن بشار (رحمۃ اللہ تعالےٰ) عرصہ دراز رہے فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو طویل الحزن پایا اور وہ ہمیشہ متفکر رہتے تھے اور ہر وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ایسے معلوم ہوتا کہ ان پر ہر وقت حزن وملال وارد ہو رہے ہیں

حکایت حضرت سفیان رضی اللہ عنہ بی بی رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس بیٹھے تھے ان کے منہ سے نکل گیا "واحزناہ" ہائے غم بی بی نے فرمایا : الیامت کہو بلکہ کہو "واقلۃ حزناہ" ہائے ہمارے غم قلیل ہوں اس لیے کہ غم وحزن کی کثرت سے انسان کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے ۔

دل کو صاف کرنے والا عمل حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ دل کس عمل سے پاک ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا غم اور حزن کی کثرت سے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

روئے زرد است و آہ درد آلود

عاشقا نرا دوائے رنجوری

ترجمہ عشاق کی بیماری کا علاج آہ درد آلود اور روئے زرد سے ہوتا ہے۔

اے اللہ ہمیں اپنے درد والم سے ہمارے قلوب کو منور و مزین فرما۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ ہم نے زمین کو حیوانات و نباتات اور معدنیات سے زِيْنَةً سنگار بخشا لَّهَا زمین کو اور اس کے یکینوں سے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے دنیا اور اس کی شہوات کو بندوں کے لیے ایسا سنگار کہ وہی شہوات انہی کے طبائع کے موافق تو ہیں لیکن ہیں ان کے لیے آزمائش لِنَبْلُوَهُمْ یعنی ہم اپنے بندوں کے ساتھ ممتحن جیسا معاملہ کرتے ہیں تاکہ ظاہر ہو اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ ان میں کون ہیں وہ جو رضائے الٰہی میں دنیا اور اس کی خواہشات کو ترک کرتا ہے اور کون اللہ تعالیٰ اور باقیات صالحات سے روگردانی کر کے دنیا اور اس کی شہوات جو بالکل فانی اور خراب ہیں میں منہمک ہوتا ہے۔

ترکیب الارشاد میں لکھا ہے کہ ایّ استفہامیہ مرفوع بالابتداء ہے اور احسن اس کی خبر ہے اور عملاً احسن کی تمیز ہے اور مبتدا و خبر اپنے متعلقات سے مل کر جملہ اسمیہ محلاً منصوب اور لنبلو ھم کا مفعول بہ ہے لنبلو ھم تیجہ کے لحاظ سے علم کے معنیٰ کو متضمن ہے

اولیاءُ اللہ کی شان کاشفی نے لکھا کہ ما علی الارض میں مَا بمعنے مَنْ ہے اسی سے انبیا علیہم السلام یا اولیاء کرام یا قرآن مجید کے حفاظ مراد ہیں اس لیے کہ یہی حضرات زمین کے سنگار ہیں۔

ف بعض بزرگوں نے فرمایا کہ زمین کی زینت اولیاء کرام ہیں اس لیے کہ عام دنیا کا قیام انہی کے وجود شریف سے وابستہ ہے ؎

روئے زمین بطلعت ایشان منور است

چوں آسمان بزہرہ و خورشید و مشتری

ترجمہ زمین اولیاء کرام کی شکل نورانی سے منور ہے جیسے آسمان زہرہ و خورشید اور مشتری سے تاباں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ یعنی دنیا کے خاتمہ پر ہم بنا دیں گے مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جو کچھ زمین پر ہے مٹی جُرُزًا چٹیل میدان جرز ہر وہ زمین جس پر انگوری وغیرہ پیدا نہ ہوتی ہو اور ہر وہ سال جس میں بارش نہ ہوئی ہو اسے بھی "سنۃ جرز" سے تعبیر کرتے ہیں۔

پند کاشفی نے فرمایا کہ صعیدا جرزاً بمعنے جنگل اور وہ زمین جو بے آب وگیاہ ہو اس میں اشارہ ہے کہ تمھاری تمام عمارتیں تباہ وبرباد کر دیں گے پھر اے بندگانِ خدا دنیا میں دل بستگی کیسی اور اس کی زیب وزینت پر فریفتگی کیوں۔

جہاں از رنگ و بو ساز د اسیرت
و لے نزدیک ارباب بصیرت
نہ رنگ دل کشش را اعتبار یست
نہ بوئے دلفریبش را مداریست

ترجمہ: اے بندۂ خدا تجھے جہان اپنے رنگ و بُو سے اپنا قیدی بنانا چاہتا ہے اس کے متعلق اہل بصیرت کا فتویٰ تو یہ ہے کہ نہ اس کے دل کش رنگ کا اعتبار ہے اور نہ ہی اس کی دلفریب خوشبُو کا۔

تفسیر صُوفیانہ صُوفیا کرام کے نزدیک "صعیدا اجرزا" کا فیصلہ ہے کہ دنیا کے طالب کو سوائے ندامت اور نقصان برداری کے اور کچھ نصیب نہ ہو گا اسی لیے سالک طالب حق عبادت گزار عاشق باللہ پر لازم ہے کہ وہ دنیا اور اس کی زیب وزینت اور جملہ شہوات حرام وحلال کو طلاق دے دے۔ اور دُنیا کی زیب وزینت کا معنےٰ قرآن مجید نے متعین کر دیا ہے کما قال تعالےٰ۔

"زین للناس حبّ الشہوات الی ان قال ذلک متاع الحیٰوۃ الدنیا"[۱]

نکتہ اللہ تعالےٰ کی محبت کے ساتھ دنیا اور اس کی زیب وزینت کی محبّت بلکہ آخرت اور اس کے درجات کی محبت جمع نہیں ہو سکتی۔

حکایت ہارون الرشید کا ایک سولہ سالہ لڑکا تھا جس نے شاہی چھوڑ کر زہد وعبادت اختیار کیا شاہانہ لباس اتار پھینکا اور اس کی بجائے پھٹے پرانے کپڑے اور گدڑی پہنی ایک دن اپنے والد ہارون الرشید کے ہاں گزرا تمام وزراء اور جملہ ارکان دولت اس کے پاس بیٹھے تھے بادشاہ سے سب نے کہا کہ آپ کے اس لڑکے نے آپ کو بادشاہوں کے سامنے رُسوا کیا کہ امیری چھوڑ کر فقیری مفلسی تنگدستی اختیار کی ہے۔ ہارون الرشید نے اپنے اسی بیٹے کو اپنے پاس بُلایا اور کہا۔ بیٹا تو نے مجھے عالم دنیا میں رُسوا کیا کہ شہزادہ ہو کر در در کے دھکے کھا رہا ہے شہزادے نے سُن کر کچھ نہ کہا پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک پرندہ درخت پر بیٹھا ہے اس پرندے سے فرمایا تجھے قسم ہے پیدا کرنے والے کی تم اپنی جگہ چھوڑ کر میرے ہاتھ پر آ بیٹھو چنانچہ پرندے نے ان کی بات سن کر فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی اور شہزادے کے ہاتھ پر بیٹھ گیا پھر شہزادے نے اسے فرمایا کہ جہاں سے آئے

---

[۱] پارہ ۳ سورت آل عمران رکوع ۲۔ اس کا ترجمہ یہ ہے "لوگوں کے لیے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی کے ڈھیر اور نشان لگے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی اور یہ جیتی دنیا کی پونجی ہے"۔ (کنز الایمان)

ہو وہاں چلے جاؤ چنانچہ پرندہ فوراً واپس اڑ کر درخت پر جا بیٹھا پھر شہزادے نے پرندے کو فرمایا کہ اس بادشاہ ہارون الرشید کے ہاتھ پر آکر بیٹھو لیکن پرندہ بادشاہ کے پاس آنے کا روادار نہ ہوا۔ اس پر شہزادے نے اپنے باپ ہارون الرشید سے فرمایا کہ آپ نے مجھے اولیاء کرام کے سامنے شرمسار کیا وہ مجھے بات بات پر طعنہ دیتے ہیں کہ تیرا والد دنیا کا عاشق ہے۔ یہ کہہ کر والد سے فرمایا کہ آج کے بعد آپ سے میں ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گیا اس کے بعد اپنے شہر سے کوچ کر گیا اور صرف ایک انگشتری اور قرآن مجید ساتھ لے گیا اور شہر بصرہ میں اقامت پذیر ہو گیا۔

شہزادہ مزدوروں کی صف میں

اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے صرف ہفتہ کے دن مزدوری کرتا تھا سوا درہم لے کر سارا دن گارا اٹھاتا تھا اسی کو ہفتہ بھر کھاتا ابو عامر بصری

ایک دن انہیں مزدوری کے لیے لے گئے دیکھا کہ اس ایک مزدور کا کام دس مزدوروں کے برابر ہے میں نے یقین کیا کہ وہ ولی اللہ ہے جو مزدوروں کے بھیس میں ہے اس لیے کہ اتنا بڑا کام اولیاء ہی سے ہو سکتا ہے ایک دن پھر مجھے مزدور کی ضرورت ہوئی تو میں اسی درویش کی تلاش میں نکلا معلوم ہوا کہ وہ درویش بیمار ہے میں اسے ملنے گیا تو دیکھا وہ ایک ویرانے میں پڑا ہے اور مندرجہ ذیل اشعار عربیہ پڑھ رہا ہے ؎

یا صاحبی لا تغتر ر تبنعم

فالعمر ینفد والنعیم یزول

واذا حملت الی القبور جنازۃ

فاعلم بانک بعدھا محمول

ترجمہ اے دوست دُنیا کی نعمتوں سے دھوکہ نہ کھا اس لیے کہ زندگی بالآخر ختم ہو گی اور یہ دنیوی نعمتیں بھی جب تم کسی کا جنازہ اٹھا کر چلتے ہو تو اس سے عبرت پکڑو کہ ایک دن تمھارا جنازہ اسی طرح اٹھایا جائے گا۔

شہزادے کی آخری وصیّت

شہزادے نے ابو عامر بصری سے فرمایا کہ اب میری زندگی کے لمحات ختم ہو رہے ہیں فلہذا براہِ کرم آپ مجھے غسل دے کر اسی اُونی کمبل میں کفنانا ابو عامر نے کہا اگر اجازت ہو تو میں اپنی طرف سے آپ کو نئے کپڑوں میں کفناؤں۔ شہزادے نے فرمایا۔ اے ابو عامر نئے کپڑے زندوں کو چاہئیں اس لیے کہ قبر میں جانے کے بعد مردے کے کپڑے گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے البتہ نیک اعمال باقی رہیں گے اس کے بعد شہزادے نے ابو عامر کو قرآن مجید اور انگشتری سپرد کر کے کہا یہ دونوں چیزیں ہارون الرشید بادشاہ کو دے کر کہہ دینا کہ تیرا مُسافر بیٹا کہتا تھا کہ غفلت میں نہ رہنا۔

ابو عامر ہارون الرشید کی خدمت میں : شہزادے کو دفنا کر ابو عامر ہارون الرشید کے ہاں پہنچا اور شہزادے کی وصیت کے مطابق قرآن مجید اور انگشتری ہارون الرشید بادشاہ کو پیش کر کے شہزادے کا تمام ماجرا سنایا اور اس کی نصیحت بھی۔ ہارون الرشید

شہزادے کا حال سُن کر پہلے تو خوب رویا پھر ابوعامر سے پوچھا کہ اسے کہاں دفنایا ہے ابوعامر نے کہا عام گورستان میں۔ ہارون الرشید نے کہا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کا خیال بھی نہ آیا اسے کسی معزز مقبرہ میں دفناتے ابوعامر نے کہا کہ میں ان کی اسی قرابت سے بے خبر تھا ورنہ ضرور اسے کسی معزز مقبرہ میں دفن کرتا اس کے بعد ہارون الرشید نے مجھ سے پوچھا کہ میرے لختِ جگر اور آنکھوں کی ٹھنڈک کو کس نے نہلایا ابوعامر نے کہا میں نے خود اسے نہلایا تھا یہ سُن کر ہارون الرشید نے ابوعامر کے دونوں ہاتھ چوم لیے اور اسے گلے سے لگایا اور ابوعامر کے ساتھ چل کر بیٹے کے مزار کی زیارت کی۔

ابوعامر کو خواب میں شہزادہ کی زیارت

ابوعامر فرماتے ہیں کہ میں نے شہزادے کی موت کے بعد انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بہترین محل میں ایک اعلیٰ تخت پر تشریف فرما ہیں میں نے ان سے حال پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر کیا گیا تو اسے اپنے اوپر بہت راضی پایا اور مجھے وہ انعام و اکرام عطا فرمایا جسے نہ کبھی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا اور نہ کسی کے دل میں اس جیسی نعمتوں کا تصور آسکتا ہے اور اللہ تعالےٰ نے اپنے لطف و کرم سے قسم کھائی ہے کہ جو بھی میری طرح دنیا میں زندگی بسر کر کے قبر میں داخل ہوتا ہے اسے ایسے ہی انعام و اکرام سے نوازا جاتا ہے جیسے تم مجھے دیکھ رہے ہو۔ ے

نگہدار فرصت کہ عالم دمیست
دمے پیش دانا بہ از عالمیست
برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت
نماند بجز نام نیکو و زشت
دل اندر دلا رام دنیا مبند
کہ نہ نشست باکس کہ دل برنکند

ترجمہ: فرصت کو غنیمت جانو اس لیے کہ عالم دنیا آنکھ جھپکتے ہی ختم ہو جائے گی اور دانا آدمی تو پل بھر کو تمام عالم سے بہتر سمجھتا ہے اس محبوب دنیا سے دل نہ لگاؤ اس لیے کہ یہ دنیا بے وفا ہے یہ جس کے پاس جاتی ہے اسے بہت جلد چھوڑ کر چلی جاتی ہے

اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو صرف تیرے ہیں

اَمْ حَسِبْتَ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس سے مراد آپ کی اُمّت ہے اس لیے کہ ایسے خطابات حضور علیہ السلام کے لائق نہیں بلکہ اُمّت کے لائق ہیں[1]

---

[1] یہ ایک قانون ہے جو قرآن مجید کے متعدد مقامات پر کام دیتا ہے تفصیل فقیر کی تصنیف "احسن البیان جلد دوم" میں ہے۔

ترکیب ام منقطعہ ہے اور اس جملہ میں اضراب مقدر ہے اور یہاں انتقال من الحدیث الی حدیث آخر ہے یہ بل ابطالیہ نہیں یعنی ایک گفتگو سے دوسری کو باطل کرنا مقصود نہیں بلکہ ایک گفتگو سے دوسری کی طرف منتقل ہونا مطلوب ہے اور یہاں پر ہمزہ استفہام بھی مقدر ہے یہ جمہور کا مذہب ہے اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر صرف بل مقدر ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے مخاطب تم نے سمجھا اور گمان کیا ایسے معاملہ کا کہ جس کے متعلق تمہیں گمان کرنا لائق نہ تھا فلہٰذا تمہارے سے سوال ہے کہ تو نے کیوں گمان کیا۔

شانِ نزول کاشفی نے لکھا کہ یہودیوں نے قریش کو چند سوالات سکھا کر حضور سرورِ عالم شفیع معظم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تاکہ آپ سے سوال کریں اس کے بعد خود گفتگو میں مشغول ہو گئے اور کہتے تھے کہ اصحاب کہف بھی عجیب انسان تھے لیکن وہ انسان بھی عجیب ہے جو ان کے حالات سے واقف ہے اس پر یہی آیت اتری: "اَن اصحاب الکھف" پہاڑ کے اندر اگر با وسعت گہرائی ہو تو اسے "کہف" کہتے ہیں اگر با وسعت نہ ہو تو اسے غار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سے ان کا کُتّا مراد ہے۔ رومی لوگ الرقیم کُتّے کو کہتے ہیں۔

حکایت صاحب بن عبّاد فرماتے ہیں کہ الرقیم اور تبارک والمتاع کے معنیٰ میں مجھے سخت تردد تھا اور میں نے عرب کے تمام قبائل چھان ڈالے کہیں سے تسلی بخش جواب نہ ملا۔ ایک دن میں نے کسی عورت سے کہتے سنا کہ اس نے اپنے چھوٹے بچے سے پوچھا این المتاع اس کے چھوٹے بچے نے جواب دیا جاء الرقیم وَاُخذ المتاع وتبارك الجبل" میں نے اس جملہ کے متعلق سوال کیا کہ واضح طور بتاؤ کہ الرقیم سے کیا مراد ہے اور المتاع سے کیا اور تبارک کیسے کہتے ہو اس نے جواب دیا کہ الرقیم بمعنے کُتّا المتاع ہر وہ شے جسے پانی میں بھگو کر منہ کو صاف کیا جائے اور تبارک بمعنے صعد یعنی اوپر چڑھا۔

الرقیم کے معنی قاموس میں ہے کہ الرّقیم بروزن امیر، مندرجہ ذیل معانی میں مستعمل ہوتا ہے۔

۱ اصحاب کہف کی بستی کا نام
۲ ان کے پہاڑ کا نام
۳ ان کے کُتّے کا نام
۴ ایک وادی
۵ صحرا (جنگل)
۶ تانبے یا پتھر کا ایک تختہ جس پر اصحاب کہف کے اسماء اور ان کے انساب اور ان کے دین کا نام لکھا ہے جس کے ڈر سے وہ حضرات بھاگ نکلے تھے اس تختہ کو غار کے دروازہ پر لٹکایا گیا ہے اس معنے پر الرقیم فعیل بمعنے مفعول ہے۔

ف صٰبری میں ہے کہ بادشاہ کے گھر میں دو مؤمن مرد رہتے تھے ایک کا نام بیندروس اور دوسرے کو لُدوناس کہا جاتا ہے انھوں نے ہی دو تانبے کی تختیوں پر اصحاب کہف کے اسمأ اور ان کا قصہ اور نسب نامہ لکھ کر انھیں پتیل کے صندوق میں رکھ دیا اور اسے غار کے سامنے ایک محفوظ کمرے میں رکھ دیا اس نیت پر کہ قُرب قیامت سے پہلے اہلِ ایمان کا غلبہ ہوگا اور جب وہ اس مقام پر تشریف لائیں تو انہیں اصحاب کہف کے حالات معلوم ہوں گے۔

كَانُوْا اصحاب کہف عالمِ دنیا میں عرصہ دراز تک زندہ رہے یعنی تین سو نو سال خواب میں آرام فرما رہے۔

مِنْ اٰيٰتِنَا یعنی اصحابِ کہف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل سے ایک دلیل اور اس کی آیات میں سے ایک آیت تھے

عَجَبًا یہ دراصل ذوعجب تھا یعنی اصحابِ کہف قدرت کی ایک عجیب ترین دلیل تھے۔

قاعدہ مضاف کو محذوف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کھڑا کر دیا گیا ہے یا مصدر ہے بطور مبالغہ کے مستعمل ہوا اور عجیب ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے جو اپنی ہم شکل اور اپنے نظائر سے نرالی ہو اور اعجبا کانوا کی خبر ہے خلاصہ یہ کہ اصحاب کہف کا قصہ اگرچہ خرقِ عادت کے طور عجیب تر ہے لیکن اللہ تعالےٰ کے دیگر آیات کے بالمقابل اتنا عجیب تر نہیں ہے اس لیے کہ اس کے بہت بڑے آیات کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں۔

ف کاشفی نے لکھا کہ اصحابِ کہف کا قصہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق السماء والارض کے سامنے چنداں عجیب وغریب نہیں۔

ف کہف سے مراد وہ غار ہے جسے جیرم کہا جاتا ہے وہ شہر کے گرد و نواح کے ایک پہاڑ تباخلوس میں واقع تھی اور اسی شہر میں دقیانوس نامی بادشاہ کا دارالخلافہ تھا۔

واقعہ اصحاب کہف مروی ہے کہ دقیانوس نے جب روم کے ممالک پر قبضہ کیا تو اس نے یہاں پر اپنے معبودانِ باطلہ کے لیے ایک مذبح تیار کیا اور شہر والوں کو حکم فرمایا کہ اس کے معبودوں کی پرستش کریں جو شخص اس کے حکم پر بتوں کی پرستش کرتا نجات پا جاتا اور جو انکار کرتا اسے قتل کرا دیتا اسی شہر کے چھ بزرگ زادے نوجوان گوشۂ تنہائی میں بیٹھے خدا تعالےٰ کی عبادت میں مصروف ہوگئے اور ہر وقت بارگاہ حق میں اپنے ظالم بادشاہ کی شرارت سے پناہ مانگتے تھے لیکن جب ان کا معاملہ بادشہ تک پہنچا تو اس نے انھیں گرفتار کر لیا اور سختی سے غیر اللہ کی پرستش پر مجبور کیا لیکن یہ حضرات توحیدِ حق پر ڈٹ گئے بادشاہ کے غلط حکم کی ذرا برابر پرواہ نہ کی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کا تمام مال ومتاع چھین لیا جائے اور انہیں کہا کہ تم نوجوان ہو ابھی تم دنیا سے نفع اندوز نہیں ہوئے مجھے تمھارے حال پر رحم آتا ہے میں تمھیں تین دن مہلت دیتا ہوں تم اپنے متعلق سوچ لو میرا حکم مانو گے تو زندگی آرام سے بسر ہو گی ورنہ نقصان اٹھاؤ گے انھوں نے ان تینوں دنوں کو غنیمت سمجھا بادشاہ سے مہلت پا کر وہاں سے بھاگ نکلے اور بقدرِ ضرورت زادِ راہ اپنے گھروں سے اٹھا کر رختِ سفر باندھکر شہر کے کسی نزدیکی غار میں چھپ گئے۔

سگ اصحاب کہف مروی ہے کہ جب رختِ سفر باندھکر روانہ ہوئے تو راستہ میں چرواہا ملا اس نے بھی ان

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝

ترجمہ جب نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو عرض کی اے ہمارے رب ہمیں اپنی طرف سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے راہ یابی کا سامان تیار فرما پھر ہم نے ان کے کانوں پر غار میں گنتی کے کئی سال تھپکی دے کر سلا دیا پھر ہم نے انہیں جگایا تاکہ ظاہر ہو کہ کس نے ان کے ٹھہرنے کی مدت کو صحیح تر بتایا۔

بقیہ صفحہ

کی رفاقت اختیار کی چرواہے کا ایک کُتّا تھا وہ بھی ان کے پیچھے ہو لیا ہر چند اسے بھگایا اس نے ان کا دامن نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ نے اسے بولنے کی طاقت بخشی اور ان سے گویا ہوا کہ بزرگو! مجھے اللہ والوں سے پیار اور عقیدت ہے فلہذا مجھے بھی ساتھ لے چلو بلکہ جہاں تم آرام فرماؤ گے میں تمہاری نگرانی کرتا رہوں گا چرواہے نے کہا اس پہاڑ میں ایک غار ہے جو ہمارے مقصد کے لئے موزوں ہے چنانچہ چرواہے کے مشورے پر اسی غار میں پہنچے جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا

تفسیر عالمانہ اذ عجبًا کے لیے ظرف ہے یا اذکر محذوف کا مفعول یعنی اے حبیب کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجیے جب کہ اَوَی بمعنے صار (یعنی ہوئے یا بمعنے اتی (یعنی آئے) یا بمعنے انضم (بمعنے ملے) یا بمعنی التجا (یعنی پناہ لی) اَلْفِتْيَةُ روم کے بزرگ زادے جنہیں دقیانوس نے شرک پر مجبور کیا تو شرک سے انکار کر کے گھروں سے بھاگ نکلے تھے۔ اِلَى الْكَهْفِ اس سے جیرم نامی غار مراد ہے جو ان کے پہاڑ تباخلوس میں واقع تھی ان حضرات نے اسی غار کو اپنے رہنے سہنے کا مرکز مقرر کیا۔

ف الفتیۃ فتیٰ کی جمع ہے اٹھتی جوانی والے قوی نوجوان) کو عربی میں فتیٰ کہا جاتا ہے کبھی استعارہ کر کے مملوک (غلام) کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے اگرچہ سن کے لحاظ سے بوڑھا ہو جیسے لفظ غلام مملوک کو کہتے ہیں بوڑھا ہو یا نوجوان۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی کسی مرد کو میرا عبد اور کسی عورت کو میری اَمۃ نہ کہے بلکہ مرد کو میرا فتیٰ (غلام) اور عورت کو میری فتاۃ (لونڈی) کہے۔

مسئلہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کے لیے کہے "انا فتی فلان" میں فلاں شخص کا فتی (غلام) ہوں اس سے ثابت ہوگا کہ وہ اس شخص کے لیے اپنے غلام ہونے کا اقرار کر رہا ہے

فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ غار میں داخل ہوئے تو بارگاہ حق میں التجا کی اے ہمارے رب ہمیں اپنے ان پوشیدہ خزانوں سے خصوصی رحمت سے نواز جسے تو نے اہل دنیا کی آنکھوں سے اوجھل رکھا ہے اس معنے پر من لدنک

اس کا مِن ابتدائیہ ہے۔ رَحْمَۃً جو خاص رحمت جو مغفرت اور رزق اور دشمن سے سلامت رہنے کا موجب ہو وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا یہ دونوں حروف جارہ ھیّئ کے متعلق ہے چونکہ ہر دونوں کے معنی مختلف ہیں اسی لیے اس فعل کے متعلق ہونا جائز ہے۔

حل لغات تھیئۃ بمعنے اظہارِ ھیئۃ الشئی یعنی شئے کی اصل ہیئت کا اظہار اور صحاح (لغت کی کتاب کا نام ہے) میں ہے "ھیئات الشئی" اصلحتہ میں نے اس کی اصلاح کی اور اصلاح افساد کی نقیض ہے۔ (الاصلاح) بمعنے شئے کو مستقیم نافع حالت پر لے جانا اور الافساد (شئے کو حد اعتدال سے خارج کرنا اب "ھیّئ لنا" کا معنیٰ ہوا "اصلح ورتب واتمم لنا" یعنی اصلاح فرما اور مرتب فرما اور ہمارے لیے مکمل فرما اور "امرنا" سے ان کا کافروں سے علیحدہ رہنا اور طاعتِ الٰہی پر قوت پانا مراد ہے رَشَدًا بمعنے طریق الی المطلوب پر عین مطابق ہونا اور مطلوب راستے کی جانب ہدایت پانا۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِھِمْ یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایسا حجاب لٹکا دیا جو ان کے کانوں کے اندر ہر قسم کی آواز کو روکتا تھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے انھیں سلا دیا ان کی سخت نیند میں سو جانے کو حجاب سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے حجاب باہر کی اشیا کو اندر جانے سے روکتا ہے ایسے ہی ان کی نیند کانوں پر حجاب کی مانند تھی کہ باہر کی آوازیں اندر جانے سے روکتی تھی۔

سوال یہاں پر صرف کانوں کی کیا تخصیص ہے جب کہ نیند جمیع مشاعر (حواس) کے لیے حاجب و مانع ہوتی ہے!

جواب اس لیے کہ عادۃً کانوں کو ہی حجاب کی ضرورت ہوتی ہے اور بیدار کرنے کے لیے عموماً کانوں تک آواز پہنچائی جاتی ہے بالخصوص وہ انسان جو لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے تنہائی میں نیند کرے

ف فضربنا کی فاء ایسے ہے جیسے اذ نادیٰ کے بعد فاستجبنا لہٗ میں ہے اس لیے کہ ان پر نیند کا غلبہ اور ان کے لواحقات جیسے ان کی نیند میں دائیں بائیں کروٹیں بدلنا وغیرہ ان پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نعمتیں ہیں جو خصوصیت سے انھیں عطا ہوئیں جو دیکھنے والوں سے اوجھل بھی تھیں اور خرقِ عادت کے طور تھیں یعنے اسباب عادیہ کے تحت نہیں تھیں تاکہ ظاہر ہو کہ ان اللہ والوں کی دعا مستجاب ہوئی۔

فِی الْکَھْفِ یہ ظرف مکان ضربنا کے متعلق ہے سِنِیْنَ یہ ظرف زماں اسی ضربنا کے متعلق ہے عَدَدًا ۝ گنتی والے یعنی تین سو نو سال اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آرہی ہے

سوال "سنین" خود متعدد ہے پھر عدداً کو اس کی صفت بنا کر کیوں لایا گیا

جواب کثرت کے اظہار کے لیے ہے اور یہی زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ اس کی قدرت کا کمال اسی سے واضح تر ظاہر ہوتا ہے قلت کے لیے بھی ہو سکتا ہے یہ اس معنیٰ کے لیے زیادہ اچھا ہے جب کہ پہلے کہا گیا کہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ کے دوسرے کرشموں کے بالمقابل اصحاب کہف کا عرصہ دراز تک سوتے رہنا عجیب ہونے کے باوجود کچھ بھی نہیں ان کا عرصہ دراز تک سونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک یوم کی مقدار کے برابر ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ پھر ہم نے انھیں جگایا ان کی بھاری اور سخت نیند کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے اس میں دلیل ہے کہ نیند موت کی بہن (ہمجنس ہے) آپس کے لوازمات کی وجہ سے ہے کہ ہر دونوں کا اٹھنا (۲) حیاۃ کا معطل ہو جانا (۳) ہر دونوں کی جمادات جیسی حالت کا ہو جانا لِنَعْلَمَ یہاں علم مجازاً بمعنے اختیار آزمائش ہے سبب بولکر مسبّب مراد لیا گیا ہے۔

سوال امتحان میں ممتحن عنہ سے فعل کا صدور ضروری ہے

جواب ممتحن عنہ سے فعل کا صدور ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات ممتحن کا صرف اظہار عجز مطلوب ہوتا ہے جیسے افعال تعجیزیہ میں عموماً ہوا چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو فرمایا کہ "فائت بها من المغرب" اس میں بھی نمرود سے صرف اظہار عجز مطلوب ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے اصحاب کہف کو ایک عرصہ کے بعد جگایا تاکہ ہم ان لوگوں سے وہی معاملہ کریں جو عام طور آزمائش کیے ہوئے لوگوں سے کیا جاتا ہے۔

اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اس سے وہ دو گروہ مراد ہیں جنھوں نے اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت میں اختلاف کیا تھا

ف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان دو فریقوں یعنی نوجوانوں اور بادشاہوں سے صرف وہی بادشاہ مراد ہیں جو اسی مدت تک ایک دوسرے کے جانشین ہوئے وہ اس لیے کہ الحزبین میں لام عہد کی ہے اور معہود سوائے ان بادشاہوں کے اور کوئی نہیں ہو سکتا

ترکیب ای مبتدا اور اس کی خبر احصی الخ یعنی یہ فعل ماضی ہے بمعنے ضبط۔

لِمَا لَبِثُوْٓا ما مصدریہ ہے بمعنی لبثهم "اَمَدًا" ○ (حل لغات) اہل عرب کہتے ہیں "ما امرك ای منتهی عمرك" یعنی تیری عمر کی انتہاء و غایت کیا ہے یہ آزمائش ان سے اس لیے ہوئی کہ جب وہ ان کی بعث و مدت کی صحیح گنتی سے عاجز ہوں گے تو اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اس کے متعلق یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ علیم خبیر کو ہے اور یقین کریں گے کہ وہی ان کے حالات کو بہتر جانتا ہے اور اسی کو علم ہے کہ اس نے ان کے ساتھ کیا کیا اور ان کے ابدان کو کس طرح محفوظ رکھا اور ان کا دین کیا تھا جب اس طرح کا اعتراف کریں گے تو انھیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس کی وسعت علمی کا یقین ہو جائے گا اور وہ مرنے کے بعد اٹھنے کے عقیدے کو مان لیں گے اس سے دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ اصحاب کہف کے واقعہ سے اہل ایمان کو معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ایمان داروں سے لطف و کرم فرماتا ہے اس سے تیسرا فائدہ یہ بعث و نشر پر حجت قائم ہو گی۔

حل لغات امداً سے مراد المدیٰ یعنی مدّت جیسے ابتداء الغایۃ میں انھایۃ سے مجازاً غایۃ الشئی عنہ مراد ہے جیسے غایۃ بمعنے مسافت مجازاً مستعمل ہوتی ہے ایسے ہی لفظ المُدیٰ بمعنے مدتہ مجازاً مستعمل ہوا۔

ف احصیٰ یہاں پر فعل ماضی ہے نہ اسم التفضیل اس لیے کہ یہاں پر تمام لوگوں کی آزمائش مقصود ہے نہ یہ کہ ان سب میں سے کسی ایک کی افضلیت اور اس دوسرے کا ادنیٰ ہونا ظاہر کرنا ہے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ "امحسبت" کے مخاطب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی محبوب نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کا خیال ہے کہ "ان اصحاب الکھف والرقیم کانوامن اٰیاتنا" اصحاب کہف اور رقیم ہماری عجیب آیات سے ہیں لیکن اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت کے بعض افراد افعال باطنیہ کے لحاظ سے ان سے عجیب تر ہیں آپ کی امت کے بعض افراد وہ اصحاب خلوات جن کی کہف ان کا خلوت خانہ ہے۔ جس میں وہ مقیم ہو کر یاد الہی میں زندگی بسر کرتے ہیں اور رقیم ان کے وہ قلوب ہیں جن پر حب الہی مرقوم ہے وہی صاحبان میرے محب بھی ہیں اور محبوب بھی اور ان کے قلوب کی تختیوں پر علوم لدنیہ منقوش ہیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خاطرت کے رقم فیض پذیرد ہیہات
مگر از نقش پراگندہ ورق سادہ کنی

ترجمہ تمہارا دل فیض کے لکھے کو کب قبول کر سکتا ہے اور یہ ناممکن ہے البتہ پراگندہ نقوش سے اسے سیاہ کرنا تمہارا کام ہے۔

اصحاب کہف دقیانوس کے خوف سے بھاگ کر غار میں چھپے تھے اور اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت کے اولیاء کرام کہف خلوۃ میں میرے دیدار کے شوق میں بھاگ کر آتے ہیں حضرت حافظ نے فرمایا ؎

شکر کمال حلاوت پس از ریاضت یافت
نخست در شکن تنگ ازان مکان گیرد

ترجمہ کمال میں حلاوت ریاضت کے بعد حاصل ہوتی ہے

ربنا آتنا الخ سے اصحاب کہف کی مراد یہی تھی کہ انہیں دقیانوس کے شہر سے نجات اور غار سے بسلامت باہر جانا نصیب ہو لیکن آپ کے اولیاء کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ نفوس کے شرور سے محفوظ ہو جائیں اور غار وجود کی تاریکیوں سے نکل کر انوار جمالی وجلالی کی طرف پہنچ جائیں۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مددے گر بچراغی نکند آتش طور
چارۂ تیرہ شب وادی ایمن چہ کنم

ترجمہ چراغ کی آتش کی اگر طور مدد نہ کرے تو وادی ایمن کی تاریکی شب کیا کر سکتی ہے۔

فضربنا الخ سے مراد یہ ہے کہ اصحاب خلوات یعنی اولیاء امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اور باطنی کان محفوظ کر لیے گئے تاکہ ان کے مسامع کو کلام خلق نہ سنی جائے کہ اسی کلام کے نقوش ان کے قلوب پر منقش نہ ہو جائیں اسی طرح ان کے جمیع حواس کو ان کے قلوب سے دور رکھا جاتا ہے بلکہ ان کے قلوب پر جتنے غلط نقوش منقوش ہوتے ہیں وہ سب کے سب

کلمۂ صفائی یعنی لاالہ الااللہ الخ سے مٹا دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ لاالہ الااللہ سے انکے قلوب ما سوی اللہ کی نفی اور الااللہ کے اثبات سے نورِ الٰہی سے منور بلکہ علوم لدنیہ کے انوار ان کے قلوب پر منقش ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں فانی فی اللہ ہو کر انھیں بقا باللہ کا مرتبہ نصیب ہوا اسی لیے فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ یعنی انہیں ہم نے اپنی بقا کی زندگی بخشی لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ تاکہ واضح ہو کہ ان دو گروہوں یعنی اصحابِ کہف اور اصحابِ خلوات میں سے (اچھی) خطا پر کون ہے اور صواب پر کون - لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا کہ ان میں بعض صرف غار میں عرصہ دراز تک ٹھہرے رہے اور بعض خلوات کے بیوت ہیں -

قصۂ اصحابِ کہف

ایک شہر کا بادشاہ تھا ظالم جو اس کے بتوں کو نہ پوجتا اس کو عذاب سے مارتا یا بُت پوجاتا اصحابِ کہف کے متعلق کسی نے بادشاہ سے چغلی کی اس نے رُوبرو بلا کر پوچھا اس وقت حق تعالیٰ نے ان کے دل پر گرہ کردی - یعنی ثابت رکھا اور بت پرستی سے انکار کر دیا اور اپنی بات صاف کہہ دی اس وقت بادشاہ نے موقوف رکھا کہ اور شہر پھر کر آؤں تو ان سے بُت پوجنا قبول کراؤں یا عذاب کروں وہ گیا اور یہ چھپ کر نکل گئے شہر سے نکل کر پاس ایک پہاڑ میں کھوہ تھی آپس میں مشورہ کر کے وہاں جا بیٹھے نیند غالب ہوئی سو گئے کسی کو معلوم نہ ہوا تب سے اب تک سوتے ہیں بیچ میں ایک بار اللہ تعالیٰ نے جگا دیا تھا جس سے لوگوں پر خبر کھلی پھر سو رہے

افسس کی بُت پرستی افسس ایک قدیم شہر کا نام ہے جو بلادِ یونیا میں واقع تھا آج کل وہاں سوائے کھنڈرات کے اور کچھ نہیں ہے کے باشندے اپنی عید کے دن نکلے تاکہ اپنی مورتیوں اور بتوں کو آراستہ کریں اور ان پر بھینٹ چڑھائیں لیکن ان کے شرفائیں ایک شخص جو بڑے معزز گھرانے کا تھا وہ ان کی یہ حرکتیں دیکھ کر مطمئن نہ تھا اس کی عقل ان پتھر کے معبودوں کو دیکھ کر چین نہ پاتی وہ ان کی طرف سے شک اور شبہ میں مصروف رہتا اور پریشان فکر مند رہا کرتا پھر وہ ان کے درمیان سے چپکے سے کھسک کر نکل جاتا اور چھپتا ہوا ایک درخت کے نیچے حیران و پریشان بیٹھا رہتا -

اس کے بعد ایک اور شخص جو اسی حیرت اور پس و پیش میں مبتلا تھا اس کے پاس جا پہنچا یہ بھی شرافت اور حسب و نسب میں پہلے سے مشابہ تھا اور بت پرستی کے معاملے میں ویسا ہی فکر مند تھا اس طرح اس خیال کے لوگوں کی تعداد سات تک پہنچ گئی بہت جلد ان لوگوں کے دل آپس میں مل گئے اور یہ باہم بالکل ہم خیال اور متحد ہو گئے اگرچہ ان کے درمیان کوئی نسبی یا رحمی تعلق نہ تھا -

ان لوگوں نے اپنی شکوک اور معبودانِ باطل سے انکار کا حال لوگوں پر ظاہر کر دیا پھر انھوں نے کائنات کی وسعت میں قدم بڑھایا اور اپنی فطرتِ سلیمہ اور دُوررَس نگاہوں کی بدولت اشیاء پر غور و خوض کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کے دل توحید کے نور سے روشن ہو گئے انہیں خالقِ کائنات کی راہ مل گئی اور وجود اور ہستی کا بھید معلوم ہو گیا وہ اس دین سے خوش اور مطمئن ہو گئے اور

لے اضافہ اویسی غفرلہٗ

انھوں نے اس پر اتفاق کرلیا کہ اس دین کو اپنے دلوں کی گہرائی میں چھپائے رکھیں گے کیونکہ اس زمانہ کا بادشاہ بُت پرست اور مشرک تھا اور مشرکوں کا حامی و مددگار تھا۔

اصحاب کہف کا اجتماع

اب ان میں سے ہر ایک وہی کچھ سوچتا تھا جو ان کے باقی رفیق سوچتے تھے اور انہیں کی طرح بے قرار رہتا تھا جب ان میں سے کوئی تنہا ہوتا اور دل کو یکسو پاتا تو اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عبادت اور نماز میں مشغول ہو جاتا اور اس کی پاکیزگی اور تقدس کا اقرار کرتا اسی حالت میں یہ لوگ ایک رات کو جمع ہوئے اور اس اجتماع میں ان میں سے ایک نے پست آواز میں ڈرتے ڈرتے کہا۔

دوستو! کل میں نے ایک خبر سُنی اگر اس کا راوی سچا ہے اور میں اسے سچا ہی سمجھتا ہوں تو اس خبر میں ہمارے دین کی تباہی اور جانوروں کی بربادی کا خطرہ ہے میں نے سنا کہ بادشاہ کو ہمارا حال معلوم ہو گیا ہے اس پر ہمارے دین اور عقیدے کا بھید کھُل چکا ہے اس کی اطلاع پا کر اس کا غضب بھڑک اٹھا ہے اور اس نے برہم ہو کر دھمکی دی ہے کہ اگر ہم لوگ اس دین سے جو ہمارے دلوں میں خوب رچ گیا ہے باز نہ آئے تو ہمیں نقصان پہنچائے گا اندیشہ ہے کہ کل ہی ہم اس کے حضور میں پیش کئے جائیں اور اس کے وعدہ اور وعید کی درمیانی حالت سے دوچار ہوں جس میں ہمیں اس کی تلوار اور جلاد چرمی فرش کا سامنا کرنا پڑے۔ اس لیے اس بات پر غور کر لو اور سوچ سمجھ کر رائے قائم کرو۔

دوسرے ساتھی کی اولوالعزمی

دوسرے نے کہا میں یہ خبر پہلے ہی سن چکا ہوں میں نے اسے افواہ پھیلانے والوں کی دہشت انگیز خبر اور جاہلوں کی تاویل خیال کیا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے اب یہ خوب پھیل گئی ہے یہاں تک کہ اب اس کے سچ ہونے اور واقع ہونے کا امکان ہے مگر ہماری رائے تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اپنے دین پر ثابت قدم رہیں گے اور ہمیں لوگ جس طرح بھی دبانا چاہیں برداشت کریں گے مگر یہ محال ہے کہ ہم ان بتوں کی طرف پھر لوٹیں جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اور جن کے فاسد و باطل ہونے کا علم ہمیں ہو چکا ہے ہم تو اللہ کی عبادت سے نہ پلٹیں گے آفتاب جو ہر روز طلوع ہوتا ہے اپنے طلوع کے ساتھ خدا کے وجود کی دلیل رکھتا ہے اور فکر و خیال کی ہر تسبیح اس کی عظمت کی شہادت دیتی ہے۔"

آخر جو خبریں پھیل رہی تھیں صحیح ثابت ہوئیں، ان بزرگوں کو ان کے گھروں سے باہر نکالا گیا اور بادشاہِ وقت کے سامنے پیش کیا گیا۔

بادشاہ کا خطاب

بادشاہ نے ان سے کہا ——— "تم نے اس بات کو چھپانے کا ارادہ کیا اپنے دین کو مخفی رکھنے کی کوشش کی۔ مگر تم اس میں کامیاب نہیں ہوئے تم نے جو کچھ چھپایا یا ظاہر کیا اور تم جو کچھ علم و اعتقاد رکھتے ہو اس کی اطلاع مجھے پہلے ہی ہو چکی ہے مجھے معلوم ہوا کہ تم بادشاہ اور رعیت کے دین سے پھر چکے ہو اور تم نے ایسا دین اختیار کیا ہے جو میں نہیں جانتا تم پر کہاں سے اتر پڑا تمھیں اس کا علم کیسے ہوا؟

میرے لیے یہ بات تو آسان تھی کہ میں تمہیں اپنے دین میں سرگرداں رہنے کے لیے چھوڑ دوں اور آزاد رہنے دوں لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ اپنی قوم کے اشراف اور قبیلوں کے معززین میں سے ہو اور اگر عوام کو تمہاری باتوں کا علم ہوا تو تمہاری شریعت اور دین کے اندر داخل ہو جائیں گے اور تمہارے طریقہ پر چلنے لگیں گے اور اس صورت میں ملک کی تباہی اور امن وامان کی خرابی ہے؛

میں تمہیں سزا و تعزیر دینے میں جلدی نہ کروں گا اور اس کا موقع دوں گا کہ جو کچھ تم کرنا چاہتے ہو اس پر غور کر لو اور سوچ کر جواب دو اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو تمہیں پھر ہماری ملّت کی طرف لوٹ آنا اور لوگوں کے مذہب کی اطاعت کرنا ہے یا پھر دیکھنے والا یہ منظر دیکھے گا کہ اس کے سامنے چند سر اور اعضاء کٹے ہوئے ڈھیر ہیں اور تمہارے اجسام سے خون بہہ رہا ہے

اصحابِ کہف کی قوّتِ ایمانی

مگر اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے دل مضبوط کر دیے تھے اور ان کے ایمان کو قوت عطا کی تھی اس لیے وہ بادشاہ کی دھمکیوں میں نہ آئے انہوں نے جواب دیا اے بادشاہ! ہم اس دین میں دوسروں کی تقلید داخل نہیں ہوئے ہیں نہ ہم نے اسے کسی کی زبردستی سے قبول کیا ہے ہم اس پر جاہلوں اور ناواقفوں کی طرح عمل نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہمیں ہماری فطرت نے اس طرف بلایا اور ہم نے اسے اپنی عقل و فہم کی روشنی میں درست پا کر اختیار کیا ہے بلاشبہ وہ اللہ ایک ہے ہم اسے چھوڑ کر کسی اور معبود کو نہ پکاریں گے رہی ہماری قوم تو اس کا حال یہ ہے کہ اس نے بے جانے بوجھے اوزوں کی پیروی کر کے ان بتوں کو پوجنا شروع کر دیا وہ نہ اس کے درست ہونے کی دلیل رکھتے ہیں نہ ان کے پاس کوئی حجّت اور ثبوت ہے ہماری معلومات اور رائے اسی حد تک ہیں اور ہم اس پر قائم ہیں اس لیے اب آپ کو جو حکم دینا ہو اور جو کچھ کرنا چاہیں کریں"

بادشاہ نے کہا؛ آج تم لوگ جاؤ! کل میرے حضور میں آنا پھر میں تمہارے معاملہ پر غور کروں گا اور تمہارا فیصلہ کروں گا

ہجرت کا فیصلہ

اس کے بعد یہ لوگ تنہائی میں جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کریں ان میں سے ایک نے کہا بادشاہ ہمارے نقطہ نگاہ اور عقائد سے تقریباً واقف ہو چکا ہے اس لیے اب اس کے وعدے اور وعید کے درمیان ٹھہرے رہنے اور اس کی امیدوں اور دھمکیوں میں آنے کا کوئی موقع نہیں مناسب ہو گا کہ ہم اپنے دین سلامت لے کر پہاڑ کی اس کھوہ میں جا چھپیں یہ مقام اپنی تاریکی اور تنگی کے باوجود اتنی وسیع سرزمین میں ہمارے لیے سب سے زیادہ کشادہ اور فراخ ہو گا کیونکہ ہم اس زمین میں اپنی خواہش کے مطابق اللہ کی بندگی نہیں کر سکے اور اپنے اعتقاد کے موافق اپنے دین کا اعلان نہیں کر سکتے ایسے امکان میں اقرار کی کیا صورت ہو سکتی ہے جہاں ہم سے ایسا دین منوایا جاتا ہے جس سے ہم مطمئن نہیں ہیں اور اس وطن میں کیا عزت ہو سکتی ہے جس میں ہمارے عقیدے کے برخلاف زبردستی رائے منوائی جاتی ہے۔

کتے کی رفاقت اس کے بعد ان سب لوگوں نے وطن چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اپنی اپنی زادِ راہ لادی اور دین کو دنیا پر ترجیح دے کر یہاں سے چل دیے اس موقع پر ایک کتے نے انہیں دیکھا تو وہ بھی ان کے پیچھے ہو لیا انھوں نے بھی اس کے ساتھ ہونے یا ان کی پاسبانی کرنے میں کوئی مضائقہ نہ جانا۔

غار کے اندر یہ لوگ برابر چلتے رہے یہاں تک کہ ایک غار میں پہنچے یہاں انھوں نے پھل پائے اور پانی بھی کھایا پیا اور لیٹ گئے تاکہ تھوڑی دیر تھکے ماندہ پیروں کو آرام پہنچائیں اور اتنی مسافت طے کرنے کے بعد جو تکان ہوئی ہے اسے رفع کریں چند ہی لمحات کے بعد انھیں خفیف سی اونگھ محسوس ہوئی آنکھیں بند ہونے لگیں ان کے سر زمین پر جھک گئے اور ان پر گہری نیند طاری ہو گئی۔

برسوں کی گہری نیند رات کے بعد دن اور برس کے بعد برس گزرتے رہے اور یہ لوگ سوتے رہے یہ بڑی گہری نیند سوتے رہے تھے نہ ہوا کے جھونکے ان کی نیند میں خلل ڈالتے نہ تیز آندھی کے تھپیڑے انہیں بیدار کرتے سورج طلوع ہوتا سوراخوں سے گزر کر اس کی شعاعیں غار میں پہنچتیں اس طرح آفتاب کی روشنی اور حرارت تو اس میں جاتی مگر اس کی شعاعیں اصحاب کہف تک نہ پہنچتیں اس کے بعد آفتاب غروب ہوتے وقت ہٹ جاتا اور ان سے دور ہی رہتا یہ سب کچھ اس لیے ہوتا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے اجسام کو محفوظ رکھنے کا جو ارادہ فرمایا تھا پورا ہو۔ اگر کوئی دیکھنے والا انہیں دیکھتا تو اسی حال میں دیکھتا کہ کبھی وہ دائیں جانب کروٹ بدلتے ہیں اور کبھی بائیں طرف ان کی حالت اتنی متغیر ہو چکی تھی کہ جو دیکھے اس پر رعب طاری ہو جائے اور خوف زدہ ہو جائے انہیں اس طویل نیند سوتے تین سو نو (۳۰۹) سال شروع ہو گیا تین سو آٹھ برس سوتے گزر گئے) اس کے بعد یہ موحدین بیدار ہوئے تو بھوک کی شدت سے بے چین ہوئے جان کو سنبھالنا اور تھکے ہوئے اعضا پر قابو پانا مشکل ہو گیا یہ حضرات اپنے دل میں یہی سمجھے کہ انہیں اس حال میں کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا اور گویا تاریخ کا پہیہ ان کی غار کے نزدیک آکر ٹھہر گیا ہے۔

آپس میں اظہارِ خیال ان میں سے ایک نے ان سے پوچھا "مجھے ایسا خیال ہوتا ہے کہ ہم بہت دیر سوتے رہے ہیں۔ دوستو تمہارا کیا خیال ہے۔ دوسرا بولا "شاید ہم دن بھر سوئے ہیں کیونکہ یہ جو نیند اور تھکن محسوس ہو رہی ہے اس سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے تیسرے نے کہا "ہم تو صبح ہی کو سوئے تھے اور ابھی یہ سورج غروب بھی نہیں ہوا اس لیے میرا خیال تو یہی ہے کہ ہم دن کے کچھ حصہ میں سوتے رہے ہیں۔ چوتھا بولا اپنے اس سوال و جواب کو رہنے بھی دو یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ تم کتنے سوتے رہے ہو مگر مجھے تو سخت بھوک لگی ہوئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے کئی راتوں سے کچھ نہیں کھایا اب چاہیے کہ تم میں سے کوئی شہر کو جائے اور ہمارے لیے کھانا تلاش کر کے لائے مگر یہ شخص عقلمند اور سمجھدار ہو اس بات کا خیال رکھے کہ ہمیں نہ کوئی پہچانے اور نہ کوئی انسان اس کا پیچھا کرے اگر یہ لوگ ہم پر آپڑے اور انھوں نے ہمارا مقام جان لیا تو وہ ہمیں قتل کر ڈالیں گے یا ہمارے دین کے معاملہ میں ہمیں فتنہ میں ڈال دیں گے اب ان میں سے ایک شخص شہر کی طرف چلا اور بہت احتیاط اور خوف کے ساتھ قدم بڑھاتا ہوا شہر افسس میں داخل ہوا مگر یہاں پہنچ کر اسے کسی چیز سے خوف محسوس نہ ہوا البتہ یہ

دیکھ کر اسے تعجب ضرور ہوا کہ آثار اور عمارات میں تغیرات پیدا ہو چکے ہیں کھنڈر محل بن گئے ہیں اور جو محل تھے وہ کھنڈرات اور ٹیلوں کی صورت میں تبدیل ہو چکے ہیں چہرے اور صورتیں انجانی اور غیر مانوس معلوم ہو رہی ہیں

لوگوں کی پوچھ گچھ

اس شخص کی نظریں حیران تھیں چال سے گھبراہٹ اور بے چینی ظاہر ہو رہی تھی حیرت نے منہ پر مُہرِ سکوت لگا رکھی تھی پریشانی بڑھتی جاتی تھی یہ دیکھ کر لوگ اس کے آس پاس جمع ہو گئے۔

ان میں سے ایک نے اس سے پوچھا کیا تم اس شہر میں پردیسی ہو؟ کیا سوچ رہے ہو کسے ڈھونڈتے ہو؟ اس نے جواب دیا میں پردیسی تو نہیں ہوں، کھانا خریدنا چاہتا ہوں، اس کی تلاش ہے۔ مجھے وہ مکان نظر نہیں آتا جہاں کھانا فروخت ہوتا ہے وہ اس آدمی کا ہاتھ پکڑ کر کھانا فروخت کرنے والے کی دکان پر لے گیا اب اس غار والے نے اپنے درہم نکال کر دیے وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ یہ سکے تین سو برس سے زیادہ مدّت کے ڈھلے ہوئے ہیں اس نے سوچا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو کسی خزانے کا سراغ لگا ہے اس کے پاس ان درہموں کے علاوہ اور بھی بہت سے درہم ہوں گے بلکہ ایک بڑا خزانہ ہوگا اب اس کے پاس بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور آہستہ آہستہ مجمع زیادہ ہونے لگا۔

غار والے شخص کا بیان

غار والے نے کہا ـــــ لوگو! تم جیسا خیال کر رہے ہو ویسا نہیں ہے نہ یہ نقدی اس قسم کی ہے جس قسم کی تم سمجھ رہے ہو یہ درہم تو وہی ہیں جو کل ہی ایک معاملے میں لوگوں سے میرے پاس آئے آج میں ان سے اپنا کھانا خرید رہا ہوں اس میں تمھاری حیرانی کی کیا بات ہے؟ تم مجھ پر ایسے الزام کیوں لگا رہے ہو پھر اس شخص نے اس ڈر سے کہ بھید نہ کھل جائے اور ان کی حقیقتِ حال معلوم نہ ہو پلٹنے کا ارادہ کیا لیکن اب وہی لوگ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور سلیقے سے گفتگو کرنے لگے پھر جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ شخص ان شریف بزرگوں میں سے ہے جو تین سو برس پہلے ان کے ظالم و کافر بادشاہ کے ظلم سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور پھر بادشاہ انھیں طلب کرنے کے باوجود نہ پا سکا اور تلاش کرانے پر بھی انہیں پکڑنے سے قاصر رہا تو ان لوگوں کو نہایت حیرت ہوئی ادھر اس آدمی نے جب یہ جان لیا کہ یہ لوگ اس قصّے سے واقف ہو گئے ہیں تو وہ بہت ڈرا اور اسے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان خطرے میں نظر آنے لگی اس نے بھاگ جانے کا ارادہ کیا یہ دیکھ کر ان لوگوں میں سے ایک نے کہا: ـ

ارے میاں خوف نہ کرو جس بادشاہ سے تم ڈر رہے ہو وہ کوئی تین سو برس پہلے مر چکا ہے اور اب جو بادشاہ تختِ نشین ہے وہ اللہ پر اس طرح ایمان رکھتا ہے جس طرح تم ایمان رکھتے ہو مگر ہاں تم تو ہمارے سامنے موجود ہو تمھارے باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

اب اس غار والے شخص کو اپنی صحیح حالت معلوم ہوئی اور تاریخ کے وسیع باب کا پتا چلا جو اس درمیان میں گزر چکا تھا۔ اور جس کی بدولت اس کے اور ان لوگوں کے درمیان اتنا فاصلہ واقع ہو گیا تھا اب اس کی حالت چلتے پھرتے بے جان جسم اور متحرک سائے کی سی تھی وہ حیران کھڑا تھا پھر اس نے بات کرنے والے سے کہا مجھے جانے دو تاکہ میں غار میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچوں اور ان سے یہ سب کچھ بیان کروں غالباً ان کا انتظار بہت بڑھ گیا ہوگا اور وہ سخت بے چین ہوں گے۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝

ترجمہ: ہم آپ کو ان کا صحیح حال سناتے ہیں بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا اور ہم نے ان کی ڈھارس بندھائی جب گھر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یقین سے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے ہم اپنے رب کے سوا کسی معبود کی عبادت نہیں کریں گے خدانخواستہ اگر ہم سے غیر اللہ کی پرستش ہو جائے تو یقیناً ہم نے حد سے گزری ہوئی بات کہی ۔

بقیہ صفحہ

بادشاہ کی غارنشینوں سے ملاقات

بادشاہ نے ان کا حال سُنا تو وہ عجلت کے ساتھ ان سے ملنے کے لیے ان کے غار کی طرف چلا وہاں ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے چہرے زندگی سے چمک رہے تھے اور خون ان کی رگوں میں دوڑ رہا تھا اس نے ان سے مصافحہ و معانقہ کیا اور انھیں اپنے قصر میں آنے اور اپنے پاس ٹھہرنے کی دعوت دی اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا :-

"اب ہم زندگی نہیں چاہتے، ہمارے بیٹے پوتے مر چکے، گھر اور مکان مٹ گئے، ہمارے اور زندگی کے درمیان جو علاقے تھے منقطع ہو گئے "

اللہ سے ملنے کی دعا اور خاتمہ

اس کے بعد ان لوگوں نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان پر رحمت نازل فرمائے۔ پلک جھپکنے کی دیر تھی کہ یہ لوگ جسم بے جان ہو کر گر پڑے جن میں زندگی کا نام تک نہ رہا۔ رہی قوم تو ان لوگوں نے دیکھ کر کہا :

" شایدُ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے حال سے اس لیے مطلع فرمایا کہ ہم یہ بات جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے موت کے بعد حشر میں دوبارہ زندگی برحق ہے اور بلاشبہ قیامت آنے والی ہے پھر ان کے اس معاملہ پر آپس میں نزاع ہونے لگا۔

فقالو- ابنوعلیهم بنیاناً ربهم اعلم	انہوں نے کہا ان پر ایک عمارت بنا دو اں کا رب
بهم قال الدین غلبو علی امر هنم	ہی انہیں زیادہ بہتر جانتا ہے جو لوگ غالب تھے
لنتخذن علیهم مسجدا -	انہوں نے کہا ہم ان کے پاس ایک عبادت خانہ بنا دیں گے۔

تفسیر عالمانہ

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ بمعنے یعنی ہم آپ کو خبر دیتے ہیں اور ان کا حال بیان کرتے ہیں۔ نقص کے اشتقاق کی بحث سورت یوسف میں ہم نے بیان کر دی ہے

نَبَاَھُمْ یعنی اصحابِ کہف والرقیم کا حال۔ بِالْحَقِّ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے دراصل عبارت یوں تھی۔ "نقص قصا ملتبساً بالحق" یعنی وہ قصہ جو سراسر حق مبنی بر صدق ہے۔

ف اس میں اشارہ ہے کہ بہت سے قصہ خواں غلط اور جھوٹے قصے سناتے ہیں پھر اپنی مرضی سے اس میں گھٹاتے بڑھاتے ہیں بلکہ اپنی رائے پر تغیر و تبدل کرتے ہیں جس میں ان کی اپنی خواہش نفسانی کو بہت بڑا دخل ہوتا ہے اور سچا اور حق قصہ صرف اللہ بیان فرماتا ہے۔

اِنَّھُمْ فِتْیَۃٌ بے شک وہ چند نوجوان تھے اٰمَنُوْا بِرَبِّھِمْ جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے

اصحابِ کہف کے ایمان کا سبب تکملہ میں لکھا ہے کہ ان کے ایمان لانے کا سبب یوں ہوا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کسی ایک حواری نے ان کے شہر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہیں کسی نے کہا کہ اس شہر کے دروازے پر ایک بت رکھا ہے جو بھی اس شہر میں داخل ہوتا ہے اس پر ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اس بت کو سجدہ کرے ورنہ شہر میں داخل نہیں ہونے دیتے اس بندۂ خدا نے صرف غیر اللہ کی پرستش کی وجہ سے شہر میں جانے سے انکار کر دیا شہر کے باہر ایک حمام کرایہ پر لے کر اپنا کاروبار شروع کر دیا کسی وجہ سے ان نوجوانوں کا اس کے ہاں آنا جانا ہوا تو وہ بزرگ انہیں اللہ تعالیٰ اور آخرت کے متعلق واقعات سناتا رہتا اس کی باتوں سے متاثر ہو کر نوجوان اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور حواری کی تمام سچی باتوں کی تصدیق کی۔

حواری بھاگ گیا ایک دن حواری کے حمام میں وقت کے بادشاہ کے بیٹے نے ایک عورت سے زنا کرنے کی اجازت چاہی اس حواری نے اسے سختی سے روکا لیکن وہ چونکہ بادشاہ کا بیٹا تھا اس لیے جبراً اس عورت کو لے کر اس کے حمام میں داخل ہوا شومئی قسمت بادشاہ کا بیٹا اور وہ عورت ہر دونوں اس کے حمام میں مر گئے بادشاہ کو معلوم ہوا کہ حمام میں اس کے بیٹے کو حواری نے قتل کر دیا ہے بادشاہ نے حواری کی گرفتاری کا حکم کیا تو وہ حواری بھاگ گیا جب وہ نہ ملا تو بادشاہ نے کہا اس کے مصاحبین کو پکڑو اور اس کے مصاحبین وہی نوجوان تھے جب ان نوجوانوں نے اپنی گرفتاری کا سنا تو وہ بھی بھاگ کر غار میں چھپ گئے۔

صاحب روح البیان کا بہترین فیصلہ صاحب روح البیان یہاں پر لکھتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ اصحابِ کہف کو ایمان کی تلقین الہام ملکوتی اور انجذاب لاہوتی سے نصیب ہوئی انہیں کسی کی رہبری کی حاجت نہیں تھی اس تقریر کی تائید "تاویلات نجمیہ" سے بھی ہوتی ہے چنانچہ اس کی مزید تفصیل آگے آتی ہے۔

اصحابِ کہف کس زمانہ میں تھے؟ اس میں علمائے کرام کا اختلاف ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ عیسٰی علیہ السلام سے پہلے تھے حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنی امت کو ان کے

حالات بتائے لیکن ان کا خواب سے بیدار ہونا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد زمانہ فترۃ[1] میں ہوا۔ دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے بعد ہوئے اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے۔

ف طبری نے کہا کہ یہی اکثر علماء کرام کا مذہب ہے۔

وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ یعنی ہم نے انہیں دینِ حق پر ثابت قدم رکھا اور ان پر اچھے محاسن ظاہر کیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انهم فتية سے انہیں اس لیے یاد فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ انہیں تقلیدی ایمان کی بجائے تحقیقی ایمان نصیب ہوا اور انہوں نے بلا واسطہ غیر الی اللہ ہدایت حاصل کی۔ یاد رہے کہ انہوں نے اپنے ابتدائی دور میں بقدر ہمت ہدایت طلب کی تو پھر اللہ تعالیٰ نے بوعدۂ من تقرب الی شبراً تقربت الیه ذراعًا۔ جو ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں اسے ایک ہاتھ کے برابر قریب ہو جاتا ہوں انہیں ہدایت میں بڑھا دیا یہ اس کی نظر عنایت اور لطف و کرم ہے چنانچہ خود فرمایا و زدناهم هدًى یعنی ہم نے ان کی آرزو کے مطابق ان کی ہدایت میں اضافہ کیا اس لیے کہ ان کی تمنا تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور ان احکام کی ہدایت عطا فرمائے جو انبیاء علیہم السلام لے آئے اور انہیں بعث و نشر کی راہ یابی بھی نصیب ہو۔ ان کی یہ تمنا ایمان بالغیب کے قبیل سے تھی اللہ تعالیٰ نے ان پر لطف و کرم فرمایا کہ ان کی ہدایت کی تمنا میں یوں اضافہ فرمایا کہ انہیں تین سو نو سال کی طویل نیند سے بیدار فرمایا اور باوجود اتنا طویل عرصہ مٹی پر پڑے رہے نہ ان کے اجسام متغیر ہوئے اور نہ ہی ان کے کپڑے پرانے ہوئے اس کیفیت سے ان کے ایمان ایقان سے اور غیب عین و عیان سے بدل گئے۔ ~

میوہ باشد آخر از بار تو
کعبہ باشد آخر اسفار تو

ترجمہ: میوہ بعد میں نصیب ہوتا ہے جب کہ پہلے صرف وہی سبز پتے تھے ایسے ہی کعبہ کی زیارت طویل سفر طے کرنے کے بعد ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ یعنی ہم نے انہیں قوی بنایا یہاں تک کہ وہ اپنے اہل و عیال اور وطن اور نعمتوں اور بھائیوں کے ہجر کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کے اہل ہو گئے اور بلا خوف و خطرہ حق کے اظہار پر جرأت مند ہوئے اور دقیانوس جیسے ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے حق گوئی پر بے باک ہو گئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ظالم و جابر بادشاہ کے سامنے حق گوئی بہت بڑا اور افضل جہاد ہے

---

[1] جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے تو درمیان میں ایک عرصہ گزرا اس کے بعد حضور علیہ السلام کی نبوت کا دور شروع ہوا اس درمیانی دور کو فترہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

نکتہ ایسا مجاہد خوف و رجاء کے درمیان ہوتا ہے اور بادشاہ ایسے شخص کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو ایسے وقت میں حق گوئی میں خوف کا غلبہ ہوتا ہے بنابریں اس کی حق گوئی سے اسے افضل جہاد کا مرتبہ نصیب ہوا۔

حل لغات اساس (لغت کی کتاب کا نام ہے) میں ہے کہ (ربطت الدابة) "ای ربطتها برباط"، اسی لیے المربط گھوڑے کو بھی کہا جاتا ہے اور مجازاً ربط اللہ علی قلبہ بمعنے صبرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے صبر کی توفیق بخشی چونکہ خوف اور قلق سے قلب کو سکون نہیں رہتا۔ کما قال تعالیٰ:

بلغت القلوب الحناجر پہنچ گئے قلوب حنجروں تک، بنابریں اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کو تقویت بخشی جانوروں کو سخت باندھنے کے ساتھ قلوب کی تثبیت کو تشبیہ دی گئی ہے

اِذْ قَامُوْا ۔ ربطنا کی وجہ سے منصوب ہے اور قیام سے ان کا شعار دین کو قائم رکھنا مراد ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان کا یہاں وہ قیام مراد ہے جب کہ دقیانوس جیسے ظالم وجابر حکمران کے سامنے گرفتار ہو کر آئے تو اس نے انھیں بُت پرستی پر مجبور کیا اور اس پر دھمکیاں بھی دیں لیکن انہوں نے اس کی ان دھمکیوں کی کوئی پرواہ نہ کی اس تقریر پر ھُوَ لَا کو ماقبل کی عبارت سے کسی قسم کا تعلق نہ ہوگا بلکہ یہ انہوں نے ازخود کہا جب کہ وہ اپنی قوم سے نکل کر غار کی طرف جانے لگے تھے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وربطنا علیٰ قلوبھم اذ قاموا یعنی ہم نے ان کے دل مضبوط کیے تاکہ وہ دنیا اور اس کے نقش و نگار کی طرف ملتفت نہ ہوں بلکہ پورے طور ماسوی اللہ سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں یہی وجہ ہے کہ جب وہ بیدار ہوئے تو پھر انہیں حیوٰۃ دُنیا سے عدم رغبتی کا اظہار کرتے ہوئے جوارِ الٰہی میں زندگی بسر کرنے کی آرزو کی چنانچہ عرض کی۔ فقالوا ربنا رب السموات والارض یعنی انہوں نے کہا کہ ہمارا رب جمیع عالم کا پروردگار اور مالک اور ان کا خالق ہے اور ربّ بھی عالم کا ایک جزو ہیں بنابریں وہ بھی ایک مخلوق ٹھہرے پھر مخلوق کی پرستش کیسی اور نہ ہی وہ پرستش کے لائق ہے۔

لن ندعوا ہم ہمیشہ تک پرستش نہیں کریں گے من دونہ الٰھا ۔ اللہ تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے معبود کی نہ مستقل طور اور نہ ہی اسے اللہ تعالےٰ کا شریک ٹھہرا کر۔

سوال جیسے پہلے لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر ہو رہا تھا تو اب بھی الٰھاً کے بجائے ربّاً لانا چاہیے تھا۔

جواب چونکہ کفار اپنے معبودوں کو الٰہ سے تعبیر کرتے تھے اسی لیے انہوں نے اسی لفظ کی تصریح کی تاکہ منکرین کا پورے طور رد ہو جائے۔

لقد قلنا یعنی بفرض محال اگر ہم غیر اللہ کی پرستش کریں تو پھر ہم نے کہا ایسا قول اذا شططا اس وقت حد سے متجاوز شططاً سے پہلے لفظ ذا محذوف ہے تجاوز عن الحد یہ صفت ہے مصدر محذوف

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝

ترجمہ یہی ہماری قوم ہے اس نے اللہ تعالے کے سوا بہت سے خدا بنا رکھے ہیں کیوں نہیں لاتے ان پر کوئی روشن دلیل پس اس سے بڑھ کر اور ظالم کون ہوگا جس نے اللہ تعالےٰ پر جھوٹا افترا کیا اور جب تم ان سے علیحدگی اختیار کر لو اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے معبودوں سے بھی تو غار میں پنا لو تمہارے لیئے تمہارا رب اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تیار فرمائے گا تمہارے لیے آسانی کے سامان ۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

ای او شططا سے پہلے مضاف محذوف ہے یا یہ مصدر ہے بطور مبالغہ کے قولا کی صفت ہے

حل لغات قاموس میں ہے کہ شط فی سلعتہ شططاً (محرکتہ) بمعنے جاوز القدر والحد وتباعد عن الحق" یعنی قدر اور حد سے متجاوز ہوا اور حق سے دور ہوا ۔

سوال غیر اللہ کی پرستش کے بعد قلنا کو کیا مناسبت ہے

جواب عبادت قول کو بایں معنی مستلزم ہے کہ جس کی پرستش کرے گا اس کے معبود ہونے کا اعتراف لازماً کرے گا اور اس کی طرف عبادت میں تضرع بھی اور یہ ہر دونوں قول کو مستلزم ہیں ۔

ف بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جزاء وجواب ہے شرط محذوف کی دراصل عبارت یوں تھی "لو دعونا من دونہ واللہ لقد قلنا قولاً الخ" اسی کو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ۔

تفسیر عالمانہ هٰٓؤُلَآءِ یہ مبتدا ہے اسم اشارہ کی تعبیر سے ان کی تحقیر مطلوب ہے قَوْمُنَا هٰؤلاء کا عطف بیان ہے یعنی یہی گروہ جو ہماری نسبت کے لوگ ہیں یعنی اہل افسس (شہر) کے لوگ ۔

نکتہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اصحاب کہف کے قومنا کہنے میں ایک لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ اس میں وہ اپنی سابق غلطی کا اعتراف کر رہے ہیں کہ یہی قوم جس میں ہم پہلے انہی کی طرح تھے جیسے یہ گمراہی کے گڑھے میں پھنسے ہوئے ہیں ہم بھی ایسے ہی تھے لیکن اللہ تعالی نے ہمیں ہدایت ومعرفت سے نوازا اور اپنی خاص رحمت وعنایت سے ہمیں ان سے نکالا اور خواہشات اور دنیا اور اس کے شہوات سے ہمیں بچایا ۔

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً یہ هٰؤلاء کی خبر ہے یہ جملہ خبریہ انکار کا معنی دیتا ہے یعنی ہماری بیوقوف قوم یہی ہے

جنہوں نے جہالت وحماقت سے پتھروں کو پوجا اور انہیں معبود بنا رکھا ہے۔

ف ابوحیان نے فرمایا کہ اتخذوا یا عملوا کے معنی میں ہے اس لیے کہ انھوں نے اپنے معبود خود پتھروں سے تیار کیے تھے یا اتخذوا بمعنے صیروا ہے

مثنوی شریف میں ہے ؎

پیش چوب و پیشِ سنگ نقش کنند

اے بسا کولان کہ سرہا می نہند

دیوالحاح غوایت می کنند

شیخ الحاح ہدایت می کنند

ترجمہ شیطان گمراہی کی آرزو کرتے ہیں اور شیخ ہدایت کے لیے ۔ لکڑی اور پتھر پر نقش کرتے ہیں

لَوْلَا يَأْتُوْنَ کیوں نہیں لاتے وہی کافر عَلَيْهِمْ اپنے معبودوں کی الوہیت پر بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ کوئی ایسی واضح دلیل جو ان کے مدعا پر دلالت کرے یعنی وہ ان معبود باطلہ کی پرستش تو کرتے ہیں لیکن ان کے ہاں اس لیے کوئی روشن دلیل نہیں نہ آسمانی کہ بذریعہ وحی انہیں معلوم ہوا اور نہ سمعی یعنی کوئی اور نقلی دلیل اور نہ بدیہیات سے انہیں کوئی علم ہے اور نہ ہی ان کے پاس عقلی دلائل ہیں۔

ف اس سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ پر کوئی دلیل نہ ہو وہ قابل قبول نہیں ۔

ف آیت میں کفار کو بتوں کی پرستش کے فعل سے اظہار انکار اور اس پر دلیل پیش نہ کرنے پر ان کے اظہار عجز اور چیلنج کے باوجود ان کی خاموشی کو واضح کیا گیا ہے اس لیے کہ بت پرستی پر کوئی واضح دلیل نہ صرف غیر موجود بلکہ محال بھی ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ پس ظالم تر اور کون ہے مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اس سے جس نے شرک کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرکے اس پر بہتان تراشا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات شرک کی نسبت سے منزہ اور پاک ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ ایسا شخص ظالم ترین ہے اسی لیے اسے سخت تر عذاب میں مبتلا کیا جائے گا نہ کیونکہ ظلم عذاب کا موجب ہے بنا بریں اظلم معظم تر عذاب کا مستحق ہے

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ الاعتزال بمعنے جدا ہونا یعنی جب تم ان سے اعتقاداً علیحدہ ہو چکے اور ارادہ رکھتے ہو کہ ان سے جسمانی لحاظ سے بھی علیحدگی اختیار کر دیں خطابِ اصحابِ کہف آپس میں اس وقت ایک دوسرے سے کر رہے تھے جب اپنے شہر سے بھاگ نکلنے کا عزم بالجزم کر چکے تھے۔

ف کاشفی نے لکھا کہ پہلے ہم لکھ آئے کہ دقیانوس نے ان حضرات کو چند روز سوچنے کی مہلت دی تھی اس مہلت کو غنیمت سمجھ کر اپنے شہر سے نکلے تو راستہ میں انہیں ان سب کے سردار یملیخا نے فرمایا واذا اعتزلتموھم اور جب تم نے اہل

شرک سے علیحدہ ہوئے اور گھربار چھوڑا۔

وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهِ اس کا ھُمْ ضمیر منصوب پر عطف ہے یہ مَا مصدریہ یا موصولہ ہے یعنی تم مشرکین اور اللہ تعالٰی کے سوا تمام معبود باطلہ اور ان کی پرستش سے علیحدگی اختیار کر چکے ہو۔

ف مَا مصدریہ ہو یا موصولہ ہر دونوں اعتبار سے استثنا متصل ہو تو معنٰے ہوگا کہ یہ حضرات اہل مکہ کی طرح پہلے مشرک تھے پھر دولتِ ایمان سے نوازے گئے۔ اگر استثنا منقطع ہو تو مطلب ہوگا کہ تم صرف بتوں کی پرستش سے علیحدگی اختیار کر چکے ہو نہ معبودِ برحق اور مسجودِ مطلق کی عبادت سے۔

فَأْوٗا پس تو پناہ لو اِلَى الْكَهْفِ غار میں۔

ف فرّاء نحوی نے فرمایا کہ یہ واذا اعتزلتموھم کا اذا کا جواب ہے جیسے نحوی نے فرمایا اذ فعلت فاضعل کذا جب تم کوئی کام کرو تو اسے یوں کرنا۔ بعض نحویوں نے کہا کہ یہ خود تو اِذْ کا جواب نہیں البتہ یہ اس کے جواب پر دلالت ضرور کرتا ہے اب معنٰی یوں ہوگا کہ اے اصحابِ کہف والے بھائیو جب تم ان سے اعتقاداً علیحدہ ہو چکے ہو تو پھر ان سے جسمانی جدائی بھی اختیار کرو پھر اگر جسمانی مفارقت چاہتے ہو تو چلو غار کو جائے پناہ بنالو

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ اعتقادی اختلاف جسمانی مفارقت پر مجبور کر دیتا ہے[1]

مسئلہ مجمع الفتاویٰ میں ہے کہ امام استغفنی سے پوچھا گیا کہ سنّی اور معتزلہ[2] آپس میں بیاہ اور نکاح کر سکتے ہیں یا نہ انہوں نے فرمایا ان کا بیاہ و نکاح ناجائز ہے

يَنْشُرْ لَكُمْ پھیلائے گا اور فراوان فرمائے گا رَبُّكُمْ یعنی وہ تمھارے جملہ امور کا مالک ہے مِّنْ رَّحْمَتِهٖ اپنی رحمت اور اس فضل و کرم سے جو دارین میں اپنے بندوں پر انعام فرماتا ہے وَيُهَيِّئْ لَكُمْ اور تیار فرمائے گا۔ مِّنْ اَمْرِكُمْ تمھارے اس امر میں جس کے لیے تم جا رہے ہو یعنی دین کی خاطر گھربار چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہو مِّرْفَقًا آسانی یعنی وہ اسباب جن سے آسانی پاؤ اور نفع یاب ہو گے۔

ف یملیخا نے انھیں اس لیے ابھارا کہ ان کے یقین میں خلوص تھا اور شک و شبہ سے بالکل فارغ ہو چکے تھے اور اپنی قوتِ ایمانی پر پورا بھروسہ رکھتے تھے۔

---

[1] الحمد للہ اس سے ہمارا طریقۂ کار قرآن مجید کے مطابق ہے کہ ھم۔ مرزائی، شیعہ، وہابی، دیوبندی سے ہم اعتقادی اختلاف سے جسمانی طور بھی دور رہتے ہیں اس سے صُلح کلی قسم کے لوگ کچھ تو سوچیں کہ وہ ہمارے اس طریقِ کار کو سراہنے کی بجائے کوستے ہیں۔ ۱۲

[2] وہابیہ کا اصل یہی فرقہ ہے اب نام بدلا ہے ۱۲

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت پورا وثوق ہو کہ وہ ضرور تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بندہ توبہ کرکے طالب صادق کہلانے کا حقدار وہ ہے جو اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کرے اور بُری صحبت سے ہر طرح کی کنارا کشی کرے اور پختہ اعتقاد پیدا کر لے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور ماسوی اللہ سے بالکل فارغ ہو جائے صرف اللہ تعالے کو اپنا معین و مددگار سمجھے اسی پر ہی اس کا توکل ہو اور غیر اللہ سے بھاگ کر صرف اللہ تعالیٰ کو اپنی جائے پناہ بنائے۔
حضرت خجندی نے فرمایا ؎

وصل میسّر نشود جز بقطع
قطع نخست از ہمہ بیریدنست

ترجمہ وصال الٰہی انقطاع عن ماسوی اللہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور انقطاع کا معنیٰ یہی ہے کہ ماسوا اللہ کا تصوّر ہی دل سے ہٹا لے۔

اس کے بعد سالک پر لازم ہے کہ وہ خلوت کی غار میں پناہ لے حضرت جامی قدس سرّہ نے فرمایا ؎

از ابنائے دہر وقت کسے خوش نمی شود
خوش وقت آنکہ معتکف کنج عزلت است

ترجمہ زمانہ کے تمام لوگوں سے کوئی بھی خوش نہیں ہو سکتا بہت خوش قسمت ہے وہ جو تنہائی کے گوشہ میں بیٹھا ہے

ضرورتِ مُرشد لیکن سالک کے لیے ضروری ہے کہ کسی شیخ کامل اکمل کا دامن تھامے لیکن وہ بھی رسمی پیر نہ ہو بلکہ وہ خود واصل اور دوسروں کو ذات حق تک پہنچانے والا ہو تاکہ ایسے شیخ کامل کی تربیت سے کامیابی سے نوازا جائے اور اس کی ولایت کے نور سے اس کا دل تقویت حاصل کرے اور اسی کی نگرانی سے منزلِ مقصود پر پہنچے جیسے اصحابِ کہف کو منزلِ مقصود نصیب ہوئی مثنوی شریف میں ہے ؎

گرچہ شیری چوں روی راہ بے دلیل
خویش بینی در ضلالی و ذلیل
ہین مپرا لا کہ با پر ہائے شیخ
تا بینی عون لشکر ہائے شیخ

ترجمہ اگرچہ تم راہ سلوک میں جانے کے شیر ہو لیکن رہبر کے بغیر چلو گے تو تم شتر بے مہار ہو کر ذلت و خواری سے چاہ ضلالت میں گرو گے شیخ کامل کی وساطت کے بغیر مقصد تک نہیں پہنچ سکو گے تمہارے شیخ کے لشکر سے ہی تمہارا کام بنے گا۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ
ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ
يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝

ترجمہ: اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ سورج کو دیکھیں گے جب نکلتا ہے تو ان کی غار سے داہنی جانب بچ جاتا اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں جانب کترا جاتا ہے حالانکہ وہ اس غار کے کھلے میدان میں ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کا کوئی حامی و رہبر۔

بقیہ صفحہ

سوال اصحابِ کہف نے کون سے پیرو مرشد پکڑے تھے جب وہ بغیر مرشد کے منزلِ مقصود پر پہنچ سکتے ہیں تو دوسروں کے لیے کیا مشکل ہے

جواب وہ حضرات مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ وہ براہِ راست تربیت ایزدی سے نوازے گئے اسے صوفیہ کرام نے نوادر سے گنا ہے اور اس کی نادر پر دوسروں کا قیاس نہیں کیا جا سکتا ارشادِ نبوی ہے:

"ان اللہ ادبنی فاحسن تادیبی" بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے آداب سکھلائے اور بہترین آداب سے نوازا سے تائید ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ جسے چاہے رسول و نبی کے واسطہ کے بغیر ایمان سے نوازے اور جسے چاہے اپنی عین عنایت سے مقاماتِ قرب عطا فرمائے اسی وجہ سے بہت سے اولیاء کرام مرشد کے بغیر ہی منزلِ مقصود پر پہنچے ورنہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ عام بندوں کو رسل کرام و انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ہدایت دیتا ہے پھر ان کی نیابت و خلافت میں اولیاء کاملین و علماء راسخین واسطۂ ہدایت الٰہی ہوتے ہیں۔

ف فاوا الی الکھف میں اشارہ ہے کہ سالک کے لیے لازم ہے کہ وہ خلوۃ اختیار کرے اور کسی شیخ کامل مرشد ہادی کا دامن پکڑے اسی طریقہ والوں کے لیے وعدۂ ایزدی ہے کہ ینشر لکم ربکم من رحمتہ تمہیں اس رحمتِ خاص سے نوازے گا جسے اس نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے اور رحمتِ خاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو جذباتِ عنایت سے نواز کر انہیں عالمِ صفات میں داخل فرمائے تاکہ اخلاقِ الٰہی سے متخلق ہونا اور اس کے صفات سے موصوف ہونا نصیب ہو کما قال۔ یدخل من یشاء فی رحمتہ اپنی رحمتِ خاصہ میں جسے چاہتا ہے داخل فرماتا ہے

فائدہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عامہ وہ ہے جو مومن و کافر کے مابین مشترک ہے وہی ہر جن و انس اور جملہ حیوانات کو نصیب ہوتی ہے۔

و یھیی لکم من امرکم رشدا یعنی تمھارے لیے وصول وصال کے دروازے کھول دے گا۔(کذافی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ یہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر اس بندے کو جو اس خطاب کا اہل ہے اور اسے ایسی رویت حاصل بھی ہو جو آیت میں مذکور ہے وقوع رُویت تحقیقاً کی خبر دینا مراد نہیں بلکہ یہ خبر دینا مطلوب ہے کہ غار ایسے محل وقوع پر ہے کہ اگر دیکھنے کا موقعہ ملے تو دیکھو گے سورج کو طلوع کرتے وقت۔ الخ

غار میں پہنچنے کے بعد کاشفی نے لکھا کہ مروی ہے کہ ان نوجوانوں کو جو باہم متفق ہو کر پہاڑ کے قریب پہنچے تو چرواہا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے انہیں اسی غار میں لے آیا ابھی غار میں قرار پکڑا تو ان پر اللہ تعالیٰ نے نیند طاری فرمادی اور وہیں عرصہ معلومہ تک سو گئے دقیانوس چند روز کے بعد واپس شہر افسس میں آیا تو نوجوانوں کا حال پوچھا تو کہا گیا کہ وہ تو شہر چھوڑ کر کہیں بھاگ گئے ہیں اس نے ان کے آباء کو گرفتار کر لیا انہوں نے کہا کہ وہ بھگوڑے تو الٹا ہمارے مال و اسباب بھی لے گئے اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی سامنے والے پہاڑ میں چھپے ہوئے ہیں دقیانوس نے چند آدمیوں کو ان کی تلاش میں بھیجا وہ جب ان کی آرام گاہ میں پہنچے تو انہیں دیکھا کہ وہ نہایت اطمینان سے آرام کر رہے ہیں لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ گویا جاگ رہے ہیں بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کی غار کے دروازوں کو پتھروں سے بھر دیا جائے تاکہ یہ لوگ جیتے جی یہاں غار میں مر جائیں چنانچہ بادشاہ کے حکم سے غار کے دروازوں کو پتھروں سے پُر کر دیا گیا بادشاہ کے مقربین میں دو نیک مومن تھے انہوں نے غار کے دروازے پر تختیاں لکھوا کر لٹکا دیں جس میں اصحابِ کہف کے اسماء اور نسب اور مذہب اور مختصر سا تعارف لکھ دیا گیا تاکہ آنے والی نسلیں ان سے متعارف ہو سکیں۔

ف صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں جو سورج کے طلوع و غروب کی کیفیت بیان کی گئی ہے غالباً یہ بادشاہ کے غار کو پتھروں سے بند کرانے سے پہلے کی ہے اس لیے کہ سوراخ کی بندش کے بعد سورج کی شعاعوں کا ہونا غیر ممکن تو ہو تا ہے

اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ یہ دراصل تتزاور تھا بمعنے تتنحی و تمیل یعنے ہٹ جاتا ایک تاء حذف کر دی گئی ہے اس کا مادہ زور (بفتح الواو) بمعنے المیل ہٹنا ہے عَنْ كَهْفِهِمْ ان کی اسی غار سے جس میں وہ پناہ گزیں ہوئے۔

ف معمولی سی مناسبت کی وجہ سے کہف کو اصحاب کہف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔

ذَاتَ الْيَمِيْنِ یعنی کہ اس کے اندر داخل ہونے والے کی توجہ کے وقت وہ جہت دائیں جانب ہو یعنی وہ جانب جو جانب مغرب کے متصل ہو اس معنیٰ پر ان پر سورج کی شعاعیں نہیں پڑتی تھیں کہ جن سے ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا اس لیے کہ اس غار کا صحن جنوبی جانب تھا یعنی غار کا صحن جنوبی جانب میں داخل تھا یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خرق عادت کے طور سورج کو وہاں سے ہٹا دیتا تھا تاکہ اصحابِ کہف (اولیاء) کی کرامت ظاہر ہو

ف ذات الیمین کا حقیقی معنےٰ ہے وہ جہت جس پر اسم یمین کا اطلاق ہو سکے یعنی وہ جہت جسے یمین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

گذشتہ

وَإِذَا غَرَبَتْ یعنی سورج کو غروب کے وقت دیکھو گے تَقْرِضُهُمْ القرض سے ہے بمعنے القطع یعنی کاٹنا اسی سے المقراض بمعنے قینچی مشتق ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان سے کترا کر گزرتا ان کے قریب نہیں جاتا تھا ذَاتَ الشِّمَالِ یعنی کہف کی بائیں جانب یعنی وہ طرف جو مشرق کے قریب ہے

ف قاموس میں ہے کہ تقرضھم ذات الشمال ای تخلفھم شمالاً یعنی انھیں غار کی شمال کی جانب چھوڑ جاتا یعنی ان سے تجاوز کرتے وقت غار کی شمال کی جانب سے کترا کر راستہ طے کر جاتا وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ط الفجوۃ بمعنے الفرجۃ یعنی سوراخ اور زمین کے وسیع میدان اور گھر کے صحن کو بھی فجوۃ کہا جاتا ہے۔

ف یہ جملہ حالیہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا معاملہ ایک عجیب سا تھا یعنی باوجودیکہ وہ ایک کھلے اور وسیع میدان پر آرام فرما تھے لیکن طلوع وغروب کے وقت سورج کی معمولی سی کرن بھی ان پر نہ پڑتی تھی ورنہ ایسے میدان میں سونے والوں پر سورج کی کرن کا پہنچنا لازمی امر تھا اس سے واضح طور ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر الٰہی سے ان پر سورج کی کرن نہ پڑتی تھی اسے ہم اہل اسلام کرامات اولیا سے تعبیر کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ گزشتہ مضمون کی طرف ہے یعنی طلوع وغروب کے وقت ان پر سورج کی کرن کا پڑنا باوجودیکہ ان پر سورج کی شعاعوں کا پڑنا لازمی امر تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان سے سورج کو دائیں بائیں جانب ہٹلیا یہ واقعہ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ تعالےٰ کے ان عجیب وغریب آیات سے ہے جو اللہ تعالےٰ کی کمال قدرت اور اس کے علم واسع اور حقیقۃً توحید پر دلالت کرتی اور واضح کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اولیائے کرام کی عزت و وقار بہت بلند ہے۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ جسے اللہ تعالےٰ حق کی طرف ہدایت دینے کی توفیق بخشتا ہے فَهُوَ الْمُهْتَدِ ج وہی ہدایت یافتہ ہو کر فلاح (کامیابی) حاصل کرتا ہے بلکہ جملہ سعادات کی اسے راہ نصیب ہو جاتی ہے ایسے بندے کو پھر کوئی گمراہ کر سکتا ہی نہیں۔

فائدہ آیت میں یا تو اصحاب کہف (اولیاء کرام) کی مدح وثنا مطلوب ہے یا متنبہ کرنا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اس قسم کے آیات بے شمار ہیں لیکن ان سے نفع وہی حاصل کر سکتا ہے جسے توفیق ایزدی نصیب ہو۔

وَمَنْ يُّضْلِلْ اور جس کے اندر اللہ تعالےٰ گمراہی پیدا کرتا ہے جب اس کے اختیار کا میلان اس گمراہی کی طرف ہوتا ہے فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ تو اس کے لیے ڈھونڈنے اور تلاش کرنے پر بھی ہرگز نہ پاؤ گے وَلِيًّا حامی کا مُّرْشِدًا (رہبر جو اسے فلاح (کامیابی) کی ہدایت دے سکے یعنی سرے سے ایسے بدبخت کے لیے رہبری پیدا ہی نہیں کی گئی اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسے شوم بخت کے لیے رہبر پیدا تو کیا گیا ہے لیکن وہ اسے نہیں ملے گا۔

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝

ترجمہ اور تم انھیں بیدار سمجھو گے حالانکہ وہ نیند میں ہیں اور ہم ان کی داہنی بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا کتا چوکھٹ پر اپنی کلائیاں پھیلائے والا ہے اے مخاطب اگر تم جھانکو توان سے پیٹھ پھیر کر بھاگو گے اور ان سے رعب میں بھر جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ وَتَحْسَبُهُمْ یہ خطاب عام ہر دیکھنے والے کو ہے یعنی اے مخاطب تم انہیں دیکھ کر گمان کرو گے۔ اَيْقَاظًا بیدار۔ یہ یقظ (بفتح القاف وکسرہا) کی جمع ہے بمعنی جاگنے والا۔ ان کے متعلق یہ گمان اس لیے پڑتا ہے کہ وہ جاگنے والوں کی طرح آنکھیں کھولے ہوئے ہیں۔

وَهُمْ رُقُوْدٌ نیند کرنے والے

حل لغات رقود بمعنے نیام۔ راقد کی جمع ہے جیسے سورت مریم میں لفظ بکیا جثیا باک وجاث کی جمع ہے یہ دراصل بکوی دجثوی تھے بروزن رقود

تفسیر صوفیانہ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ یہی حال درحقیقت طریقت والوں کا ہے (یعنی اولیائے کرام کے ظاہرہ حال کو دیکھو گے تو کاروبار دینی ودنیوی میں مشغول نظر آئیں گے لیکن ان کے باطن پر نگاہ ڈالو تو ازہمہ فارغ ہوں گے یعنی لطف ذوالجلال کے باغ میں باطنی طور مست اور ظاہر بینوں کو ہوشیار محسوس ہوتے ہیں یا یوں کہو کہ عالم حقیقت میں ماسوی اللہ سے بے سروکار اور لوگوں کی نگاہوں میں مصروف بکار ہے

ظاہرے با ایں و آں درساختہ
باطنے از جملہ پر داختہ

ترجمہ ظاہری طور ادھر ادھر مشغول اور باطن میں ازہمہ فارغ۔

تفسیر عالمانہ وَنُقَلِّبُهُمْ یعنی ان کی نیند میں فرشتوں کے ذریعے سے کروٹیں تبدیل کرتے ہیں ذَاتَ الْيَمِيْنِ اس کا منصوب ہونا بوجہ ظرفیت یعنی مفعول فیہ ہونے کے ہے یعنی اس جہت کی طرف ان کی کروٹ تبدیل کی جاتی ہے جو ان کی داہنی جانب کے قریب ہے وَذَاتَ الشِّمَالِ یعنی اس جانب کی طرف جو ان کی بائیں طرف کے قریب ہے

ف کروٹ بدلنے میں حکمت یہی ہے کہ ان کے اجسام طاہرہ کو مٹی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے جب کہ اتنا عرصہ دراز تک ویسے ہی پڑے رہیں گے۔

حدیث شریف نمبر۱ - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا سال بھر میں ان کی دو کروٹیں بدلی جاتی ہیں

حدیث شریف نمبر۲ - ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ سال میں ان کی صرف ایک کروٹ بدلی جاتی ہے۔

تاکہ ان کے اجسام طاہرہ کو زمین نہ کھا جائے اور یہ سال کے عاشورہ کے دن ہوتا ہے

سوال امام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ انہیں کروٹ بدلے بغیر بھی محفوظ فرما سکتا ہے پھر کروٹ بدلنے کا کیا معنیٰ۔

جواب سعدی المفتی نے فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس نے ہر کام سبب سے معلق فرمایا ہے اور اکثر امور اسباب کے تحت صادر فرماتا ہے یعنی ہم اہلسنت کا مذہب ہے کہ انبیاء و اولیاء بھی امور الٰہی کے اسباب ہیں جسے ہم وسیلہ یا شفاعت یا اذن الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں اس کے بعد پھر شرک کا فتویٰ کیوں۔

قاعدۂ تصوف بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم نے "لا الٰہ" کی ضرب بجانب یمین اور "الا اللہ" کی ضرب بجانب یسار کا قاعدہ اسی آیت سے لیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر وہ ولی اللہ جس کی اللہ تعالیٰ بلاواسطہ مشائخ تربیت و اصلاح فرماتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ایسے سپرد کر دے جیسے میت غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اسے ایسی اصلاح کے لیے تین سو نو سال ضروری ہیں پھر وہ اولیاء کاملین کی صف میں بیٹھنے کا اہل ہوتا ہے اور ہر وہ مرید جو مشائخ کے واسطہ سے تربیت و اصلاح پاتا ہے تو اولیاء کاملین کے مراتب کو کبھی ایک چلہ میں پہنچتا ہے کبھی صرف دو دو خلوتوں میں کبھی اسے زائد خلوات کی ضرورت پڑتی ہے

نکتہ جیسے اللہ تعالیٰ بلاواسطہ اصلاح فرماتا ہے اس میں بڑی مدت درکار ہے اور جو مشائخ کے وسیلہ سے اصلاح پاتے ہیں ان کے لیے جلد تر کامیابی کا راز یہ ہے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے اسباب بنائے ہیں دنیا اسباب کے ذریعہ سے جو کام ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کا ہوگا یہ مشائخ چونکہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء و نائبین بلکہ یوں کہو کہ اس کے اسرار و رموز کے مظہر ہیں اسی لیے ان کے واسطہ سے تربیت و اصلاح کا کام جلد تر ترقی پاتا ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ پہاڑوں پر جو درخت پیدا ہوتے ہیں ان کے پھل بہت کم اور نہ ہونے کے برابر لیکن وہی درخت جو باغات میں ہوتے ہیں ان کے پھل بہت زیادہ وہ صرف اسی لیے کہ باغات کے درختوں کی اصلاح باغبان سے ہوئی ہے اسی لیے ان کے پھل زائد ہوئے اور پہاڑوں کے درخت اگرچہ اسی خالق کائنات کے پیدا کردہ تھے لیکن ان کا مصلح کوئی نہیں تھا اسی لیے ان کے پھل پہلے تو ہوتے نہیں اگر ہوتے ہیں تو نہ ہونے کے برابر ہے

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر
بروفتر اک صاحب دولتے بگیر
کہ قطرہ تا صدف را در نیابد
نگردد گوہر روشن نتابد

ترجمہ اے دوست میرے سے ایک نصیحت قبول کر لے وہ یہ کہ بزرگوں کے دامن کو مضبوطی سے تھام لے اس لیے کہ پانی کا قطرہ جب تک صدف کے اندر جا کر کچھ عرصہ نہیں گزارتا وہ ہرگز روشن اور چمکیلا موتی نہیں بن سکتا۔

وَكَلْبُهُمْ اور وہ کتا جسے چرواہے نے ساتھ لیا اس کا نام قطمیر تھا۔ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے تھا۔ حال ماضی کی حکایت ہے اسی وجہ سے اسم فاعل کو ذراعیہ کا عامل مانا گیا ہے کسائی اور ہشام والو جعفر بصریوں نے کہا کہ اسم فاعل بلا شرط مطلقاً عمل کرتا ہے۔ کہنی سے درمیانی انگلی کے سرے تک کو عربی میں ذراع کہا جاتا ہے جسے ہمارے عرف میں ہاتھ کہتے ہیں بِالْوَصِيْدِ چوکھٹ پر یعنی غار کی اس جگہ پر جہاں دروازہ ہوتا ہے قاموس میں لکھا ہے الوصید بمعنے الفنا یعنی صحن العتبہ بمعنے چوکھٹ۔

ف سعدی نے فرمایا کہ کہف غار کا نہ کوئی دروازہ ہوتا ہے نہ چوکھٹ لیکن یہاں پر وہی جگہ مراد لی گئی ہے جہاں گھر کا دروازہ ہوتا ہے۔

بہشتی جانور مقاتل نے فرمایا کہ اہل ایمان کی طرح دس جانور بہشت میں داخل ہوں گے وہ دس جانور یہ ہیں۔

۱۔ ناقہ صالح علیہ السلام
۲۔ ابراہیم علیہ السلام کا بچھڑا جسے مہمانوں کے لیے ذبح فرمایا۔
۳ اسماعیل علیہ السلام کا دُنبہ
۴ موسیٰ علیہ السلام کی گائے
۵ یُونس علیہ السلام کی مچھلی
۶ عزیز علیہ السلام کا گدھا
۷ سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی
۸ بلقیس کا ہدہد
۹ اصحابِ کہف کا کُتا
۱۰ حضور سرورِ عالم شفیع معظم صلے اللہ علیہ وسلم کی ناقہ مبارکہ

ف یہ سب دنبے کی شکل میں ہو کر بہشت میں داخل ہوں گے (ذکرہ فی مشکاۃ الانوار)

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکان گرفت و مردم شُد

ف یعنی انسانوں کے ساتھ دُنبے کی شکل میں داخلِ بہشت ہوگا۔

بچھو سے حفاظت امام ثعلبی کی تفسیر میں مذکور ہے کہ جو شخص ہر روز حضرت نوح علیہ السلام پر درود و سلام عرض کرتا ہے تو بچھو کے ضرر سے بچ جائے گا۔

کُتے کی شرارت سے حفاظت جو شخص "وکلبھم باسط ذراعیہ" لکھ کر اپنے پاس رکھے تو کُتے کی ضرر رسانی سے محفوظ رہے گا

ف حیوٰۃ الحیوان (دمیری) میں لکھا ہے کہ اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ اصحاب کہف کا کتا انہی کتوں کی جنس سے تھا لیکن ابن جریج سے مروی ہے کہ وہ شیر تھا اس لیے کہ عرب والے شیر کو بھی کلاب کہتے ہیں چنانچہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابی لہب کے بیٹے کے لیے دعا میں فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط فرما آپ کی دعا مستجاب ہوئی تو عتبہ کو شیر نے کھا لیا

ف کتے کی دو اقسام ہیں (۱) اہلی (۲) سلوقی - یہ سلوق کی طرف منسوب ہوتا ہے سلوق یمن کا ایک شہر ہے سلوقی کتے بہت شرارتی ہوتے ہیں ان کی طبع میں شرارت بھرپور ہوتی ہے اور معاملات میں بھی بہت گندے ہوتے ہیں اس شہر کے کتے بہت قد والے ہوتے ہیں ان کے ذریعے لوگ شکار کھیلتے ہیں خلاصہ یہ کہ کتا اہلی ہو یا سلوقی ہر دونوں کی طبع میں شرارت کا مادہ ہوتا ہے کسی میں زیادہ کسی میں کم۔

اعجوبہ کتے کو احتلام ہوتا ہے اور ان کی مادینوں کو حیض آتا ہے۔

نکتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ کتا امین خیانتی دوست سے بہتر ہے

حکایت حارث بن صمعہ کے چند دوست تھے وہ ان سے کبھی جدائی گوارا نہیں کرتا تھا ان کی محبت میں جان دینے کو تیار ہو جاتا تھا - ایک دفعہ انہیں کہیں سیر و تفریح کے لیے لے گیا اس کا ایک دوست رات کو چوری چھپی اس کے گھر پہنچ کر اس کی عورت کے ہاں پہنچ گیا اس کی عورت نے اسے کھلایا پلایا پھر دونوں ایک بستر پر لیٹ گئے حارث کے گھر ایک کتا تھا اس نے غیرت سے دونوں پر حملہ کر کے دونوں کو مار ڈالا جب حارث واپس گھر لوٹا تو دونوں کو مرا ہوا دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؏

وما زال یرعی ذمتی و یحوطنی

ویحفظ عرسی والخلیل یخون

فیا عجبا للخلیل تحلیل حرمتی

ویا عجبا للکلب کیف یصون

ترجمہ میرا کتا میری نگرانی کرتا ہے اور ہر وقت مجھے گھیرے رہتا اور میری زوجہ کی بھی حفاظت کرتا لیکن افسوس کہ میرا دوست میری خیانت کرتا رہا ایسے بدبخت دوست کا افسوس کہ جس نے میری عزت پر حملہ کیا اور کتے کو شاباش کہ وہ میری عزت کا محافظ ہوا۔

حکایت عجیبہ عجائب المخلوقات میں ہے کہ اصفہان میں کسی نے کسی کو قتل کر کے کنوئیں میں ڈال کر اسے مٹی سے پر کر دیا مقتول کا ایک کتا تھا وہ اس کیفیت کو دیکھتا رہا پھر روزانہ اسی کنوئیں پر آ کر مٹی کو ہٹاتا اور لوگوں کو اندر والے کی طرف اشارہ کرتا اور جونہی قاتل کو دیکھتا تو اس پر حملہ آور ہو جاتا لوگوں نے جب اس کی بار بار یہی حرکت دیکھی تو لوگوں نے کنوئیں کو کھودا اس سے مقتول ملا کتے کے اشارہ پر اسی قاتل کو گرفتار کیا گیا اس سے پوچھا گیا تو اس نے قتل کا

اعتراف کیا اسے بدلہ کے طور قتل کیا گیا۔ ایسے بدبختوں کے بارے میں مولانا جامی قدس سرہ نے فرمایا۔ ع

در لباس دوستی ساز گارند دشمنی

حسب الامکان واجب آمد از کیدایشاں اجتنا

شکل ایشاں شکل انساں فعل ایشاں فعل سباع

ہم ذئاب فی ثیاب او ثیاب فی ذئاب

ترجمہ دوستی کے رنگ میں دشمنی کرتے ہیں حتی الامکان ایسے لوگوں سے دور رہنا ضروری ہے ان کی ظاہری شکل تو انسانوں کی ہوتی ہے لیکن وہ درحقیقت بھیڑیے ہوتے ہیں یہ ہے کہ ایسے لوگ بھیڑیے ہیں کپڑوں میں چھپے ہوئے یا کپڑے میں بھیڑیوں میں

کُتے کی دس خصلتیں

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کُتے میں دس نیک عادات ہوتی ہیں اہل ایمان پر واجب ہے کہ وہ بھی ان عادات کو اپنائیں۔

۱۔ بھوکا رہنا یہی نیک بختوں کی عادت ہے
۲ اس کا کوئی مخصوص ٹھکانا نہیں ہوتا یہی متوکلین کا طریقہ ہے۔
۳ رات کو بہت تھوڑا سوتا ہے یہی عشاق کی خصلت ہے
۴ جب مرتا ہے تو اس کی کوئی میراث نہیں ہوتی یہی زاہدین کا طریقہ ہے
۵ اپنے مالک کا وفادار ہوتا ہے اسے مارے یا اس پر ظلم کرے تب بھی اس کا تعلق نہیں توڑتا یہی سچے مریدین کا طریقہ ہے
۶ جہاں جگہ مل جائے گزارا کر لیتا ہے یہی تواضع گزیں کی عادت ہے
۷ اگرچہ کسی جگہ پر قبضہ کر سکتا ہے تب بھی اسے چھوڑ کر دوسری جگہ قبول کر لیتا ہے یہی راضی برضاءاللہ لوگوں کا کام ہے
۸ اسے مار بھگاؤ لیکن تھوڑا سا روٹی کا ٹکڑا دکھاؤ واپس آجاتا ہے اسے مار بھگانے سے کینہ اور بغض نہیں ہوتا خاشعین کا طریقہ ہے
۹ جب کھانا لایا جاتا ہے تو آرام سے بیٹھ کر اسے دیکھتا رہتا ہے چھیننے کی جرأت بہت کم کرتا ہے یہی مسکینوں کا کام ہے
۱۰ جس جگہ کو چھوڑ کر چلا جائے اس کے لیے واپس لوٹنے کا نام نہیں لیتا یہی محزون لوگوں کا طریقہ ہے۔ کذا فی روض الریاحین امام الیافعی رحمۃ اللہ علیہ۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ اگر تم ان کا آنکھوں سے مشاہدہ کرو اطلاع بمعنے الاشراف علی الشئی بالمعاینہ والمشاھدہ معائنہ ومشاہدہ سے کسی سے جھانکنا لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ تم ان سے بھاگو گے فِرَارًا اس کا منصوب ہونا علی المصدریۃ یعنی مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے اس کا عامل تولیت ہے اس لیے کہ اس میں بھی فرار کا معنیٰ پایا جاتا ہے اسی لیے اہل عرب نے کہا ولیت تولیۃ اور فررت فرارًا کا ایک معنیٰ ہے وَلَمُلِئْتَ اور تم پر ہو جاؤ گے مِنْهُمْ رُعْبًا○ ان سے ایسا خوف جو سینہ کو بھر دے رعبًا مفعول ثانی یا تمیز ہے وہ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں ایسے طریقے سے سُلایا

تھا کہ ان کی آنکھیں بیدار آدمی کی طرح کھلی ہوئی تھیں اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی سے بولنے کے لیے تیار ہیں ۔

ف کاشفی نے لکھا کہ مطلب یہ ہے کہ کسی کو ان حضرات کے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوسکتی تھی اس لیے اگرچہ وہ سوتے تھے لیکن آنکھیں کھلی ہوئی اور بال اور ناخن بہت زیادہ بڑھ چکے تھے اور جہاں آرام فرما ہیں وہ مکان نہایت تاریک اور وحشت ناک ہے ۔

حضرت معاویہ کی فوج کے چند افراد اصحاب کہف کی دہشت سے مر گئے مروی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ روم میں جنگ کے لیے تشریف لے گئے آپ کا اسی کہف سے گزر ہوا تو کہنے لگے کاش ان حضرات سے حجاب اٹھ جاتا تو ہم ان کی زیارت کر لیتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کون لگتے ہو ان کو دیکھنے والے تمہارے سے افضل و اعلیٰ ذات یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے دیکھنے سے روکا گیا تھا کما قال اطلعت علیھم لولیت منھم فراراً حضرت امیر معاویہ ان کے روکنے سے نہ رُکے اور کہا کہ میں ان کے حالات سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں چنانچہ چند آدمی اس غار میں داخل کیے گئے اور انہیں حکم دیا کہ ان کی کیفیت دیکھ کر ہمیں بتلاؤ جب وہ اس غار میں داخل ہوئے تو ایسی زوردار ہوا چلی جس سے اندر داخل ہونے والے سب کے سب جل کر راکھ ہو گئے بعض نے کہا ہوا نے انہیں جلانے کی بجائے غار سے باہر پھینک مارا ۔

سوال حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غار میں داخل ہونے کی ممانعت کا حکم کہاں سے لیا حالانکہ صریح ممانعت تو آیت میں نہیں ہے ۔

جواب آیت سے یہ معنیٰ دلالۃً ثابت ہوا وہ اس طرح کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی ایسی ہیبت رکھی ہے کہ دیکھنے والا پورے طور نہیں دیکھ سکتا یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے روکنے پر نہ رُکے کیونکہ صریح ممانعت تو تھی نہیں اور دلالۃً جو معنےٰ ثابت ہوا ہے اس سے انھوں نے یہ سمجھا کہ اطلاع کی ممانعت صرف ان کے اس زمانہ تک تھی جب وہ تین سو سال کے بعد اُٹھے اور لوگ ان کے حالات سے آگاہ ہوئے اور پھر ان کے دوبارہ آرام فرمانے پر ان کے اوپر مسجد بنائی لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے تاقیامت پر محمول فرمایا اور یہی قول مبنی بر صواب اور حق ہے ہکذا فی حواشی سعدی المفتی)

صاحب روح البیان کی تحقیق صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ خطاب حضور سرور عالم کو ہے لیکن تبعاً آپ کی تمام اُمت کو یہ خطاب شامل ہے اس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں اسی لیے اس کے متعلق تفتیش و تحقیق بے سود ہے

عقلی دلیل جو شے خرق عادت کے طور عجیب و غریب ہو وہ اپنی ہم شکل اور ہم مثل کی حد سے باہر ہو جاتی ہے اسی لیے اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا اور اس میں غور خوض کرنا بے عقلی اور اپنی حماقت کا ثبوت دینا ہے مثلاً حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ آپ میں ملکی صورت کا غلبہ بھی تھا لیکن جب جبریل علیہ السلام کی اصلی شکل دیکھی کہ انہوں نے مشرق و مغرب کو اپنے گھیرے میں لیا ہے تو آپ پر غشی طاری ہو گئی ۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْۤا اِذًا اَبَدًا ۝

ترجمہ اور ایسے ہی ہم نے انھیں جگایا تاکہ آپس میں پوچھیں ان میں ایک بولنے والا بولا تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے ان کے بعض نے کہا کہ ہم یہاں ایک دن ٹھہرے یا دن سے بھی کم ان کے دوسرے بولے تمھارا رب زیادہ جانتا ہے کہ تم کتنی دیر ٹھہرے پس اپنے میں سے کسی ایک کو اپنی اس چاندی کا ٹکڑا دے کر شہر میں بھیجو پھر اسے چاہیے کہ خوب دیکھ بھال کرے کہ وہاں کونسا طعام زیادہ ستھرا ہے تاکہ تمھارے لیے اس سے کھانا لائے اور شہر جا کر اسے نرمی کرنی چاہیے اور نہ ہی تمھارے متعلق کسی کو آگاہ کرے اس لیے کہ اگر انھیں تمھارا علم ہو گیا تو وہ تمھیں پتھراؤ کریں گے یا پھر تمھیں مرتد بنا کر باطل دین کی طرف لوٹائیں گے اگر ایسا ہوا تو تم کبھی فلاح نہ پا سکو گے ۔

بقیہ صفحہ گذشتہ

دوسری عقلی دلیل علاوہ ازیں اصحاب کہف کو دنیا میں ایسے اشخاص کا دیکھنا جو ان کے دیکھنے کے اہل نہیں ایک شے کو غیر محل میں استعمال کرنے کے مترادف ہے

قاعدہ اللہ تعالیٰ نے عالم دنیا کو عالم معنی سے اور صور کو عالم برزخ سے پوشیدہ رکھا ہے مثلاً روح عالم برزخ میں ہے چونکہ عالم برزخ آخرت کے لیے بمنزلہ مقدمہ کے ہے اسی لیے اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا صرف اس لیے کہ دیکھنے والا دنیا میں ہے اور دنیا کی ہر شے کو عالم برزخ و عالم آخرت سے اوجھل رکھا گیا ہے

ولی کامل کے اجساد طاہرہ کے برکات چونکہ اولیاء کرام کے اجسام ظاہرہ طیبہ مقام روح تک پہنچے ہوئے تھے اسی لیے انھیں عالم برزخ میں مٹی نہیں کھا سکتی ۔

حکایت کسی صوفی نے ایک ولی کامل کو دیکھا کہ وہ شیر پر سوار اور سانپ سے ڈنڈے کا کام لے رہے ہیں جب صوفی نے ولی اللہ کی یہ حالت دیکھی تو دہشت کے مارے مر گیا ؎

خام را طاقت پروانہ پر سوختہ نیست

ترجمہ کچے کو، سوختہ پروانے والی طاقت نصیب نہیں۔

تفسیر عالمانہ کاشفی نے فرمایا کہ جب دقیانوس اصحاب کہف کی غار کو پتھروں سے مضبوط بند کر کے اپنے شہر کے دارالسلطنت کو واپس لوٹا تو چند دنوں کے بعد فوت ہوا اس کے بعد ایسا ملیا میٹ ہوا کہ اس کا نام

نشان تک ختم ہوگیا۔ ؎

دمی چند بشمر دو ناچیز شد
زمانہ نجنبد یدکو نیز شد

ترجمہ چند دن گذار کر فنا ہوگیا اس پر دورِ زمانہ ہنستا کہ جب اس کا معاملہ دگرگوں ہوا ۔
دقیانوس کے مرنے کے بعد چند بادشاہوں نے اس ملک کی شاہی چلائی یہاں تک کہ ایک نیک بخت بادشاہ تندروس نامی کی باری آئی منقول ہے کہ تندروس نہایت نیک بخت اور مومن بادشاہ تھا خدا ترسی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس کے زمانہ میں اختلاف پیدا ہوا کہ مرنے کے بعد اٹھنے کا عقیدہ غلط ہے بادشاہ نے بحیثیت مومن ہونے کے منکرین کو بہت سمجھایا اور اپنے طور عقلی نقلی دلائل بھی سنائے لیکن وہ ہمارے دور کے ہٹ دھرمیوں اور ضدیوں کی طرح نہ مانے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اہل ایمان کو مشاہدہ کرائے کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے چنانچہ بطور کرامت "اصحاب کہف" عرصہ دراز مرجانے کے باوجود زندہ ہو گئے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَكَذٰلِكَ یعنی جیسے ہم نے اتنا عرصہ دراز تک اصحابِ کہف کو سلادیا اور اتنا عرصہ تک ان کے اجسام مبارکہ کو گلنے سڑنے اور مٹی میں مٹی ہوجانے سے محفوظ رکھا یہاں تک ان کے کپڑے نہ گلے سڑے اور نہ پھٹے بلکہ ان کے اجسام مبارکہ سے ویسے پلٹے ہوئے تھے جیسے پہلے تھے یہ ہماری قدرت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ وَبَعَثْنٰهُمْ ہم نے انہیں نیند سے جگایا لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ط تاکہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں تاکہ باری تعالےٰ کی کامل حکمتوں کی تفصیل کھل کر سامنے آجائے قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور لیتساءلوا کے بیان کے لیے ہے قَآئِلٌ مِّنْهُمْ ان کے سردار یعنی مکسلمینا نے فرمایا۔ بحرالعلوم میں ہے کہ اس کا نام مکسلمینا تھا كَمْ لَبِثْتُمْ ط کتنا مدت نیند میں رہے ہو اس نے ان سے اس لیے پوچھا کہ ان کی صورتیں اور شکلیں پہلی ہیت سے متغیر تھیں مثلاً بال اور ناخن بڑھے ہوئے تھے وغیرہ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط اس سے ان کے بعض مراد ہیں یعنی جب مکسلمینا نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہم یہاں پر ایک دن سوئے ہیں یا اس سے بھی کم انہوں نے یہ جواب اس اعتبار پر دیا کہ جب وہ سوئے تھے تو صبح کا وقت تھا جب جاگے تو شام کا وقت تھا اسی لیے کہہ دیا کہ ہم ایک دن سوئے ہیں لیکن جونہی سورج کو دیکھا کہ ابھی خاصہ وقت رہتا ہے تو پھر کہا کہ ایک دن سے بھی کم۔

سوال وہ اولیاء اللہ تھے انہوں نے جھوٹ کیوں کہا کہ پہلے ایک دن کہا پھر اس سے کم

جواب چونکہ پہلے انہوں نے صرف ایک دن اپنے گمان سے کہہ دیا پھر جب سورج کو آنکھوں سے دیکھا تو دن سے کم وقت کا یقین ہوگیا اسے نہ شرعاً جھوٹ کہا جاسکتا ہے نہ عرفاً فلہذا اعتراض نہ رہا

ف کاشفی نے لکھا ہے کہ اصحابِ کہف نیند سے چاشت کے وقت جاگے تو کہا کہ اگر ہم کل صبح سے سوئے اور ابھی دوسرے روز جاگے ہیں تو کامل دن ہمیں سوتے گزرا اگر آج سوئے اور آج ہی چاشت کے وقت جاگ ہوئی ہے تو ہمیں دن کا بعض

حصہ نیند میں گزارا صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے قول سے کاشفی کا قول زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ فابعثوا احدکم بورقکم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جاگنا چاشت کے وقت ہوا کیونکہ شہر تک جا کر سودے وغیرہ لے کر غار کو واپس لوٹنا خاصہ وقت چاہتا ہے اور اگر قبل غروب کا مانا جائے تو سودے لینے والی آیت کے ساتھ مطابقت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ غار شہر سے خاصی دور تھی قَالُوْا ان میں بعض حضرات وہ تھے جنہیں حقیقت حال بذریعہ الہام یا کسی اور دلائل سے معلوم ہو گیا تھا انہوں نے کہا لیکن کاشفی نے لکھا کہ انہوں نے اپنے بال اور ناخن بڑھے دیکھ کر کہا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ یعنی اے ساتھیو ہماری یہ کیفیت بتاتی ہے کہ ہمارا معاملہ کچھ ٹیڑھا سا ہے جس کی مدت کا تعین ہمارے معلومات سے متعلق نہیں یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارے تمہارے ٹھہرنے کو خوب جانتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مدت کے تعین کے بارے میں اصحاب کہف کے دو گروہ ہو گئے جس کی تفصیل اوپر واضح ہے فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ اپنے میں سے ایک کو بھیجو تفاسیر میں لکھا ہے کہ جسے بھیجا گیا تھا اس کا نام یملیخا تھا بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ یعنی یملیخا یہی چاندی لے کر شہر میں جائے۔

ف یملیخا کے انتخاب کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے سابقہ گفتگو میں حصہ نہیں لیا بلکہ ان کی بحث و تمحیص کے وقت علیحدہ بیٹھ کر ان سب کی باتیں سنتے رہے انہیں چن لیا گیا کہ یہ گتھی تمہارے سلجھانے کی نہیں اور نہ ہی تم اپنے طور سے سمجھ سکتے ہو یہ تفسیر اشارۃً فا سے سمجھی گئی ہے

ف الورق چاندی کو کہتے ہیں اس پر سرکاری مہر ثبت ہو یا نہ یعنی کسی متعین مقدار رقم کے لیے سرکاری طور مقرر ہو چکی ہو جیسے دراہم وغیرہ درسابق دور یا بعض ممالک میں ہیں یا ویسے ہی ٹکڑا بہت تھوڑا۔

ف هٰذِهٖ کے اشارہ محسوسہ سے معلوم ہوا کہ وہ چاندی گھر سے چلتے وقت زادِ راہ کے ارادہ پر اٹھا کر لائی گئی تھی۔

سوال وہ اولیاء اللہ تھے انہیں متوکل علی اللہ ہونا لازمی تھا پھر گھر سے زادِ راہ اٹھا کر چلنے کا کیا معنٰی

جواب زادِ راہ اٹھا کر سفر کو جانا توکل کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہی عمل صالحین اولیاء کے طریقہ کے عین مطابق ہے بلکہ سالکین راہِ خدا کا کام بھی یہی ہے کہ وہ زندگی کے اسباب مقررہ کے مطابق زندگی بسر کریں اسے متوکل نہیں کہا جا سکتا جو اسباب کو ضروریاتِ زندگی سے خارج سمجھتا ہو اور صوفیہ کرام کے نزدیک اسباب کے استعمال کا نام ہی توکل ہے مثنوی شریف میں ہے ع

گر توکل میکنی در کار کُن
کشت کُن پس تکیہ بر جبار کُنی
رمز الکاسبُ حبیب اللہ شنوْ
از توکل در سبب کاہل مشو

ترجمہ اگر تمہیں توکل سیکھنا ہے تو جملہ کاروبار میں توکل یوں ہے کہ کھیتی باڑی کر کے پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو الکاسب حبیب اللہ کی رمز پہچانو۔ سبب کو توکل سمجھو اس معاملہ میں سستی مت کرو نیز ان کا متوکل ہونا۔

ینشر لکم ربکم من رحمتہ ویھییٔ لکم من امرکم رشدًا تمھارا رب تمھارے اوپر رحمت پھیلائے گا اور تمھارے معاملات میں آسانی تیار کریگا۔

ف اس شہر سے طرسوس کا مراد ہے جاہلیت میں اس نام افسوس تھا

ف قاموس میں ہے کہ طرسوس بروزن حلزون ارمن کا ایک زرخیز شہر تھا ہمارے دور میں اسلام کے قبضہ میں آیا تو اس کا نام افسوس پڑ گیا

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ یہاں لفظ اہل مضاف محذوف ہے جیسے واسئل القریۃ میں اہل محذوف ہے کہ وہ بھی دراصل واسئل اہل القریۃ تھا ایسے فلینظر ای اھل المدینۃ پھر شہر والوں میں کون ہے اَزْکٰی طَعَامًا احل واطیب واکثر و ارخص ازکی کے معانی ہیں یعنی زیادہ پاکیزہ طعام والا ہو فَلْيَاْتِكُمْ پس چاہیے لائے تمھارے ہاں بِرِزْقٍ قوت یعنی ہر وہ شئے جس پر انسان کے بدن کا قوام ہے مِّنْهُ اس کی ضمیر ازکیٰ طعامًا کی طرف راجع ہے

ف کاشفی نے لکھا کہ ازکیٰ طعاما میں اشارہ ہے کہ ان کے زمانہ میں شہر میں ایسے نیک لوگ رہتے تھے جو باطن مومن تھے۔ لیکن دقیانوس کے خوف سے ایمان ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے اسی لیے اصحاب کہف نے اپنے ساتھی سے فرمایا کہ ان لوگوں کو تلاش کر کے ان سے کھانے کی چیزیں خریدنا کیونکہ انھوں نے گوشت وغیرہ دین حق کے مطابق حاصل کر کے پکایا ہوگا۔

وَلْيَتَلَطَّفْ بمعنے ولیتکلف بہ اللطف فی المعاملۃ سے ہے یعنی سوچ سمجھ کر سودا خریدے تاکہ لین دین میں کسی کو نقصان نہ ہو ایسی حرکت نہ کر بیٹھے کہ جس سے ہم گرفتار ہو جائیں

ف قرآن مجید کے کل حروف کا نصف اسی سورت کہف کے حرف وَلْيَتَلَطَّفْ کی لام اوّل پر پڑتا ہے اور طاء اور فاء نصف ثانی میں۔ (کذا فی البستان)

وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ○ اور تمھارے بارے میں کسی کو باخبر نہ کرے یعنی شہر والوں کو تمھارے متعلق کوئی بات نہ بتائے اس لیے کہ ان سے آگے ہماری خبر پھیل جائے گی جس سے ہم گرفتار ہو جائیں گے یعنے بلا قصد بھی کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے شہر والوں کو ہمارے متعلق شک و شبہ پڑ جائے اور اشعار کی نسبت اپنے قاصد کی طرف اس لیے کی ہے کہ وہی ان کی خبر پھیلانے کا سبب بنے گا پہلے معنیٰ پر نہی تاسیس کے لیے دوسرے معنےٰ پر ولیتلطف کے امر سے تاکید کے لیے ہے اِنَّهُمْ تلطف و عدم اشعار کی تاکید اس لیے کی جا رہی ہے کہ بیشک بادشاہ اور اس کے حامیوں نے اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ اگر تمھارے متعلق آگاہ ہوئے اور تمھیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے يَرْجُمُوْكُمْ تو تمھیں پتھراؤ کریں گے الرجم بمعنے الرمی بالحجارۃ یعنی پتھراؤ کو عربی میں رجم کہتے ہیں اور یہ کسی کو قتل کرنے کا سب سے خبیث ترین طریقہ ہے یعنی اگر تم اپنے دین حق پر ڈٹے رہے تو شہر والے اپنی خبیث ترین عادت کے مطابق تمھیں پتھروں سے ماریں گے۔

اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ یا تم ملت کفر کو لوٹو گے یا وہ تمھیں مجبور کر کے کفر پر لے جائیں گے یہ العود سے بمعنے المصیر ورۃ

جیسے اولتعودن فی ملتنا (پارہ نہم رکوع اوّل) میں عود بمعنے صیر ورۃ ہے یا عودا اپنے حقیقی معنیٰ پر ہے اس لیے کہ پہلے اصحابِ کہف انہی کے دین (کفر) پر تھے پھر دینِ حق کے لیے نوازے گئے

ف صاحب روح البیان نے فرمایا یہی دوسرا حقیقی معنیٰ یہاں مبنی برصواب ہے جیساکہ آمنو بربھم سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے مؤمن نہیں تھے بلکہ بعد میں دولت ایمان سے نوازے گئے وہ اس لیے کہ اگران کا ایمان حادث کی بجائے قدیم ہوتا تو امنوا بربھم کے بجائے ان ھم فتیۃ مؤمنون بربھم ہوتا۔

سوال قانون کا تقاضا ہے کہ یہاں فی ملتھم کے بجائے الیٰ ملتھم ہوتا یعنی یہاں فی کے بجائے لفظ الیٰ ہوتا۔

جواب تاکہ معلوم ہو کہ وہ ان کے دین کی طرف لوٹنے سے سخت کراہت کرتے تھے

وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ یعنی اگر تم ان کے دین کفر میں واپس لوٹ جاؤ گے خود بخود یا اجبار واکراہ سے تو یقین کرلو کہ تم پھر کامیاب نہیں ہو سکے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں اس لیے کہ مانا تم اجبار واکراہ کے وقت صرف زبان سے کفر کو مانو گے لیکن تم جانتے ہو کہ شیطان ہمارا سخت اور بدترین دشمن ہے وہ تمھارے اس ظاہری کفر سے فائدہ اٹھائے کہ تمھیں ایسے گندے وسوسے ڈال کر تمھارے دلوں میں حقیقی کفر راسخ کر دے اور پھر تم اسی پر مداومت کر کے اسی جہالت میں مرجاؤ اس اعتبار سے تم دونوں جہانوں میں مارے گئے اسی لیے اپنے فرستادہ کی سب ل کر منت کرو کہ وہ تمھارے متعلق کوئی بات نہ کرے نہ اشارۃً نہ کنایۃً۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب وہ حضرات یعنی اصحابِ کہف تین سو نو سال مقام عندیت حق میں تھے اور اپنی عندیت سے بالکل فارغ ہو چکے تھے اسی لیے انھیں اتنا طویل عرصہ تک نہ کھانے کی ضرورت تھی نہ پینے کی اس لیے کہ جسمانی غذا کی بجائے انہیں روحانی نصیب ہو رہی تھی جیسے ہمارے نبی اکرم شفیع معظم کی کیفیت تھی کہ آپ بھی کئی دنوں تک کھانے پینے سے فارغ رہتے اور فرماتے:

میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں گذارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے جب وہ حضرات اپنے حال کی طرف متوجہ ہوئے تو انھیں جسمانی غذا کی خواہش پیدا ہوئی اسی لیے کہا فابعثوا الخ

نکتہ لطیف اور پاکیزہ غذا کی طلب میں ایک راز ہے وہ یہ کہ وصل وصال والے اولیائے کرام جب محبوب حقیقی کے جمال باکمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں اسی وصال سے انس و ملاطفت حبیب کا ذوق نصیب ہوتا ہے جب وہ وصال سے فراغت پاتے ہیں تو ان کے ارواح وقلوب روحانی غذا کا مطالبہ کرتے ہیں اسی لیے اپنے ارواح اور قلوب کو اسی مشاہدہ محبوب کے لیے سعی کے طور انہیں ہر حسین سے حسین ترین شئے پیش کرتے ہیں اس لیے کہ ہر جمال اللہ تعالیٰ کے جمال باکمال کا جلوہ ہے اسی وجہ سے انہیں محبوب حقیقی کی ملاطفت کی یاد کی تازگی کی وجہ سے لطیف غذائیں استعمال کرنی پڑتی ہیں اسی لیے کہا فلیاتکم برزق منہ ولیتلطف ولا یشعرن بکم احدًا" میں اشارہ ہے کہ اہل غفلت کو ارباب محبۃ وعشق کے حالات سے باخبر نہ کیا جائے اس لیے کہ عُشّاق کے منتہیانہ بعض ایسے احوال بھی آتے ہیں جو مبتدیوں کے نزدیک

کفر متصوّر ہوتے ہیں چنانچہ ابو عثمان مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عارفین کو رفیق بناؤ نرمی سے اور مریدین کو اپنے قریب لاؤ تو سختی سے انہم ان یظھروا علیکم یعنی اگر اہل غفلت تمہارے احوال سے مطلع ہو گئے تو یرجموکم اے اہل معرفت بزرگو تمہیں اہل غفلت ملامت کریں گے جب کہ تمہارے سے ایسے امور مشاہدہ کریں گے جو ان کی استعداد کے غیر موافق ہوں گے۔

اس لیے کہ اہل معرفت میں ولایت کی وسعت اور قوت معرفت بھر پور ہوتی ہے اور انہیں ہر دونوں کے تصرّف کا حق حاصل ہوتا ہے اور اہل غفلت نہ تصرّف کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں عالم باطن کی بصیرت حاصل ہوتی ہے اسی لیے جو کچھ بھی اہل معرفت سے دیکھتے ہیں اس کا انکار کر دیتے ہیں بلکہ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے اہل معرفت پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ع

عشق در ہر دل کہ سازد بہر در دت خانہ

اوّل از سنگ ملامت افگند بنیاد او

ترجمہ جس دل میں عشق اپنا گھر بناتا ہے تو اسے درد سے بھر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی ابتدائی بنیاد کے وقت اس پر ملامت کا پتھراؤ کرتا ہے۔

او یعیدوکم فی ملتھم یا ان کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ تمہیں اپنی ملّت یعنی خواہشات نفسانی کے بتوں اور شہوات دنیا اور اس کی زینت کے طاغوتوں کی پرستش میں مبتلا کریں اے عارفو! اگر تم ان کی موافقت کر و گے تو ہمیشہ کے لیے ناکام رہو گے۔

صاحب روح البیان کی روحانی تقریر

صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہر زمانے میں صورۃً و معنیً دقیانوس جیسے سرکش بادشاہ ہوتے ہیں جو شخص چاہتا ہے کہ اسے ظاہری باطنی جسمانی روحانی، عملی اور اعتقادی سلامتی نصیب ہو تو وہ تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرے اور اپنے گھر کے اندر ایک ایسے مقام کو عبادت کے لیے پسند کرے کہ جہاں اس کے سوا نہ کوئی آئے نہ جائے بلکہ عالم دنیا کی مکینوں کے تصوّرات دل سے ہٹا دے نہ کسی بڑے سے دوستی نہ کسی چھوٹے سے یاری نہ اونچے طبقے والوں سے واسطہ نہ نچلے درجے کے لوگوں سے تعلق اپنے آپ کو نیند والے کی طرح بنا دے کہ جیسے نیند والے کے حواس عالم دنیا سے کسی دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ایسے ہی اس کی حالت ہو کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ دنیا کیا اور دنیا والے کون ہیں اس لیے کہ جب نیند والا آنکھ بند کرتا ہے تو اس کی آنکھوں کی سفیدی اور سیاہی کا امتیاز اٹھ جاتا ہے۔

ازالۂ وہم

اگر کوئی مدعی ہو کہ میں زندہ کر عارف اللہ بھی ہوں دنیا میں وہ اس کا سراسر دھوکہ اور فریب ہے اس لیے کہ منتہا سالک کو اگرچہ ایسا مرتبہ نصیب ہوتا ہے لیکن ہر ایک کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہوتا قاعدہ ہے کہ جو بھی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو دنیا کے ضرر اور نقصان سے نہیں بچ سکتا جیسے دودھ پینے والا بچہ ماں کے پستان کو منہ میں لگائے اور پھر ہم کہیں کہ وہ دودھ نہیں پیئے گا بالفرض محال اگر ہم مان بھی لیں تب بھی اسے اتنا نقصان تو سلوک کے لیے ماننا پڑے گا کہ لوگوں کے میل جول سے طوعاً کرھاً ان کی چند باتوں کی موافقت کرنی پڑے گی۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝

ترجمہ اور اسی طرح ہم نے ان کے متعلق لوگوں کو مطلع کر دیا تاکہ جان لیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے اور یقین کریں کہ بے شک قیامت میں کوئی شک نہیں جب لوگ ان کے بارے میں جھگڑنے لگے کہ ان کی غار پر کوئی عمارت بناؤ ان کا رب تعالےٰ انہیں خوب جانتا ہے کہا ان لوگوں نے جو اس کے معاملہ میں غالب رہے کہ بخدا ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے ۔

تفسیر عالمانہ چونکہ یملیخا سمجھدار آدمی تھا اس لیے ان کی وصیت سن کر فرمایا کہ انشاءاللہ تعالیٰ حتی الامکان پورا کرنے کی کوشش کروں گا ساتھیوں کو الوداع کہہ کر شہر کو روانہ ہوا جونہی شہر میں قدم رکھا تو دیکھا کہ شہر کا نقشہ ہی تبدیل ہے اور شہر کے اندر داخل ہوا تو نہ وہ انسان اور نہ شہر کے پہلے جیسے دکان ۔ مکانات کے طور طریقے بھی تبدیل تھے حیران تھا اور کہتا کہ یا رب یہ کیا معاملہ ہے بالآخر ایک نانبائی کی دکان پر گیا اس کو پیسے دے کر روٹی سالن مانگا نانبائی نے پیسے دیکھ کر سمجھا کہ اس شخص کو کہیں سے کوئی خزانہ ملا ہے اس لیے کہ اس کے پیسوں پر دقیانوس کی مہر ثبت تھی اس کے وہی پیسے بازار میں لے گیا جو بھی دیکھتا حیران ہو جاتا ایسے ہی خبر پھیلتی گئی یہاں تک کہ شہر کے کوتوال کو خبر پہنچی اس نے یملیخا کو گرفتار کر لیا اور سختی سے استفسار کیا اور کہا بقایا خزانہ بتائیے ورنہ تمھیں سخت سزا دی جائے گی یملیخا نے کہا نہ میرے پاس خزانہ ہے اور نہ میں چور ہوں میں نے تو یہی رقم اپنے والد کے گھر سے کل اٹھائی اور آج تمھارے ہاں لایا ہوں انہوں نے پوچھا تیرے باپ کا نام کیا ہے اس نے بتایا تو لوگوں نے کہا ہم اسے نہیں جانتے اور نہ ہی اس نام کا کوئی شخص اس شہر میں ہے لوگوں نے اسے جھوٹا سمجھ کر ستانا شروع کر دیا یملیخا نے تنگ آکر کہا اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے دقیانوس بادشاہ کے ہاں لے جائیے وہ ہمارے حال اور معاملہ کو خوب جانتا ہے لوگ ہنس پڑے اور کہا کہ بندۂ خدا اسے مرے ہوئے تو تین سو سال گذر گئے ہیں تم کیسے اس کا نام کہہ رہے ہو ایسے ہی ٹال مٹول سے کام نہیں چلے گا تجھے خزانہ بتانا پڑے گا اس نے کہا خدا کے بندو! میرے ساتھ ہنسی مذاق چھوڑو ۔ کل تو ہم چند دوستوں نے اسی شہر سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں پناہ لی آج تمھارے ہاں کھانا لینے آیا ہوں تم مجھے پاگل نہ بناؤ یہی حقیقت اور سچی بات ہے جو میں نے تمھیں عرض کر دی ہے لوگوں نے سمجھا کہ یہ نیک انسان معلوم ہوتا ہے یہ جھوٹ نہیں بولتا اس کے معاملہ میں پیچیدگی ہے فلہٰذا اسے وقت کے بادشاہ کے ہاں لے جانا چاہیے جونہی بادشاہ نے یملیخا کی گفتگو سنی تو بادشاہ اپنے وزراء اور ارکان دولت کو لیکر غار میں پہنچا یملیخا نے پہلے جا کر اصحاب کہف کو صورت حال سے آگاہ کیا ادھر بادشاہ بھی لشکر لے کر پہنچ گیا غار کے دروازہ پر ایک تختی لگی ہوئی دیکھی اس پر ان حضرات یعنی اصحاب کہف کا پورا حال لکھا ہوا تھا ان کے

اسماء انساب وغیرہ تفصیل سے حالات درج تھے بادشاہ نے آتے ہی ان کو سلام عرض کیا اور ان کے حالات بتائے کہ انہیں یہاں عرصہ دراز گزرا ہے اور ان کے چہرے کی تروتازگی اور کپڑوں کی چمک دمک کو دیکھ کر حیران ہوا اور انہیں سلام عرض کیا تو انھوں نے اس کے سلام کا جواب بھی دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی خبر دیتے ہوئے فرمایا وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا ۔

حل لغات اعثرنا یعنی اطلعنا اور علیھم کی ضمیر اصحاب کہف کی طرف لوٹتی ہے دراصل جب کوئی غافل عن شی کو دیکھ کر اسے معلوم کرے تو اس کے لیے اہل عرب کہتے ہیں عثر بہ چونکہ اعثار یعنی اطلاع چونکہ علم کا سبب ہے اسی لیے مسبب پر سبب کا اطلاق ہوا ہے اور تاج المصادر میں ہے الاعثار بمعنے کسی کو کسی شے پر پہنچانا اس نے نظیر میں یہی آیت لکھی کہ وکذٰلك اعثرنا اور الاطلاع بمعنی کسی کو پوشیدہ امر پر پہنچانا اہل عرب کہتے ہیں اطلع فلان علی القوم فلاں نے فلاں قوم کو پوشیدہ معاملہ پر پہنچایا یہاں تک کہ وہ ان کے سامنے ایسے ظاہر ہوا کہ انہوں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور جب کہتے ہیں اطلع عنھم تو اس کا معنیٰ ہوگا فلاں ان لوگوں سے ایسا غائب ہوگیا یہاں تک کہ وہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہوگیا کہ وہ اسے دیکھ نہیں سکتے تھے اب مطلب یہ ہوا کہ ہم نے انھیں عرصہ دراز کے بعد اصحاب کہف کو بیدار کر کے تمھیں ان کے حالات سے مطلع کر کے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے تاکہ تمھاری بصیرت اور یقین میں اضافہ ہو۔ کما قال ۔ لِيَعۡلَمُوٓا ان سے تندروس کی قوم مراد ہے جنھوں نے بعث ونشر یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا کہ ہم نے اصحاب کہف کے حالات سے انہیں مطلع فرمایا تاکہ وہ جانیں اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ یعنی اس نے جو وعدہ فرمایا ہے کہ مرنے کے بعد روح کو جسم میں لوٹا کر اٹھایا جائے گا وہ وعدہ حق ہے حق بمعنے صدق ہے یعنی اس کے وعدہ میں سچائی ہی سچائی ہے اس لیے کہ اصحاب کہف کا نیند کے بعد جاگ اٹھنا مردے کے حال کی طرح ہے کیونکہ نوم اور موت دونوں ہم جنس ہیں ۔ وَاَنَّ السَّاعَةَ یعنی قیامت اس سے وہ گھڑی مراد ہے جب لوگ حساب و کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوں گے ۔ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا یعنی قیامت کے وقوع اور اس کے اندر سب کی حاضری کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہیں اس لیے کہ جس نے آنکھوں سے دیکھا کہ جس خالق کائنات نے اصحاب کہف کے ارواح کو تین سو سے زائد سالوں تک روکے رکھا اور ان کے ابدان واجسام کو گلنے سڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے محفوظ رکھا تو اسے یقین ہو جائے گا کہ وہی خالق کائنات تمام مخلوق کو موت دینے کے بعد ان کے جملہ ارواح کو میدان حشر کے اٹھنے تک محفوظ رکھ سکتا ہے اور اسے قدرت ہے کہ انھیں اتنا عرصہ دراز تک محفوظ رکھ کر پھر ان کے ابدان واجسام میں حساب وکتاب کے لیے واپس لوٹائے ۔ ع

پیش قدرت کارہا دشوار نیست
عجز ہا با قوت حق کار نیست

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے کوئی مشکل نہیں عاجزی کو تو اللہ تعالیٰ کے کاموں میں دخل ہی نہیں ہے

نکتہ: صاحب روح البیان رحمۃ علیہ نے فرمایا کہ یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی منجملہ مہربانیوں اور الطاف کریمانہ سے ایک کرم اور مہربانی ہے کہ ان میں رسول اور نبی علیہ السلام کے بھیجنے کے بغیر اصحاب کہف کی نیند اور پھر ان کے جاگنے کو ان کی ہدایت کا سبب بنا دیا

تفسیر صوفیانہ وکذلک اعثرنا علیھم یعنی جیسے ہم نے بعض منکرین قیامت کو اصحاب کہف کے حالات کا مشاہدہ کرایا تاکہ ان پر واضح اور انہیں یقین ہو جائے کہ مر کر اٹھنا اور مردوں کے زندہ ہونے کا وعدۂ الٰہی حق اور ثابت ہے اور قیامت کے وقوع میں کوئی شک وشبہ نہیں ایسے ہی انہیں معلوم ہو کہ وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر ہے اس کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کما قال تعالیٰ۔

فلنحیینّہ حیاۃً طیبۃً ہم اسے حیات طیبہ سے نوازتے ہیں اور فرمایا او من کان میتا فاحییناہ پس جو مردہ تھا پھر ہم نے انہیں زندہ کیا اور محبین صادقین، عرفاء کے قلوب کا قیام دوام بھی حق ہے اور ان میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے

اصحاب کہف مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں امام ثعلبی کی تفسیر میں مرقوم ہے کہ اصحاب کہف کی ملاقات کا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا انہوں نے عرض کی کہ آپ انہیں اس عالم دنیا میں نہیں دیکھیں گے البتہ آپ اپنے پسندیدہ اصحاب کو بھیجکر اپنی دعوت اسلام سے انہیں نواز سکتے ہیں آپ نے فرمایا میں اپنے اصحاب کو ان کے ہاں کس طرح اور کن کو بھیجوں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ اپنی چادر مبارک بچھائیے اور صدیق وفاروق اور علی المرتضیٰ اور ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فرمائیے تاکہ وہ ہر ایک اسی کے ایک کونہ پر بیٹھ جائیں اور ہوا کو حکم فرمائیں تاکہ وہ انہیں اڑا کر غار تک پہنچا دے اور ہوا آپ کی فرمانبردار ہے جیسے تخت سلیمانی کو اڑا کر چلتی تھی آپ کے غلاموں کو بھی لے جائے گی حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی چنانچہ ہوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اڑا کر غار تک لے گئی انہوں نے غار سے ایک پتھر ہٹایا، کتے نے جونہی روشنی دیکھی اول تو شور مچاتے ہوئے حملہ آور ہونے کی کوشش کی اس کے بعد جب صحابہ کرام کی شخصیت پر نگاہ ڈالی تو دم ہلا کر اصحاب کہف کے ہاں جانے کا اشارہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اصحاب کہف کے قریب ہوئے اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی ارواح کو ان کے اجسام میں واپس لوٹایا تو انہوں نے ان کے سلام کا جواب دیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ حضرات کو سلام بھیجا ہے اور اسلام کی دعوت بھی۔ ان حضرات نے دعوت اسلام قبول کی اور عرض کی ہمارا ابھی بارگاہ رسالت میں سلام عرض کر دینا یہ کہہ کر پھر آرام گاہ میں چلے گئے حضرت امام مہدی جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت سے ہوں گے کے ظہور کے وقت زندہ ہوں گے اور امام مہدی ان پر سلام کہیں گے وہ ان کو سلام کا جواب دیں گے اس کے بعد بدستور آرام گاہ میں آرام فرمائیں گے اور قیامت میں ہی اٹھیں گے۔

إِذْ يَتَنَازَعُونَ بعض مفسرین کے نزدیک کہ یہ اذکر محذوف کے متعلق ہے صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہی قول انسب اور موزوں تر ہے اسی لیے کہ اس کے بعد والی فا کی ترتیب کا تقاضا یونہی ہے اس معنٰے پر یہ سابق کلام سے علیحدہ متصور ہوگا یعنی یاد کیجیے اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جب جھگڑے والوں نے جھگڑا کیا ان سے تندوس کی قوم مراد ہے بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ اصحاب کہف جب دوبارہ فوت ہوئے تو تندروس کی قوم میں اختلاف ہوا کہ اب ان حضرات کو کس طرح عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ان کے حالات سے آگاہ نہ ہوسکیں فَقَالُوا اس شہر کے بعض افراد نے کہا کہ ابْنُوا عَلَيْهِمْ ان کی غار کے دروازے پر عمارت کھڑی کردی جائے بُنْيَانًا یعنی ان کے اردگرد ایک ایسی دیوار کھینچ دی جائے کہ لوگ وہاں تک نہ پہنچ سکیں جیسے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کے اردگرد دیوار کھینچکر اسے محفوظ کرلیا گیا ہے ایسے ہی ان لوگوں نے اصحاب کہف کے اردگرد دیوار کھینچکر لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کرلیا رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ان کا رب ہی ان کی آرام گاہ کو خوب جانتا ہے اور اسے ہی ان کے حالات معلوم ہیں دوسرے اگر نہ جانیں تو کیا حرج ہے قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ وہ جو ان کے معاملہ میں غالب ہوئے اس سے اس زمانہ کے مسلمان اور بادشاہ مراد ہیں لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ہم ان کے غار کے دروازہ پر مسجد بنائیں گے اس میں نمازی نماز پڑھیں گے اور اس جگہ کو متبرک سمجھ کر تبرک حاصل کریں گے[1]

تندروس کی چلہ کشی

مروی ہے کہ تندروس کے دور میں جب لوگوں نے بعث و نشر کے متعلق اختلاف کیا اور کسی طرح بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو بادشاہ اپنے گھر کے اندر ایک حجرہ میں ذکر الٰہی میں مصروف ہوگیا، دراندر سے دروازہ بند کردیا۔ شاہی لباس کے بجائے ٹاٹ پہن لیے اور پلنگ اور قالین پر بیٹھنے کے بجائے راکھ پر بیٹھ گیا اور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں کہ حق و باطل ظاہر ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی شہر کے ایک چرواہے کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ غار جسے دقیانوس نے پتھروں سے بند کردیا تھا اس کے پتھروں کو ہٹادے اس کے دروازہ کو توڑ کر غار کے اندر بکریوں کو بٹھائے جونہی چرواہے نے غار کو کھولا تو اندر سے اصحاب کہف اٹھ کھڑے ہوئے ان کی یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی بادشاہ کو اطلاع دی گئی شہر والے تمام مومن کافر اس نظارہ کو دیکھنے آئے اور بادشاہ اپنے ارکان سمیت کافر و مسلم کو ساتھ لیکر اصحاب غار سے ہم کلام ہوئے تو اصحاب کہف نے ان کے سوالات کے جوابات دیے اور اپنا تمام ماجرا تفصیلی طور سنایا اس پر ان لوگوں نے یقین کیا کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے اصحاب کہف نے بادشاہ کو دعا دی کہ ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے اور دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں جن و انس کے شروں سے محفوظ فرمائے یہ کہہ کر بدستور سابق نیند میں چلے گئے بادشاہ نے ان پر کپڑا ڈالا اور ہر ایک کے لیے سونے کے صندوق تیار کروائے خواب

---

[1] معلوم ہوا کہ مقدس لوگوں کے مقامات کو متبرک سمجھنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا اہل اسلام کا قدیمی شیوہ ہے ولکن الوهابية قوم لا يعقلون ۱۲

یں ان حضرات نے بادشاہ کو فرمایا کہ سونے کے صندوق ہمارے لائق نہیں اس کے بعد بادشاہ نے گوان کی لکڑی کے صندوق تیار فرمائے اور غار کے دروازہ پر مسجد بھی بنوا دی۔

حضرت مولانا روم اور حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہما کے حال کا موازنہ

صاحب روح البیان قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اہل فنا کا یہی طریقہ ہے کہ وہ سادگی کو پسند کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ صدرالدین قونوی قدس سرہٗ نے اپنے مزار شریف پر عمارت کو قبول نہیں فرمایا یہاں تک کہ ایک دفعہ آپ کے مزار شریف پر لکڑی کے تختے لگائے گئے تو آسمان سے بجلی گری جس سے وہ تختے جل گئے اس سے یہی تصور کیا گیا کہ حضرت قونوی قدس سرہٗ نے اپنے مزار اقدس پر عمارت کو قبول نہ فرمایا اس کی وجہ میں نے اپنے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ سے سُنی کہ حضرت شیخ صدرالدین قدس سرہٗ بادشاہ کی اولاد سے ہیں ایسے ہی حضرت مولانا رُوم صاحب مثنوی بھی بادشاہوں کی اولاد سے ہیں حضرت مولانا روم قدس سرہٗ تارک الدنیا تھے اور حضرت شیخ صدرالدین قونوی رحمۃ اللہ تعالیٰ بہت بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کے نوکر بھی امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے آپ کا وضو کا لوٹا اور تھال سونے کے تھے کسی نے آپ کے متعلق غلط تصور کیا کہ فقیر کو سونے سے کیا غرض حضرت شیخ کو اس کا خیال کشف سے معلوم ہوا تو آپ نے لوٹے کو اپنے ہاں حاضری کا اشارہ کیا تو لوٹا خود بخود حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اس پر تمام لوگ متحیر ہوئے لیکن وہ اعتراض کرنے والا شخص فوراً تائب ہو گیا۔

مکالمہ مولانا روم و شیخ صدرالدین قدس سرہما

ایک دفعہ حضرت شیخ صدرالدین قونوی نے مولانا روم قدس سرہٗ سے فرمایا کہ ہم بظاہر شاہانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے ہیں لیکن ہم فقیر اور درویش ہو کر سوتے ہیں ان کے جواب میں حضرت مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم بظاہر درویشانہ اور فقیرانہ زندگی گزارتے ہیں لیکن بادشاہوں سے بھی بڑھ کر آرام سے سوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا روم قدس سرہٗ کا مزار شریف نہایت شان شوکت سے سجایا ہوا ہے۔ اور حضرت مولانا صدرالدین قدس سرہٗ کا مرقد انور نہایت ہی سادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں بزرگوں کی شفاعت نصیب کرے[1]

حضرت مولانا قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

وصلش مجو در اطلس شاہی کہ دوخت عشق
ایں جامہ بر تنے کہ نہان زیر ژندہ بود

ترجمہ اس کا وصال اطلس شاہی میں تلاش نہ کریں اس لیے کہ یہ کپڑے عشق نے اسے بخشے ہیں جو گدڑی پوش ہو۔

---

[1] اولیاء کرام کی شفاعت کی امید رکھنا اہل اسلام کا طریقہ ہے جیسا کہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ نے مضمون ختم کرنے کے بعد لکھا۔ "رزقنا اللہ شفاعتھم" روح البیان صفحہ ۲۳۳ ج ۴

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬ ۥ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝

ترجمہ: بعض کہیں گے کہ وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے اور بعض کہیں گے وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا ہے بے دیکھے اٹکل پچو سے کہیں گے اور بعض کہیں گے وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ آپ فرمایئے میرا رب ان کی گنتی کو خوب جانتا ہے۔ انہیں جانتے ہیں مگر تھوڑے لوگ تم ان کے متعلق بحث نہ کرو مگر اتنی قدر جو ظاہر ہو گئی ہے اور ان کے بارے میں کسی سے کچھ نہ پوچھو۔

تفسیر عالمانہ

سَيَقُولُونَ ان تمام افعال کی ضمیریں ان لوگوں کی طرف راجع ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے زمانہ اقدس میں اصحاب کہف کے حالات میں غور وخوض کرنے والے لوگ موجود تھے ان میں بعض اہلِ اسلام تھے اور بعض اہل کتاب۔ لیکن اسناد فعل میں تصریح نہیں کی گئی

شانِ نزول ان لوگوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحابِ کہف کے متعلق سوال کیا تو آپ نے وحی کے نزول پر اس کے جواب کو مؤخر فرمایا یہی آیات نازل ہوئیں جن میں ان لوگوں کے اختلاف کو بھی بتایا گیا جو انہوں نے اصحابِ کہف کی گنتی کے متعلق کیا یا آئندہ ہونے والا تھا

ف ان میں سچ اور حق ان کے قول میں ہے جنہوں نے کہا کہ اصحابِ کہف کل سات افراد تھے۔ اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

سیقولون بعض قارئین یہودی کہیں گے کہ اصحابِ کہف **ثَلٰثَةٌ** تین افراد تھے **رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ** چوتھا ان کا کتا تھا یعنی ان کے ساتھ کتا ملا تو وہ کل چار ہو گئے **وَيَقُولُونَ** اور نصاریٰ کہیں گے۔

سوال اس کے قائلین بھی تو زمانہ مستقبل میں کہنے والے تھے ان کے صیغے میں سین استقبالیہ کیوں نہیں لایا گیا؟

جواب اس کا عطف پہلے سیقولون پر ہے اسی کے سہارے اور سین لانے کی ضرورت نہیں۔

خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا یہ لوگ ایسی بات کہہ رہے تھے جو ان سے مخفی تھی رجما بالغیب۔ ویقذفون بالغیب کی طرح ہے یعنی غیبی باتیں اپنی طرف سے گھڑتے تھے یا رجما بالغیب بمعنے ظنًا بالغیب ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے گمان سے بات کہہ دے۔

ترکیب: رجماً بالغیب حال ہے پہلے تمام افعال سے یعنی ان کا حال یہ تھا کہ وہ غیبی باتیں اپنی طرف سے گھڑتے تھے یا ان افعال سے مفعول مطلق ہے اس لیے کہ رجم اور قول ہم معنی ہیں یہ دراصل یرجمون رجماً بالغیب تھا۔

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ اور اہل اسلام کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اہلِ اسلام

نے یقین کر کے اس لیے کہا کہ انہیں وحی نبوی پر اعتماد اور یقین تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو رجماً بالغیب کے زمرہ میں شامل نہیں فرمایا اور اسے یہود و انصاری کے قول سے علیحدہ بیان فرمایا جیسا کہ لفظ واو ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کے قول کو اہل کتاب کے اقوال سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان کے قول کا اعتماد وحی پر تھا اور وحی ربانی اہل کتاب کی بناوٹی باتوں سے ہر طرح مقدم ہے قُلْ حق بات بتائیے اور اہل کتاب کی تردید کیجیے کہ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ میرا رب تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے۔

ف سعدی المفتی نے فرمایا کہ اَعْلَمُ اقوی علماً و ازید فی الکیفیۃ یعنی میرا رب تعالیٰ علم میں قوی تر اور کیفیت میں زائد تر ہے یہ اس لیے کہ یقین کے مراتب کے متفاوت ہیں یاد رہے کہ یہ تفضیل ان اہل کتاب کی وجہ سے نہیں اس لیے کہ انہیں باری تعالیٰ کے علم میں شرکت کیسی بلکہ اس سے فضیلت مطلقہ مراد ہے بِعِدَّتِهِمْ ان کی تعداد کو مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ نہیں مت تھوڑے لوگ جانتے ہیں وہ بھی جنھیں اللہ تعالیٰ کی توفیق نصیب ہو جیسا کہ شواہد بتاتے ہیں۔

ف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آخری قول میں واو واقع ہوئی اور اس کے بعد گنتی کرنے والوں کا ذکر بھی نہیں اس سے واضح ہوا کہ ان کی تعداد یہی صحیح ہے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اسی پر جزم اور یقین ہے اور فرمایا کہ بفضل تعالیٰ میں بھی انہیں قلیل سے ہوں جنہیں مایعلمھم الا قلیل میں بیان فرمایا

ف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سات حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں :

۱ یملیخا
۲ مکشلینیا
۳ مشلینیا یہ تین حضرات بادشاہ کے دائیں جانب بیٹھے تھے اور اس کی بائیں جانب یہ حضرات ہوتے تھے ۔
۴ مرنوش
۵ دبرنوش
۶ شاذنوش ۔ بادشاہ ان چھ حضرات سے اپنے خصوصی مشورے لیتا تھا اور ساتواں وہی چرواہا تھا جو فرار ہوئے ان کے ساتھ ہوا تھا اس کا نام کفشطیوش تھا کاشفی نے لکھا کہ اس کا صحیح نام مرطوش تھا ۔

اصحاب کہف کے اسماء گرامی کے برکات و خواص نیشاپوری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ اصحاب کہف کے اسماء گرامی سے طلب و ہرب کے فوائد حاصل کیے جاتے ہیں۔

۱ ان کے اسماء گرامی کو ایک کپڑے پر لکھ کر آگ میں ڈالا جائے تو آگ بجھ جاتی ہے
۲ یہ اسماء لکھ کر بچے کے سرہانے رکھے جائیں تو بچہ نہیں روئے گا
۳ ان اسماء کو لکھ کر ایک لکڑی پر لٹکا دیا جائے اور کھیتی کے درمیان میں کھڑا کر دیا جائے تو کھیتی نقصان سے محفوظ رہے گی۔

۴ زخموں

۵ تیسرے دن کے بخار

۶ دردِ سر

۷ دولتمندی

۸ جاہ ومرتبہ

۹ بادشاہوں اور حکمرانوں کے ہاں جانے کے لیے سیدھی ران پر باندھا جائے

۱۰ ولادت کی آسانی کے لیے ان اسماء کو لکھ کر بائیں ران پر باندھا جانے

۱۱ مال کی حفاظت

۱۲ دریائی سفر

۱۳ قتل کی نجات کے لیے لکھ کر اپنے پاس رکھا جائے

فَلَا تُمَارِ المماراۃ سے ہے بمعنے جنگ کرنا ماقبل کے معاملہ سے نہی کی تصریح کے لیے فا، لائی گئی ہے یعنی جب تمہیں یہود و انصاری کا جہل معلوم ہوا تو جھگڑا نہ کیجیے فِيْهِمْ اصحابِ کہف کے متعلق اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ہاں ظاہری طور معمولی جھگڑا جائز ہے اس میں غور وفکر کی اجازت نہیں یعنی انھیں صرف اتنا بیان کیجیے جتنا قرآن مجید میں ہے اس سے بڑھ کر بلا تصریح اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی بات نہ بتائیے اس لیے من گھڑت باتیں بتانا مکارم اخلاق کے منافی ہیں وَلَا تَسْتَفْتِ اور فتویٰ مت پوچھیے یعنی سوال نہ کیجیے فِيْهِمْ ان کے بارے میں مِّنْهُمْ ان سے یعنی غور وفکر کرنے والوں سے اَحَدًا ۝ کسی ایک سے اس اس ارادہ پر کہ وہ ان کے متعلق کوئی حالات بتائے گا اور وہ بتائے گا کیسے جب انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا

ابدال کا آغاز

کاشفی نے لکھا کہ اصحاب کہف کے بارے میں بہت بڑا اختلاف ہے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ابدال کے وجود کا آغاز انہی حضرات سے ہوا اور ابدال سات ہوتے ہیں ہفت اقلیم انہی کے دم قدم سے قائم ہیں دراصل کہف اولیاء کے خلوت خانہ کو کہا جاتا ہے اور کلب سے ان کا نفس حیوانیہ مراد ہے

اولیاء کے اقسام

خضر علیہ السلام سے مروی ہے کہ عالم دنیا میں ہر زمانہ میں سات سو اولیاء کا نام ہے اور ستر نجباء اور چالیس اوتاد الارض ہوتے ہیں اور دس نقباء اور سات عرفاء اور تین مختار اور ایک غوث ہوتا ہے وہ ان مراتب کو کثرت صوم وصلوٰۃ اور خشوع وخضوع اور اچھے لباس سے نہیں پاتے انھیں ایسے مراتب اتقاء حسن نیت اور سینہ کی صفائی اور جمیع اہل اسلام کے ساتھ شفقت ورحمت کی وجہ سے حاصل ہونے انہیں اللہ تعالےٰ نے اپنے علم کے ساتھ برگزیدہ اور اپنی ذات کے لیے مخصوص فرمایا ہے وہ نہ کسی کو گالی دیتے ہیں اور نہ کسی کو لعنتی کہتے ہیں اور نہ ہی اپنے ماتحت کو ایذاء دیتے ہیں اور نہ کسی کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے سے بڑے مرتبہ سے حسد کرتے ہیں لوگوں کو اچھی،

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝

ترجمہ: اور تم ہرگز کوئی بات نہ کہو کہ میں کل یہ کروں گا مگر یہ کہ اللہ تعالےٰ چاہے اور اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرو جب تم بھول جاؤ ہاں کہو کہ قریب ہے کہ میرا رب تعالےٰ مجھے قریب تر سیدھا راستہ دکھائے گا۔

بقیہ صفحہ گذشتہ

خوشخبریاں سناتے اور طبیعت کے لحاظ سے نرم تر ہوتے اور بہت زیادہ سخت نہیں۔ (کذا فی روض الریاحین امام الیافعی رحمۃ اللہ علیہ)

تفسیر صوفیانہ بعض بزرگوں نے اس حصے میں روح قلب اور عقل فطری اور معیشت روحانی اور قوت قدس اور سرّ و خفی مراد لیے ہیں اور کہف سے بدن اور دقیانوس سے نفس امارہ مراد ہے

کند مرد را نفس امارہ خوار
اگر ہوشمندی عزیزش مدار
مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر است

ترجمہ نفس امارہ انسان کو خوار کرتا ہے اگر تو دانا ہے تو اس سے پیار نہ کر۔ نفس شہوت پرست کی اطاعت نہ کر اس لیے کہ ہر گھڑی اس کا نیا قبلہ ہوتا ہے

تفسیر عالمانہ وَلَا تَقُوْلَنَّ یہ نہی تادیبی ہے لِشَایْءٍ اور نہ کہو ایسی شے جس کے متعلق پختہ ارادہ ہو۔ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ بے شک وہی شے ضرور عمل میں لاؤں گا غَدًا ۝ کل آئندہ۔ الغدا ہر اس گھڑی کو کہا جاتا ہے جو آنے والی ہو اسی معنیٰ پر کل آنے والا دن تو لازماً اس میں داخل ہوگا

شانِ نزول یہودیوں نے قریشیوں کو کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو چنانچہ قریش نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کل آنا بتا دوں گا آپ نے اس وقت انشاء اللہ نہ کہا

سوال شرع میں انشاء اللہ کو استثناء سے کیوں تعبیر کرتے ہیں!

جواب اسے استثناء سے مشابہت ہے کہ جس طرح استثناء سے کسی چیز کی تخصیص کی جاتی ہے اسی طرح انشاء اللہ سے تخصیص کی جاتی ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے انشاء اللہ نہ کہنے پر چند روز وحی کا نزول نہ ہوا آپ پر وحی کے نزول کی تاخیر شاق گذری یعنی آپ کا قلب اطہر حزیں ملول ہوا اسی غم میں ایک دفعہ تشریف فرما تھے قریش نے آپ کی تکذیب

کی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ، اس کا رب چھوڑ گیا اور اس سے اس کا خدا ناراض ہو گیا۔

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے یہ لا تقولن کی نہی سے استثنا مفرغ ہے یعنی کوئی شے کسی حال میں نہ کہو مگر اس حال میں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ملابس ہو مثلاً کہا جائے انشاء اللہ تعالےٰ،

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ اختیار اور مشیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے بندوں کے تمام افعال اللہ تعالےٰ کی مشیت پر مبنی ہیں کما قال تعالےٰ

وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَن یشاء اللہ اور تمہاری کوئی مشیت نہیں مگر وہ جو اللہ تعالےٰ کی مشیت ہے وَاذْکُرْ رَّبَّکَ اور اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرو یعنی انشاء اللہ کہا کرو اِذَا نَسِیْتَ جب تم بھول جاؤ پھر بھولی ہوئی بات یاد آجائے گی

حدیث شریف مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا انشاء اللہ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّھْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ ھٰذَا رَشَدًا اور فرمائیے قریب ہے میرا رب تعالےٰ مجھے توفیق بخشے اس چیز کے لیے جو اس اصحابِ کہف کی خبر سے ہدایت کے لحاظ سے زیادہ قریب ہو یعنی ایسے دلائل اور آیات مجھے نصیب ہوں جو میری نبوت پر دلالت کریں رَشَدًا یعنی ایسے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور ایسی رہبری جو انہیں راہ راست عطا فرمائے

ف اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحابِ کہف سے افضل و اعلیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام کے واقعات بھی بتائے وہ انبیاء علیہم السلام اصحابِ کہف سے پہلے گزرے ان کے ساتھ قیامت تک آنے والے واقعات کا بھی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم عطا فرمایا۔

ف سعدی مفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہود نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر اصحاب کہف کے واقعہ کو دلیل بنایا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اصحاب کہف کا واقعہ آسان فرمایا۔ کما قال،

قل عسیٰ الآیۃ ایسے ہی آپ پر حکایت کردہ بیان بھی آسان فرمایا چنانچہ سورۃ کے آغاز میں فرمایا ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم الآیۃ

ف سمرقندی نے بحر العلوم میں فرمایا اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ جب تم کوئی شے بھول جاؤ تو تم اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرو اور اپنے رب تعالیٰ کے یاد کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ بولتے وقت کہے عسیٰ ربی ان یہدین یعنی میرا رب تعالیٰ مجھے ایسی شے کی ہدایت بخشے جو اس بھولی ہوئی سے بہتر اور ہدایت کے لحاظ سے قریب تر اور منفعت و خیر کے اعتبار سے بہتر ہو۔

نکتہ ہر کام سے پہلے انشاء اللہ وغیرہ ضرور کہہ لے اس لیے کہ بسا اوقات انسان کہتا ہے کہ میں کل فلاں کام کروں گا ممکن ہے کہ وہ اس وقت سے پہلے فوت ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ بچ جائے لیکن کوئی ایسا امر مانع ہو جائے جس سے وہ عمل نہ کر سکے اگر انشاء اللہ نہ کہا ہو گا تو اس امر نہ کرنے سے جھوٹا ثابت ہو گا اور جھوٹ نفرت کا سبب ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو کذب جیسی قباحت لائق نہیں اسی لیے فعل سے پہلے انشاء اللہ کہنا چاہیے تاکہ وہ فعل اس سے نہ بھی ہو سکے۔

تو وہ اپنے کیے ہوئے قول سے جھوٹا ثابت نہ ہوا اور نہ ہی وہ نفرت کا موجب بنے گا ۔

واقعہ سلیمان علیہ السلام ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالے نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ میں اپنی ایک سو زوجہ سے وطی کروں گا اور ان میں ہر ایک سے ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا اور ان کا ہر لڑکا مجاہد فی سبیل ہوگا اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی کسی عورت کو کوئی بچہ پیدا نہ ہو سوائے ایک بچہ کے اور وہ بھی ایسا کہ جس کا ایک حصہ کٹا ہوا ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سلیمان علیہ السلام انشاءاللہ فرماتے تو ان کی تمام عورتوں سے بچے پیدا ہوتے ۔

ف جو شخص اپنا کوئی فعل اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ ہر وہ فعل جو اس کی مشیت سے معلق نہ ہو تو وہ فعل لا محالہ خلاف کرتا ہے تاکہ بندوں کو یقین ہو کہ کوئی فعل بھی مشیت الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا

حدیث شریف مومن کے کمال ایمان کی علامت ہے کہ جب وہ اپنے ہر عمل سے پہلے انشاءاللہ کہے ۔

مسئلہ اس عمل کو بیک وقت زبان سے تعلق ہو یا قلب سے یا صرف قلب ہی سے اس لیے کہ زبان سے انشاءاللہ کہنا غیر مفید ہے مثنوی شریف میں ہے ہے

ترک استثناء مرادم قسوتیست

نے ہمیں گفتن کہ عارض حالتیست

اے بسا ناوردہ استثناء بگفت

جان او با جان استثناست جفت

اضحوکہ روضۃ الخطیب کے لطائف میں ایک لطیفہ مذکور ہے کہ ایک شخص گدھا خرید نے جا رہا تھا اس سے کسی نے پوچھا کہاں جا رہے ہو اس نے جواب دیا منڈی سے ایک گدھا خریدنے جا رہا ہوں اسے کسی نیک مرد نے کہا کہ "انشاء اللہ" کہہ لو برکت ہوگی اس نے کہا انشاءاللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے بقدر رقم میرے پاس ہے اور گدھا منڈی میں موجود ہے جاتے ہی خرید لوں گا یہ کہہ کر چلا ابھی منڈی میں پہنچا نہیں کہ جیب تراش نے اس کے پیسے اڑا لیے ۔ مایوس ہو کر واپس لوٹا تو وہی بزرگ کھڑے تھے پوچھا جناب خالی ہاتھ واپس کیوں لوٹ رہے ہو اس نے کہا گدھا منڈی میں پہنچا انشاءاللہ تو میرے پیسے چرا لئے گئے انشاءاللہ ۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے دیر سے بھی انشاءاللہ کہنے پر جواز کا فتویٰ دیتے ہیں بخلاف دوسرے فقہاء کے وہ متصلاً کہنے کے قائل ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول صحیح مان لیا جائے تو کوئی شخص پہلے کسی کے لیے اقرار کر کے دیر کے بعد انشاءاللہ کہے اسی طرح طلاق دے کر پھر دیر سے کہے انشاءاللہ اسی طرح آزاد کر کے پھر دیر سے کہے انشاءاللہ اس طرح نہ کسی

کا صدق معلوم ہو سکے گا نہ کذب اور امور مستقبلہ میں کوئی معاملہ میں صحیح نہ ہو سکے گا۔

سوال آیت قرآنی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تائید ہوتی ہے؟

جواب امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا ہے کہ گناہ سے خلاصی اور برات کے تدارک میں تو استثناء منفصل جائز ہے لیکن وہ احکام جو استثناء سے متغیر ہوتے ہیں تو اس وقت استثناء (انشاء اللہ کہنا) متصلاً ضروری ہے

حکایت امام اعظم رض کے ایک حاسد کی

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں ہے کہ محمد بن اسحاق صاحب یمنازی حضرت امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسد رکھتا تھا ایک دفعہ اس نے ابوجعفر المنصور (خلیفۂ وقت) کے سامنے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو قسم کھا کر خاموش ہو جائے پھر چند لمحات کے بعد کہے (انشاء اللہ) کیا ایسا شخص اپنی قسم سے بری سمجھا جائے گا آپ نے فرمایا نہیں اس لیے کہ اس نے انشاء اللہ دیر سے کہا ہے اگر متصلاً کہتا تو اپنی قسم سے بری الذمہ ہوتا۔ محمد بن اسحاق نے کہا آپ امیر المومنین (خلیفہ وقت یعنی منصور بادشاہ عباسی) کے دادا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی مخالفت فرما رہے ہیں کیونکہ ان کا فرمان ہے کہ اگرچہ ایک سال کے بعد بھی انشاء اللہ کہے تب بھی قسم سے بری الذمہ متصور ہو گا اور ان کی دلیل قرآن مجید میں ہے واذکر ربک اذا نسیت اس سے محمد بن اسحاق کا منصور خلیفہ کو امام اعظم رضی اللہ عنہ پر ناراض کرنا مقصود تھا چنانچہ منصور خلیفہ عباسی نے محمد بن اسحاق کی بات سن کر محمد بن اسحاق سے پوچھا واقعی میرے دادا کا وہی مذہب ہے جو تم نے بیان کیا اس نے کہا بخدا وہی ان کا مذہب ہے جو میں نے بیان کیا اس پر خلیفہ منصور بادشاہ نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے غضب ناک ہو کر سوال کیا کہ آپ میرے دادا کے مذہب کے خلاف کیوں فرماتے ہیں حالانکہ ان کے مذہب کا استدلال قرآنی آیت سے ہے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت قرآنی کا مفہوم اپنی جگہ پر صحیح ہے اور آپ کے دادا کے مذہب کا مرتبہ اپنے مرتبہ پر حق ہے لیکن مجھے افسوس کہ یہی محمد بن اسحاق اور اس کے اور ساتھی آپ کو خلافت کا اہل ہی نہیں سمجھتے اس لیے کہ آپ کی بیعت کر کے جب باہر جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انشاء اللہ اس طرح سے وہ تیری بیعت سے نکل جاتے ہیں کیونکہ ان کے لیے آپ کی بیعت کا حق رہتا ہی نہیں جب انہوں نے انشاء اللہ کہہ دیا خلیفہ منصور نے اپنے خدام کو فرمایا پکڑو محمد بن اسحاق کو چنانچہ محمد ابن اسحاق .... کی گردن میں چادر ڈال کر گرفتار کر لیا گیا بادشاہ نے فرمایا کہ اسے جیل میں ڈال دو چنانچہ عرصہ دراز تک جیل میں رہا ۔

ملزم آمد محمد اسحاق
بتلا شد بنقیض اطلاق

ترجمہ محمد بن اسحاق ملزم ٹھہرا اور نقیض اطلاق یعنی قید میں بتلا کیا گیا

ف اس واقعہ سے امام اعظم امام الملۃ رضی اللہ عنہ کی عظمت واضح ہوئی کہ آپ نے ملت حقہ کے مطابق حق بات کہی۔

وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝

ترجمہ: اور وہ اصحابِ کہف اپنی غار میں تین سو نو برس ٹھہرے اور آپ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے ان کی اس مقدار کو جس میں وہ ٹھہرے اسی اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں آسمانوں اور زمینوں کے جملہ غیب اور وہ کیا ہی خوب جاننے اور سننے والا ہے اس کے سوا ان کا کوئی حامی و مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

تفسیر عالمانہ وَلَبِثُوْا یہ وضربنا علی اذانہم فی الکہف سنین عددا کے اجمال کی تفصیل ہے فِیْ كَهْفِهِمْ اور وہ اصحابِ کہف اپنی غار میں زندہ اور خواب میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

ترکیب ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ، سنین ثلث مِائۃ کا عطف بیان ہے یہ اس کی تمیز نہیں ورنہ کم از کم ان کے ٹھہرنے کی مدت چھ سو سال ہونی لازمی ہے کیونکہ اس کے نزدیک جمع میں کم از کم دو کا ہونا ضروری ہے یہ خلیل کا مذہب ہے اور جمہور کے نزدیک کم از کم جمع میں تین کا ہونا چاہیے اس معنے پر اصحابِ کہف کا غار میں کم از کم نو سو سال ٹھہرنا لازم ہے یہی وجہ ہے کہ جنھوں نے سنین کو عطف بیان مانا ہے تو ان کے نزدیک ماۃ کو منوّن پڑھنا واجب کہا ہے اور ایک قرأت میں ماۃ کو مضاف اور سنین کو مضاف الیہ پڑھنا کہا ہے۔

سوال ماۃ کا مضاف الیہ بھی اس کی تمیز ہوتا ہے اور ماۃ کی ضمیر مفرد آتی ہے نہ جمع؟

جواب ہم مانتے ہیں کہ ماۃ کی ضمیر مفرد آتی ہے لیکن کبھی مفرد جمع کے قائم مقام واقع ہوتی ہے اس لیے کہ ماۃ کی تمیز اگرچہ لفظاً مفرد ہوتی ہے لیکن معنےً وہ بھی جمع ہوتی ہے مثلاً ثلثماۃ دراھم میں اگرچہ درہم لفظاً مفرد ہے لیکن معنےً جمع ہے یہی وجہ ہے الاخسرین اعمالاً کی تمیز جمع قرآن مجید میں واقع ہے اور قرآن پاک سے بلیغ ترین اور کون سا کلام ہو سکتا ہے حالانکہ تمیز کو مفرد ہونا چاہیئے تھا اور یہ جواز صرف اسی لیے ہے کہ اس کے ممیز کی رعایت کی گئی ہے کہ وہ صیغہ جمع الاخسرین ہے تو اس کی تمیز بھی جمع اعمالاً ہونا چاہیے

وَازْدَادُوْا تِسْعًا سے یہاں نو سو سال مراد ہیں اس میں اشارہ ہے کہ پہلا اہلِ کتاب کے اعتقاد کے مطابق تھا اس لیے کہ وہ اپنی گنتی شمسی سال کے موافق رکھتے ہیں اور چونکہ اہلِ عرب کا حساب قمری سال پر چلتا ہے اور قمری سال کے حساب سے نو سال کا اضافہ ضروری تھا اسی لیے وَازْدَادُوْا تسعا فرمایا اور قمری سال میں اضافہ ضروری ہے اس لیے کہ ہر شمسی سالوں پر ایک صدی کے بعد تین سال قمری زائد بنتے ہیں اسی معنے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَازْدَادُوْا تسعاء اور تسعا ازدادوا کا مفعول بہ ہے

ف سال شمسی سورج کے بُرج سے نکل کر اسی برج میں پہنچنے پر مکمل ہوتا ہے وہ تین سو پینسٹھ دن کا ہوتا ہے اور سال قمری بارہ ماہ کو کہتے ہیں اور اس کے تین سو چھپن اور تہائی یوم ہوتے ہیں

ف کاشفی نے کہا کہ شمسی کے پورے تین سو اور قمری کے تین سو دو ماہ اور انیس دن بنتے ہیں

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا بغوی نے فرمایا کہ اصحاب کہف کا غار میں ٹھہرنا اتنی مدت تک تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اگر کوئی ان کے متعلق جھگڑا کرے تو اسے کہو، اللہ ہی جانتا ہے اس مدت کو جتنا قدر وہ حضرات غار میں ٹھہرے اس لیے کہ مخفی امور کا جاننا اللہ تعالیٰ سے خاص ہے[1] اسی لیے فرمایا **لَهٗ** اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے **غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** وہ غیب جو اہلِ ارض سے زمینوں آسمانوں میں پوشیدہ ہے **اَبْصِرْ بِهٖ** کیا ہی جاننے والا ہے ہر موجود کو **وَاَسْمِعْ** اور ہر مسموع کو کیا ہی سننے والا ہے۔

ترکیب شیخ نے تفسیر میں لکھا کہ بہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور وہ محلاً مرفوع اور وہ فعل تعجب کا فاعل ہے اس کی بائزائد ہے اور دونوں فعلوں کا ہمزہ صیرورۃ کا ہے دراصل یہ عبارت بصرہ اللہ وسمع تھی پھر انہیں صیغہ امر کی طرف لایا گیا اور یہ امر کا صیغہ بھی نہیں اس لیے کہ یہاں امر کا معنی بن بھی نہیں سکتا اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ کیا ہی ہر موجود کو دیکھتا اور کیا ہی ہر مسموع کو سنتا ہے

مسئلہ یہاں تعجب کا معنی بھی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تعجب محال ہے بلکہ اس میں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بالمبصرات والمسموعات مدرکین کے ادراک سے باہر ہے اس کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں اور نہ ہی اسے کوئی شے حائل ہو سکتی ہے اس کے آگے لطیف و کثیف اور صغیر و کبیر اور خفی و جلی برابر ہیں۔

ف فار کی تقدیم صرف اس لیے کہ انہی امور کو مسموعی امور کی بہ نسبت آسانی سے سمجھتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ ہر موجود کے ساتھ بصیر اور ہر مسموع کے ساتھ سمیع ہے وہی ہر موجود میں بصر اور ہر شے کا البصر ہے شیخ قیصری رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سمع سے مراد اس کی وہ تجلی ہے جو علم سے متجلی ہو کر مقام جمع الجمع سے کلام ذاتی کی حقیقت سے اور مقام الجمع اور تفصیل میں ظاہراً باطناً کلام اعیانی کی حقیقت سے نہ بطریق شہود متعلق ہوئی اور بصر سے اس کی تجلی اور اس کے علم کا وہ تعلق مراد ہے جو علمی طریق شہود حقائق سے متعلق ہوا اور کلام سے وہ تجلی مراد ہے جو اظہار و ایجاد ماضی الغیب کے لیے ارادہ قدرت کے تعلق سے حاصل ہوئی چنانچہ فرمایا وانما امرہ اذا اراد شیاءً الآیۃ۔

تفسیر عالمانہ **مَا لَهُمْ** یعنی اہل سمٰوٰت والارض کے لیے نہیں **مِّنْ دُوْنِهٖ** اللہ کے ماسوا **مِنْ وَّلِيٍّ** کوئی حاکم جو ان کے جملہ امور کا متولی ہو اور مستقل بالذات ان کی مدد کرے۔

ترکیب اس آیت کا پہلا لفظ من ولی کے متعلق ہے اور دوسرا استغراق کے لیے اب معنی یہ ہوا کہ ان کا کوئی بھی کسی طرح کا

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام علوم غیبیہ جاننے کے بعد مامور من اللہ ہوتے ہیں کہ وہ غیروں کو یہی جواب دیں لیکن وہابیہ دیوبندیہ نے اس راز کو نہ سمجھتے ہوئے نبی کریم علیہ السلام پر لاعلمی کی تہمت لگا دی۔ ۱۲۔ اویسی غفرلہٗ

مدد گار نہیں۔

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا اور اللہ تعالیٰ موجودات علویہ وسفلیہ میں کسی ایک کو بھی اپنے حکم یعنی قضا ازلی میں ہمیشہ تک اپنی ذات عالی کا شریک نہیں کرتا اس لیے کہ اس کی عزت کسی کی محتاج نہیں اور نہ ہی وہ اپنے غناذاتی میں کسی کی ضرورت رکھتا ہے۔

ف امام نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت بتائی ہے اب کسی کے لائق نہیں کہ اس کے برعکس کلام کرے

تفسیر صوفیانہ

بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ یہ امور مدبرہ جو آسمان وزمین کے درمیان نازل ہو کر رات اور دن میں فی الواقع حادث اور جاری اور مظاہر کے ہاتھوں ظاہر ہوتے ہیں ان کے اسباب خارج میں ہیں یہ اتنا پختہ اور مضبوط ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں نہ کوئی تبدیل کر سکتا ہے اور نہ یہ تغیر پذیر ہیں اس لیے کہ یہ وہ مقادیر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مقدر و مدبر فرما کر ایسا مضبوط بنایا کہ کسی کو طاقت نہیں کہ اس کے مثبت امر کو محو اور اس کے محو شدہ امر کو مثبت کر سکے کما قال تعالیٰ يمحو الله ما يشاء ويثبت اس کے ماسوا کو سوائے رضاء و تسلیم کے کوئی چارہ کار نہیں کیونکہ اس کی قضاء قدر میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں۔

حدیث قدسی میں نے جملہ مقادیر کو مقدر اور جملہ امور کو مدبر فرمایا اور میں نے اپنی جملہ مصنوعات کو محکم اور مضبوط فرمایا جو اس سے راضی ہے تو اسے میری رضا نصیب ہو گی یہاں تک کہ اسے میرا دیدار نصیب ہوا اور اس سے راضی نہیں تو اسے میرا غضب نصیب ہو یہاں تک کہ قیامت میں میرے ہاں حاضر ہو

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ع

رضا بداده بده وز جبین گره بگشای
که بر من و تو در اختیار نگشاده است

ترجمہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے پر راضی ہو اس سے چین بجیں بھی نہ ہونا اس لیے کہ اس نے ہم پر اختیار کا دروازہ نہیں کھولا۔

نیز فرمایا ؎

در دائرۂ قسمت با نقطۂ تسلیم
لطف آنچہ تو اندیشی حکم آنچہ تو فرمائی

ترجمہ تیری تقسیم ازل سے ہم تسلیم خم کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا وہ ہمارے لیے لطف ہے حکم تیرا ہے تو جس طرح چاہے

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے حکم و قضا پر اعتراض نہ کرے بلکہ اس کے ہر حکم پر راضی برضا ہو کر سر

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○

ترجمہ اور آپ تلاوت کریں وہ کتاب جو آپ کے ہاں آتاری گئی ہے اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے اور تم اس کے سوا ہرگز پناہ نہ پاؤ گے

بقیہ صفحہ

تسلیم خم کرے اس کی تقدیر کے سامنے تدبیر کیسی

الہامی کلام کسی بزرگ نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اے اپنے نفس کے غم میں مبتلا ہونے والا تو کون لگتا ہے ایسے فکر کرنے والا تجھے چاہیے کہ تو اپنے جملہ امور میری طرف سپرد کر دے اور اپنی تمام تدبیریں خاک میں ملا دے بلکہ ہماری ہر تدبیر کے سامنے سر جھکا دے اس میں کسی قسم کا معارضہ نہ کر۔ تو ہر طرح سے راحت و فرحت پائے گا

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل و کرم سے اس طرح بنائے آمین۔

ف یہ مرتبہ بہت بڑا بلند قدر ہے اسے صرف افراد اولیاء حاصل کرتے ہیں جو اپنے سے نفس کے جھگڑے ختم کر ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے ہر حالت میں تسلیم و رضا کی عادت بنائے رکھتے ہیں۔

سبق ایسے لوگ اگرچہ ناپید ہو گئے ہیں لیکن ہمیں ایسے مراتب حاصل کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے ممکن ہے ہمیں بھی ایسے مراتب نصیب یا ایسے کاملین کا دامن نصیب ہو جائے جن کی برکت سے ہمیں بھی رضائے الٰہی سے حصہ نصیب ہو جائے

تفسیر عالمانہ

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ کتاب سے قرآن مجید مراد ہے قرآن مجید کی تلاوت سے تقرب الٰہی اور اس کے مطابق عمل کرنا اور اس کے اسرار سے مطلع ہونا مطلوب ہے یعنی آپ اسی کتاب الٰہی کی تلاوت کیجیے جو آپ کو وحی کے ذریعے ملی کفار کے اس قول کو دھیان میں بھی نہ لائیے جو کہتے ہیں ائت بقران غیر ھذا او بدلہ یعنی اس کتاب کا کوئی غیر قرآن لائیے یا اسے تبدیل کیجیے

فرق ما بین التلاوۃ و القرأۃ قرآن مجید کو درست اور اوامر و عظمت کے مطابق پڑھنے کو تلاوت اور قرأت اعم ہے اس لیے کہ قرأت جمع الحروف باللفظ کو کہا جاتا ہے اس میں اتباع ضروری نہیں۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ اس کو متبدیل اور متغیر کرنے پر کسی کو قدرت نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: واذا بدلنا ایۃ مکان ایۃ اور جب ہم ایک آیت کو دوسری آیت کے عوض بدلتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آیت لامبدل لکلمتہ عام مخصوص عنہ البعض ہے وَلَنْ تَجِدَ اور تم ہرگز نہیں پاؤ گے اگرچہ

عمر بھر تک جدوجہد کرو ﴿وَمِنْ دُوْنِهٖ﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا ﴿مُلْتَحَدًا﴾ جائے پناہ یعنی ہر ایسا شخص جس کے ہاں مصائب و تکالیف کے نزول کے وقت پناہ لی جائے

ف شیخ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ اگر بالفرض محال تم قرآن کی تبدیل و تغییر کا ارادہ کرو تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پاکر کوئی ایسی جائے پناہ نہیں پاؤ گے جہاں پہنچ کر عذاب الٰہی سے بچ سکو

مسئلہ جیسے قرآن مجید کے الفاظ ہمیشہ ہمیشہ تک تغیر پذیر نہیں ایسے ہی ان کے احکام تبدیل نہیں ہوں گے لیکن افسوس ہے جدید روشنی (دور حاضرہ) کے ماڈرن مسلم پر جس نے انگریزوں کی بکواس کی تقلید میں کہا کہ قرآن اور اس کے احکام اور اس کا پیش کردہ نظام فرسودہ ہے حالانکہ قرآن کا اعلان ہے کہ اس کے احکام دائمی اور ہر زمانہ کے عین مطابق ہیں اس میں کسی دور میں نہ کمی ہوسکتی ہے نہ زیادتی۔ اس لیے کہ قرآن مجید معانی سمیت اللہ تعالیٰ کے بندوں میں محفوظ ہے نہ اس کے الفاظ میں تبدیلی آئی اور نہ آسکتی ہے اسی طرح معانی اور احکام کو سمجھئے لیکن اس کے حاملین (بعض مسلمان ماڈرن قسم) میں ضرور تبدیلی ہوئی ہے (جیسے ہمارے دور میں بہت سے بدقسمت اس کو فرسودہ نظام اور پرانی کتاب کہہ کر بعض صراحۃً اور بعض عملاً یعنی غیروں کے نظام کو ترجیح دے کر اس کے قواعد وضوابط اور احکام سے منہ موڑ کر) اسی لیے قدرت نے قانون بنایا ہے کہ جب قرآن کے احکام اور اس کی تلاوت و قرأت وغیرہ سے بے پرواہی برتی جائے گی تو اسلام کے دعویٰ کے باوجود ان پر جہالت چھا جائے گی جیسے آج ہمارے دور کے مہذب انسانوں کا حال ہے کہ عوام کی نظروں میں پڑھا لکھا لیکن قرآن کی تعلیم سے ازسرتاپا جہل۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

حکایت حضرت ابراہیم ادہم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ایک پتھر سے گزر ہوا جس پر لکھا تھا کہ مجھے الٹ دے اس میں تیرا بھلا ہے میں نے اسے الٹا تو اس پر لکھا تھا کہ تم اپنے پڑھے ہوئے پر بھی عمل نہیں کرتے تو جس کا تمہیں علم نہیں اسے کیسے طلب کرتے ہو مع

گر ہمہ علم عالمت باشد
بے عمل و مدعی و کذابی

ترجمہ اگرچہ جملہ علوم کے عالم بن جاؤ بے عمل ہو تو صرف علم کے مدعی کذاب ہو۔

جاہل صوفیوں کا رد مبتدع جاہل صوفیوں کا ایک گروہ ہے جو اپنے آپ کو الہامیہ کہتے ہیں وہ علم و عمل اور درس و تدریس علوم کو کچھ نہیں سمجھتے الٹا علم و قرآن کو حجاب اکبر کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بزرگوں کے اشعار ہی قرآن ہیں اسی لیے قرآنی تعلیم کو چھوڑ کر اشعار پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں وہ خود بھی برباد ہوئے اور اپنے مقلدین کو بھی تباہ و برباد کرتے ہیں حضرت کمال خجندی نے فرمایا ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلاں ز کلام حقت ملولی چیست

ترجمہ افسوس ہے کہ قرآن سننے سے تیرا جی گھبراتا ہے باطل لوگوں میں تو نے اپنا وقت دیا اس لیے کہ تجھے حق کے کلام سے ملال آتا ہے

کچھ یہی حال ہمارے دور کے تصوّف کے بعض مدعیوں اور جاہل پیری مریدی کا دھندا کرنے والوں کا ہے کہ وہ علوم عربیہ اور قرآنی تعلیم سے خود بھی جاہل ہیں اور الٹا اپنے متعلقین اور مریدین کو علما اسلام سے منحرف کرتے کراتے بلمہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے اور شرعی امور کو مولویّت سے تعبیر کرتے ہیں (اویسی غفرلہ)

رُوحانی نسخے بیمار قلب کا زنگ اتارنے اور اسے تندرستی بخشنے والے پانچ نسخے یہ ہیں

۱ تدبّر کے ساتھ قرآن کی قرأت

۲ باطن (پیٹ) کو خالی رکھنا

۳ قیام اللیل

۴ بوقت سحر تضرّع الی اللہ

۵ نیک لوگوں کی صحبت جس نے ان امور سے شہوت نفسانی اور خواہش طبعی کے تحت روگردانی کی تو وہ مرض روحانی میں مبتلا رہے گا بلکہ ہلاکت وتباہی سے بچنے کے لیے اس کی کوئی جائے پناہ نہیں۔

سبق اے خدا تعالیٰ کے احکام کی توہین کرنے والو! ذرا سوچو اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی تمہارا ماویٰ ملجا نہیں جب یہ کیفیت ہے تو پھر قرآنی تعلیم سے منہ موڑ کر لایعنی اشعار میں کیوں مشغول ہو رہے ہو بالخصوص ایسے اشعار جو شہوانی باتوں کو ابھارنے والے ہوں حالانکہ تیری روحانیت کی غذا قرآن مجید ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تیرے ہاں بھیجا اور فرمایا کہ اس پر عمل کرو اس وقت تیرا کیا حال ہو گا جب مقربین بھی خوف الٰہی سے سر جھکائے ہوئے گھٹنوں کے بل چلیں گے شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

دراں روز کز فعل پُرسند وقول

اُولُوالعزم را تن بلرزد زھول

بجائے کہ دہشت خورد انبیاء

تو عُذرِ گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ اس دن کو فعل و قول کا سوال ہو گا اس وقت اُولوالعزم پیغمبروں کو لرزہ ہو گا اس وقت انبیا علیہم السلام بھی دہشت زدہ ہوں گے گناہوں کے لیے کوئی عذر بنا

سبق لازم ہے کہ اسی عالم دنیا میں کسی عالم دین سے قرآن مجید اور اس پر عمل کرنے کی کیفیت اور حقائق تک پہنچنے کے راستے سیکھ لیں اس لیے کہ قرآن مجید نسخہ الٰہیہ ہے اور یہ علوم اولیاء وانبیاء کا جامع ہے جو بھی کسی گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے نوجوان ہو یا بوڑھا اسے گھر کے دروازے سے داخل ہونا ضروری ہے چونکہ مدینۃ [illegible] کا

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ
عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ
وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا○

ترجمہ اوران سے اپنا جی لگاؤ جو صبح وشام اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں صرف اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمھاری نگاہیں انہیں چھوڑ کر دوسروں پر نہ پڑیں تم حیوۃ دنیا کی زینت چاہو گے اوراس کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کا تابعدار ہوا اوراس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے

بقیہ صفحہ

قرآن مجید دروازہ ہے اسی لیے یہ ہر انسان کو سیکھنا لازمی ہے

مسئلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو نماز میں کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو اسے ایک لفظ کے عوض سو نیکی اور اگر نماز میں بیٹھ کر پڑھتا ہے تو اسے پچاس نیکی اور اگر نماز سے باہر باوضو ہو کر پڑھتا ہے تو اسے پچیس نیکیوں جو بے وضو ہو کر پڑھتا ہے تو اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

تلاوتِ قرآن مجید کا طریقہ افضل یہ ہے کہ قرآن مجید کو باوضو اور قبلہ رُو ہو کر پڑھے اور پالتی لگا اور سہارا لگا کر لیکن متکبرین کی طرح بیٹھ کر نہ پڑھے بلکہ ایسے بیٹھے جیسے کسی معزز و محترم شخصیت کے سامنے بیٹھا جاتا ہے۔

مسئلہ الاشباہ میں ہے کہ قرآن مجید کو پڑھنے کی بجائے سننے میں زیادہ ثواب ہے

مسئلہ عجیبہ بعض لوگوں کی عجیب عادت ہے کہ بعض مساجد و مجامع میں نماز کے بعد آیۃ الکرسی آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں یہ اچھا نہیں کرتے اس لیے کہ ان میں بعض ان پڑھ ہوتے ہیں انہیں آیۃ الکرسی پڑھنے کے بجائے سننے کا ثواب تو مل جاتا ہے اگر کوئی ان میں اسے جہر سے پڑھتا مؤذنین پر لازم ہے کہ وہ نماز باجماعت کے بعد آیۃ الکرسی جہر سے پڑھیں تاکہ سننے والے زائد ثواب سے بہرہ ور ہوں صاحبِ انصاف میری اس تجویز سے اتفاق کرے گا البتہ غلط کار شخص بجائے اس تجویز سے اتفاق کے مذاق اڑائے گا

اویسی غفرلہٗ صاحبِ روح البیان کی تجویز نہ صرف موزوں بلکہ احسن ہے کہ اس طرح تمام نمازی بہت بڑے ثواب سے بہرہ ور ہوں گے لیکن مناع للخیر ٹولے اسے رائج نہیں ہونے دیں گے بلکہ حسب عادت عوام کو ڈرا دھمکا کر بدعت کے فتویٰ سے نوازیں گے ۔ میرا خیال ہے کہ اسے صرف امام صاحب پڑھیں باقی خاموش رہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ اور اپنے آپ کو مضبوط رکھیے اور دوستی پر ثابت رہیے مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب تعالیٰ کو صبح و شام الغداۃ دن کے پہلے حصہ کو اور العشی دن کے آخری حصہ کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں ہر دونوں سے دوام مراد ہے یعنی وہ لوگ ہر وقت اپنے رب سے دعا میں مصروف رہتے ہیں یا الغداۃ توفیق و تیسیر اور العشی سے عنوِ تقصیر کی طلب مراد ہے

شان نزول کفار کے لیڈروں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم آپ کے ہاں اس وقت تک حاضر نہیں ہوں گے جب تک آپ صہیب عمار خباب رضی اللہ عنہم جیسوں کو اپنے سے نہ ہٹائیں اس لیے کہ ہمیں ان کے کپڑوں سے بھیڑوں کی سی بدبو آتی ہے اور ہم ان سے ایذا پاتے ہیں اگر ہم مسلمان ہو گئے تو بہت سے لوگ مسلمان ہو جائیں گے ہمیں آپ کے اسلام سے یہی لوگ رکاوٹ کا سبب ہیں اس لیے کہ یہ لوگ رذیل ترین ہیں اور ہم رذیلوں کے ساتھ نہیں گذار سکتے ہیں یاد رہے کہ ایسے ہی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے کافروں نے کہا۔ کما قال تعالیٰ ۔ انؤمن لك واتبعك الارذلون کیا ہم ایمان لائیں حالانکہ آپ کے تابعدار رذیل ترین لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت نہ بخشی کہ فقراء آپ سے دور ہوں اگرچہ سارے کفار مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں

سوال اہم کو چھوڑ کر ایک معمولی امر کو کیوں ترجیح دی گئی اس لیے کہ فقراء کو ہٹا دینے سے زیادہ سے زیادہ غمگین ہو جاتے تو کیا ہوا اس سے بہت بڑے کفار مسلمان ہو جاتے اور ان کا مسلمان نہ ہونا اسلام کا ایک عظیم نقصان ہے ۔

جواب غریب مسلمانوں کو ہٹا کر کافروں کو مجلس نبوی میں بٹھانا کوئی فائدہ نہیں تھا اس لیے کہ ان کا ایمان خالص نہیں تھا بلکہ وہ منافقت سے داخل اسلام ہوتے اور منافقت کی قباحت اسلام کے لیے ضرر عظیم تھا اسی لیے ان کے اسلام کو وقعت نہیں دی گئی (کذا فی تفسیر الامام)

نکتہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقراء مسلمانوں کا ایمان یقینی اور کفار کا ایمان موہومی تھا ایک ظنی امر کو یقینی معاملہ پر ترجیح دینا شانِ نبوت کے خلاف تھا اس لیے کہ اس میں گناہ کا بھی شائبہ تھا اور نبوت ایسے شائبوں سے بھی منزہ اور پاک ہے علاوہ ازیں فقراء کو ہٹا کر امیروں کو ترجیح دینا بادشاہوں کا شیوہ ہے اور یہ ظاہر ٹھاٹھ قسم کے لوگوں کا کام ہے اور بزرگوں کا یہ شیوہ نہیں بلکہ وہ ایسے طریقوں سے پناہ مانگتے ہیں اس لیے کہ ان کی نگاہ بواطن واسرار قلبی پر ہوتی ہے

يُرِيۡدُوۡنَ وہ فقراء اپنی دعاؤں ارادہ رکھتے ہیں وَجۡهَهٗ اللہ تعالیٰ کی ذات کا یہ یدعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی دعا سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں ان کا اس کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں دنیا کے اغراض تو انہیں ہیں نہیں ۔

ف اس معنے پر مجازاً وجہ بمعنے رضائے الٰہی ہے اس کی مناسبت یہی ہے کہ رضا و خوشنودی چہرے سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح ناراضگی بھی ۔ (کذا فی الحواشی الحسینیہ علے التلویح)

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ اور ان سے اپنی نظر عنایت ہٹا کر دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہو یہ عدا الامر وعدہ بمعنے جاوز سے مشتق ہے (کذا فی القاموس) یعنی عدا کا فعل عن کے بغیر اور عن کے ساتھ مستعمل ہو تو معنی باوز کے ہوتا ہے اسی معنے پر عیناك ۔ لا تعد کا فاعل ہے اس سے آنکھوں والا خود مراد ہے۔

مسئلہ سا ہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو امراء کے ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر فقراء کے پھٹے پرانے لباس کی وجہ سے تحقیر سے روکا گیا ہے

ف حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے کہ آپ ان غرباء کے ساتھ گذاریں کہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر تکالیف برداشت کیں اور محبوبانہ انداز سے زجر فرمائی تاکہ مزید تنبیہ ہو کہ وہ حضرات خصوصی مقام کے حامل ہیں کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں زندگی بسر کرتے ہیں فلہٰذا ان کی دوستی سے جدا نہیں ہونا چاہیئے ۔ اسی لیے ان کے لیے واجب ہے کہ ان سے لمحہ بھر بھی توجہ نہ ہٹائی جائے یہ ان حضرات کی فقر و فاقہ میں گزارنے کی دنیوی جزا ہے ۔

تُرِيْدُ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیا ارادہ کر رہے ہیں زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا حیوٰۃ دُنیا کی زینت کا آپ کیا چاہتے ہیں کہ آپ کو دولت مندوں کی صحبت اور دوستی میسّر ہو اور فقراء کی مجلس سے دُوری اور یہ عیناك کے کاف سے حال ہے زینت کو حیوٰۃ الدنیا کی طرف مضاف کرنے میں اس کی تحقیر اور اس سے تنفیر مطلوب ہے

ف کاشفی نے لکھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حیوٰۃ دنیا کی زینت سے کوئی نسبت نہیں اور نہ ہی آپ کو اس طرف توجہ تھی اب مطلب یہ ہوا کہ آپ ایسے عمل نہ کیجیے جو مائل بہ زینت دنیا ہوں اور ایسے عمل نہ کیجیے جو فقراء سے روگردانی کرنے والے اور اغنیاء سے وابستگی پیدا کرنے والے ہوں ۔

ف زبدۃ التفاسیر میں ہے کہ صیغہ حال بمعنے مستقبل ہے اس سے حضور علیہ السّلام کی ذاتِ اقدس کا ارادہ زینت حیوٰۃ الدنیا مطلوب نہیں اس لیے کہ آپ نے تو دنیا اور اس کی زینت سے نہ صرف پورے طور احتراز فرمایا بلکہ اپنی اُمت کو دنیا اور اہل دنیا سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے ۔ کما قال تعالےٰ

لا تجالسوا الموتیٰ یعنی مُردگان کے ساتھ نہ بیٹھو الموتیٰ سے اغنیاء و اہلِ دنیا مراد ہیں ۔

وَلَا تُطِعْ اور اپنی مجلس سے فقراء کو ہٹا کر اطاعت نہ کیجیے مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ان کی جن کے دل کو ہم اپنے ذکر سے خالی کر دیا ہے

ف جو شے امور کی حقیقت کی واقفیت حاصل کرنے سے انسان کو روک دے اسے عربی میں غفلۃ کہتے ہیں یعنی میں نے

اس کے قلب کو فطرۃ اُولیٰ میں ذکر سے غافل اور توحید سے محروم رکھا جیسے قریش عرب کے لیڈروں کو دیکھ لیجیے ان کا یہی حال تھا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ عربی میں الهوٰی بمعنے نفس کی آرزو یہ ھداہ کا مصدر ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے محبت کرے اور اسے چاہے پھر ہر اس شے کو کہا گیا جس سے محبت اور اس کی نفس کی خواہش ہو خواہ وہ شے محمود ہو یا مذموم لیکن اس کا استعمال مذموم پر ہوتا ہے فلان اتبع ھوىٰہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی مذمت کرنا مطلوب ہو اسی محاورہ سے ہے جو کہا جاتا ہے فلان من اھل الھوٰی یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو عملاً سنّتِ نبوی کے خلاف دوسری راہ اختیار کرے خلاصہ یہ کہ جو بندہ شریعت مطہرہ کے خلاف جو چاہے عمل کرے اور اس کی پیروی کرے جو اس کے نفس کی خواہش ہو اور اسی سے اس کا نفس لذّت پائے۔

نکتہ کبھی فعل کا اسناد بندے کی طرف ہوتا ہے اس معنے پر کہ اس فعل کا اقتران اسی بندے سے ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے اتبع ھواہ اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی ایجاد و تخلیق کی وجہ سے فعل کا اسناد ہوتا ہے اسی سے ہے اغفلنا۔

وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا قاموس میں ہے کہ الفرط بضمتین بمعنے الظلم والاعتداء والامر المجاوز فیہ عن الحد یعنی ظلم و اعتداد اور وہ اَمر جو حد سے متجاوز کیا گیا ہو اسے عربی میں فرط سے تعبیر کرتے ہیں یعنی اس کا معاملہ حق و صواب سے متجاوز ہو یعنی اس نے حق اور صواب کو پسِ پشت ڈال دیا فرس فرط بھی اسی محاورہ سے ہے یہ اسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو تیز رفتاری میں دوسرے گھوڑوں کو اپنے پیچھے چھوڑ جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان کا معاملہ یعنی نفس کی تابعداری ہلاکت اور خسارے کی موجب ہوئی آیت میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کے قلوب ذکر الٰہی سے غافل ہوئے اور حق باقی سے روگردانی اور باطل فانی میں مشغول ہونے کی وجہ سے ان میں یہ استعداد پیدا ہوئی اور تنبیہ کی گئی ہے کہ انسانوں کا وقار اور اس کی بزرگی نفس کو نیک اخلاق سے سنوارنے اور قلب کے جلاء اور روشنی اور باطن و سرائر کو پاکیزہ رکھنے میں ہے نہ جسم کو زیب و زینت دینے اور اچھی صورت بنانے اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ سنوارنے میں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرّہٗ نے فرمایا ؎

قلندران حقیقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ قلندر اس شخص سے جو کے عوض بھی قبائے اطلس نہیں لیتے جو شخص ہنر سے خالی ہے

حضرت جامی قدس سرّہٗ نے فرمایا ؎

چہ غم منفعت صورت اہل معنے را
چو جان زرومر بود گو تن از حبش محاباش

ترجمہ اہل معنے کو ظاہری شکل کی کمی کا کوئی غم نہیں ہوتا جب روح رومی یعنی اعلیٰ ہو تو شکل حبشی یعنی بدصورت ہو تو کیا حرج ۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ تمھارے احوال اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے یعنی اگر تمہیں اعمال صالحہ اور قلوب صحیحہ نصیب ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو گے تمھاری صورتیں اموال بہتر ہوں یا نہ اگر اعمال صالحہ اور قلوب صحیحہ نصیب نہیں تو تمھاری اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی وقار نہیں صورتیں کتنا حسین کیوں نہ ہوں اور اگرچہ اموال کو بھی فراوانی ہو یہی ظاہر و باطن کے احکام ہیں

حکایت خلیل با جبریل علیہ السلام جب اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عہدۂ خُلّة بخشا یعنی انہیں اپنا خلیل بنایا تو فرشتوں نے عرض کی یا اللہ : تو نے انھیں اپنا خلیل کیسے چن لیا حالانکہ وہ تو شب و روز اپنی زندگی آل و اولاد اور مال و اسباب اور گھریلو معاملات میں مشغول رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بندے میں مال و اسباب اور اس کی شکل و صورت کو نہیں دیکھتا بلکہ میری نظر ان کے قلوب اور اعمال پر ہوتی ہے اور میرے خلیل علیہ السلام کو میرے سوا کسی شے کی طرف توجہ ہی نہیں آزما کر دیکھ لو حضرت جبریل علیہ السلام بشری بھیس بدل کر حضرت خلیل علیہ السلام کے بارہ پالتو کتے تھے جو آپ نے انہیں شکار اور حفاظت کے لیے رکھا ہوا تھا ہر ایک کتے کے گلے میں سونے کے طوق تھے اس سے بتانا مطلوب تھا کہ ان کی نگاہ میں دنیا کی کوئی وقعت نہیں

حضرت جبریل علیہ السلام : السلام وعلیکم

حضرت خلیل علیہ السلام : وعلیکم السلام

جبریل علیہ السلام : جناب یہ مال و اسباب کس کا ہے

خلیل علیہ السلام : اللہ کا مال ہے میرے ہاں چند روز کے لیے ملکیت بنایا گیا ہے

جبریل علیہ السلام : کیا آپ انھیں بیچیں گے

خلیل علیہ السلام : آپ میرے مالک کا ایک بار نام لیجیے تہائی مال آپ کو پیش کروں گا ۔

جبریل علیہ السلام نے پڑھا، سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح ۔

خلیل علیہ السلام نے فرمایا اس کا تہائی مال آپ کے قبضہ میں میں نے دے دیا اگر آپ دوبارہ میرے آقا کا نام لیں تو تہائی مال اور لے لیں اسی طرح سہ بارہ لیں تو سالم مال آپ کا اگر چوتھی بار نام لیں گے تو اپنے آقا کے نام پر میں آپ کا غلام بے دام ہوں گا ۔ جبریل علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا میرے خلیل علیہ السلام کو کیسے پایا عرض کی یا اللہ واقعی وہ تیرا خلیل ہے جب جبریل علیہ السلام جانے لگے تو خلیل علیہ السلام نے اپنے نوکروں سے فرمایا کہ تمام مال و اسباب اس جانے والے کے پیچھے لگا دو جبریل علیہ السلام نے عرض کی میں آپ کی آزمائش کے لیے حاضر ہوا تھا میں جبریل علیہ السلام

ہوں خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی یا اللہ اب اس مال سے کیا کروں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے بیچکر زمین
جاگیر وغیرہ خرید کراسے وقف کر دیجیے چنانچہ ایسے ہی کیا گیا آج تک وہی اوقاف حضرت خلیل علیہ السلام کے مزار مبارک
پر چل رہے ہیں اور فقرا و مساکین خلیل علیہ السلام کے لنگر سے پل رہے ہیں

ذکر الٰہی کے اسباب ذکر الٰہی کی قدر و قیمت اللہ والوں کو معلوم ہے دیکھئے خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر تمام مال
والباب قربان کر دیا

سبق عشاق پر لازم ہے کہ وہ تا دو تقدیر کے ذکر میں کوشش کریں اس لیے کہ علام الغیوب کا ذکر قلوب کا صیقل ہے۔
حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش
چہ سود اگرچہ کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
بیا بصیقل توحید ز آئینہ بزدا
غبار شرک کہ ناپاک گرد داز زنگار

ترجمہ اگر تو اپنا چہرہ دیکھنے کے بہترین آئینے گھر میں رکھتا ہے تو کیا فائدہ تمہیں چاہیے کہ دل کے زنگ کو توحید
کے صیقل سے صاف کرو۔

کلمہ لاالٰہ الااللہ روحانی صیقل ہے اہل تحقیق نے فرمایا کہ جب کافر لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو اس کے دل سے
کفر و شرک کا زنگ اتر کر اس کے اندر توحید کا نور چمکتا ہے۔ اور جب مومن کلمۂ
توحید کہتا ہے تو اس کے قلب سے نفس کی ظلمات مٹ کر نور واحدیت جگمگاتا ہے اگر اسے ہزار بار روزانہ پڑھے تو ہر دوسری
بار میں پہلی بار کہنے والی چمک میں اضافہ ہوگا اس لیے کہ علم باللہ کی کوئی انتہا نہیں۔

حدیث شریف حلقۂ ذکر میں ایک لحہ بیٹھنا ہزار سال کی عبادت سے افضل ہے (کذا فی مجالس حضرت الهدائی)

حلقۂ ذکر کی فضیلت : ذکر الٰہی خود حضور یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے بلکہ اسے مقام نور کا مشاہدہ کراتا ہے
حضرت عارف رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

آدمی دیدست باقی پوست است
دید آن دید کہ دید دوست است

ترجمہ آدمی صرف دید کا نام ہے باقی اس کا سب کچھ پوست ہے دید بھی وہ جو دوست کو دیکھے۔
اے اللہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے نور جمال کو دیکھتے اور وہ جو تیرے شرف جمال سے مشرف ہوتے ہیں۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ○

ترجمہ اور فرمایئے کہ حق تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے بے شک ہم نے ظالموں (کافروں) کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان کی ایسے پانی سے فریاد رسی ہوگی جو پگھلی دھات کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو بھون دے گا کیا ہی برا پینا ہے اور دوزخ کیسی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے

تفسیر عالمانہ وَقُلِ اور آپ غافلوں اور خواہش نفسانی کے پرستاروں سے فرمایئں اَلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ حق تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ وہ جو تمہارے نفسوں کے تقاضے ہیں اس لیے تمہارے نفس کے تقاضے مبنی بر باطل ہیں یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو کچھ میری طرف سے وحی کے ذریعہ آیا ہے یہی حق ہے اور تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے جب حق اللہ تعالیٰ سے آیا ہے اب تمہارا اس میں ٹال مٹول کرنا بے سود ہے البتہ اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے تمہاری مرضی نجات چاہو یا تباہی اور بربادی

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خوشخبری اور ڈراونی خبریں اور ارباب سعادۃ کو سلوک کے راستوں کا اظہار اور اہل شقاوت کو مہالک سے احتراز کا بیان منجانب اللہ ہے فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن اہل سعادۃ میں جو چاہے ایمان لائے وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اور اہل شقاوت سے جو چاہے کفر کرے

تفسیر عالمانہ الارشاد میں ہے کہ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن یعنی اہل ایمان کی طرح ایمان لائے میں کسی قسم کی حجت بازی نہ کرو وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ اگر اہل کفر کی طرح حجت بازی کرو گے تو مجھے کوئی غرض نہیں چاہے کوئی ایمان لائے یا کفر کرے اے کافرو! میں تمہاری وجہ سے مخلصین مومنین کو اپنے سے دور نہیں ہٹا سکتا صرف اسی خیال پر کہ تم ایمان لاؤ جب کہ حق کے واضح اور اس کے جملہ امور ظاہر ہو چکے ہیں

ازالہ وہم: آیت ہذا میں کفر و ایمان کا اختیار نہیں بلکہ تہدید اور وعید سنائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ تمہارا ایمان نفع دیتا ہے اور نہ کفر نقصان پہنچاتا ہے ایمان لاؤ یا کفر کرو یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے لیکن یاد رکھو کہ اگر کفر کرو گے تو تمہیں سخت عذاب میں مبتلا ہونا ہوگا اور اگر ایمان لاؤ تو تمہیں بڑا بہترین ثواب نصیب ہوگا۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمۃ)

دلیل دیگر: آیت مذکورہ کا مضمون آیت ان تکفروا فان اللہ غنی عنکم ولا یرضی لعبادہ الکفر وان تشکروا یرضہ لکم سے مؤید ہے یعنی اگر تم کفر کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان سے مستغنی ہے اور وہ اپنے

بندوں کے کفر سے راضی نہیں اگرچہ بعض بندوں کے کفر کے ساتھ اس کا ارادہ متعلق ہوچکا ہے لیکن رحمت کی وجہ سے ان کے کفر سے راضی نہیں اس لیے کہ کفران کے لیے ضرر رسان ہے اور اگر شکر گزاری کے طور ایمان لاؤ تو وہ تمہارے ایسے شکر کو پسند کرتا ہے

بحر العلوم کا بیان بحر العلوم میں لکھا ہے کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ اگر تم میں کوئی ایمان لانا چاہتا ہے تو اسے لازم ہے کہ وہ اپنی طاقت اور ارادے کو حصول ایمان کے لیے صرف کرے اور ایمان کا معنٰے یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی طرف سے آئے ہوئے جملہ احکام کو دل سے مانے اور کفر کرنا چاہتا ہے تو بڑی خوشی سے کرے مجھے کسی کی پرواہ نہیں

مسئلہ آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنے ایمان وکفر کا خود مختار ہے وہ جس طرح چاہے کرے اس لیے کہ بندے کا ارادہ اور اختیار ہر دونوں ایسے افعال ہیں کہ وہ بیک وقت تخلیقاً اللہ تعالٰی اور کسباً بندے سے متعلق ہیں اسی طرح بندے کے جملہ افعال اختیاریہ جیسے نماز، روزہ وغیرہ کو سمجھیے اس لیے کہ افعال اختیاریہ اللہ تعالٰے کی تخلیق اور بندے کے کسب کے بغیر صادر نہیں ہو سکتے یہی مذہب حق اہلسنت کا ہے جو جبر و قدر کے درمیان ہے اگر ہم بندے کے اختیار کو درمیان میں دخل نہ دیں تو اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اس جیسی آیات کا معنی درست نہیں رہتا۔

اعتدنا بمعنے ھیئانا یعنی ہم نے تیار کر رکھی ہے نارا بہت بڑی سخت پہنچانے والی آگ اَحَاطَ بِهِمْ جو انہیں گھیر لے گی۔

سوال مستقبل کی بجائے ماضی کا صیغہ کیوں؟

جواب جس فعل کے وقوع میں تحقق ہوتا ہے وہاں فعل مستقبل کے بجائے فعل ماضی لایا جاتا ہے

سُرَادِقُهَا بمعنے فسطاط یعنی خیمہ آگ کو خیمہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے خیمہ شے کو گھیر لیتا ہے ایسے ہی آگ بندے کو قیامت میں گھیر لے گی۔

ف بحر العلوم میں ہے کہ سرادق ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو خیمے کے گرد ہوتی ہیں یعنی اس کے کنارے لیکن وہ خیمے چھت کے بغیر ہوں گے

حدیث شریف حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آگ کی بڑی موٹی چار دیواریں ہیں ہر دیوار کی مسافت چالیس سال کے برابر ہے

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا اور اگر وہ پیاس سے پانی کے لیے فریاد کریں گے يُغَاثُوْا تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ ایسے پانی سے جو آگ سے پگھلے ہوئے لوہے کی مانند ہوگا المهل پگھلے ہوئے لوہے کو کہا جاتا ہے اس کی مزید تفصیل قاموس میں ہے یہ انہیں ہم کے طور عتاب ہوگا کہ بجائے پانی کے انہیں پگھلا ہوا لوہا پیش کیا جائے گا

جب وہ پانی مانگیں گے یہ اسس شاعر جیسی عتاب کی ایک صورت بتائی گئی ہے کہ اس نے بھی اپنے دوستوں کے درمیان عتاب ظاہر کیا تو انہیں کہہ دیا کہ میں تمہیں بجائے پانی کے پگھلا ہوا لوہا پلاؤں گا یَشْوِی الْوُجُوْہَ جو ان کے چہروں کو بھون دیگا جب ان کے سامنے ایسا گرم پگھلا ہوا لوہا پیش کیا جائے گا تو اس کی گرمی سے کافروں کے چہرے ایسے بھون گے جیسے گوشت کو بھونا جاتا ہے

حدیث شریف حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کول تار کی طرح سخت گاڑھا اور کالا سیاہ ہوگا جب کافروں کے چہروں کے قریب لایا جائے گا تو اسس کی سوزش سے ان کے چہروں کی بوٹیاں جل کر نیچے گریں گی

بِئْسَ الشَّرَابُ جس پانی کا ذکر اوپر ہوا وہ بُرا پینا ہے اس لیے کہ پانی پینے سے پیاس بجھانا مطلوب ہے لیکن الٹا اس میں جلانا ہوگا اور وہ بھی معمولی طور نہیں بلکہ سخت ترین۔

وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا اور مرتفقاً بمعنے متکأ ومنزلاً بمعنے ٹھہرنے کی جگہ اور یہ تمیز ہے دراصل ارتفاق بمعنے کہنی کو ٹھوڑی کے نیچے رکھنے کو کہا جاتا ہے اور اس سے آرام مطلوب ہوتا ہے لیکن جہنم میں آرام وآسائش کیسا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بہت بُرا ٹھہرنا ہے یہ وحسنت مرتفقا بالمقابل واقع ہوا ہے اور اس کی تفسیر ابھی آتی ہے

ف سعدی مفتی نے فرمایا کہ کہنی کا سہارا ٹھوڑی کے نیچے جیسے آرام وآسائش کے طور ہوتا ہے ایسے تحیر اور تحزن کے لیے بھی ہوتا ہے پہلا یعنی آسانی اور آرام کی نفی مسلم ہے لیکن اس سے دوسرے معنے یعنی تحیر وتحزن کی نفی نہیں ہوسکتی اس لیے اب یہ عذر اٹھ گیا کہ اسے وحسنت مرتفقا کے بالمقابل لایا گیا ہے

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ المرتفق بمعنے تکیہ گاہ اور ہر جگہ اسے حقیقی معنیٰ میں نہیں لایا جاتا بلکہ مطلقاً منزل کے معنے میں بھی مستعمل ہوتا ہے اسی لیے اس سے استراحت کا معنیٰ ختم ہوگیا اسے تجرد کہا جاتا ہے اور تجرد کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جہنم میں استراحت وآرام نہیں وہاں عذاب ہی عذاب ہوگا۔(نعوذ باللہ منہا)

سبق مومن پر لازم ہے کہ وہ ظلم ومعاصی اور آزار سے احتراز کرے اگر ایسی غلطی ہو بھی تو بہت جلد توبہ واستغفار کرے ندامت کے ساتھ توحید واذکار میں مشغول رہے ورنہ اسے معلوم ہو آنے والا سفر طویل اور جہنم کی آگ سخت اور اس کا پانی کالا سیاہ اور گاڑھا تیل پگھلے ہوئے لوہے کی طرح اور پیپ ہے اور اسس کی بٹریاں لوہے کی ہیں۔

حدیث شریف اہل نار میں ادنیٰ عذاب یہ ہے کہ جہنمی کو جوتا پہنایا جائے گا جس کی گرمی کے جوش سے اسس کا دماغ اُبلنے لگے گا۔ (نعوذ باللہ منہا)

حکایت حضرت مالک بن دینار رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا ایک لڑکے پر گذر ہوا جو مٹی سے کھیل رہا تھا وہ اس حالت میں کبھی روتا اور کبھی ہنستا تھا اسے السلام وعلیکم کہنے کا ارادہ ہوا لیکن نفس نے روکا کہ بچے

کو کیا (السلام و علیکم) کہنا ہے لیکن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک یاد آگئی کہ آپ ہر چھوٹے بڑے کو السلام علیکم سے نوازتے تھے میں نے اسے کہا السلام علیکم، بچے نے جواب دیا وعلیکم السلام اے مالک بن دینار میں نے کہا تو نے مجھے کیسے پہچانا اس نے کہا آپ کی اور میری روح عالم ملکوت سے ایک دوسری سے واقف تھیں مجھے اللہ تعالیٰ حی لایموت نے بتایا ہے میں نے اس سے پوچھا نفس اور عقل میں کیا فرق ہے اس نے کہا نفس وہ ہے جس نے تجھے مجھ پر السلام علیکم کہنے سے روکا اور عقل وہ ہے جس نے تجھے مجھ پر السلام علیکم کہنے پر ابھارا میں نے پوچھا آپ مٹی سے کیوں کھیل رہے ہیں اس نے کہا مٹی سے ہم پیدا ہوئے اور اسی میں لوٹائے جائیں گے میں نے پوچھا آپ روتے اور ہنستے کیوں ہیں اس نے کہا جب مجھے عذاب الٰہی یاد آتا ہے تو روتا ہوں جب مجھے اس کی رحمت یاد آتی ہے تو ہنستا ہوں میں نے کہا بیٹا ابھی تو بچہ ہے تجھے گناہ سے عذاب الٰہی کا ڈر ہے تو غیر مکلف ہے اس نے کہا ایسا مت فرمایئے اس لیے کہ میں اپنی امی کو دیکھتا ہوں کہ وہ آگ جلاتے وقت پہلے چھوٹی لکڑیوں کو آگ میں ڈالتی ہے پھر بڑی لکڑیوں کو

مثنوی شریف میں ہے ؎

نے ترا از روئے ظاہر طاعتے
نے ترا در سر باطن نیتے

نے ترا شبہا مناجات و قیام
نے ترا در روز پرہیز و صیام

نے ترا حفظ زبان ز آزار کس
نے نظر کردن بصیرت پیش و پس

پیش چہ بود یاد مرگ و نزع خویش
پس چہ باشد مردن یاران ز پیش

نے ترا بر ظلم توبہ پر خروش
اے دغا گندم نمائے جو فروش

چونکہ ترازوئے تو کج بود و دغا
راست چوں جوبے ترازوے جزا

چونکہ پائے چپ بدی در غدر و کاست
نامہ چوں آید ترا در دست راست

چوں جزا سایہ است اے قد تو خم

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝

ترجمہ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے بیشک ہم ان لوگوں کے اجر ضائع نہیں کرتے جن کے عمل نیک ہوں ان لوگوں کے لیے باغات خالص ہیں جن میں وہ ٹھہریں گے ان کے نیچے نہریں جاری ہیں اور ان میں وہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز اور نفیس اور قیمتی ریشم کے کپڑے پہنیں گے ان میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے کیا ہی اچھا ثواب ہے اور بہشت کیا ہی اچھی آرام گاہ ہے ۔

بقیہ صفحہ

سایۂ تو کجی فتند و بیش ہم

جہنم کیا ہے : مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے آپ کا رنگ متغیر تھا یعنی ایسے جیسے کوئی غمناک ہو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج غمناک ہو کر کیوں آئے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ ابھی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تو جہنم کی آگ کو پھونکا جا رہا تھا اسے دیکھ کر میں گھبرا گیا ہوں آپ نے فرمایا کہ دوزخ کا مختصر تعارف کرائیے جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے سات طبقات بنائے ہیں اس کے ہر طبقہ میں ستر لاکھ آگ کے پہاڑ ہیں ہر پہاڑ میں ستر لاکھ آگ کی وادی ہے ہر وادی میں ستر لاکھ آگ کے گھر ہیں ہر گھر میں ستر لاکھ آگ کی صندوقیں ہیں ہر صندوق میں ستر لاکھ قسم کا عذاب ہے۔ نعوذ باللہ منہا کذا فی مشکوٰۃ الانوار

ف یہ مبالغہ پر محمول نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت ہے اس لیے کہ یہ بہشت کی نعمتوں کے بالمقابل ہے اور عذاب و نعمت کی کیفیت عقل کے دائرہ سے خارج ہے عاقل کو سرِ تسلیم خم کرنا ضروری ہے اور ایسے سخت عذاب کے موجبات سے بچنا لازم۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو جنان وارکان کے اعمال کے جامع ہیں یعنی وہ ایمان لا کر اعمال صالحہ کرتے ہیں صالحات صالحۃ کی جمع ہے دراصل یہ ایک وصف ہے لیکن شریعت کے ہر نیک عمل پر اس کا اطلاق غالب ہے اسی لیے اسے موصوف کی ضرورت نہیں اسی طرح الحسنۃ بھی صفت ہے جو عمل اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب بنے اس پر بھی اسمیت غالب ہے۔ إِنَّا لَا نُضِيعُ یہ الاضاعہ سے مشتق ہے بمعنے ضائع کرنا أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا۔ اجرًا عمل کی جزا کو کہتے ہیں ا

عملاً احسن کا مفعول بہ ہے اور اس کی تنوین تقلیل کی ہے

سوال نحوی قاعدہ پر احسنۃ ہونا چاہیے تھا عملاً کو ضمیر کے بجائے ظاہر کر کے کیوں لایا گیا ہے؟

جواب تاکہ واضح ہو کہ ہر انسان اپنے عمل کی وجہ سے اجر کا مستحق ہوتا ہے نہ صرف علم سے اس لیے کہ عمل سے ہی رفع درجات اور شرافت اور بزرگی اور مراتب علیا نصیب ہوتے ہیں

حدیث قدسی شریف اللہ تعالیٰ نے فرمایا بہشت میں میرے فضل و کرم سے داخل ہوں لیکن ان کی تقسیم اعمال کے مطابق ہو گی۔

فضیلت خلفائے اثنین حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے **رضی اللہ عنہم اجمعین** ہاں حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک اعرابی حاضر ہوا اور آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم ناقہ عضبا پر عرفات میں سوار تھے اس نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں طالب علم کی حیثیت سے آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں آپ اس کی وضاحت فرمائیے وہ مسئلہ یہ ہے کہ ان الذین آمنوا (الآیۃ) کے صحیح مصداق کون حضرات ہیں؟ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اعرابی تو ان سے دور نہیں اور نہ وہ تجھ سے دور ہیں اس آیت کے مصداق یہی حضرات ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ہیں جو میرے ساتھ کھڑے ہیں ان کے متعلق اپنی قوم میں جاکر وضاحت کر دیجیے کہ یہی آیت انہی حضرات کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ (ذکرہ الامام السہیلی فی کتاب التعریف و الاعلام)

اُولٰٓئِكَ وہی لوگ کہ جن کی ابھی بہت بڑی تعریف مذکور ہوئی ہے **لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ** امام صاحب نے فرمایا کہ عدن لغت میں بمعنی الاقامہ ہے اب معنٰے یہ ہوگا کہ وہی لوگ ہیں کہ جن کی باغات بہشت کے قیام گاہ ہے یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے "ہذہ دار الاقامۃ" اور یہ بھی ہے کہ عدن بہشت کی ایک مخصوص جگہ کا نام ہے جو بہشت کے وسط میں واقع ہے اور وہ بہشت کے تمام مقامات سے اعلیٰ و برتر ہے جنّات جنت کی جمع ہے اور یہ بھی ہے کہ ولمن خاف مقام ربہ جنتان میں جس جنتان کا ذکر ہے اسے یہاں جنّات سے تعبیر کیا گیا ہے اس آیت کے بعد فرمایا ومن دونہما جنتان اور یہ بھی ہے کہ وہاں ہر بہشتی کے لیے علیحدہ علیحدہ جنت دی جائے گی اسی اعتبار سے یہاں جنّات کہا گیا ہے **يَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ** وہ چار نہریں دودھ، شراب طہور، شہد اور خالص پانی کی ہوں گی چونکہ دنیا میں ہر وہ باغ بہتر و اعلیٰ سمجھا جاتا ہے جس میں نہریں جاری ہوں اسی لیے بہشت کے باغات کو نہروں کے جریان سے موصوف کیا گیا ہے **يُحَلَّوْنَ فِيْهَا** بہشت میں پہنائے جائیں گے یہ حُلّیت المراۃ سے مشتق ہیں یہ اس وقت بولتے ہیں جب عورت کو زیورات پہنائے جائیں اور زیورات سے سونے، چاندی و دیگر ہر قسم کے جوہرات مراد ہیں التحلیۃ بمعنے زیور پہنانا۔

ف کاشفی نے لکھا ہے کہ بہشت میں ہر بہشتی کو زیورات پہنائے جائیں گے

مِنْ اَسَاوِرَ یہ مِن ابتدائیہ ہے اور اساور۔ اسورۃ کی جمع ہے اور اسورۃ سوار کی جمع ہے بمعنے کنگن مِنْ ذَھَبٍ یہ من بیانیہ ہے اور اساور کی صفت اور اس کی تنوین تنکیر کی ہے تاکہ اس کے حسن کی عظمت معلوم ہو اور یہ وہم دور ہو کہ وہاں سونے کے کنگن پہنایا جانا ناممکن ہے

ف: بحرالعلوم میں ہے کہ ذھب کی تنوین تکثیر و تعظیم کی ہے

بہشت کے کنگنوں کی تعداد حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بہشت میں ہر بہشتی کو تین قسم کے کنگن پہنائے جائیں گے

۱ سونے کا

۲ چاندی کا

۳ موتیوں دیا قوت کا

یعنی دھات کے ان اعلیٰ تینوں قسم کے کنگن ہر بہشتی کے ہاتھ میں پہنائے جائیں گے ان تینوں کو اکٹھا پہنایا جانے کا یا باری باری جیسے بہشتیوں کی خوشی ہوگی ویسے ہی ہوگا جیسے دنیا میں عورتوں کو عادت ہے کہ مختلف انواع کے زیورات کبھی یکبارگی پہن لیتی ہیں اور کبھی باری باری

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ کا خیال ہے کہ یہاں پر زیورات سے حقائق توحید ذاتی اور معانی تجلیات عینیہ احدیہ اور سونے کے زیورات سے ذاتیات اور چاندی کے زیورات سے نوری صفات مراد ہیں

تفسیر عالمانہ وَيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا اور سبز کپڑوں کی تخصیص اس لیے کہ یہی تمام رنگوں سے حسین ترین اور پر رونق اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین رنگ ہے مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ ریشم کا باریک اور گاڑھا ہر دونوں قسم کا قیمتی کپڑا اور ریشمی ہر وہ کپڑا ہے جو ریشم کے کیڑے سے حاصل کیا جاتا ہے اور استبرق بروزن استفعل از برق سے نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے بلکہ یہ استبرہ کا معرب ہے اور ریشم کے ہر دونوں قسموں کا بیان اسی لیے ہے کہ معلوم ہو کہ وہاں بہشتیوں کی جیسی خواہش ہوگی ویسا ہی انہیں لباس پہنایا جائے گا

ف دنیا میں لباس دو طرح کا ہوتا ہے (۱) سنگار یعنی زیب و زینت کی نیت سے (۲) صرف ستر عورت کے ارادہ پر۔ اسی طرح بہشتیوں کے لیے یحلون (الآیۃ) میں پہلے اور یلبسون (الآیۃ) میں دوسرے کا بیان ہے

سوال یحلون میں فعل مجہول کیوں اور یلبسون میں فعل معروف کیوں؟

جواب نمبر ۱ ۔ تاکہ معلوم ہو کہ ایک لباس تو انہیں وعدۂ الٰہی کے مطابق نصیب ہوگا اور اس کا انہیں علم بھی ہوگا دوسرا وہ لباس ہوگا جسے اللہ تعالیٰ اپنے کرم و فضل سے عنایت فرمائے گا جسے وعدۂ الٰہی سے کسی قسم کا تعلق نہ ہوگا۔

جواب نمبر ۲۔ اس میں ان کے شرف اور کرامت کی طرف اشارہ ہے بایں معنی کہ وہ خود اپنی مرضی سے تو عام معمولی لباس پہننے کے لیے تیار ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں بہترین لباس سے مزین کیا جائے گا جیسے دنیا میں عادت ہے کہ انسان بسا اوقات جو مل گیا پہن لیا لیکن دوست اپنی محبت سے بہترین لباس پہناتے ہیں یہی کیفیت بہشت میں ہوگی صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ستر ڈھانپنے کے لیے تو انسان اپنی مرضی سے جس طرح کا لباس مل جاتا ہے پہن لیتا ہے اگرچہ وہ بادشاہ بھی کیوں نہ ہو لیکن اگر اسے سنگارنا مطلوب ہوتا ہے تو اس کے لیے دوسرے منتخب کر کے بہترین لباس بنواتے ہیں جیسے بادشاہوں اور دلہنوں کے لیے ہوتا ہے اسی لیے صیغہ کی تبدیلی ہوئی اس طرح سے ان کی تعظیم و تکریم کی طرف اشارہ ہے

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ط الارائک اریکۃ کی جمع ہے بمعنے حجلہ کے اندر مزین تخت تنہا حجلہ کے بغیر تخت کو اریکہ نہیں کہا جا سکتا الحجلۃ دلہن کے لیے آراستہ کیا ہوا کمرہ اور اسے اتکاء سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جسے نعمت ملتی ہے تو اس کی بیٹھک اس طرح کی ہو جاتی ہے اور عموماً بادشاہ بھی اپنے تختوں پر ایسے ہی بیٹھتے ہیں۔

فائدہ صوفیانہ ابن عطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حضرات ریاض قدس اور رحمت کے میدانوں میں انس کے تختوں پر سہارا لگانے والے ہیں اور وصال کے باغات میں ہر لحظہ اپنے محبوب حقیقی کا مشاہدہ کریں گے۔

نِعْمَ الثَّوَابُ ط یہ جنات عدن اور اس کی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے اور ثواب سے طاعۃ کی جزا مراد ہے۔

وَحَسُنَتْ اور کیا ہی اچھے ہیں وہ تخت مُرْتَفَقًا آرام گاہ اور تکیہ گاہ

ف بہشت کے حسن اور بہترین نعمتوں میں کلام نہیں البتہ ان کے لیے استعداد ضروری ہے اعمال صالحہ اس کے اسباب ہیں اور اعمال صالحہ سے وہ اعمال مراد ہیں جو محض رضائے الٰہی کے لیے ادا کیے جائیں جیسے نماز اور روزہ اور دیگر جملہ اچھے امور حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

قیامت کہ بازار مینو نہند
منازل باعمال نیکو نہند
کسے راکہ حسن عمل بیشتر
بدرگاہ حق منزلت بیشتر
بضاعت بچندانکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری
کہ بازار چندانکہ آگندہ تر
تہی دست را دل پراگندہ تر

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ ایمان اور اہل اعمال کو جزا نصیب ہوگی لیکن اعمال کی صلاحیت اور ان کے حسن کے مطابق بعض اعمال ایسے ہیں جو جنات کی سیر اور ان کے بالاخانے کے موجب ہیں یہ طاعات وعبادات بدنیہ ہیں جو شریعت کی متابعت اور اس کے حکم مطابق نیت خالص سے ادا کیے جائیں اور بعض اعمال وہ ہیں جو سیرا لی اللہ کے موجب ہیں یہ وہ اعمال ہیں جو طلب حق میں صدق دل اور اخلاص فی التوحید اور ترک دنیا او اغراض ماسوی اللہ اور توجہ الی اللہ سے ادا کیے جاتے ہیں لیکن اس میں شیخ کامل واصل باللہ او رکامل مکمل صالح بزرگ کا دامن تھامنا ضروری ہے تاکہ اس کی برکت سے یہ منازل طے ہوں اور خواہشات نفسانی کا حملہ نہ ہو سکے اس لیے کہ جَو بونے سے گندم حاصل نہیں ہو سکتی ۔

حکایت ایک شخص بلخ کا رہنے والا تھا اس نے اپنے نوکر کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے کھیت میں گندم بوئے لیکن اس نے گندم کے بجائے جَو بیجے جب کھیتی کے اٹھانے کا وقت جَو کا غلّہ اٹھا رہا ہے اسے فرمایا اے بندۂ خدا تو نے یہی سمجھا تھا کہ جَو بونے سے گندم کا غلّہ اٹھایا جائے گا نوکر نے جواب دیا جناب جیسے جو بونے سے گندم نہیں اٹھائی جا سکتی ایسے ہی آپ بھی خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کی رحمت کی امید نہیں رکھ سکتے ۔ ع

ہر کسے آن درود عاقبت کار کہ کشت

ترجمہ جو کچھ بوئے گا غلّہ بھی اسی طرح کا اٹھے گا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے

حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

جملہ دانند ایں اگر تو نگروی

ہرچہ می کاریش روزے بدروی

ترجمہ سب کو معلوم ہے اگر تمھیں اعتبار نہ ہو تو اور بات ہے وہ یہ کہ جو کچھ بوئیں گے وہی غلّہ اٹھاؤ گے ۔

نوکر کی یہ نصیحت سن کر وہ شخص تائب ہوا اور اس غلام کو بھی آزاد کر دیا

سبق اللہ تعالیٰ جسے خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے تو اس کے سامنے اس قسم کے واقعات پیش کرتا ہے اور اسے اپنی رضا کے حصول کے اسباب بنا دیتا ہے

ف عابد کے مراتب سے عارف کے مراتب بلند ہوتے ہیں اور کرامات کونیہ کی کوئی انتہا نہیں ۔

افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ اکرام سے افضل ہیں یہاں تک کہ مروی ہے کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ عام زیارت کرائے گا لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مخصوص طریق سے زیارت سے مشرف فرمائے گا حالانکہ آپ کی آتنی بڑی کرامات بھی مشہور نہیں جیسے دوسرے صحابہ یا اولیاء کرام کی کرامات مشہور ہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی کرامت یہی ہے کہ آپ کو ان کرامات علمیہ سے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۝ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝

ترجمہ اوران کے سامنے دو مردوں کی مثال بیان فرمائیے کہ ان دونوں میں سے ایک کو ہم نے انگوروں کے باغات دیئے اوران دونوں باغوں کو ہم نے کھجوروں سے ڈھانپ دیا اوران دونوں کے درمیان میں کھیتی رکھی ہر دونوں باغ پھل لائے اوراس میں کسی قسم کی کمی نہ کی اورہم نے ان کے درمیان میں نہر جاری کی اور وہ پھل والا تھا۔ اسی باغ والے نے اپنے ساتھی سے کہا اور فخر سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا ہوا کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اورآدمیوں میں بھی زور دار ہوں وہ باغ والا اپنے باغ میں داخل ہوا اور وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہوا کہنے لگا کہ مجھے گمان نہیں کہ میرا یہ باغ کبھی فنا ہو اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو اور اگر میں اپنے رب تعالٰے کی طرف لوٹا تو مجھے اس سے بھی بہتر جگہ ملے گی ۔

بقیہ صفحہ

نوازا گیا جو دوسروں کو یہ مرتبہ نصیب نہ ہوا اس لیے کہ آپ حقائق عالیہ کی تحقیق سے مشرف تھے ایسے حضرات کو جنۃ القلبیہ نصیب ہوتی ہے یعنی دنیا میں ایسی جنت سے نوازے جاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ یہ دونوں اضرب کے مفعول ہیں اس لیے کہ اضرب یہاں پر بمعنے بیّن وفصل کے ہے یعنی اے حبیب پاک حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کو جو نعمتوں سے سرشار ہیں اوران مومنوں کو جو دکھ اور تکالیف فقر وفاقہ میں مبتلا ہیں بنی اسرائیل کے ایک مومن اور دوسرے کافر کا واقعہ بیان فرمائیے یہ وہ مرد فرضی تھے یا واقعی دونوں تھے صاحب جلالین نے فرمایا یہ بنی اسرائیل کے بادشاہ کے دو بیٹے تھے لیکن ابوحیان نے فرمایا کہ فقال لصاحبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں بھائی نہیں تھے لیکن دوست تھے

تردید از صاحب روح البیان صاحب روح البیان قدس سرہ نے ابوحیان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ابوحیان کو غلط فہمی ہے اس لیے کہ بھائی کو صاحب بھی کہا جاتا ہے

قرآنی واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ کافر اپنے مسلمان بھائی کے ہاتھ میں ہاتھ ملا کر اپنے باغ میں لے گیا جس کی تفصیل ابھی آتی ہے اس سے بھی ہمارے دعوٰی کی تائید ہوتی ہے اور بھائی کو صاحب کہنے سے ان کی اخوت میں

فرق نہیں آتا اور ہر دونوں کے چونکہ علیحدہ علیحدہ اوصاف ہیں اسی لیے اسے صاحبہ سے تعبیر کیا گیا ہے

ان دونوں میں سے ایک کا نام یہودا تھا اور یہ مومن تھا دوسرے کا نام قطروس

دونوں بھائیوں کا قصہ : ابصم القاف یہ کافر تھا یہ ہر دونوں اپنے والد سے آٹھ ہزار دینار کے وارث ہوئے کافر نے اپنے چار ہزار دینار سے جائداد بنائی مثلاً ایک ہزار دینار کی زمین خریدی اور ایک ہزار سے ایک ہزار دار بنوائی ایک ہزار سے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا اور ایک ہزار دینار سے خدام اور دیگر سامان خریدا اور دوسرے مومن وارث نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے مولا کریم میرے بھائی نے تو ایک ہزار دینار سے زمین خریدی لیکن میں تیرے نام پر ایک ہزار دینار فقراء میں تقسیم کر کے تیرے سے بہشت کی زمین خریدتا ہوں چنانچہ اسی وقت ایک ہزار درہم فقراء پر تقسیم کر دیا پھر کہا میرے بھائی نے ایک ہزار دینار سے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا ہے میں ایک ہزار تیرے راہ میں لٹا کر تیرے سے حوریں چاہتا ہوں یہ کہہ کر ایک ہزار فقراء کو دے دیا پھر کہا میرے بھائی نے ایک ہزار دینار سے ایک ہزار دار بنوائی ہیں میں تیرے نام پر ایک ہزار دینار خرچ کر کے تیرے سے بہشت کی ایک ہزار دار کا درخواست گار ہوں یہ کہا اور ایک ہزار دینار مساکین اور فقراء میں تقسیم کر دیا پھر عرض کی کہ میرے بھائی نے ایک ہزار دینار سے خدام اور دیگر اسباب خریدا میں ایک ہزار تیرے نام پر قربان کر کے تیرے سے غلمان وولدان چاہتا ہوں جو بہشت میں ہمیشہ بہشتیوں کی خدمت کے لیے نصیب ہوں گے یہ کہہ کر جو تھا ہزار دینار بھی فقراء کو دے دیا اس کے فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرنے لگا ایک دفعہ راستہ میں بیٹھا تھا اس کا کافر بھائی بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے بہترین سواری پر سوار اس کے آگے ہزاروں نوکر چاکر کہیں جا رہا تھا بھائی کو دیکھ کر کہا کہ میں تو فقر وفاقہ میں مبتلا ہوں میری امداد کیجیے اس نے کہا وہ مال جو تجھے ورثہ میں ملا تھا وہ کہاں گیا اس نے کہا وہ میں نے فی سبیل اللہ فقراء کو دے دیا کافر بھائی نے سن کر زجر وتوبیخ کی اور کہا جاؤ اپنی راہ لو میرے ہاں تیرے لیے کچھ نہیں۔

جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا اس احدھما سے کافر مراد ہے جَنَّتَيْنِ دوباغ مِنْ اَعْنَابٍ انگوروں کے مختلف اقسام صرف اعناب کہنا مجازاً ورنہ باغ میں انگوروں کے درخت ہوں گے یعنی اشجار اعناب یا یہاں اشجار مضاف محذوف ہے وَحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ اور ہم نے ان کے اردگرد کھجوریں کھڑی کر دیں جیسے لفافہ خط کو باہر سے لپٹا ہوتا ہے ایسے ہی کھجوریں باغوں کو لپٹی ہوئی تھیں یہ حفه القوم سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ قوم اس شخص کے اردگرد گھومے اور اسے اپنے گھیرے میں لے لے اسی طرح کہا جاتا ہے حففتہ بھم یعنی میں نے انہیں اس کے اردگرد ٹھہرنے والا بنایا یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اگر اسے دوسرے مفعول کی طرف متعدی کرنا پڑے تو اس کے دوسرے مفعول پر باء لگائی جاتی ہے ایسے ہی غشیہ وغشیتہ بھم کا حال ہے وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا اور ہم نے پیدا کیا ان دونوں باغوں کے درمیان زرعًا کھیتی تاکہ دونوں باغ ہر دونوں کام دے سکیں یعنی میوہ جات بھی اور غلہ اور اناج بھی اور باغات کے حسن اور ترتیب بھی وہی احسن اور بہتر سمجھی جاتی ہے جس میں کھیتی باڑی بھی ہو سکے۔ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا ہر دونوں باغوں نے ایسے

ثمرات دیے جو کھانے کے لائق تھے ان کا کوئی پھل گلا سڑا نہ تھا

سوال آتت میں ضمیر واحد کیوں حالانکہ اس کا مرجع تو تثنیہ (کلتا الجنتین) ہے

جواب۱ ہر دونوں کی ایک ہی حیثیت و کیفیت تھی بنابریں انہیں مفرد پر محمول کر کے آتت مفرد کا صیغہ لایا گیا۔

جواب۲ حریری نے لکھا ہے کہ کلتا کی خبر ہوتی ہی واحد ہے اس لیے کہ وہ معنیً اگرچہ تثنیہ ہے لیکن لفظاً مفرد ہے ہاں جب اس کی خبر کو اس کے معنے پر محمول کیا جائے یا شعر کے لیے ضرورت محسوس ہو۔

وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا ۙ باغات نے پھل دینے میں کسی قسم کی کمی نہ کی جیسے عام طور باغات میں ہوتا ہے کہ انہیں ایک سال پھل بھرپور رہتا ہے اور دوسرے سال کچھ کم اسی طرح بعض درختوں میں قدرت نے نظام رکھا ہے کہ ایک سال بہت پھل دیتے ہیں اور دوسرے سال سرے سے دیتے ہی نہیں وَفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ اور ہم نے ان دونوں کے بیچ میں ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ نہریں جاری کیں تاکہ پھل دینے اور رونق میں کمی نہ ہو

سوال نہر کے اجزا کے ذکر میں تاخیر کیوں حالانکہ عقلی تقاضا یہ ہے کہ نہر کے اجزا کا ذکر پہلے ہو۔

جواب تاکہ واضح ہو کہ ان باغات کے محاسن کی تکمیل کے لیے ہر دونوں کی علٰحدہ مستقل طور ضرورت تھی اور وہ بھی ہم نے پوری کی اگر نہر کا ذکر پہلے ہوتا تو ہر کوئی سمجھتا کہ چونکہ باغات کے پھل پانی کے محتاج ہوتے ہیں اسی لیے نہر کا ذکر پہلے ہوا اور وہ یہاں مقصود کے خلاف ہے اس لیے کہ یہاں مطلوب یہ تھا کہ اس کافر کے ہر معاملہ میں کسی قسم کی کمی نہیں برتی۔ ہاں جہاں یہ بات مطلوب نہیں ہوتی تو ایسے معاملات میں دو چیزوں کا ایک دوسری کو توقف لازم ہے جیسا کہ آیت یَکَادُ زیتھا ولولم تمسسہ نار میں واضح کیا گیا ہے کہ تیل کی روشنی اگرچہ آگ کی محتاج ہے لیکن اسے آگ کی ضرورت نہیں ایسے ہی باغات کو اگرچہ پانی کی محتاجی ہوتی ہے لیکن وہاں پانی کے بغیر تیار کیا گیا اور نہر کو علیحدہ نعمت کے طور بیان فرمایا اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار مطلوب ہے کہ وہ پانی کے بغیر بھی باغات اور کھیتیاں سرسبز فرما سکتا ہے (اویسی غفرلہ)

وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ ۚ اور کافر باغ والے کے لیے باغات کے علاوہ اور بھی مال و اسباب کی وفرت تھی۔

ف شیخ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ ثَمَر بفتحتین ثمرۃ کی جمع ہے ہر وہ میوہ جو درخت سے کھانے کے لیے حاصل ہوتا ہے اسے عربی میں ثَمْرَةٌ کہتے ہیں

سوال باغات کے ذکر میں ثمرات تو ضمناً آجاتے ہیں پھر اسے علٰحدہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب چونکہ اس کے لیے یہاں کثرت مال و اسباب کا اظہار مطلوب ہے اسی لیے اسے علیحدہ ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ کافر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح کے مال و اسباب سے نوازا گیا تھا اسی لیے کاشفی نے لکھا کہ اس کے باغات میں انگوروں کے علاوہ ہر قسم کے میوہ جات مثلاً کھجور، انار وغیرہ تھے انگور کا ذکر صرف اس کی اغلبیت کی وجہ سے ہے۔

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ اس نعمت وافرہ کے حصول کے باوجود اسے بدقسمتی سے غرور نے گھیر لیا اسی لیے اپنے مسلمان

غریب بھائی سے کہا وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی بھائی سے کلام کرتے ہوئے ادھر ادھر کی مار کر اپنے بھائی سے جھگڑے کے طور کہا۔ یہی کاشفی نے محاورۃ کا معنے کیا۔

اس کے جھگڑے کا خلاصہ یہ تھا کہ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا میں تیرے سے مال میں بہت زیادہ ہوں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ المال ما یتملکہ من دراہم ودنانیر او ذہب الخ یعنی مال انسان کی ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جس کا وہ مالک بن جائے جیسے دراہم دنانیر یا سونا چاندی یا گندم یا روٹی یا حیوان یا کپڑے یا ہتھیار وغیرہ اور المال العین کا اطلاق مہر شدہ دراہم و دنانیر کو کہا جاتا ہے

وَّاَعَزُّ نَفَرًا اور میں آدمیوں میں زوردار ہوں یعنی میرے نوکر چاکر آل واولاد نرینہ کثیر التعداد ہے

سوال تم نے اولاد نرینہ کی قید کیوں لگائی

جواب اس لیے کہ انسان کو کاروبار میں جتنا حمایت مردوں سے حاصل ہوتی ہے عورتوں سے نہیں۔

النفر بفتحتین کا تین تا دس مردوں پر اطلاق ہوتا ہے دس سے اوپر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ مجھے یہاں اشکال محسوس ہوتا ہے وہ یہ کہ ہم پہلے ایک روایت لکھ چکے ہیں کہ مؤمن کے پاس کچھ بھی نہ رہا بالکل تنگدست کنگال ہوگیا تھا اور آیت کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے ہاں مال تھا اگرچہ کافر سے بہت کم علاوہ ازیں اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ دونوں فرضی انسان تھے اس کا جواب ظاہر ہے کہ وہ اگرچہ نقدی مال لٹا چکا تھا لیکن دیگر اسباب وغیرہ تو اس کے پاس باقی رہ چکا تھا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

وَدَخَلَ اور باغات والا یعنے قطروس داخل ہوا جَنَّتَهٗ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر اسے اپنے باغات دکھاتا پھرتا تھا اور اسے تعجب دلاتا اور اس پر فخر ومباہات کرتا تھا۔

سوال باغ دو تھے اب اس کا ایک ہوگیا کیا وجہ

جواب ۱ چونکہ وہ دونوں ایک تھے اسی لیے انہیں ایک کے حکم میں لاکر یہاں واحد جنۃ کہا گیا ہے

جواب ۲ چونکہ اس کا داخل ہونا الگ الگ ایک میں ہوا اسی اعتبار سے جنتہٗ فرمایا ہے

جواب ۳ ان دونوں کو تبادل (روضۃ) کے جنۃ (واحد) فرمایا یہی شیخ نے جواب لکھا ہے

وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ یہ جملہ حالیہ ہے یعنی وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا یعنے اپنے آپ کو ضرر پہنچانے والا تھا اس لیے کہ وہ اپنے مال واسباب کے گھمنڈ سے اپنے خالق ومالک کے ساتھ کفر کر رہا تھا اور یہی سب سے بڑا ظلم ہے کہ انسان اپنے مالک حقیقی کے احسانات پس پشت ڈال کر اس سے کفر کرے اس کے بعد سوال پیدا ہوا کہ اس کے کفریہ کلمات کون سے تھے ان کے جواب میں فرمایا کہ اس وقت کافر نے کہا تھا قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اس نے کہا میں نہیں جانتا ظن بمعنے علم کثیر الاستعمال ہے اس لیے ظن غالب علم کا فائدہ دیتا ہے بلکہ عادات واحکام میں ظن علم کے قائم مقام مستعمل ہوتا ہے اسی سے مظنۃ العلم کا محاورہ مشہور ہے

اَنْ تَبِيْدَ فنا اور تباہ وبرباد ہوجائے گا یہ (باد) بمعنے ذہب وانقطع سے مشتق ہے هٰذِهٖۤ یہی باغ اَبَدًا اس

کا منصوب ہونا علی الظرفیۃ (مفعول فیہ) کی وجہ سے ہے یہاں پر مکث طویل یعنی اس کی اپنی زندگی تک کا عرصہ مراد ہے دائمی مدت الی غیر نہایۃ مراد نہیں اس لیے کہ یہ معنٰے نہ عقل مانتا ہے نہ نقل اور نہ ہی کسی کے وہم وگمان میں یہ معنٰے آئے گا ہاں یہ کہ دنیا کی عمر کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو لیکن بالآخر ختم ہو گی اس لیے بھائی نے جب اس سے ایسے کفریہ کلمات سُنے ہوں گے تو اس نے لازماً اسے سمجھایا ہو گا اور اسے کہا ہو گا کہ یہ باغ آخر فنا ہو گا اور تجھ پر بھی موت آئے گی فلہذا تیرے لیے لازم ہے کہ تو آخرت کا سامان اور سرمایہ جمع کر اس کے ذہن میں چونکہ دنیا و دولت اور سرمایہ دنیوی کا بھوت گھر کیے ہوئے تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ یہ میری دنیا و دولت میرے آرام وآسائش کا بہترین سامان ہے اور مجھے ہر آرزو پورا کرنے میں یہ دنیا و دولت کام دے گی اسی لیے اس نے ان کلمات کفریہ کے علاوہ یہ بھی کہا وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَۃَ قَآئِمَۃً" اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو الساعۃ سے قیامت کا وہ دن مراد ہے کہ جس دن بندے حساب وکتاب کے لیے اُٹھیں گے وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ بعد اگر میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں لوٹا بھی تو اوّلاً میرا دل نہیں مانتا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا بھی ہے بفرض محال اگر ہو گا تو بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے کہ وہ اس عبارت سے مرنے کے بعد اٹھنے کا اعتراف کر رہا تھا یہ صرف وہم ہے اس لیے کہ اگر وہ اسے مانتا تو پھر مشرک کیسا اس لیے کہ مشرکوں کو ایسے اعتراف کہاں اور قرآن کے الفاظ سے صاف ہے کہ وہ کافر ومشرک تھا اسی لیے اس کے ولئن رددت کو بفرض محال پر محمول کیا جائے گا

ف سورۂ حٰمٓ میں ولئن رجعت الی ربی ہے وہاں کے مقام کے لیے یہی مناسب ہے اور یہاں ولئن رددت الخ موزوں ہے اس لیے کہ الرد عن الشیٔ شے مردود کی کراہت کو متضمن ہوتا ہے اور اس مقام پر اس شخص کا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض اپنے باغات جن کے متعلق میرا گمان ہے کہ وہ فنا نہ ہو گا کو چھوڑ کر رب تعالیٰ کے ہاں جاؤں اس اعتبار سے یہاں ولئن رددت زیادہ مناسب ہے اور سورۂ حٰمٓ میں یہ مفہوم مطلوب نہیں اسی لیے وہاں ولئن رجعت موزوں ہے لَاَجِدَنَّ وہاں ضرور پاؤں گا خَیْرًا مِّنْہَا ان باغات سے بہتر مُنْقَلَبًا ○ تمیز ہے بمعنٰے مرجعاً و عاقبتہً یہ طمع اور جھوٹی قسم کھا کر اسے اعتماد اس لیے تھا جیسے وہ دنیا میں بہت بڑے کمالات کا مالک ہے اور سمجھتا تھا کہ اسے یہ مراتب اس کے ذاتی کمالات سے حاصل ہیں اور اس کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کرم اسے جیسے آج حاصل ہے کل قیامت میں بھی اسے ایسے ہی نصیب ہو گا حالانکہ یہ تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اسے استدراج مہلت کے طور تھا یعنی اس کا خیال تھا کہ کل قیامت میں بہشت میں بھی اسے ایسے ہی باغات نصیب ہوں گے جیسے اسے آج دنیا میں حاصل ہیں

سبق بہت سے مغرور ومتکبر لوگ نافرمانی اور گناہوں میں غرق ہو کر کہہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحیم وکریم ہے اس نے دنیا میں جس طرح عنایات فرمائے ہیں آخرت میں اس سے بڑھ کر فرمائے گا ورنہ وہ رحیم وکریم کیسا یہ اس کا دھوکہ ہے اور اور مرد ٹوا ہی سے ہنسی و مذاق کرنے کے مترادف ہے ایسے لوگوں کے اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا ہے : یا ایھا الانسان ما غرک بربک الکریم اے انسان تجھے اپنے رب کریم کے ساتھ کس چیز نے دھوکہ دیا ہے۔

قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ۝ لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۝ فَعَسَىٰ رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ۝ أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۝ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۝

ترجمہ کافر کے ساتھی نے اسے باتوں باتوں میں کہا کہ کیا تو ایسی ذات سے کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا پھر نطفہ سے پھر تجھے صحیح سالم انسان بنایا لیکن میں یہی تو کہتا ہوں کہ وہی اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اور میں اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اور یوں کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو کہا ہوتا کہ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے ہمارا کوئی زور نہیں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر۔ اگر تو مجھے دیکھتا تھا کہ میں تیرے سے مال اور اولاد میں بہت کم ہوں تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے ایسا باغ عطا فرما دے جو تیرے باغ سے بہتر ہو اور تیرے باغ پر آسمان سے آفت نازل فرمائے جس سے تیرا باغ صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے پھر تو اسے ہرگز تلاش نہ کر سکے اور کافر کا جملہ سروسامان گھیر لیا گیا تو باغ پر جتنا خرچ کیا تھا اس کے ضائع ہونے سے افسوس کے ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ ٹینٹوں پر گرا پڑا تھا اور کہہ رہا تھا کہ کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا اور اس کے پاس کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود بدلہ لینے کے لائق تھا یہاں پتہ چلا کہ تمام اختیار اللہ برحق کے قبضۂ قدرت میں ہے اس کا ثواب سب سے بہتر اور اسی پر ایمان لانے کا انجام اچھا ہے۔

بقیہ صفحہ

آتشے خوش بر فروزیم از کرم
تا بماند جرم و ذلت بیش و کم

ترجمہ دوزخ بھی کرم و رحم سے بنائی ہے تاکہ بندوں کے جرائم اپنے توازن پر رہیں۔

تفسیر عالمانہ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ اس کے بھائی مومن نے کافر سے کہا یہ جملہ مستانفہ ہے جیسے پہلے گزرا وَهُوَ يُحَاوِرُهُ یہ حال ہے یحاورہ بمعنے یخاطبہ ویجادلہ یعنی اس کا بھائی اس سے باتوں باتوں میں جھگڑتے ہوئے کہتا تھا۔

ف الارشاد میں ہے کہ اس جملہ کو حالیہ بنانے میں تنبیہ ہے کہ آنے والا کلام اہمیت کا حامل ہے اور اسے جھگڑے کے اظہار کے لیے لایا گیا۔

اَكَفَرْتَ تونے ما اظن الساعة کہہ کر کفر کیا اس لیے کہ قیامت کے متعلق شک کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنا ہے اور قدرت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اس کے صفات میں سے کسی ایک صفت کا انکار کفر ہے بِالَّذِیْ خَلَقَكَ اس ذات کے ساتھ جس نے تجھے تیرے باپ آدم علیہ السلام کے ضمن میں پیدا فرمایا مِنْ تُرَابٍ مٹی سے اگرچہ ایسی ابتدائی تخلیق آدم علیہ السلام سے مخصوص ہے لیکن ان کی اولاد چونکہ ان کی جنس ہے اسی لیے ان کے طریقۂ پیدائش کا ذکر گویا تمام اولاد کی تخلیق کا ذکر ہے اور وہ تمام انسانی مخلوق کا ایک نمونہ ہیں اسی لیے ہر انسان کی تخلیق کو اسی طرح سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ہمزہ تقریری استفہام کا ہے گویا اسے ساتھی تعریفاً کہہ رہا ہے کہ ایسی ذات سے کفر کرنا تیرے لیے ہرگز لائق نہیں اس لیے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے مٹی جیسی معمولی شے سے تجھ جیسا عالیشان انسان بنایا ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ یعنی منی کا وہ قطرہ جو ماں کے پیٹ میں قرار پکڑتا ہے اس میں دوسری تعریض ہے کہ انسان ایسے کریم سے کفر کیوں کرتا ہے جب کہ اس نے ایک گندے اور پلید پانی سے پیدا فرمانے کے باوجود اسے ذی عظمت انسان بنایا ثُمَّ سَوّٰىكَ یعنی معتدل الخلق اور مستقیم القامۃ رَجُلًا ؕ یہ کاف ضمیر سے حال ہے یعنی ایسی معمولی چیزوں کی ترکیب کے بعد بہترین اور صحیح سالم جوان بنایا

ف قاموس میں ہے، الرجل بضم الجیم و سکونہا بمعنے مرد بالغ ہو یا نہ یا انسان پر اس کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب بالغ ہو اور جوانی چڑھے لٰكِنَّا۠ یہ دراصل لکن انا تھا انا کا ہمزہ حذف کر کے اس کی حرکت لکن کے نون کو دی گئی یا اسے علیٰ خلاف القیاس حذف کر دیا گیا ہے دونوں جمع ہو کر مدغم ہوئے پھر جمیع قرآء نے لکنا کا آخری الف وقف میں ثابت رکھا اور وصل میں گرا دیا سوائے ابن عامر کے کہ وہ وقف و وصل ہر دونوں حالتوں میں ثابت رکھتے ہیں اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ چونکہ یہ الف ہمزہ محذوف کا عوض ہے اسی لیے اسے حذف کرنا نامناسب ہے یا وہ وصل کو وقف پر محمول کرتے ہوئے حذف نہیں کرتے هُوَ یہ ضمیر شان اور مبتدا ہے اور اس کی خبر اللّٰهُ رَبِّیْ ہے یہ جملہ انا کی خبر ہے اور عائد (رَبِّی) کی یا ضمیر ہے یہ (اکفرت) استدراک ہے گویا کافر کے مؤمن بھائی نے کہا کہ تو اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے لیکن میں تو مومن موحد ہوں اس معنے پر لٰكن دو مختلف (اثبات و نفی) جملوں کے درمیان واقع ہوا ہے وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا۝ اور میں اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا اس سے معلوم ہوا کہ اس کا کفر شرک کی وجہ سے تھا وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ یعنی تونے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت کیوں نہ کہا مَا شَآءَ اللّٰهُ وہی ہوگا جو رب تعالیٰ چاہے گا یہ ما موصولہ ہے اس کا مبتدا محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی و الامر ما شاء اللہ الامر کی لام استغراق کی ہے اس سے اسے برانگیختہ کرنا مطلوب ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ باغ اور اس کے جملہ پھل اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہیں وہ چاہے تو انہیں ان کے حال پر آباد رکھے چاہے تو فنا کر کے اسے ملیا۔ ۔

کردے، لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ تونے کہا ہوتا کہ میں بالکل عاجز بندہ ہوں میری قوت اور میرا زور اللہ کی مدد سے ہے مجھے جو کچھ باغ کی آمدنی اور اُس کی آبادی سے حاصل ہوتا ہے اسی کی قدرت اور مدد سے نصیب ہوتا ہے

نظر بد سے بچنے کا وظیفہ : حدیث شریف میں ہے کہ تم میں اگر کوئی اچھی چیز دیکھے تو فوراً کہہ دے ماشاء اللہ تو اسے بد نظر ضرر نہیں پہنچائے گی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کسی کو دیکھو کہ اسے اچھا مال یا نیک اولاد نصیب ہوئی ہے تو فوراً کہے "ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ" تو وہ بھی بد نظر سے محفوظ رہے گا اور اس میں اور طرح کا بھی کوئی نقصان نہ ہوگا۔

لَاحَوْلَ کا معنے : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" کا معنے خود بیان فرمایا کہ ہماری طاقت نہیں کہ ہم گناہ سے بچ سکیں سوائے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نہ ہی طاعت پر ہمیں کوئی قوت ہے سوائے اللہ کی مدد کے

لَاحَوْلَ کی فضیلت : حدیث شریف میں ہے کہ "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" ننانوے بیماریوں کی دوا ہے ان ننانوے بیماریوں میں سے ادنیٰ کی بیماری غم ہے۔

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ۝ ترن دراصل ترنی تھا اور رُویت اگر بصری مراد ہے تو اقل اس سے حال ہے اگر علمی ہے تو اقل اس کا دوسرا مفعول ہے اور اس کا پہلا مفعول یاء متکلم کی ہے جو ترن میں محذوف ہے اور ہر دونوں معانی میں لفظ انا یاء متکلم کی تاکید ہے فَعَسٰى بمعنے لعل ہے رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ یہ دراصل یوتینی تھا خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ جس بہتر باغ کی خبر دے رہا ہے اس سے عالم آخرت کا باغ مراد ہے وہ بہتر اسی معنے پر ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں فانی ہیں اور آخرت کی باقی اور دائمی۔ یہ جملہ شرط کی جزا ہے وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا اور اسی دنیا میں تیرے باغ پر اللہ تعالیٰ نازل فرمائے حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ عذاب آسمانی یعنی اسے برباد کر ڈالے سردی آسمانی بجلی یا آگ سے قاموس میں ہے کہ الحسبان بالضم حساب کی جمع ہے اور بمعنے عذاب وبلاء اور شر اور آسمانی کڑک کے بھی آتا ہے صاحب روح البیان نے فرمایا کہ کافر کو مومن بھائی نے ایسے عذاب سے اس لیے ڈرایا کہ اسے یقین تھا کہ جو نعمت کی ناشکری کرتا ہے تو اسے ایسے گھاٹے نصیب ہوتے ہیں بلکہ عموماً اعجاب و تکبر اور خود بینی عموماً تباہی اور بربادی کا موجب بنتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم اور کافر کو اس کے مسلم بھائی نے اس کے اس قول مَآ اَظُنُّ ان تبید ھذہ ابداً کے جواب میں یہی کہا جو اوپر مذکور ہوا فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اصباح یہاں پر بمعنے الصیرورۃ کے ہے یعنی ہو جائے گا تیرا باغ صاف میدان زلقاً مصدر بمعنے مفعول ہے یعنی وہ باغ زمین صاف کی طرح رہ جائے گا زلقاً ہر ایسی زمین کہ جس کی صفائی ایسی ہو کہ اس پر پاؤں رکھنے سے ڈگمگا جائیں اس سے مقصود یہی ہے کہ تیرا باغ ملیا میٹ ہو کر باغ کی جگہ خالی زمین رہ جائے قرطبی نے فرمایا کہ زلق بمعنے حلق راسہ بھی آتا ہے اس سے بھی یہی مراد ہے کہ تیرا باغ درختوں اور کھیتی سے ایسے خالی ہو جائے جیسے سر منڈے کے بال مونڈے جائیں تو وہ بالوں سے خالی رہ کر شلغم نما معلوم ہوتا ہے اس معنے پر بھی زلقاً مصدر بمعنے مفعول د مزلوق ہوگا اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا یا باغ کا پانی زمین میں ایسا دھنس

جائے کہ وہاں تک نہ ہاتھ پہنچ سکے اور نہ ڈول غورا مصدر کا اطلاق بطور مبالغہ کے ہے فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا تو پانی کی
ہمیشہ کے لیے جستجو بھی نہ رکھے گا یعنی پانی کا ملنا تو درکنار اس کے حصول کی طاقت بھی تیرے میں نہیں رہے گی جلالین میں لکھا ہے
کہ پانی کا نشان نہ ہوگا جسے تو طلب کر سکے وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے گویا یوں کہا گیا کہ جس کا خطرہ
محسوس کیا گیا وہ ہو کر رہا چنانچہ اس کے تمام اسباب اور باغات مٹ کر رہ گئے یہ احاط بہ العدو سے ماخوذ ہے اس لیے
کہ جب دشمن کسی پر غلبہ کرتا ہے تو اسے پورے طور اپنے قابو میں لے لیتا ہے تو اسے ہلاک کے گھاٹ اتار دیتا ہے فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ
پس وہ کافر افسوس کے ہاتھ ملتا رہ گیا یعنے افسوس اور حسرت سے اس کی ہتھیلیاں کھل گئیں جیسے عموماً ندامت اور افسوس زدہ لوگوں
کی عادت ہوتی ہے اس لیے کہ ندامت خوردہ انسان افسوس کے ہاتھ ایسے ہی ملتا ہے۔

ف بحر العلوم میں ہے تقلیب الکفین وعض الکف والانامل والیدین و اکل البنان وحرق الانسان وغیرھا
یہ تمام حسرت وندامت کے وقت بولتے ہیں اور ندامت وحسرت پر دلالت کرتے ہیں ان میں الفاظ رادفہ کو مرادفہ پر استعمال کیا
گیا ہے جب یہ کیفیت ہو تو کلام کی مبالغہ کی سطح اونچی ہو جاتی ہے کلام کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اسے سامع
دلچسپی سے سنتا ہے یا یہ معنیٰ بیندم کے ہے اسی طرح لفظ علیٰ سے متعدی ہوا گویا کہا گیا ہے عَلٰى مَآ اَنْفَقَ
باغ کی پہلی لاگت فِيْهَا جو اسی باغ کا مال واسباب وغیرہ تھا۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

برگذشتہ حسرت آوردن خطاست
بازناید رفتہ یاد آن ہباست

ترجمہ گذری شے پر حسرت کرنا غلط ہے گئی ہوئی شے کب واپس آسکتی ہے پھر اس کی یاد خواہ مخواہ کیوں

سوال لاگت پر حسرت اور افسوس کیوں اور جو اس کے سامنے موجود پھل وغیرہ تباہ وبرباد ہوئے ان سے بھی افسوس ہوا ہوگا
لیکن اس کا ذکر نہیں پہلے کی تخصیص کیوں؟

جواب چونکہ پہلے والے اسباب وغیرہ اس کے قبضہ اور اختیار میں تھے اور موجودہ پھل وغیرہ اس کے اختیار اور قبضہ سے باہر
تھے پھر انسان کو زیادہ افسوس اسی کا ہوتا ہے جو اس کے قبضہ اختیار میں ہونے کے باوجود تباہ وبرباد ہو جائے

جواب ۲ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ لاگت کا مال اپنے ملک اور اختیار سے خرچ ہوتا ہے اسی لیے اسے باغ پر خرچ کردہ مال
اسباب کا زیادہ افسوس ہوا اور عموماً عادت ہے کہ انسان جس شے کے حصول کے لیے روپیہ پیسہ خرچ کرے اور وہ تباہ وبرباد ہو
جائے تو زندگی بھر اسے یاد کرتا ہے۔

وَهِيَ اور وہ انگوروں کا باغ جس کے گرد اگرد کھجوریں تھیں خَاوِيَةٌ اکھڑ کر گرا پڑا تھا یہ خوت الدار خویًا
سے ہے بمعنے تھدمت وخلت من اھلھا یعنی دار گر پڑی اور مکینوں سے خالی ہوگئی عَلٰى عُرُوْشِهَا اپنے

ٹینٹوں پر یعنی وہ انگور کی بیل کو جن ٹینٹوں پر چڑھایا جاتا ہے وہ زمین پر گری پڑی تھیں اور انگور کے درخت بھی جڑوں سے نکل کر ٹینٹوں پر پڑے تھے

سوال باغ میں انگوروں کے علاوہ کھجوریں اور کھیتی بھی تھی پھر صرف انگوروں کی تخصیص کیوں

جواب چونکہ باغ میں تمام چیزوں سے انگور عمدہ سمجھے جاتے ہیں ان کی عمدگی کی وجہ سے تخصیص کی گئی ہے

ف آسمان سے آگ اتری جس نے تمام باغ کو جلا کر راکھ کر دیا اور اس کا پانی زمین کے اندر دھنس گیا

وَيَقُوْلُ اس کا یقلب پر عطف ہے **يٰلَيْتَنِيْ** کافر کہتا تھا کاش لم اشرك **بِرَبِّيْٓ اَحَدًا** ۝ میں اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا گویا اس وقت اسے اپنے مسلم بھائی کی نصیحت یاد آگئی اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ تمام نقصان شرک کی وجہ سے ہوا۔ باغ کی تباہی کے بعد تمنا کی کہ کاش وہ بھی مومن ہوتا اور شرک سے بچتا لیکن اس وقت کی تمنا اسے کوئی فائدہ نہ دے سکی اس لیے کہ اسے ایمان کی رغبت دنیوی مفاد کے پیش نظر تھی اسے شرعاً توبہ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ توحید کے لیے اخلاص ضروری ہے اسی لیے ابن شیخ نے سورۃ الانعام میں لکھا ہے کہ ایمان و طاعت میں نفسانی خواہش سے راغب ہونا غیر مفید ہے جب تک ان میں خلوص قلب سے رغبت نہ ہو یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کرام نے فرمایا کہ ایمان و طاعت میں ثواب کی طلب اور عذاب کا خوف ہو تو نہ وہ ایمان کام کا اور نہ طاعت ۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

آن ندامت از نتیجہ رنج بود
نے زعقل روشن چو گنج بود
چونکہ شد رنج آن ندامت شد عدم
می نیرزد خاک آن توبہ ندم
میکند او توبہ و پیر خورد
بانگ لو رُدُّوا لَعَادُوْا می زند

ترجمہ ایسی ندامت رنج کی وجہ سے ہے خزانہ کی طرح عقل روشن سے نہیں جو ندامت رنج کی وجہ سے ہو وہ بیکار ہے ایسے تائب کی توبہ غیر قابل قبول ہے بوڑھا توبہ تو کرتا ہے لیکن لوردوا لعادوا کا مصداق بھی ہے کہ اگر اسے جوانی مل جائے تو پھر گناہ کرنے سے نہیں رو کے گا۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس کی کوئی ایسی جماعت نہیں تھی جو اس کی قدرت رکھتے ہوں اور اسے ہلاکت سے بچا سکے یا اسے اس کا ضائع شدہ مال و اسباب واپس لوٹا سکتے یا اس جیسا مال و اسباب اسے دلوا سکتے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی کیا طاقت ہے کہ کر سکے اس لیے کہ اس جیسی مدد وہی کر سکتا ہے لیکن اس نے اس کافر کی

مدد نہیں کرتی تھی۔ کیونکہ وہ اس کی مدد کا مستحق نہیں تھا بلکہ وہ اپنے کفر و معاصی کی وجہ سے ذلت و خواری کا مستحق تھا وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا اور وہ اپنی قوت سے اللہ تعالیٰ سے بدلہ لینے والا بھی نہ تھا هُنَالِكَ اس مقام پر اور اس وقت میں یعنی اولاد و نعمت کے وقت الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ مدد دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس پر کسی کو کسی قسم بالذات قدرت نہیں یہ وَلَمْ تَكُن لَّهُ فِئَةٌ کی تقریر کے لیے لایا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کافروں پر اپنے مؤمن بندوں کی مدد کرتا ہے اور صرف اہل ایمان کے لیے کافروں سے بدلہ لیتا ہے جیسے مذکورہ بالا قصہ میں ہے کہ مومن کے خدشہ کو یقین کر دکھایا اور کافر کو اسی کے سامنے ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کر دیا چنانچہ فرمایا هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا وہی اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو بہتر ثواب اور اچھے اعمال سے نوازتا ہے عقبًا بمعنے المعاقبۃ یعنی اچھا انجام۔ حضرت سعدی مفتی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ عقبا دنیوی اور اُخروی ہر دونوں نیک انجاموں پر مشتمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو دنیا و آخرت ہر دونوں جہانوں میں نیک انجام بخشتا ہے۔

ف جلالین میں ہے کہ بہترین ثواب وہ ہے کہ جس ثواب کی منجانب اللہ امید دلائی گئی ہے اور اس کی طاعت کا انجام نیک ہو بہ نسبت دوسرے کی طاعت کے انجام کے۔

ف قصہ مذکورہ سے بہت سے مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں اور اس کا عظیم ترین فائدہ یہ ہے کہ توحید اور ترک دنیا دارین کی نجات کا موجب ہیں اور شرک اور حب دنیا دارین کی تباہی و بربادی کے اسباب ہیں۔

حکایت حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک عالم دین نے علوم کی ستر صندوقیں جمع کیں ہر صندوق کی لمبائی ستر گز تھی اللہ تعالیٰ نے اسی زمانہ کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا کہ آپ اسی عالم دین سے فرمائیے کہ تجھے یہ علوم و فنون کی کتابیں کوئی فائدہ نہیں دیں گی اگرچہ ان سے کئی گنا زائد اور بھی جمع کر لیں۔ جب تک تم اپنے سے تین عادتیں دور نہیں کرو گے وہ تین عادات یہ ہیں (۱) حب دنیا (۲) شیطان کی سنگت (۳) مسلم کا ایذاء اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فرعون بہت بڑا عالم تھا اسے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی علم تھا لیکن حب دنیا نے نبی علیہ السلام کا ادب نہ کرنے دیا اور نہ ہی ان کی اتباع سے بہرہ ور ہو سکا اس سے ثابت ہوا کہ صرف علم غیر مفید ہے جب تک اس پر عمل نہ ہو اسی طرح ابلیس سے بڑھ کر کون عالم ہو سکتا ہے لیکن اس کا حال آدم علیہ السلام کے ساتھ بغض رکھنے کا سب کو معلوم ہے اسی طرح یہودی بھی بہت بڑے علماء تھے لیکن ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی اور گستاخی سے مارے گئے اگر صرف علم فائدہ دیتا تو وہ لوگ اچھی عاقبت اور سعادت ابدی سے محروم نہ ہوتے اگر اپنے علم کے مطابق عمل کرتے تو نجات پاتے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

گرچہ ناصح را بود صد داعیہ
پند را اذنے بباید واعیہ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝

ترجمہ اور آپ دنیوی زندگی کی حالت مثال دے کر بیان فرمائیے جیسے ہم نے آسمان سے ایک پانی نازل کیا یعنی مینہ برسایا تو بارش کے پانی کے سبب سے زمین کی انگوریاں گھنی ہو کر نکلیں پھر سوکھا گھاس ہو میں جسے ہوائیں اڑائیں اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت والا ہے مال اور اولاد دنیوی زندگی کے سنگار ہیں اور باقی رہنے والے اعمال صالحہ ہیں ان کا ثواب آپ کے رب تعالے کے ہاں بہتر اور امید کے اعتبار سے بھی اچھے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۳۷۹

تو بصد تلطیف پندش می دہی
او ز پندت میکند پہلو تہی
یک کس نا مستمع ز استیز و رد
صد کس گوینده را عاجز کند
ز انبیا ناصح تر و خوش لہجہ تر
کے بود کہ رفت دمشان در حجر
زانکہ کوہ و سنگ در کار آمدند
می نشد بد بخت را بکشادہ بند
آنچنان دلہا کہ بد شان و ماو من
نعتشان شد بل اشد قسوه

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

تفسیر عالمانہ اے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو دنیا کی زیب و زینت اور رونق کو ایسی چیزوں سے مثال دے کر سمجھائیے جن کے ساتھ رونق اور زینت اور زوال میں دنیا کو مشابہت ہو تاکہ وہ آخرت سے منہ موڑ کر دنیاوی مشاغل کی طرف نہ ٹوٹ پڑیں كَمَآءٍ یہ جملہ مستانفہ ہے کہاوت کا بیان ہے اس کا مبتدا ھی محذوف ہے یہ دراصل ھی کما تھا اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ یعنی جیسے وہ پانی جسے ہم نے بادل سے یا آسمان کی جانب سے اتارا یاد رہے کہ یہ تشبیہ صرف پانی سے نہیں بلکہ اس کے جملہ بیان کے ساتھ دنیا کو تشبیہ دی گئی ہے۔

فَاخۡتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ اختلط بمعنے التف وتکاثف یعنی انگوری قوت پاکر اپنے نشو ونما میں کمال کو پہنچے اور زمین اس سے رونق پکڑے فَاَصۡبَحَ پس ہو جائے رونق اور تروتازگی کے بعد وہی گھنی کھیتی هَشِيۡمًا بمعنے مهشوما مکسورا یعنی خشک ہوکر بھوسہ کی طرح یہ هشم سے ہے بمعنے نرم شے کو توڑنا تَذۡرُوۡهُ الرِّيٰحُ اسے ہوائیں اٹھاکر ریزہ ریزہ کرکے اٹھائے پھریں اہل عرب کہتے ہیں ذات الریح و اذرتہ بمعنے اطارتہ واذھبتہ یعنی اسے ہوا اڑاکرلے گئی ذرا اور جو خود بخود اڑا اس کے بعد مفعول بھی واقع ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے ذرا الحنطۃ نقاھا فی الریح یعنی فلاں نے گندم کو ہوا میں صاف کیا کذا فی القاموس، یہ آیت انما مثل الحیوۃ الدنیا کما کا خلاصہ ہے کاشفی نے لکھا ہے کہ یہی کیفیت انسانی زندگی کی ہے کہ جب وہ نوجوان ہوتا ہے تو اس کی زندگی کے لمحات کی چہل پہل ہوتی ہے جب جوانی گزری تو موت کے پیغامات آنے لگے زندگی کے پھول کملانے لگے یہاں تک کہ فنا ہو جاتا ہے تو اس کی تمام آرزوئیں اس کے جسم کے ساتھ خاک میں مل جاتی ہیں۔ ؎

بہار عمر بسے دلفریب و رنگینست
ولے چہ سود کہ دارد خزاں مرگ از پے

ترجمہ زندگی کی بہار بڑی دلفریب اور رنگین ہوتی ہے لیکن کیا فائدہ جب کہ اس کے پیچھے خزاں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ مُّقۡتَدِرًا اور وہ تخلیق الاشیاء اور ان کے ابقاء وافناء پر قادر ہے اسے کوئی شے عاجز نہیں کرسکتی۔

سبق دانا وہ ہے جو حیٰوۃ الدنیا سے دھوکہ نہیں کھاتا اس لیے کہ دنیا فانی ہے وہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو بالآخر اسے ملیا میٹ ہونا ہے اگرچہ اس کی بہار کتنا ہی مزین ہو۔

حضرت شیخ سعدی نے فرمایا ؎

چوں شبت در آمد بروئے شباب
شبت روز شد دیدہ برکن زخواب

دریغا کہ بگذشت عمر عزیز
بخواہد گذشت این دمی چند نیز

فرو رفت جم را یکے نازنین
کفن کرد چوں کرمش ابریشمین

بدخمہ در آمد پس از چند روز
کہ بروئے بگرید بزاری و سوز

چوں پوشید دیدش حریر کفن
بفکرت چنین گفت باخویشتن
من از کرم بر کندہ بودم بزور
بکند ند از و بار کرمان بود
دریغا کہ بے ما بے روزگار
بروید گل و بشگفد نوبہار

تفسیر صوفیانہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ازلی عنایت شامل حال ہو جائے وہ روح کے جسم سے متعلق ہوتے ہی اولیاء انبیاء علیہم السلام کی برکات وفیوضات سے مستفیض ہوتا ہے جیسے مٹی میں پانی مل کر اسے تازہ بہار بنا دیتا ہے اور وہ ایمان وتوحید کا بیج اپنے ساتھ رکھتے ہیں وہ تبلیغ ودعوت کے ہاتھ سے نفوس کی زمین میں بیج بوتے ہیں وہ بیج جب اچھی زمین یعنی پاکیزہ قلوب میں پڑتا ہے اس کی مثال کلمۂ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ میں بیان کی گئی ہے اور دوسرے مقام والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ میں بھی اس کی مثال مطلوب ہے اپنے قلوب میں توحید کے بیج یعنی (لاالٰہ الا اللہ) سے شریعت کے پانی سے شجرۂ ایمان اُگتا ہے اس کی روح اسفل سافلین انسانیت سے نکل کر اعلیٰ درجات روحانیہ تک پہنچتی ہے بلکہ اسے قربات ربانیہ کی قریب ترین منزل نصیب ہوگی۔ کما قال تعالیٰ الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ وہ اپنے بندے کو رسوائی میں ڈالے یا اسے اسفل سافلین جسمانیہ حیوانیہ میں دھکیل دے تاکہ اس کی علوی روح جانوروں بلکہ ان سے بھی بدتر ہو جائے اور چاہے تو اپنے بندوں کو جذبات عنائیہ کے ساتھ اعلیٰ علیین کے مراتب کا قرب عطا فرمائے تاکہ وہ ملائکہ مقربین کے مسجود ہوں۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ دریں راہ تگ و پوئے کنند

ترجمہ دوست کی کشش کے بغیر کوئی سالک منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا اگرچہ ہزاروں سال اس میں جدوجہد کریں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے اپنی محبت سے مشرف فرمائے اور ہمیں اہل طاعت وقربت بنائے

دنیا کی مذمت حضرت وہب بن منبہ نے فرمایا کہ میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ دنیا کمینہ لوگوں کے لیے غنیمت اور جاہلوں کے لیے غفلت کا سبب اور اولیاء وانبیاء علیہم السلام نے دنیا میں رہ کر بھی اس کی طرف ذرہ برابر بھی توجہ نہیں کی اور نہ ہی انھیں اس کی کچھ رغبت تھی اور فرماتے کہ ضروری نہیں کہ قیدخانہ میں ہر داخل ہونے والا قیدی ہو بلکہ بہت سے لوگ قیدخانے سے قیدیوں کو رہائی بخشتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین دنیا میں صرف اسی لیے تشریف لائے کہ وہ نفوس کے قیدیوں کو دنیا کی قید سے نجات بخشیں جیسے قیدی قید سے چھوٹ جاتا ہے ایسے

ہی دنیا کے قید خانے میں جو شخص بھی انبیا علیہم السلام اور ان کے متبعین کا اتباع کرتا ہے تو وہ نفوس کی شرارت اور دنیا کے فسادات سے نجات پا جاتا ہے

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا‌ۚ زینت مصدر ہے لیکن اکثر بمعنے منعول مستعمل ہوتا ہے اور چونکہ اس سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے اس لیے اسے مصدر کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے گویا حیٰوۃ الدنیا زینت کا عین ہے اب آیت کا معنٰے یہ ہوا کہ عرب کے رئیس کفار مال و بنون پر فخر کر کے اپنے لیے حیٰوۃ دنیا کی زیب و زینت کا سامان جمع کرتے ہیں لیکن انھیں یہ معلوم نہ ہو کہ حیٰوۃ دنیا کے تمام اسباب عنقریب فنا ہو جائیں گے خلاصہ یہ کہ حیٰوۃ الدنیا کے آرائش کے جملہ اسباب چند روزہ ہیں یہ صرف ایک لمحہ میں تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

ہمچنیں دنیا اگرچہ خوش شگفت
بانگ ہم زد بیوفائی خویش گفت
کون می گوید بیامن خوش پی ام
ان فسادش گفت رومن لا شی ام
ای زخوبی بھاران لب گزان
بنگر آن سردی و زردی خزان
کودکی از حسن شد مولای خلق
بعد فردا شد خوف رسوای خلق

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ جملہ امور خیر کو باقیات صالحات سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لیے کہ یہ لفظ موصوف کے بغیر مستعمل ہوتا ہے اس کا معنٰے یہ ہے کہ وہ اعمال خیر جن کے ثمرات تا ابدالآباد باقی رہیں گے۔ جیسے نماز و روزہ اور اعمال حج اور کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اسی طرح کی اور نیک دعائیں وغیرہ

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ اپنے ہتھیار سنبھال لو صحابہ نے عرض کی کیا دشمن کے حملہ کی وجہ سے آپ نے فرمایا نہیں جہنم کے حملہ سے ہتھیار حاصل کرو عرض کی گئی اس کے لیے کون سے ہتھیار ہیں آپ نے فرمایا جہنم سے بچنے کے لیے بہترین ہتھیار "سبحان اللہ الخ" ہے

ف کاشفی نے لکھا کہ الباقیات الصالحات لڑکیاں مراد ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ هن ستر لکم لڑکیاں تمھارے لیے جہنم کا ستر اور والدین کے لیے جہنم سے نجات کا سبب ہیں۔

حدیث شریف مع شرح

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ من ابتلی الابتلا بمعنے امتحان ہے لیکن اس کا اطلاق اکثر دکھ اور تکلیف میں ہوتا ہے اور لڑکیاں بھی انسان کے لیے ایک آزمائش ہیں اس لیے عموماً انسان کی خواہش لڑکوں کی ہوتی ہے من ھذہ البنات بشئی یہ من بیانیہ ہے یہ اپنے مجرور سے مل کر شئی سے حال ہے یعنی جو شخص تم میں سے لڑکیوں کے متعلق کسی امر میں مبتلا ہوا فاحسن الیھن پس وہ جو ان سے احسان کرے یہاں پر احسان بمعنے تزویج بالاکفاء ہے یعنی لڑکیوں کا اپنی کفو میں نکاح کر دینا لیکن بہتر یہ ہے کہ یہاں سے ہر قسم کی خدمت مراد ہو کن لہ ستزا من النار تو وہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم کا پردہ بن جائیں گی یعنی دوزخ سے نجات پانے کا سبب لڑکیوں کی پرورش ہے اس لیے کہ لڑکیاں چھوٹی ہوں یا بڑی والدین کی محتاج ہوتی ہیں اسی لیے کہ جو شخص ان کی بہتر طریقہ سے تربیت کرتا ہے تو وہ جہنم سے نجات پا جائے گا (کذا فی شرح مشارق الانوار) خَيْرٌ یعنی باقیات صالحات مال و اسباب فانی سے بہتر ہیں عِنْدَ رَبِّكَ آخرت میں اللہ تعالٰے کے ہاں ثَوَابًا ثواب کے لحاظ سے یعنی وہ اجر و ثواب جو نیک عمل کرنے والے کو آخرت میں نصیب ہوگا وَّخَيْرٌ اَمَلًا اور امید ورجاء کے لحاظ سے بھی باقیات صالحات بہتر ہیں یعنی دنیا و آخرت کی تمام امیدوں سے وہ بہتر صلہ نصیب ہوگا جو اسے آخرت میں نصیب ہوگا اور دنیا کے مال و اسباب تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں آیت میں حیٰوۃ دنیا کی زینت سے اہل ایمان کو بچنے کی تلقین کی گئی ہے اور اس پر فخر کرنے والوں کو زجر و توبیخ کی گئی ہے

تفسیر صوفیانہ

بزرگوں کا فرمان ہے کہ حیاتِ دنیا کی زینت سے صرف وہی نجات پا سکتا ہے جس کا دل انوار معرفت رضائے محبت الٰہی اور لمعان شوق سے مزین اور اس کا ظاہر آداب خدمت و شرف ہمت و علو نفس سے آراستہ اور اس کے باطن کا سنگار حب دنیا کی زینت پر غالب ہو اور وہ ہر وقت طلب دیدار الٰہی کے شوق میں رہتا ہو ایسے لوگ اپنی زینت سے حیاتِ دنیا کی زینت پر غالب رہتی ہے اس لیے کہ ایسے حضرات کی زینت زیادہ مزین ہوتی ہے

حدیث شریف

حضرت ضحاک سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے بڑا زاہد کون ہے آپ نے فرمایا جو یہ چیزیں ہر وقت سامنے رکھتا ہے

۱ مر کر قبر میں جانا ہے

۲ قبر میں جسم نے گل سڑ جانا ہے

۳ دنیا کی فضول زینتوں کو نظر میں نہیں لاتا ۔

۴ فانی اشیا کے بجائے باقی باتوں میں جی لگاتا ہے

۵ اپنے آپ کو کل کے لیے زندہ رہنے کی امید نہیں رکھتا ۔

۶ اپنے آپ کو مردگان سے سمجھتا ہے۔

حدیث شریف قدسی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا مومن بندہ اس پر خوش ہوتا ہے جب میں اسے دنیا کی ہر شے فراوانی سے بخشتا ہوں لیکن وہ فراوانی میرے سے اسے دور کر دیتی ہے اور میرا مومن بندہ اس وقت بہت گھبراتا ہے جب میں اسے دنیا کی قلت پیدا کر دوں حالانکہ وہ قلت اسے میرے قریب کر دیتی ہے اس کی تائید میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ یحسبون انما نمدھم بہ من مال و بنین نسارع لھم فی الخیرات بل لا یشعرون خلاصہ یہ کہ دنیا اور اس کی زینت بندے کے لیے فتنہ ہے مثنوی شریف میں ہے ؎

یکی پارسا سیرت و حق پرست
فتادش یکی خشت زریں بدست
ہمہ شب در اندیشہ کین گنج و مال
در و تا زیم رہ نیابد زوال
ذکر قامت بجزم از بھر خواست
نیابد بزکس دوتا کددو راست
سرامی کنم پائے بستش رخام
درختاں سقفش ہمہ عود خام
یکی حجرہ خاص از پی دوستاں
در حجرہ اندر سرا بوستان
بفرسودم از رقعہ بر رقعہ دوخت
تف دیگراں چشم و مغزم بسوخت
دیگر زیر دستان بر ندم خورش
براحت دہم روح را پرورش
بسختی بگشت ایں غد بسترم
روم زین سپس عبقری گسترم
خیالش خزف کرد و کالیوہ رنگ
بمغزش فرو بد دہ خرچنگ چنگ

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝

ترجمہ اور جس دن کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور دیکھو گے زمین کو کھلا ہوا میدان اور ہم ان سب کو قیامت میں جمع کریں گے تو ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے اور سب کے سب تمھارے رب کے سامنے قطاریں باندھ کر پیش کیے جائیں گے بے شک تم ہمارے ہاں حاضر ہوئے جیسے ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا بلکہ تمھارا تو خیال تھا کہ ہم تمھارے لیے کوئی وعدہ کا وقت مقرر نہیں کریں گے اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے اندر لکھے ہوئے مضامین سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے بدبختی کہ اس نامۂ اعمال کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے کوئی گناہ چھوٹا نہ بڑا اگر اس نے اسے قلمبند کر لیا ہے اور انھوں نے دنیا میں جو عمل کیا تھا اس میں تمام موجود پایا اور تمھارا کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا

بقیہ صفحہ

فراغ مناجات دازشش نماند
خور و خواب و ذکر و نمازشش نماند
بصحرا در آمد سر از عشوہ ست
کہ جائے نبودشش فرازنشست
یکی بر سر کوہ گل میسر شت
کہ حاصل کنند زان گل کو دخشت
باندیشہ لحتی فرو رفت پیر
کہ ای نفس کوتہ نظر پند گیر
چہ بندی دریں خشت زریں دلت
کہ یک روز خشتی کنند از گلت
تو غافل در اندیشۂ سود و مال
کہ سرمایۂ عمر شد پامال
بکن سرمہ غفلت از چشم پاک

کہ فردا شوی سرمہ درچشم خاک

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ اے محبوب عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کو یاد کیجیے کہ ہم ان پہاڑوں کو زمین سے اکھیڑ کر انھیں خلا میں اڑا دیں گے اسی ہیئت پر چلا دیں گے یا ریزہ ریزہ کر کے خلا میں اڑا دیں گے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تذکیر دلانے سے کفار و مشرکین کو ڈرانا مقصود ہے تاکہ وہ قیامت کے ایسے سخت ہولناک معاملہ سے عبرت پکڑیں وَتَرَى یہ خطاب حضور سرور کائنات امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا اس کو جو اس رونت کا اہل ہے الْأَرْضَ اس سے اس کی تمام جانبیں مراد ہیں بَارِزَةً بمعنے ظاہرۃ یعنی قیامت میں زمین کو ایک کھلا میدان دیکھو گے یعنی اس پر ایسی چیزیں نہیں ہوں گی جو اسے چھپا دیں یعنی اس وقت نہ پہاڑ ہوں گے نہ درخت اور نہ انگوریاں وَحَشَرْنٰهُمْ اور ہم تمام مومنوں اور کافروں کو ایک جگہ جمع کریں گے فَلَمْ نُغَادِرْ نہیں چھوڑیں گے مِنْهُمْ أَحَدًا ۝ زمین کے اندر والے کافروں اور مومنوں میں سے کسی ایک کو۔

حل لغات غادرۃ واغدرہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو چھوڑ دے اسی سے ہے الغدر بمعنے ترک الوفا اور حوض وغیرہ کو عربی میں الغدیر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سیلاب اپنا پانی اس کی گہرائی میں چھوڑ گئی ہے

وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا اور قیامت میں تمام مخلوق کو جمع کر کے تمھارے رب تعالیٰ کے سامنے اس کے حکم سے صفوں میں پیش کیے جائیں گے صفا مفرد ہے اسے جمع کے قائم مقام استعمال کیا گیا ہے جیسے ثم یخرجکم طفلا میں طفلا اطفالاً کے قائم مقام ہے یعنی صف بمعنے مفوق ہے یعنی قیامت میں لوگ ایک دوسرے کے آگے پیچھے صف باندھ کر حاضر ہوں گے متفرق اور منتشر ہو کر نہیں آئیں گے بلکہ مجتمع ہو کر حاضری دیں گے جیسے بادشاہ کے سامنے لشکر پیش کیا جاتا ہے قیامت میں حاضری دینے والوں کو بادشاہ کے حاضر کردہ لشکر سے تشبیہ دی گئی ہے اور وہ اس معنے پر نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پہچانے بلکہ اس لیے ہوگی کہ وہ کریم اپنے بندوں کا جس طرح چاہے فیصلہ کرے لَقَدْ جِئْتُمُونَا یعنی قیامت میں انھیں کہا جائے گا کہ آج تم ہمارے ہاں ایسے حاضر ہوئے ہو كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ جیسے ہم نے تمھیں پہلی بار پاؤں اور جسم سے ننگے پیدا کیا جیسے اس وقت نہ تمھارے ہاں مال تھا اور نہ اولاد ایسے ہی اب مر کر اٹھے ہو تو پاؤں اور جسم سے ننگے اور تمھارے ہاں نہ مال ہے نہ اولاد۔

حدیث شریف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت میں لوگ کیسے اٹھائے جائیں گے آپ نے فرمایا پاؤں اور جسم سے ننگے میں نے عرض کی عورتیں بھی آپ نے فرمایا ہاں عورتیں بھی میں نے عرض کی ہمیں شرم محسوس نہیں ہوگی آپ نے فرمایا اے عائشہ قیامت کا منظر سخت ہولناک

ہو گا کہ کسی کو دوسرے کے دیکھنے کی ہوش بھی نہ ہو گی

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے وعرضوا علی ربك صفا یعنی درجہ وار صفیں ہوں گی مثلاً پہلے انبیاء پھر اولیاء پھر اہل ایمان پھر کفار اور منافقین کی صفیں ہوں گی انہیں فرمایا جائے گا لقد جئتمونا کما اول مرۃ کہ جیسے تم ابتدائے آفرینش میں پانچ صفوں (انبیاء، اولیاء، اہل ایمان، کفار، منافقین) میں منقسم تھے آج بھی اسی طرح پانچ صفوں میں ترتیب وار حاضر ہوئے ہو

تفسیر عالمانہ

بَلْ زَعَمْتُمْ بلکہ اے قیامت کے منکر کافرو! تمہارا گمان تھا الزعم بمعنے الادعا بالکذب یعنی زعم بمعنے جھوٹا دعوی کرنا ان مخففہ من المثقلہ ہے اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا تمہارے لیے قیامت میں ہم حاضری کا پروگرام نہیں بنائیں گے

ف بل خروج سے اور ایک قصے سے دوسرے کی جانب منتقل ہونے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس سے کفار کو زجر و توبیخ اور انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنا مطلوب ہے یعنی اے کافرو! تمہارا خیال تھا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام جو تمہیں آخرت میں اٹھنے کی نصیحتیں کر رہے ہیں یہ فضول ہیں اللہ تعالیٰ ہماری حاضری کا کوئی پروگرام نہیں بنائے گا

مسئلہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت اور اس کی صفت جلال و قہاریت اور آثار عدل کا اظہار ہے تاکہ غافل لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر قیامت کے دن کے حصول کی تیاری کر سکیں اور اپنے ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کے خطاب و جواب کے لائق بنائیں کیونکہ ہم سب کا رجوع اور انجام بکار اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔

ف یہ حاضری یوں نہ سمجھا کہ جیسے ایک بادشاہ کے سامنے اس کا لشکر حاضر ہوتا ہے بلکہ یہ احکم الحاکمین کی ایک بہت بڑی حاضری ہے کہ جسے انبیاء اولیاء یاد کر کے لرزتے تھے

حکایت حضرت عتبۃ الخواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ عتبہ میرے ہاں شب باش ہوا جب لوگ سو گئے تو وہ اٹھ بیٹھا اور روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی جب ہوش میں آیا میں نے پوچھا بیٹا کیوں روتے ہو اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی حاضری جب یاد آتی ہے تو نہ صرف میں بلکہ تمام عشاق کا یہی حال ہے کہ ان کی جان لبوں پر آ جاتی ہے

حکایت سلیمان بن عبد الملک یعنی مروانیہ کا ساتواں خلیفہ نے ابو حازم سے پوچھا کہ بتاؤ ہم لوگ آخرت سے کیوں گھبراتے ہیں اس نے جواب دیا وجہ ظاہر ہے کہ تم لوگوں نے اپنی دنیا سنواری اور آخرت کو ویران کیا اسی لیے تم اپنی آباد کردہ دنیا سے آخرت کے ویرانے سے گھبراتے ہو سلیمان بن عبد الملک نے کہا صدقت یا ابا حازم اے ابو حازم تو نے ٹھیک فرمایا لیکن یہ بتائیے کہ ہمیں قیامت میں کیا جزا و سزا ملے گی ابو حازم نے کہا وہ بھی ظاہر ہے جسے قرآن مجید میں واضح طور بیان فرمایا ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم بے شک ابرار بہشت میں اور فجار دوزخ میں ہوں گے پھر سلیمان نے پوچھا بتائیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری حاضری کیسے ہو گی ابو حازم نے فرمایا کہ نیک کی حاضری تو ایسے ہو گی

جیسے کوئی شخص ایک عرصہ گھر سے باہر رہا ہو پھر جب واپس گھر لوٹتا ہے تو وہ اور تمام گھر والے شادان و فرحان ہوتے ہیں اور بُرے کی حاضری ایسے ہوگی جیسے بھاگے ہوئے غلام کو پکڑ کر آقا کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ غمگین اور شرمسار ہوتا ہے۔ ابو حازم کی یہ باتیں سن کر سلیمان بن عبدالملک خوب رویا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

نریزد آب روئے کسی
کہ ریزد گناہ چشمش بسی
گر آئینت از آہ گردد سیاہ
شود روشن آئینہ دل آہ
بترس از گناہان خویش این نفس
کہ روز قیامت نترسی ز کس
پلیدی کند گر بہ در جائے پاک
چو زشتش نماید بپوشد بخاک
تو آزادی از ناپسندیدہا
نترسی کہ بروئے فتد دیدہا
براندیش از بندۂ پر گناہ
کہ از خواجہ غائب شد چند گاہ
اگر باز گردد بصدق و نیاز
زنجیر و بندش نیارند باز

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ مجھے نہ انبیاء علیہم السلام پر رشک آتا ہے اور نہ اولیاء کرام پر اور نہ ہی ملائکہ مقربین پر بلکہ مجھے تو اس بندے کی قسمت پر رشک ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوا اس لیے کہ یہ حضرات قیامت کا ہولناک منظر دیکھیں گے لیکن جو ابھی پیدا نہیں ہوا اس کے لیے قیامت کیسی

نکتہ حضرت فضیل کا یہ ارشاد حق بجانب ہے اس لیے کہ جو شخص کسی ہولناک منظر کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ مقام و مرتبہ پر نظر نہیں رکھتا بلکہ اسے ہولناک منظر سے خطرہ ہوتا ہے اس لیے کہ بندے سے ایسے اسباب صادر ہوتے ہیں جو اسے نجات و بندہ بھی ہوتے ہیں اور مہلکہ بھی اس سے سمجھدار انسان عبرت پکڑتا ہے۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصال کے بیس سال بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے چہرہ سے پسینہ صاف کر رہے تھے اور فرمایا ابھی حساب سے فراغت پائی ہے (اس لیے کہ آپ کی خلافت بیس سال پر مشتمل تھی) اور

فرمایا۔ میں ایک بکری کے بچے کی وجہ سے پکڑا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلاں علاقے کی پل ٹوٹ گئی تھی تم نے انتظام نہ کیا اس شکستہ پل پر اسی بکری کے بچے کا گزر ہوا تو گرنے سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی لیکن اس کریم نے مجھے بخش بھی دیا صرف میرے ایک چڑیا کے خرید نے سے جسے میں نے ایک لڑکے سے خرید کر چھوڑ دیا۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ اس کا عطف دعرضوا پر ہے اور یہ بھی منجملہ ان امور سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی حاضری سے ڈرایا اور اس سے بندوں کو عبرت دلائی ہے یعنی اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کو یاد کیجیے جب کہ اعمال کے صحیفے دائیں بائیں ہاتھوں یا میزان میں رکھے جائیں گے فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ تو تمام مجرموں کو دیکھو گے مُشْفِقِيْنَ اس منظر کی ہولناکی کو دیکھ کر گھبرائے ہوں گے جب کہ انھیں اپنے گناہ یاد آئیں گے اور پھر تمام میدان محشر کے سامنے رسوا ہونے کا خطرہ ہوگا ؎

شد سیہ چوں نامہائے تعزیہ
برمعاصی متن نامہ حاشیہ
جملہ فسق و معصیت بد بگسری
ہیچو دارالحرب پراز کافری
آنچناں نا ح پلید و پر وبال
در یمین ناید در آمد در شمال
خود ہمنجا سامۂ خود رابیں

حاشیہ صفحہ بقیہ گذشتہ

لے اس حکایت کو لے کر شیعہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طنز کرتے ہیں حالانکہ یہ الٹا ان کے مقرب ہونے کی دلیل ہے جب کہ یار یار سے بات بات پوچھتا ہے جب وہ بچھڑا ہوا یار دور کے سفر سے آئے ورنہ حدیث شریف میں ہے کہ جس کا حساب ہوا وہ مارا گیا اور یہاں حساب بھی ہوا اور بیڑا پار اس کے بعد کی کیفیت سے شیعہ جی چڑاتے ہیں کیا یہ فاروقی شان نہیں کہ اتنی بڑی سلطنت بیس سال ایسی ذمہ داری سے چلائی کہ اس طویل عرصہ میں صرف آپ کی ایک خامی نکلی اور وہ بھی دیانت کے تحت اسے خامی کہنا بھی غلطی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فاروق اعظم کو نہیں بلکہ آنے والے بادشاہوں کو بتایا کہ بادشاہی کرنا مذاق نہیں ذرا سنبھل کر قدم رکھنا پھر بخشش تو ہر ایک کی رحمتِ حق سے ہوتی ہے یہی معاملہ رب تعالیٰ نے فاروق اعظم سے کیا پھر اعتراض کیسا۔ تفصیل فقیر کی کتاب آئینہ شیعہ مذہب میں دیکھئے۔

دست چپ را شاید آن در یمین

چوں نباشی راست می دان کہ چپی

ہست پیدا نعرۂ شیر و

گرچہ با حضرت او راست باش

تا بینی دست برد لطفہاش

وَيَقُوْلُوْنَ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوں گے تو باوجودیکہ ان گنت تھے لیکن اب مٹھی بھر اور اپنے آپ کو معمولی سی جماعت تصور کرتے ہوئے کہیں گے يٰوَيْلَتَنَا گویا وہ اپنی ہلاکت کو ہلاکتوں کے مجمع میں دیکھ کر اسے پکار کر کہیں گے تاکہ ہلاکت کے گڑھے میں پڑیں اس بڑی مصیبت کے سامنے انھیں پہلی تکالیف یاد تک نہیں رہیں گی دَيْلٌ اور دَيْلَةٌ بمعنے ہلاکت آتا ہے اب معنے یہ ہوا کہ اے ہماری ہلاکت اور تباہی آجا حاضر ہوجا یہی تیرے آنے اور حاضر ہونے کا وقت ہے

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ بقاعی نے فرمایا کہ رسم الخط میں لِ جارہ کو علیحدہ لکھتے ہیں یہ اشارہ ہے کہ ان پر سخت رعب چھا جائے گا اور بہت بڑی پریشانی کے عالم میں رک رک کر بولیں گے کہ ہمارے اعمال نامہ کو کیا ہوگیا ہے کہ اب اس کا یہ حال ہے کہ اس نے نہ ہماری چھوٹی غلطی کو چھوڑا ہے اور نہ بڑی کو وہ ہماری زندگی کا ہر چھوٹا بڑا معاملہ ظاہر کرتا جا رہا ہے۔ کما قال

اِلَّآ اَحْصٰهَا مگر اس کو گن رکھا ہے یعنی ہماری چھوٹے بڑے پر حاوی اور اس کو ضبط کر رکھا ہے۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا صغیرۃ سے تبسم اور کبیرۃ سے قہقہہ مراد ہے۔

مسئلہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ غیر محرم کو ہاتھ لگانا صغیرۃً اور زنا کبیرۃ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شہوت نفسانیہ کے تحت کوئی تصرف خواہ شرعاً جائز ہے تب بھی صوفیۂ کرام کے نزدیک وہ صغیرہ گناہ ہے مثلاً اللہ تعالیٰ سے مناجات ایک بہتر عمل ہے لیکن اگر نفسانی خواہش کے پیش نظر ہو تب بھی عندالصوفیہ صغائر میں داخل ہے اور ہر وہ عمل جو حب دنیا میں کیا جائے اسے صوفیا کرام کبیرہ گناہ سمجھتے ہیں اگرچہ شرعاً حلال ہو الخ یہ حب دنیا ہر گناہ کی جڑ ہے

حدیث شریف نمبر۱ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن گناہوں کو تم معمولی سمجھتے ہو اس سے بھی بچو اس لیے کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایک قوم کی ہے جو کسی وادی میں اتریں تو ہر ایک شخص ایک ایک لکڑی لائے تو وہاں پر لکڑیوں کا بہت بڑا انبار لگ جائے گا اسی طرح معمولی اور چھوٹے چھوٹے گناہ جب جمع ہوتے جائیں تو دل کی سیاہی کا بہت بڑا سامان بن جاتے ہیں۔

حدیث شریف نمبر۲ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھوٹے اور بڑے گناہوں سے بچو اس لیے کہ یہی معمولی اور چھوٹے گناہ قیامت میں بہت بڑے پہاڑوں کی طرح ہوجائیں گے ان کا کفارہ صدقہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا اور وہ اعمال جو انہوں نے دنیا میں کیے یا دنیا کے کیے ہوئے اعمال کی جزاء و سزا کو قیامت میں پائیں گے حَاضِرًا حاضرہ یعنی اپنی کتابوں میں ثبت شدہ

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وہ اپنے اعمال کو قیامت میں اس لیے پائیں گے کہ انہوں نے اپنے افعال کے قلموں سے اپنے قلوب کے صحیفوں پر اعمال صالحہ اور برے افعال نفوس کے صحیفوں پر لکھے کبھی ان صحیفوں کے برعکس ارواح کے صفحات پر پایا جائے گا اس لیے کہ بعض ارواح نورانی ہونے ہیں اگرچہ ان کے افعال برے ہوتے ہیں اور بعض ارواح ظلمانی ہوتے ہیں اگرچہ ظاہری طور ان کے اعمال نیک ہوتے ہیں

تفسیر عالمانہ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا اللہ تعالیٰ کسی پر معمولی طور بھی ظلم نہیں کرے گا مثلاً کسی نے کوئی برائی بھی نہ کی ہو لیکن اس کے اعمال نامہ میں برائی لکھے یا کسی نے کوئی برائی کی ہو تو اس کی مقررہ سزا سے اسے زیادہ سزا دے اس وقت تو ازلی قلم کے لکھے ہوئے عدل کا اظہار ہوگا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اگر اس کے صفحہ روح پر نور کا غلبہ ہوتا ہے تو اسے بہشتیوں میں لکھا جاتا ہے اگر اس پر ظلمت کا غلبہ ہو تو اسے تباہی و بربادی نصیب ہوگی اور جس خوش قسمت کی روح میں ظلمت کی ملاوٹ نہ ہو وہ اہل درجات اور مقربین سے ہے ہاں جسے جذبات الٰہی نصیب ہوتے ہیں اس کی برائی بھی نیکی سے تبدیل کی جاتی ہے اسے ظلمات سے نکال کر نور حقیقی سے واصل کیا جاتا ہے وہی مالک قدیر کی خصوصی درگاہ میں حاضر باش ہو جاتا ہے

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ نیکیوں کو حاصل کرے اور برائیوں سے بچے اس لیے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے ثمرات مرنے کے بعد مل جاتے ہیں

حکایت دربار فضیلت صدقہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک عورت حاضر ہوئی اس نے اپنا ایک ہاتھ کپڑے سے چھپایا ہوا تھا بی بی صاحبہ نے فرمایا اے فلانی تو نے اپنا ہاتھ کیوں چھپایا ہوا ہے اس نے عرض کی اے امّ المومنین اس کا عجیب قصہ ہے وہ یہ کہ میرے والدین کو زندگی میں دو مختلف اعمال کی عادت تھی میرا والد صدقہ و خیرات کا عاشق تھا اور میری والدہ پرلے درجہ کی بخیل تھی وہ الٹا میرے والد سے صدقہ خیرات کی وجہ سے لڑتی رہتی تھی میں نے اسے زندگی بھر صدقہ و خیرات دیتے نہیں دیکھا تھا صرف ایک فقیر کو چربی کا چھوٹا سا ٹکڑا دے دیا تھا اور پھٹا پرانا کپڑا بھی۔ جب وہ دونوں مرے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہو گئی تو میں نے اپنی والدہ کو دیکھا ہے جو لوگوں کے سامنے ننگی کھڑی ہے صرف اپنے اگلا پچھلا ننگ چھپانے کے لیے وہی پرانا کپڑا رکھے ہوئے اور اسی چربی کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ پر رکھ کر چاٹ رہی ہے اور چیخ چیخ کر پکارتی ہے اور اپنے والد گرامی کو دیکھا کہ وہ حوض کوثر پر بیٹھا ہے اور شرابًا طهورًا کے پیالے بھر بھر کر لوگوں کو پلاتا ہے اور اسے زندگی میں پانی پلانے سے بہت بڑی محبت تھی میں اپنے والد سے ایک پیالہ شراب طہور کا لے کر والدہ کے پاس لے

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ
وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ○ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ
يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ○ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ○

اے محبوب یاد فرمائیے کہ جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے دراصل وہ جن تھا تو اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے نکل گیا اس کے باوجود بھی تم اسے اور اس کے چیلے چانٹوں کو میرے سوا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں اور یہ ظالموں کے لیے بہت بُرا بدل ہے میں نے انھیں نہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے وقت سامنے بٹھا لیا تھا اور نہ خود ان کی پیدائش کے وقت اور نہ میری شان کے لائق ہے کہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا حمائتی بناؤں اور جس دن اللہ تعالیٰ کا فرمان کو فرمائے گا کہ میرے شریکوں کو پکارو جن کا تم نے گمان کر رکھا تھا تو کافر انھیں پکاریں گے لیکن وہ انھیں جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک آڑ کھڑی کر دیں گے اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھ کر یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں ضرور گرنے والے ہیں اور اس سے کہیں پھرنے (بھاگنے) کی جگہ نہ پائیں گے۔

بقیہ صفحہ گذشتہ

گئی میری والدہ نے اس سے اپنی پیاس بجھائی لیکن مجھے یوں سزا ملی کہ اس وقت اعلان ہوا کہ جس نے اس بخیلہ کو پانی پلایا اس کا ہاتھ لنجہ ہو جب میں بیدار ہوئی تو دیکھا میرا ہاتھ شل تھا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دہقان سال خوردہ چہ خوش گفت با پسر
اے نور چشم من بجز از کشتہ ندرا ی

ترجمہ دہقاں بوڑھے نے اپنے بیٹے سے کہا اے بیٹا جو کچھ بوگے وہی پیدا ہوگا

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کنوں وقت تخمست اگر پروری
گر امیدواری کہ خرمن بری
بشہر قیامت مرو تنگدست
کہ وجہی ندارد بغفلت نشست

مکن عمر ضایع بافسوس وحیف
کہ فرصت عزیزست والوقت سیف

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اور یاد کرو اے محبوب پیارے صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حکم دینے کے وقت کو جب کہ ہم نے فرشتوں سے فرمایا اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کو سجدہ کر دیہ سجدہ عبادت کا نہیں بلکہ تحیہ وتکریم کا تھا امم سابقہ میں جائز تھا ہمارے نبی اکرم علیہ السلام کی شریعت میں اسلام کے حکم سے منسوخ ہوا فَسَجَدُوْا ارواح عالیہ (ملائکہ عالی درجات والے) کے سوا باقی تمام ملائکہ کرام نے حکم خداوندی بجالاکرآدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ملائکہ عالی درجات نے کیوں سجدہ نہ کیا وہ اسجدوا کے حکم میں داخل بھی نہیں تھے اس مسئلہ کو ہم نے سورت حجر میں تفصیل سے لکھ دیا ہے اِلَّآ اِبْلِيْسَ ابلیس نے نہ صرف سجدہ کیا بلکہ متکبرانہ انداز میں صاف انکار کر دیا گویا یہاں سوال پیدا ہوا کہ اس نے سجدہ کیوں نہ کیا تو اس کا جواب ملا كَانَ مِنَ الْجِنِّ جنات سے تھا یعنی دراصل ابلیس جن تھا نار سموم سے پیدا کیا گیا وہ فرشتوں سے نہیں تھا استثنیٰ متصل اس لیے مانا جاتا ہے کہ وہ فسجدوا میں ملائکہ میں تغلیباً شامل تھا اس کے بعد الا ابلیس کو متصل کے طور مستثنیٰ کیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے خرجوا الا فلانۃ اس میں فلانۃ کو تغلیباً مردوں میں شامل کر کے پھر اسے متصل کے طور مستثنیٰ کیا گیا ہے

ابلیس کون تھا تکملہ میں لکھا ہے کہ (۱) ابلیس اول الجن تھا باقی جنات اس سے پیدا کیے گئے جیسے آدم علیہ السلام اوّل الانس ہیں کہ باقی تمام انسان انہی سے پیدا ہوئے۔ (۲) بعض نے کہا کہ وہ قوم جن کا بقایا تھا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے جنات کو پیدا فرمایا تھا چونکہ انھوں نے زمین پر خونریزی اور فسادات برپا کیے انھیں ملائکہ کرام کے ذریعے مٹایا گیا یہ ابلیس نیک تھا ان سے زندہ بچکر نکل گیا (۳) بعض نے کہا کہ یہ اس قوم سے تھا جسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا انھوں نے انکار کیا تو انھیں آگ سے جلا دیا گیا ان کے بعد انھیں پیدا کر کے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا تو سب نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے اپنی پہلی برادری کی تقلید میں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

ف بغوی نے فرمایا کہ ابلیس کا اصلی نام سریانی میں عزازیل اور عربی میں حارث تھا جب آدم علیہ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اس کا نام اور صورت بدل گئی۔ بعض نے کہا کہ ابلیس بمعنے ناامید یہ ابلس من الرحمۃ سے مشتق ہے یہ اس لیے کہ وہ رحمت خداوندی سے ناامید ہو گیا تھا۔ العیاذ باللہ

فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نکل گیا اس معنے پر امر اپنے حقیقی معنے پر ہوگا اسی لیے ابلیس کی نافرمانی کو خروج سے تعبیر کیا گیا ہے یا امور بہ سے سجود مراد ہے اس معنے پر فاء عاطفہ نہیں بلکہ سببیہ ہو گی یعنی اس کا جن

ہونا ہی سجدہ نہ کرنے کا سبب تھا اگر وہ فرشتہ ہوتا تو وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے نہ نکلتا کیونکہ ملائکہ معصوم ہوتے ہیں اور انس و جن غیر معصوم۔

تفسیر صوفیانہ ففسق عن امر ربہ اس نے اپنی گردن سے تقلید کی رسّی دور پھینک دی یعنی (غیر مقلد) ہو گیا تاکہ واضح ہو کہ اصیل اپنے مالک کے حکم سے روگردانی نہیں کرتا بلکہ کمینہ اور خسیس نالائق کرتا ہے اور امتحان کے وقت انسان کی عزت ہوتی ہے یا ذلت۔ اسے ایک مینگنی سے سمجھیے کہ بظاہر وہ ایک مشک کے مشابہ ہوتی ہے اسے جب آگ میں رکھا جائے تب پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک گندگی کا مجموعہ ہے مشک ہوتی ہے نہ پگھلتی اسی طرح سر جھکانے کے بعد محبوب و مبغوض اور مردود و مودود معلوم ہوتا ہے

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

خوش بود اگر محک تجربہ آمد بمیان
تاسیہ روئے شود ہر کہ در وغش باشد

ترجمہ تجربہ کی کسوٹی درمیان میں لائی جائے تاکہ جس میں کھوٹ ہو وہ کھل کر باہر آجائے

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ ہمزہ انکار و تعجب کا اور فاء تعقیب کی ہے یعنی آدم زادو جب تم نے یقین کر لیا کہ ابلیس کتنا کمینہ ہے کہ وہ اپنے آقا کا نافرمان ہوا تو پھر اسے تم کیوں بناتے ہو وَذُرِّيَّتَهٗ اور اس کی اولاد اور اس کے اتباع کو ذریتہ سے اس کے اتباع مراد لینا مجاز ہے کاشفی نے کہا یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ ذریت سے اس کے اتباع مراد ہوں اس لیے کہ اس کی حقیقی اولاد کوئی نہیں

حل لغات قاموس میں ہے کہ ذرأ بمعنے خلق و جعل ہے اور جو شے بکثرت ہوا سے بھی اس سے مشتق کرتے ہیں جیسے لفظ ذریہ جن و انس کی نسل کو کہا جاتا ہے اس کی مزید تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے

وَاَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ میرے بجائے انہی کو اپنا والی بناتے اور انہی کی اطاعت میں سرگرم رہتے ہو تمھاری یہ کاروائی نہایت ہی بُری بلکہ اس لائق ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے۔

سوال تم نے میرے بجائے کا معنے کہاں سے نکال لیا

جواب من دونی سے یہی معنے مفہوم ہوتا ہے اس لیے کہ اسے مجاوزین عنی کا مجازاً معنے تو تمام مفسرین نے کیا ہے اور یہی ہماری مراد کے مترادف ہے

وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ حالانکہ ابلیس اور اس کی معنوی اولاد تمھارے سخت ترین دشمن ہیں اسی لیے تمھارے لیے بھی ضروری ہے کہ تم ان سے دشمنی کرو نہ کہ ان سے یاری دوستی۔

ف لفظ عدوٌّ قبولٌ کی طرح مصادر کے مشابہ ہے اس لیے کہ ان کے وزن پر آیا ہے ورنہ دراصل یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے

بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا یہ تمیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بجائے ظالمین نے شیطان ابلیس اور اس کی معنوی اولاد کو اپنا کارساز اور مطاع بنا کر بہت برا کیا ہے

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ میں۔ نے انھیں یعنے ابلیس اور اس کی ذریت کو حاضر نہیں بلایا خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ اور نہ ہی ان کے پیدا کرنے میں اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیقی معاملہ میں کسی کو شریک نہیں کیا اور نہ ہی اسے اس کی پرواہ ہے اسی لیے الوہیت اسی کے لائق ہے انفسہم کی اضافت میں اشارہ ہے کہ ان میں ایک دوسرے کی تخلیق میں اس کا کوئی شریک نہیں یہ ولا تقتلوا انفسکم کی اضافت کی طرح ہے وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا اور نہ وہ گمراہی کرنے والوں کو تخلیقی امور میں اپنا حامی کار بناتا ہے یعنی وہ جو لوگوں کو دینی امور میں گمراہ کرتے ہیں اس سے شیاطین مراد ہیں اور عبارت کا تقاضا تھا متخذھم ہو لیکن اسم ظاہر لایا گیا تا کہ شیاطین کے گمراہ کرنے کا لوگوں کو پورا یقین ہو۔ مددگاری میں معاونت اور تخلیقی امور میں مشورہ مراد ہے یعنے اللہ تعالیٰ کا تخلیق آسمان و زمین و دیگر معاملات میں شیاطین سے اعانت یا مشورہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے کہ آسمانوں و زمینوں کی تخلیق تو شیطان اور ان کی ذریات کی تخلیق سے عرصہ دراز بہت پہلے ہوئی جب تخلیقی امور میں ان کی شرکت کا وہم بھی نہیں ہوسکتا پھر ربوبیت کے دیگر امور میں ان کی شرکت کا وہم کیسا قاموس میں لکھا ہے العضد بمعنے ناصر و معین اب معنے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا مددگار و معین نہیں بناتا۔

مسئلہ اللہ تعالےٰ الوہیت میں لاشریک ہے تمام مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے ملائکہ جن اور انسان سب اسی نے پیدا کیے ہیں اسی لیے یہ آپس میں شکل و صورت اور احوال میں مختلف ہیں۔

مسئلہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ نہ مذکر ہیں نہ مؤنث نہ بچے جنتے ہیں اور نہ وہ کھاتے پیتے ہیں اور شیاطین بچے جنتے ہیں ان میں مذکر بھی ہیں اور مونث بھی وہ مرتے نہیں جب تک دنیا قائم ہے وہ زندہ رہیں گے ابلیس تمام جنات کا باپ ہے۔

اعجوبہ بعض کہتے ہیں کہ شیطان اپنی دبر میں دم دبا کر انڈے دیتا ہے اس انڈے کو توڑا جاتا ہے تو اس میں سے شیطان کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوتی ہے

ف امام سہیلی نے "کتاب التعریف والاعلام" میں لکھا ہے کہ ابلیس کی اولاد میں ایک ہامہ بن الاقلص ہے ان میں بعض کا نام بلزون ہے اور وہ بازاروں میں رہ کر فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں ان کی ماں کا نام طرطبتہ ہے بعض نے کہا کہ طرطبتہ نے ان کی پرورش کی۔

ف نقاش نے ذکر فرمایا کہ ابلیس نے تیس انڈے دیئے دس مشرق میں دس مغرب میں اور دس زمین کے وسط میں انہی انڈوں میں سے تمام عفائت و غیلان قطاربہ اور جنات پیدا ہوئے ان ہر ایک کے مختلف اسماء ہیں

سب کے سب اولاد آدم علیہ السلام کے دشمن ہیں جیسا کہ اسی نص قرآنی سے ثابت ہوتا ہے سوائے ان کے جو کسی پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لائے

ابلیس کی زوجہ کی تخلیق

کاشفی نے لکھا کہ جب اللہ تعالے نے ابلیس کی دائیں پسلی سے ابلیس کی زوجہ آوہ نامی کو پیدا فرمایا تو اسے زمین کی ریت کے ذرات برابر اولاد بخشی اسی کی اولاد سے ایک مرہ نامی شیطان جو اپنے والد کے نام کی کنیت رکھتا ہے اس کے ایک فرزند کا نام لاقیس ہے اس کا کام ہے نمازیوں کو نماز میں وسوسہ ڈالنا اور ولہان (بفتحتین) یہ وضو والے سے وسوسہ ڈالتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ ولہان ایک شیطان ہے جو وضو میں پانی زیادہ خرچ کے لیے وسوسہ ڈالتا اور وضو میں ہنساتا ہے

دوکانداروں اور تاجروں کا شیطان

حضرت احمد غزالی قدس سرہٗ نے اربعین میں لکھا کہ شیطان کی اولاد ہے ان میں ایک زلنبور نامی شیطان ہے وہ صاحب اسواق شیطان کی اولاد سے ہے اس کا کام ہے کہ وہ دکانداروں اور تاجروں کو جھوٹ اور کم تولنے وخیانت (دھوکہ) وغیرہ پر ابھارنا۔ ان میں ایک اعول نامی شیطان ہے جو زنا کاری کی مد میں کام کرتا ہے اس کا کام ہے زانی کو ہمارا پرا کسانا اور اس کے سامنے زنا کو عجیب لذیز رنگ میں پیش کرنا ان میں ایک ثبر نامی شیطان ہے اسے صاحب مصائب کہا جاتا ہے وہ لوگوں کو ناجائز طریقوں سے رُلائے اور کپڑے پھڑوائے اور منہ پر طمانچے مارے اور وہی رسوم ادا کرائے جو زمانۂ جاہلیت میں جاہل کفار کرتے تھے ان میں سے ایک میسوط نامی شیطان ہے اس کا کام ہے لوگوں کے ذہن میں وسوسہ ڈالنا یعنی جھوٹی خبر کو ایک سے سن کر دوسروں کو سنانا تاکہ وہ آپس میں لڑیں اور ان لوگوں کو عادت پڑجائے کہ ایک براوری میں جاکر قسم کھا جائیں اور کہیں وہ ایسی ویسی باتیں کر رہے تھے نام تو نہیں جانتا البتہ وہ تمھارے متعلق اس طرح کہہ رہا تھا ایسے شیطان کو صاحب اراجیں کہا جاتا ہے ان میں ایک داسم نامی شیطان ہے اس کا کام ہے جو شخص طعام سے پہلے بسم اللہ شریف نہ پڑھے وہ اس کے طعام میں شریک ہو جاتا ہے

ف اکام المرجان میں ہے کہ داسم وہ شیطان ہے جو مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے عیوب پر مطلع کر کے ایک دوسرے میں بغض وعداوت پیدا کرے ایک شیطان مدبیش نامی ہے وہ علما کو مختلف شہوات وخواہشات پر ابھارتا ہے

فوائد الآیات

(۱) ان دونوں آیات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ وہ اپنے لطف اور قہر دونوں کو ظاہر فرمائے تو لطف کی صفت کا مظہر آدم علیہ السّلام اور قہر کی صفت کا مظہر ابلیس کو بنایا اس سے پھر اپنی کمال قدرت اور اعلیٰ حکمت کا ظہور بھی مطلوب تھا اس لیے کہ آدم علیہ السّلام کو ایک بدبو دار کالی مٹی سے بنا کر ملائکہ جیسی نوری مخلوق سے ان کو سجدہ کرنے کا حکم فرمایا یہ بھی اس کے کمال لطف اور جود وسخا کا ایک نمونہ ہے اسی طرح ابلیس کو بھی سجدہ کرنے کا حکم فرمایا اس نے انکار کیا تو اللہ تعالےٰ نے اسے لعنتی بنا دیا اگرچہ اسے رئیس الملائکہ کا خطاب حاصل تھا اور وہ تمام ملائکہ سے اعلیٰ بلکہ ان کا معلم تھا اور عبادت میں تو ضرب المثل تھا آسمانوں زمینوں کے چپہ چپہ پر عبادت

کی اسی وجہ سے اپنی عبادت پر نازاں ہوا اور اسے عجب وکبر نے گھیر لیا یہاں تک کہ اپنے سے اور کسی کو اعلیٰ نہ سمجھا اسی لیے تکبر کرتا ہوا سجدہ سے انکار کر دیا آدم علیہ السلام کی بزرگی کو کچھ نہ سمجھ کر تکبر کے طور کہا خیر منہ، میں اس سے بہتر ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کی رعونت سے اس کے گلے میں لعنت کا طوق پہنایا اور اپنی درگاہ سے ہٹا دیا اس سے اس کی صفت قہاریت کا ظہور بھی ہوا اور کمال قدرت کا اظہار بھی کہ اپنی قدرت کاملہ سے مٹھی بھر مٹی کو جو سراسر ظلمانی تھا اور فطرت سفلی اور کثیف تھا ایسا مرتبہ بخشا کہ ملائکہ نوری اور مقربین بارگاہ جو نوری ہونے کے علاوہ علوی لطیف اور روحانی ہو کر اسے یعنی آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے تھے

۲ - جب اللہ تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ ہوا تو ان کے خمیر کو چالیس روز گوندھا گیا تو انہی ایام میں ان میں خلافت کا راز ڈالا گیا راز خلافت سے بلا واسطہ فیض الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد مراد ہے اور اسی راز کرامت سے صرف آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو مخصوص کیا گیا - کما قال تعالیٰ -

"ولقد کرمنا بنی آدم" یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو تمام مخلوق سے مکرم ترین بنایا اسی راز کے پردے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کھولے ہیں - کما قال علیہ السلام -

"ان اللہ خلق آدم فتجلی فیہ" اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے ان میں اپنی خصوصی تجلی ڈالی اسی راز کی وجہ سے انھیں ملائکہ کرام نے سجدہ کیا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

فرشتہ عشق نداند کہ چیست قصہ مخوان
بخواہ جام وگلابی بخاک آدم ریز

ترجمہ فرشتے کو عشق کی کیا خبر اور نہ ہی اس قصے کو ان کے سامنے چھیڑئے ایک پیالا منگوا کر گلاب (عشق) اس میں ملا کر آدم علیہ السلام کی خاک میں ڈال لئے۔

۳ - ملائکہ کرام کی تخلیق نور روحانی علوی سے ہوئی اس معنے پر حکم الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ان کی طبع میں داخل ہے طاعت وعبودیت گویا ان کی غذا تھی لیکن جب انھیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا اس سے انکا امتحان لینا مطلوب تھا اور یہی ان کے لیے سخت امتحان تھا کیونکہ سجدہ عبودیت اور اللہ تعالےٰ کے حضور میں اظہار تواضع وانکساری کا انتہائی درجہ ہے اور جب وہ غیر اللہ کے لیے سجدہ کرنے پر مامور ہوئے تو چونکہ یہ امر ان کی طبع کے خلاف تھا اسی لیے طبعاً مضطرب تو ہوئے لیکن ملائکہ خود بخود اور رغبت سے فوراً سر بسجود ہو گئے اس سے نہ انہیں اضطراب رہا اور نہ ہی طبعی کراہت - اس لیے انھیں سمجھ آگئی کہ یہ حکم الٰہی ہے اور اسی کے اوامر سے ایک حکم ہے جسے ماننا ہمارا کام ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا ہے لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما تؤمرون -

۴ - چونکہ ابلیس کو ضلالت واضلال اور غوایت واغواء کے لیے پیدا کیا گیا تھا اسی لیے اس کی تخلیق بھی نار سے ہوئی -

اور نار کی طبع استعلاء و استکبار رہی اگرچہ پیدا کرتے ہی اسے اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کے ساتھ ملا دیا بلکہ اسے ملائکہ کا لباس عنایت فرمایا اس لیے کہ اس کے افعال ملائکہ سے ملتے جلتے تھے لیکن وہ بھی تقلیداً نہ تحقیقاً اسی لیے یہ بھی ملائکہ میں شمار ہونے لگے پھر جب عبادت واطاعت میں بڑا زور دکھایا تو فرشتوں نے اسے اپنا استاد مان لیا اور اپنے میں سے اسے سردار بنا یا لیکن چونکہ اس کی عبادت واطاعت ارادۃً نہیں تھی بلکہ ریا سے عبادت واطاعت کرتا اسی لیے امتحان کے وقت فیل ہو گیا اور ان پر جو ملائکہ کا لباس تھا اتار لیا گیا تاکہ خبیث اور طیب کا امتیاز ہو اس کے بعد اس کی طبع کے عادات یعنی دھوکہ بازی۔ مکر و فریب اور شر و فساد ظاہر ہوئے اور اس کی بدبختی ہویدا ہو گئی اس کی عارضی ہدایت مٹ کر طبعی غوایت نمودار ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ ملائکہ اپنی طبع کے تحت آدم علیہ السّلام کے سامنے جھکے اور ابلیس اپنی طبع کے مطابق تکبر کر کے سجدہ کا منکر ہوا تب ظاہر ہوا کہ یہ ظاہراً فرشتہ اور حقیقتاً جن تھا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

زاہد ایمن مشو رز بازی غیرت زنہار
کہ رہ از صومعہ تا دیر مغاں ایں ہمہ نیست

ترجمہ اے زاہد غیرت الٰہی کی گرفت سے غافل نہ ہو عبادت گاہ سے کافروں کی پرستش گاہ میں لے جانے میں اسے کوئی دیر نہیں لگتی۔

۵ وہ آدم زادے جن کی شکل وصورت تو آدم علیہ السلام جیسی ہو لیکن اس کے کردار ابلیس جیسے ہوں تو انھیں شیاطین الانس سمجھو ان کی علامت یہ ہے کہ وہ ابلیس اور اس کی معنوی اولاد کو اپنا حامی کار بنا کر شب و روز ان کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی عبادت واطاعت سے منہ موڑتے ہیں وہ ذریتہ شیطان کے چیلے بننے پر فخر کرتے ہیں لیکن آدم علیہ السلام کی حقیقی اولاد یعنی انبیاؑ اولیاؒ کی اطاعت سے کتراتے ہیں انھیں اولیاؒ و اعداء کے مابین امتیاز نہیں رہتا اسی وجہ سے جہالت کی بنا پر اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ سے ہٹ کر شیطان کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ وہ ان کا دشمن ہے اور اللہ والے اللہ تعالےٰ سے ہی دوستی کرتے اور شیطان سے دور بھاگتے ہیں بلکہ وہ ماسوی اللہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کا مقولہ قرآن مجید میں ہے چنانچہ فرمایا "فانهم عدو لی الا رب العٰلمین" اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ رب العٰلمین کے ساتھ دوستی کے لیے ماسوٰی کی دشمنی ضروری ہے

۶ **اولیاؒ کے تصرفات کی بہترین دلیل** "مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو اپنے معاملات میں دخیل بناتا ہے اگرچہ بحیثیت محتاجی کے نہیں بلکہ پیار و محبت کی حیثیت سے وہ اپنے نور ازلی سے ابتداءً دیکھتا ہے کہ بعض اشیاء معدومہ قدرت کا تعلق یوں ہوا اور عدم سے وجود کی جانب نکالنے کی کیفیت کیسی۔

سوال اہل نظر کہتے ہیں کہ وجود باری تعالےٰ اور کیفیۃ تعلق القدرۃ بالمعدومات وکیفیۃ العذاب بعد الموت وغیرہ سے گفتگو کرنا ناجائز ہے

جواب واقعی عقلیات کے ماہرین کے نزدیک ایسی گفتگو نامناسب ہے لیکن اہل کشف کے نزدیک جائز ہے کیونکہ علم عقل کا محتاج نہیں بلکہ وہ براستے کشف سے معلوم کرتے ہیں اور ہم نے بھی مذکورہ بالا مضمون اہل کشف کے لیے کہا ہے ۔ صائب نے فرمایا ؂

سخن عشق باخرد گفتن
برگ مردہ نیشتر زدن است

ترجمہ عقل والوں کو عشق کی بات سنانا ایسے ہے جیسے مردہ کی رگ پر نشتر مارا جائے

مثنوی شریف میں ہے ؂

اینکہ برد عقلی ہدیہ باالٰہ
عقل اینجا کمتر است از خاکِ راہ

ترجمہ عقل کا ہدیہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں لانا کسی کام کا اس لیے کہ یہاں عقل کو خاک راہ کے برابر بھی وقعت نہیں

وَیَوْمَ یَقُوْلُ اور قیامت کے دن اللہ تعالےٰ یا فرشتے کفار کو زجراً توبیخاً وتعجیزاً فرمائیں گے صاحب روح البیان نے فرمایا کہ یہاں موزوں یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود کافروں سے فرمائے گا اس لیے کہ شرعاً مسلم ہے کہ قیامت میں اللہ تعالےٰ ہر ایک کو جلوہ دکھائیں گے وہاں کافر ومسلم کی تخصیص نہیں ہوگی لیکن ہر ایک کو اپنے اعتقاد کے مطابق زیارت ہوگی یعنے وہ اعتقاد جو دنیا میں اللہ تعالےٰ کے متعلق تصور رکھتے ہوں گے اس معنے پر اگر اللہ تعالیٰ کافروں سے بلا واسطہ ملائکہ گفتگو فرمائے تو کیا حرج ہے اور یہ کلام بھی ان سے زجراً توبیخاً ہوگا نہ رضا وخوشی اور شرافت کا یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالےٰ نے ابلیس سے بلا واسطہ کلام فرمایا جب اسے حکم ہوا کہ "ان علیک لعنتی الی یوم الدین اور فرمایا اخرج منھا" اس کی مزید تشریح ہم نے سورت حجر میں بیان کردی ہے نَادُوْا شُرَكَآءِیَ میرے شریکوں کو بلاؤ ۔

سوال اللہ تعالےٰ نے کافروں کو بتوں کو اپنا شریک کہہ کر موقعہ دیا ہے واقعی وہ اللہ تعالےٰ کے شریک ہیں ؟!

جواب اپنی طرف بتوں کو مضاف فرمانا ان کے گمان کے مطابق ہے نہ فی الحقیقۃ اس سے تہکم اور انہیں متنبہ کرنا مطلوب ہے

اَلَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ جن کے لیے تم نے دعویٰ کیا کہ وہ ہمارے سفارشی ہیں اور کہتے تھے کہ وہ تمھاری سفارش کر کے تمھیں دائمی عذاب سے نجات دلوائیں گے یا درہے کہ اس سے اور وہ معبود مراد ہیں جن کی اللہ تعالےٰ کے

ماسوی پرستش کی جائے فَدَعَوْهُمْ توانہیں بلاؤ تاکہ آج وہ تمھاری مدد کریں

سوال آیت میں ان کی دعوت کی کیفیت کیوں نہیں بیان کی گئی

جواب ان کی دعوت کی کیفیت دوسری آیت۔ "قالوا انا کنا تبعاً فھل انتم مغنون عنا" میں بیان فرمادی ہے۔

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ پس وہ بت انھیں کسی قسم کا جواب نہیں دیں گے ان کی فریادرسی کو نہیں پہنچیں گے تو ان سے ضرر دور کر سکیں گے نہ انھیں کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکیں گے اس لیے کہ ان سے اس قسم کا امکان کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سوال اس آیت میں ان کی عدم اجابت کا بیان ہے حالانکہ دوسری آیت "کانوا ایانا یعبدون" میں بتوں سے حکایتہ کے طور کہا ہے کہ بت کہیں گے کہ ان لوگوں نے ہماری پرستش نہیں کی تھی۔

جواب چونکہ یہاں آیت میں بتوں سے کلی طور نا امیدی کا بیان ہے اور دوسری آیت میں ناامیدی کے بیان کے ساتھ اظہار قدرت بھی مطلوب ہے بنا بریں دونوں آیتیں آپس میں متضاد نہیں۔

مسئلہ اوامر ونواہی پر عمل کرنے سے جزائے سزا کا دارومدار دنیوی زندگی پر ہے جس کا ثمر اور نتیجہ آخرت میں نصیب ہوگا اور آخرت میں اوامر ونواہی پر عمل کیا جائے تب بھی کسی قسم کا ثواب نہیں ملے گا یہی وجہ ہے کہ قیامت میں ایمان کے اعتراف اور بعض اعمال کے اکتساب کا کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوگا

سوال قیامت میں اکتساب اعمال یا ایمان کا اظہار کیسا

جواب اسی آیت میں اس کا جواب موجود ہے مثلاً اللہ تعالے نادوا شرکائی سے کفار کو امر فرمائے گا اور وہ کفار۔ فدعوھم پر عمل بھی کریں گے لیکن فائدہ خاک کا نہ ہوا اس لیے کہ انھیں بتوں نے کسی سوال کا جواب نہ دیا۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا اور ہم ان پکارنے والوں کا فروں اور ان کے بتوں کے درمیان آڑ کر دیں گے

حل لغات موبقاً اسم مکان یا مصدر ہے دبق وبوقا وثب وثوبا کی طرح باب فرح فرحا سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ہلاک ہو جائے۔

سوال وہ کفار و مشرکین تو لا تعداد ہوں گے اور موبقا صیغہ واحد کیوں؟

جواب چونکہ ان کی ہلاکت گاہ یعنی جہنم ایک ہے اسی لیے واحد کا صیغہ لایا گیا ہے یا اس سے عداوت مراد ہے اور ایسی عداوت بہت سخت قسم کی ہلاکت ہوتی ہے۔

ف فراء نے لکھا کہ اس جملہ کا معنے یہ ہے کہ تمھارے دنیا کے ساتھ تعلق کو آخرت میں ہلاکت کا سبب بناؤں گا اس معنے پر لفظ بین بمعنے تعلق وتواصل ہے جیسے لقد تقطع بینکم میں بین بمعنے تواصل وتعلق ہے یہ اس قرأت پر جس میں بینکم مرفوع پڑھا گیا ہے فراء کے ترجمہ پر بینکم جعلنا کا مفعول اول اور جمہور کے ترجمہ پر یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَ یَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۚ وَ یُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَ مَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ نَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ یَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ۝ وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝ وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝ ع

ترجمہ اور ہم نے لوگوں کے لیے قرآن مجید میں ہر طرح کی کہاوتیں دے کر مضامین بیان کیے ہیں اور انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آگئی تو ان کو کس چیز نے منع کیا ایمان لائیں اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگیں بجز اسکے کہ اس بات کے منتظر ہوں کہ انھیں بھی پہلوں کا سا معاملہ پیش آئے یا ان پر عذاب سامنے آموجود ہو اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجا کرتے ہیں تو صرف اس لیے کہ لوگوں کو اللہ تعالےٰ کی خوشخبریاں سنائیں اور عذاب سے ڈرائیں اور جو کافر ہیں وہ باطل کی سند سے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو پھسلا دیں اور انہوں نے ہماری آیتوں کو اور جس چیز سے ان کو ڈرایا جاتا ہے ہنسی بنا لیا اور اس سے بڑھکر اور ظالم کون ہوگا جس کو اس کے پروردگار کے کلام سے سمجھایا گیا تو اس نے اس سے منہ پھیر لیا اور جو اعمال وہ آگے کر چکا اس کو بھول گیا ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں ثقل پیدا کر دیا ہے کہ سن نہ سکیں اور اگر تم ان کو رستے کی طرف بلاؤ تو کبھی رستے پر نہ آئیں گے اور تمھارا پروردگار بخشنے والا صاحب رحمت ہے اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کو پکڑنے لگے تو ان پر جھٹ عذاب بھیج دے مگر ان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے کہ اس کے عذاب سے کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے اور یہ بستیاں جو ویران پڑی ہیں جب انھوں نے کفر سے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا اور ان کی تباہی کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔

بقیہ صفحہ

ف قاموس میں ہے کہ موبق بروزن مجلس بمعنے مہلک ہلاکت گاہ اور جہنم کی ایک وادی کا نام ہے اور ہر وہ شے جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اگر موبقاً ایک وادی کا نام ہے تو آیت کا معنے یوں ہوا کہ ہم نے ان کے لیے جہنم میں ایک وادی تیار فرمائی ہے جس میں انھیں سخت ترین عذاب میں بتلا کیا جائے گا اگر موبقاً بمعنے آڑ ہے تو اب معنے یہ ہوگا کہ قیامت میں ہم ان کے درمیان آڑ کھڑی کر دیں گے جب وہ آپس میں جدا ہو جائیں گے اسی اعتبار سے ان کی شفاعت کوئی نہیں کرے گا اگر وہ ان کی پرستش بھی کرتے رہے۔ جیسے ملائکہ و عیسیٰ و عزیر علیہم السلام وغیرہ بلکہ ان سے ہر مومن بیزار ہو جائے گا۔

سوال اس آڑ سے معلوم ہوا کہ بعض کافر جہنم میں نہیں ہوں گے

جواب آڑ شے کے اندر ہونے سے نہیں روکتی اس معنٰے پر تمام کافر جہنم کے عذاب اور اس میں دخول کے اعتبار سے مشترک ہیں صرف ان کے درمیان آڑ کھڑی کر دی جائے گی جیسے ایک سرائے میں کئی کمرے ہوتے ہیں ہر ایک کمرے دیوار سے ایک دوسرے کو حائل ہوتے ہیں ایسے ہی وہاں وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ اور جب کافروں کو ہانک کر جہنم کی طرف لے جائیں گے تو دور سے کفار جہنم کو دیکھیں گے۔ کاشفی نے لکھا کہ چالیس سال کی راہ سے جہنم کو دیکھیں گے فَظَنُّوْٓا تو یقین کریں گے۔

اِنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا بے شک وہی اس میں گرائے جانے والے ہیں

ف جب کسی کو کسی داخل کرنے میں گرایا جانا مطلوب ہو تو اس کے لیے مواقعة استعمال کرتے ہیں

ف امام نے فرمایا کہ صحیح تر یہ ہے کہ اگرچہ وہ دوزخ کو بہت دور سے دیکھیں گے اور انھیں یقین ہوگا کہ وہ اس میں دھکیلے جائیں گے لیکن جب تک اس میں داخل نہیں ہوں گے اسے دیکھتے بھی رہیں گے یہ نہیں کہ دور سے دیکھیں تو پھر جہنم ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے بلکہ اس کے دیکھنے کے ساتھ شدت کی آواز بھی اس کے کان میں پہنچے گی چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا واذا رأیتهم من مكان بعيد سمعوا لها تغيظا و زفيرا۔ المكان البعيد سے پانچ سو سال کی مسافت مراد ہے وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ اور اس سے بھاگنا یا بھاگنے کی جگہ نہیں پائیں گے اس لیے کہ جہنم انھیں ہر طرف سے گھیر لے گی۔ (نعوذ باللہ منہا)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا مجھے قسم ہے کہ ہم نے قرآن مجید کے مضامین مختلف طریقوں سے مکرر بار بار بیان کیا ہے فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ اسی قرآن مجید میں لوگوں کی مصلحت و منفعت کے لیے ہر طرح کی کہاوتیں بیان کر کے مثلاً گزشتہ بیان میں دو بھائیوں کی کہاوت پھر حیوۃ دنیا کی کہاوت تاکہ لوگ نصیحت پائیں یا مثل سے وہ معنے و سبب مراد ہے جو ایمان کا داعی ہے اس معنے پر اس کے حسن و غرابت کی وجہ سے اسے مثل (کہاوت) سے تعبیر کیا گیا ہے کاشفی نے لکھا اس سے مراد ہے کہ ہم نے ہر طرح کے قصے کہانیاں سنائیں تاکہ انھیں عبرت ہو اور اس سے اللہ تعالےٰ کی قدرت کاملہ کو پہچانیں یہی طریقہ ان کی بصیرت کے ازدیاد کا موجب ہے ؎

حق تعالےٰ بمحض فضل عمیم
در کتاب کریم و حکم قدیم
آنچہ مر جملہ را بکار آید
گفتہ است آنچنانکہ می آید

ترجمہ اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل عمیم سے اپنی کتاب اور حکم قدیم میں وہ باتیں درج فرمائیں جو ہمارے لیے مفید ہوں جس طرح فرمایا یوں ہوگا وہ ضرور ہوگا۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اور جنس انسان اپنی جبلت و فطرت کے تحت ہے اَكْثَرَ شَيْءٍ یہ تمیز ہے یعنی عالم دنیا میں جن چیزوں سے جھگڑے کا صدور ہوتا ہے جیسے جنات، ملک وغیرہ ان سب سے انسان سخت ترین جھگڑالو ہے یہاں پر اس کی باطل کی خصومت مراد ہے اس لیے کہ یہی اس کی فطرت کا تقاضا ہے ہم نے فطرت کا تقاضا اسی لیے کہا کہ ضروری نہیں کہ انسان کی ہر خصومت مبنی بر باطل ہو بلکہ اسکی بہت سے خصومات اور مجادلے حق کے لیے ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود حکم فرمایا کہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ جھگڑو اس لیے کہ یہی احسن معاملہ ہے

حل لغات الجدل بمعنے الفتل یعنی رسی بٹنا چونکہ جھگڑا والے جب آپس میں جھگڑتے ہیں تو گویا وہ ایک دوسرے پر پلٹتے ہیں اسی لیے اسے مجادلۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قوم جب ہدایت سے گمراہی کی طرف لوٹتی ہے تو پہلے جدال کے طریقوں کو اپناتی ہے (رواہ ابوامامہ کذا فی تفسیر ابی اللیث)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مجادلہ و مخاصمہ انسان کی فطرت ہے اسی بری فطرت سے سلوک کے منازل طے کرنے کے بجائے محرومی کا شکار ہوجاتا ہے کہ کبھی انبیاء علیہم السلام سے لڑ جھگڑ کر ان کی نبوت ورسالت کا انکار کر کے ان سے برسر پیکار ہوئے کبھی ان پر نازل شدہ کتب کا انکار کر بیٹھے چنانچہ کہہ دیا ما انزل علی بشر من شیٔ کبھی آیات محکمات کے منکر ہوئے اور کبھی متشابہات کے کبھی ناسخ منسوخ کا انکار کیا کبھی اس کی تفسیر و تاویل میں اپنی رائے کو دیا تو کبھی اس کے اسباب نزول میں کبھی اس کی قرأت میں اختلاف کیا تو کبھی اس کے قدیم وحادث ہونے پر لڑا ایسے ہی مجادلے لڑائیاں، مخاصمات، مناظرات، وغیرہ میں لگے رہے اسی لیے اللہ تعالےٰ نے فرمایا وکان الانسان اکثر شیٔ جدلا ایسے لوگوں کے متعلق اپنے حبیب اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: قل اللہ ثم ذرھم (الآیۃ)

حضرت مولانا قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت
ایں وقت عزیز است ازیں عربدہ بار آ

ترجمہ ہمیں اس سے کیا غرض کہ گائے آئی اور گدھا گیا۔ وقت کو غنیمت سمجھکر مشغول بحق رہو جنگ سے دور رہو۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے جنگ وجدال سے کنارہ کش ہو کر زندگی بسر کرے اس لیے کہ جنگ وجدال کا انجام برا ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ جدال وخصومت میں دوسرے کو دکھ اور درد سے دوچار کرنا ہے اور یہ درندوں کا کام ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کا ایمان نامکمل ہے جب تک جدال وخصومت کو ترک نہ کرے اگرچہ حق پر ہو۔

ف جب حق والے کے لیے جدال وخصومت مضر ہے پھر باطل پر لڑنے جھگڑنے والے کو خود سمجھ لیجیے۔ (اعاذنا اللہ تعالےٰ وایاکم الخ)
اللہ تعالےٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے جھگڑے لڑائیوں وغیرہ سے بچائے اوران لوگوں سے بنائے جو نیک باتوں میں لگے رہتے اور بری باتوں سے احتراز کرتے بلکہ تمام لغویات سے بچتے ہیں چنانچہ ان کی تعریف میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:
واذامروا باللغو مروا کراما (الآیۃ) اور فرمایا: واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً
وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اور اہل مکہ کو کس نے منع کیا ہے اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا یہ کہ ایمان لائیں اللہ تعالےٰ پر اور جس شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں اسے چھوڑ دیں اِذْ جَآءَھُمُ الْھُدٰی جب ان کے ہاں ہدایت تشریف لائی۔ اس سے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے اس لیے کہ آپ ہی ان کی ہدایت کے داعی تھے اور قرآن کریم بھی مراد ہے اس لیے کہ وہ بھی ہدایت کا سبب ہے وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّھُمْ اور انھیں کس نے روکا ہے کہ وہ اپنے جملہ گناہوں سے اللہ تعالےٰ سے استغفار کریں۔ اَوْ یَاْتِیَھُمُ العذاب قبلاً مگر انتظار کر رہے ہیں کہ ان پر کھلم کھلا عذاب آئے قبلاً قبیل کی جمع ہے بمعنے آمنے سامنے یا بمعنے عیاناً ہے یعنی آنکھوں دیکھا معاملہ۔ جلالین میں ہے کہ اس میں بدر کی جنگ میں قتل کی طرف اشارہ ہے

سوال الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ آیت میں فرمایا گیا کہ اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو ان دو عذابوں سے کسی ایک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن بہت سے لوگ بدستور کافر بھی رہے اور کسی ایک عذاب میں مبتلا بھی نہ ہوئے۔

جواب آیت میں فرمایا گیا کہ اگر کل کافر ایمان نہ لائے تو انھیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا لیکن جب ان کے اکثر ایمان لائے الا ان تاتیھم سنۃ الاولین۔ یہ کہ ان کے ہاں پہلے لوگوں کے طریقے آئیں۔
جیسے فتح مکہ میں ہوا تو اس بنا پر عذاب سے بچے اور قاعدہ ہے للاکثر حکم الکل اکثر کل کا حکم رکھتا ہے۔
وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اور ہم رسولوں (علیہم السلام) کو نہیں بھیجتے اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ مگر اس حال میں کہ اہل وایمان مطیعین کو درجات علیا کی خوشخبری سنانے والے ہوتے ہیں وَمُنْذِرِیْنَ اور کافروں اور مجرموں کو عذاب اور جہنم کی مختلف سزاؤں سے ڈرانے والے ہوتے ہیں۔

نکتہ انبیاءٔ علیہم السلام کو بھیجنے کا موجب یہی ہے کہ انسانی عقل اخروی عذاب اور ثواب سے مکمل سمجھ نہیں رکھ سکتی یہ بھی اللہ تعالےٰ کا لطف وکرم ہے کہ اس نے انبیاء ورسل کرام علیہ السلام بھیجے تاکہ ہمیں آخرت کے عذاب وثواب سے آگاہ کریں

علماء کی قدر وقیمت

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء واولیاء بھی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں بمنزلہ انبیاء بنی اسرائیل کے ہیں اس لیے کہ ان کے بیانات سے شکوک وشبہات مٹ جاتے ہیں اور ان کی رہبری سے راہ ہدایت اور منزل سلوک نصیب ہوتی ہے۔
وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور کافر انبیاء علیہم السلام سے جھگڑتے رہتے ہیں بِالْبَاطِلِ بیہودہ باتوں سے یہاں تک کہ انھوں نے کہا "ما انتم الا بشر مثلنا" تم تو ہماری مثل ہو اور کہتے ہیں "ولو شاء اللہ لانزل ملائکۃ" اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو فرشتے بھیجتا اور معجزات دیکھ کر دیگر قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے محض ہٹ دھرمی اور ضد کی بنا پر لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

تاکہ جھگڑا کر کے حق کو مٹائیں یعنی وہ جسے انبیاء علیہم السلام لائے اسے مرکز سے ہٹا کر نیست و نابود کر دیں۔

حل لغات الزلق یعنے ڈگمگانا اور زمخشری کی بلاغات میں ہے کہ ادحاض القدم سے یہ مرہ بمعنے ازلاق القدم عن موطنها یعنی قدم کا اپنی جگہ سے ڈگمگانا الادحض بمعنے

موحدین کے دلائل کسی شبہ سے نہیں مٹتے ایسے ہی جسے ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا اسے ابرھہ کس طرح گرا سکتا تھا۔
مثنوی شریف میں ہے ؎

ہر کہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او

ترجمہ جو اللہ تعالیٰ کی روشن کردہ شمع کو پھونک مار کر بجھانا چاہے شمع نے تو بجھنا نہیں البتہ بجھانے والے کا خانہ خراب ہوگا

وَاتَّخَذُوا اٰیٰتِیْ اور انہوں نے میری ان آیات کو جو میری وحدۃ و قدرت وغیرہ پر دلالت کرتی تھیں۔ وَمَا اُنْذِرُوْا اور وہ امور جن سے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا کو بنایا هُزُوًا ہنسی مذاق یعنی ٹھٹھا مذاق کی جگہ اس معنے پر مصدر بطور مبالغہ لایا گیا وَمَنْ اَظْلَمُ یہ استفہام زجر و توبیخ کے طور ہے یعنی اس سے اور کون سخت ترین ظالم ہوگا مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ جسے آیات الٰہی یعنے قرآن مجید سے نصیحت دی جائے فَاَعْرَضَ عَنْهَا تو اس سے وہ منہ موڑے یعنی اس میں تدبر و تفکر نہ کرے وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ اور بھول جائے اپنے کیے ہوئے کفر و معاصی کو اور نہ ہی ان کے بد انجام کی فکر کرے اور اسے خیال تک نہ رہے کہ نیک کو بہتر جزا اور بُرے کو سخت سزا ملے گی۔

سوال کفر و معاصی کے ارتکاب کو ہاتھوں سے عمل کرنے کے ساتھ کیوں تعبیر کیا گیا۔

جواب چونکہ عموماً انسان کے افعال ہاتھ سے ہوتے ہیں یہاں تک کہ قلب کے افعال کو بھی کسب ید سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی لیے ہاتھوں کا نام لیا گیا

ف آیت میں ظالم سے مراد لینے میں موزوں وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتا اور خیر کے راستے کھلے دیکھنے کے باوجود ان پر چلنے کی بجائے روگردانی کرتا ہے بلکہ شر و فساد کی راہوں کا خوگر ہے اور انہی پر چلنے کا شوق رکھتا ہے ایسے گندے راستوں سے اجتناب نہیں کرتا۔

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ بے شک ہم نے اعمال کو بنایا۔ (کذا فی تفسیر الشیخ) عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ان کے دلوں پر پردے یہ کنان کی جمع ہے یہ ان کے اعراض و نسیان کی علت ہے کہ جب انہوں نے ہماری آیات سے اعراض کیا اور بھلایا تو ہم نے بھی ان کے دلوں پر مہر لگا دی اَنْ یَّفْقَهُوْهُ کہ اسے سمجھ سکیں یعنی ہمیں ان کی روش پسند نہ آئی۔ اسی لیے ہم نے ان کے کانوں پر مہر لگا دی تاکہ آیات کی کنہہ کی سمجھ سے محروم رہیں۔

سوال آیات جمع ہے اور ان یفقھوہ کی ہ ضمیر واحد کیوں ؟

جواب چونکہ ان آیات سے قرآن مجید مراد ہے اسی لیے یہ ضمیر اس معنے پر واحد لائی گئی ہے

وَجَعَلْنَا فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا اور ہم نے ان کے کانوں پر ثقل و بہرہ پن ڈالا تاکہ انہیں قرآنی آیات سننے یعنی ان کے قبول کرنے سے روکے

ف اس میں اشارہ ہے کہ اہل لغو ہذیان قرآن مجید کو پورے طور سنتے بھی نہیں ۔

حضرت کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

دل زشنیدن قرآن بگیر در ہمہ وقت

جو باطلان ز کلام حقت ملولی چیست

ترجمہ : ہر وقت قرآن مجید سننے میں مصروف ہوجا ۔ بدبختوں کی طرح تجھے قرآن مجید سننے سے ملال کیوں ہوتا ہے

اور طریق فلاح یعنی دین اسلام کی طرف اگر انہیں بلاؤ گے

تو وہ ہمیشہ یعنی مدت تکلیف مکلف ہونے پر ہرگز ہدایت نہیں پاسکیں گے اس لیے کہ ان کے دلوں پر ازل سے تالے لگ چکے ہیں اسی لیے ان کا ہدایت پانا محال ہے

ف ان سے کفار مکہ کا ایک مخصوص گروہ مراد ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ انھوں نے زندگی بھر اسلام قبول نہیں کرنا ۔ (کذا قال الکاشفی) اور یہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب اور ایک شرط کی جزا ہے حضور علیہ السلام کے سوال کا جواب یوں ہے کہ انا جعلنا علی قلوبھم اکنۃ میں گویا اشارہ تھا کہ اے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم آپ ایسے بدبختوں کو دعوت اسلام پیش بھی نہ کریں لیکن چونکہ حضور سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لیے طبعی حرص تھا اسی لیے گویا آپ نے اللہ تعالے سے پوچھا مالی لا ادعوھم میں انہیں دعوت اسلام کیوں پیش نہ کروں اللہ تعالے نے اس کے جواب میں فرمایا ! وَاِنْ تَدْعُهُمْ (الآیۃ) اور یہ شرط کی جزا یوں ہے کہ جب وہ ہدایت کے قابل ہی نہیں رہے تو پھر ہدایت کے سبب یعنی دعوت نبوی کے قابل کب ہو سکتے ہیں جب ان سے ابتدا کی نفی کی گئی تو گویا ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول نہ کرنے کی نفی کی گئی ہے

وَرَبُّكَ یہ مبتدا اور اس کی خبر الْغَفُوْرُ ہے یعنی تمہارا رب بہت بڑی مغفرت والا ہے اور مغفرت بمعنے بندے کو ایسے عذاب سے بچانا جن کا وہ اپنے عمل کی وجہ سے مستحق تھا یہ الغفر سے ہے بمعنے کسی شے کو کوئی ایسی شے پہنانا جو اسے گرد و غبار سے بچائے ۔

ذُو الرَّحْمَةِ وہ رحمت سے موصوف ہے رحمۃ بمعنے الانعام علی الخلق یعنی مخلوق کو انعام سے نوازنا یہ مبتدا کی دوسری خبر ہے

سوال پہلے صیغے کو مبالغہ پر اور دوسرے کو بغیر مبالغہ کے کیوں ؛

جواب تنبیہ کرنا مطلوب ہے کہ بندوں کے گناہ ان گنت ہیں اور مغفرت میں ترک المضار یعنی کسی کو ضرر نہ دینے کی طرف اشارہ ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیر متناہی عذاب کے ترک پر قادر ہے اور رحمت فعل و ایجاد سے متعلق ہے اس لیے کہ اس کا وجود صرف ان اشیاء سے متعلق ہوتا ہے جو متناہی ہوں غفران کی رحمت پر بھی تقدیم اسی لیے ہے کہ تخلیہ تحلیہ سے پہلے ہوتا ہے ۔

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا تمھاری بدکرداریوں کو دیکھ کر اگر وہ مواخذہ فرمانے لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ تو دنیا میں بلا مہلت تمھیں عذاب میں مبتلا کر دے اس لیے کہ تمھارے کردار کا تقاضا بھی ایسا ہے لیکن نہ اس کریم نے تمھاری گرفت میں جلدی کی اور نہ ہی تم پر اچانک عذاب نازل فرمایا بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ بلکہ ان کے عذاب کا ایک وقت مقرر ہے مَوْعِدٌ اسم زمان ہے اس سے یوم بدر یا قیامت کا دن مراد ہے کہ جس میں انہیں سخت ترین عذاب میں مبتلا کیا جائے گا لَنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا جب ان پر عذاب کا وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو جائے پناہ نہیں پائیں گے ۔

حل لغات: موئلا۔ و۔أ۔ل سے ہے بمعنے لجا الیہ بعض نے کہا کہ من دونہ کی ضمیر عذاب کی طرف راجع ہے اور یہی معنی مرحوم نے فرمایا کہ یہی موزوں تر بلکہ بلیغ تر ہے اس لیے کہ جس کا ملجا و ماویٰ خود عذاب ہو تو پھر اس کے لیے خلاص اور نجات کیسی بعض نے کہا اس کا معنے یہ ہے کہ جب نزول عذاب کا وقت آ جائے گا تو پھر ان کو نہ کہیں پناہ ملے گی اور نہ ہی کسی طرف بھاگ سکیں گے یہ معنے بھی اچھا ہے ۔ (واللہ اعلم)

وَتِلْكَ الْقُرَىٰ اس سے عاد ثمود اور ان جیسے اور کفار کی بستیاں مراد ہیں یہاں مضاف محذوف اور مبتدا ہے یہ دراصل واھل تلك القریٰ تھا اس کی خبر أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ہے یعنی اور ہم نے ان بستیوں والوں کو اس وقت تباہ و برباد کیا جس وقت انھوں نے ظلم کا ارتکاب کیا اور ان کا ظلم و کفر و شرک اہل مکہ جیسا تھا جیسے انھوں نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور ان سے لڑے جھگڑے اور دیگر کئی طرح کے جرائم معاصی کے مرتکب ہوئے ایسے ہی وہ تھے

ف لفظ لَمَّا یا حرف ہے کما قال ابن عصفور یا ظرف ہے جو تعلیل کے لیے واقع ہوا ہے اس سے ان کے ظلم کا معین وقت مراد نہیں بلکہ ان کے ظلم کے ابتدا تا انتہا کا مجموعہ وقت مراد ہے

وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ اور ہم نے ان کی ہلاکت اور تباہ و بربادی کا وقت مقرر کیا المہلک بفتح الام وکسرہا بمعنے ہلاک ہے مَوْعِدًا مقرر شدہ یعنی ایسا مقرر کہ اس سے پس و پیش نہ ہو جب ایسا معاملہ ہے تو پھر قریش مکہ عبرت کیوں نہیں پکڑتے اور شرک و کفر اور دیگر نافرمانیوں سے کیوں باز نہیں آتے اس لیے کہ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے حضرت رشید الدین وطواط نے اس کے ترجمے میں فرمایا ؎

نیک بخت آں کسے بود کہ دلش
آنچہ نیکو تراست بپذیرد
دیگراں را چو پند دادہ
او رزاں پند بہرہ برگیرد

ترجمہ نیک بخت وہ ہے جس کا دل دوسروں سے نصیحت حاصل کرے دوسروں کو جب نصیحت کی جائے تو وہی اس نصیحت سے فائدہ اٹھائے

فوائد الآیات (۱) ہدایت کے جملہ اسباب کسی کو میسر ہوں تو وہ یہ سمجھے کہ کسی کو ہدایت نصیب ہو سکتی ہے اللہ دولت ایمان سے نوازا جا سکتا ہے جب تک جذبات عنایات الٰہیہ دستگیری نہ فرمائیں

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم مدد نہ فرماتا تو نہ ہم ہدایت پاتے نہ صدقات دیتے نہ نمازی ہوتے۔ عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ درین راہ تگ وپوئے کنند

ترجمہ کوئی سالک دوست حقیقی کی کشش کے بغیر منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا اگرچہ ہزاروں سال اس راہ میں دوڑ دھوپ کرے۔

ف یقین کیجیے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کا ایک سبب تلوار بھی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ سے حکم دیا گیا ہوں کہ لوگوں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اسلام لائیں اور فرمایا میں تلوار اور جنگ کا حکم لے کر آیا ہوں۔

۲۔ اہل باطل کا طریقہ ہے کہ وہ حق کو باطل سمجھتے ہیں اور باطل کو حق اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب اندھے اور ان کے عقول کند ہو جاتے ہیں اسی لیے کہ وہ اپنی جہالت وضلالت سے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے برسرپیکار رہتے ہیں اور حق کو مٹانے کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں اور اہل حق انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے نیاز مند ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بلاحیل وحجت ان کے ارشادات کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ انھیں اسلام کی نورانیت کی برکت سے حق کو حق سمجھ کر اس کی اتباع اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے اجتناب کرتے ہیں اسی لیے وہ آیات الٰہی کو حق سمجھتے ہیں ان سے ان کے ساتھ استہزاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دنیا میں عام ہے ہر مومن وکافر کو نصیب ہو گی یہی وجہ ہے کہ کفر ومعاصی پر دنیا میں مواخذہ نہیں کرتا اور نہ ہی غلطیوں پر کسی کا رزق بند کرتا ہے البتہ آخرت میں صرف اہل ایمان سے اس کی رحمت خاص ہو گی اور عذاب صرف کفار کو نصیب ہو گا

سوال یہ تقریر آیت قرآنی کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وتلک القریٰ اھلکنٰھم لما ظلموا اس آیت میں ظالمین کی تباہی دنیا میں صرف ان کے ظلم سے ہوئی۔

جواب کافر ہونا اور بات ہے ظالم ہونا اور اگرچہ ہمارا وعدہ ہے کہ کافر کے کفر سے دنیا میں عذاب نہیں ہو گا لیکن جب انھوں نے کفر کے ساتھ ظلم کو شامل کیا تو انھیں ظلم کی وجہ سے سزا ملنی لازم تھی چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ملک کفر کی وجہ سے ہاتھ سے نہیں جاتا البتہ ظلم واستبداد سے چھین لیا جاتا ہے[1]

---

[1] اس سے ہمارے اسلامی ممالک کے سربراہ عبرت حاصل کریں ۱۲۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا
فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝
قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝

اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں باز نہیں آؤں گا یہاں تک کہ پہنچوں دو دریاؤں کے آپس میں ملنے کی جگہ پر یا مدت دراز تک چلتا رہوں جب وہ دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے مقام پر پہنچے دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے اور مچھلی دریا میں سرنگ بناتی ہوئی چل دی پس جب وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بے شک اس سفر میں بڑی کوفت ہوئی خادم نے کہا دیکھئے جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھہرے تو میں مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان نے ہی بھلا دیا کہ میں اسے یاد کرتا اور تعجب ہے کہ اس نے تو دریا میں اپنی راہ لی۔

بقیہ صفحہ

سوال ایک آیت میں ہے وکذالک نولی بعض الظالمین بعضاً اس آیت میں بھی ظالم کو دنیا میں عذاب دینے کی تصریح ہے

جواب ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ ظلم سے گرفت ضرور ہوتی ہے اس لیے مظلوم کی آہ کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے بلکہ اس کی دعا بہت جلد مستجاب ہوتی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اتقوا دعوة المظلوم فانه ليس بينها وبين الله حجاب — مظلوم کی دعا سے بچو اس لیے کہ اس کی دعا اور اللہ تعالے کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

نکتہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ولدت فی زمن الملک العادل میں عادل بادشاہ کے دور میں پیدا ہوا ہوں اگرچہ عادل کا اطلاق کافر پر نا جائز ہے اس لیے کہ نوشیرواں مجوسی آتش پرست تھا اور شرک نہ صرف ظلم ہے بلکہ اسے ظلم عظیم کہا گیا ہے لیکن چونکہ وہ خلق خدا پر ظلم کے بجائے آسائش و آرام پہنچاتا اسی لیے آقائے کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعریف فرما دی۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مہا زور مندی مکن بر کہاں
کہ بر یک نمط می نماند جہاں
پریشانیٔ خاطر داد خواہ
بر اندازاز دولت و مملکت پادشاہ

خنک روز محشر تن دادگر
کہ درسایۂ عرش دار و مقر

ترجمہ اے سردار عزیز ہوں پر ظلم نہ کر اس لیے کہ جہان ایک طریقہ پر نہیں رہتا انصاف چاہنے والوں کی پریشانی کبھی بادشاہ کو تخت سے نیچے دے مارتی ہے قیامت کے دن وہ عدل کرنے والا بہت زیادہ خوش ہوگا کہ اسے سایۂ عرش الٰہی کے نیچے بیٹھنے کی جگہ ملے گی۔

تفسیر عالمانہ مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام قبطیوں کے مرمٹنے کے بعد جب ملک مصر پر قابض ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کو وعظ سنانے کا فرمایا جس کا موضوع کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیسی اعلیٰ نعمتوں سے نوازا چنانچہ آپ نے اپنی قوم کو نہایت بہترین انداز میں وعظ فرمایا جس سے بنی اسرائیل خوب روئے اور ان کے دلوں پر آپ کی وعظ کا بہت اچھا اثر ہوا بنی اسرائیل کے علماء میں سے کسی نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے آپ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ نے عتاب محبوبانہ فرماتے ہوئے حکم دیا کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا تھا آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ سے میرا ایک اور بندہ بڑا عالم جو دو دریاؤں کے مجمع میں رہتا ہے اس کا خضر نام ہے

ف خضر علیہ السلام افریدوں عادل عاقل بادشاہ کے زمانہ میں تھے یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے اور ذوالقرنین اکبر کے ابتدائی دور میں تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانۂ نبوت تک زندہ تھے اب بھی زندہ ہیں ان کی نبوت کا دور کشتاسف بن لہراسب کے زمانہ میں تھا۔ کذا فی تاریخ ابن اثیر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ میں خضر کو کہاں تلاش کروں اور وہ مجھے کس طرح مل سکتے ہیں اس کا کوئی آسان طریقہ بتائیے تاکہ میں اسے آسانی سے مل سکوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ چٹان کے نزدیک مجمع البحرین میں اس کی ملاقات کر سکتے ہیں لیکن آپ اپنا زاد راہ ساتھ لے جائیے یعنی مچھلی بھون کر ایک جھولے میں ڈال کر اپنے ساتھ رکھیں تاکہ بھوک ستائے تو بھیک نہ مانگنی پڑے لیکن جب یہ مچھلی دریا میں غوطہ لگائے تو سمجھنا کہ یہیں پر میرا بندہ ہوگا آپ نے مچھلی بھون کر جھولے میں رکھ دی اور اپنے خادم سے فرمایا کہ جہاں یہ مچھلی دریا میں غوطہ لگائے تو مجھے مطلع کرنا۔

ازالہ وہم یہود یہودی کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس مقام جس میں موسیٰ کا ذکر ہے اس سے موسیٰ بن عمران علیہ السلام مراد نہیں بلکہ یہ موسیٰ بن میشا بن یوسف نبی علیہ السلام تھے یہ بھی نبی تھے اور موسیٰ بن عمران سے پہلے تھے ان کا وہم اس لیے ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام معجزات باہرہ ہیں اور کلیم خدا بھی اور حضرت خضر علیہ السلام کا یہ مرتبہ کہاں اسی لیے وہ مفضول تھے اور افضل مفضول سے استفادہ نہیں کرتا یہ ان کا صرف وہم ہے ورنہ کامل عالم افضل ہو کر بہت سے امور سے بے خبر ہوتا ہے اور یہ کوئی عیب بھی نہیں اور فاضل کبھی مفضول بھی ہوتا ہے اگرچہ من وجہ سہی اس معنے پر یقیناً اس سے موسیٰ بن عمران علیہ السلام مراد ہیں اگر وہ دوسرے

موسیٰ علیہ السلام ہوتے تو اسے مقید بہ قید اضافی بیان کیا جاتا اس لیے کہ مشہور و معروف شخصیت کے ہم نام کو جب کسی وقت لکھنا یا کہنا پڑتا ہے تو اس کے ساتھ کسی دوسرے لفظ کا اضافہ ضروری ہوتا مثلاً سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہم نام ایک اور امام ابوحنیفہ گزرا ہے اب اس ثانی ابوحنیفہ کو جب لکھا جائے گا تو اس کے دینوری کا لفظ ضرور ہوگا مثلاً کہا جائے گا قال ابو حنیفہ الدینوری ورنہ مطلقاً ابوحنیفہ لکھا ہوگا تو وہاں امام صاحب کے سوا کوئی اور مراد نہ ہو سکے گا ایسے یہاں سمجھئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو مطلق کہا گیا ہے اگر ان کے علاوہ دوسرے موسیٰ علیہ السلام مراد ہوتے تو ان کے ساتھ موسیٰ بن میشا بن یوسف علیہ السلام لکھا جاتا[1]

لِفَتٰىهُ اس سے یوشع بن نون بن افرایم بن یوسف علیہ السلام مراد ہیں یہ یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے تھے اور آپ کے اکبر خلفاء میں سے تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہر وقت ساتھ رہتے یہاں تک کہ تا وصال آپ کے ساتھ رہے موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کی خلافت کا بوجھ ان کے کاندھوں پر رکھا گیا[2] اور انہوں نے ہی شریعت موسوی کو چلایا بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہی یوشع بن نون کو معظم ترین شخصیت سمجھا جاتا تھا۔

سوال جب یوشع بن نون اتنا بڑی شخصیت کے مالک تھے تو پھر انھیں فَتٰی سے کیوں تعبیر کیا گیا ؟!

جواب یہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دیتے اور ان کی اتباع میں ضرب المثل اور ہر وقت ان سے استفادہ و استفاضہ میں لگے رہتے تھے

اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ شاگرد اور مرید و خادم کو فتٰی سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ سن رسیدہ ہو چنانچہ قول مشہور تعلم یافتی فالجھل عار اے بچے علم حاصل کر اس لیے کہ جہالت ننگ و عار ہے۔ شاگرد[3] اور خادم حکمی عبد ہیں۔

استاذ کا مقام

حضرت شعبہ نے فرمایا جس سے میں نے صرف چار روایات و احادیث حاصل کیں میں اس کا تا دم زیست غلام بے دام ہوں

ف بعض مفسرین نے فرمایا کہ فتٰی سے موسیٰ علیہ السلام کا عبد حقیقی مراد ہے اور فتٰی سے اسے اس لیے تعبیر کیا گیا کہ عوام سبق حاصل کریں کہ غلام کو عبد کہنا سوء ادب بایں معنی ہے کہ عبدیت کی نسبت اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے[4]

---

[1] توضیح از اویسی غفرلہ ۱۲ [2] حاشیہ صفحہ یہی جواب سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے لے دیا جائے کہ اگر جزوی فضائل علی المرتضیٰ میں پائے گئے تو کیا حرج ہے ۱۲ اویسی غفرلہ

[3] لیکن آج کے دور میں عبدیت ایک طرف تو شرک کی زد میں آگیا دوسری طرف طلبا اور شاگردوں کے دماغ فرعون بن گئے ورنہ یہ رشتہ بھی ایک عظیم اسرار کا مرکز تھا۔ [4] ہم بھی یہی کہتے ہیں لیکن اسے شرک کا فتویٰ جڑ دینا وہابیوں، دیوبندیوں کا کام ہے تفصیل فقیر کے تحفۃ الغجوں فی تسمیۃ عبدالرسول میں ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کنیز اور غلام کو اپنی طرف منسوب کرنا ہے تو کہا جائے فتای وفتاتی عبدی وامتی نہ کہا جائے

مسئلہ جو شخص کہے انا فتی فلان اس سے اس کے عبد ہونے کا اقرار ہو گا یہی امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے

فیصلہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے نزدیک پہلی وجہ زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ آنا بہت بڑے اہم سفر پر کسی غلام کو نہیں لے گئے ہوں گے بلکہ کسی عظمت اور بلند مرتبت شخصیت کو ساتھ رکھا ہو گا جیسے عموماً قاعدہ ہے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ آپ نے بھی ایسے مہتم بالشان سفر کی رفاقت کے لیے حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا[1] اس لیے کہ آپ ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے معزز ترین شخصیت اور آپ کے وصال کے بعد خلیفہ ہوئے ۔ لَآ اَبْرَحُ ....

حل لغات بَرَحَ افعال ناقصہ سے زال یزال کی طرح ہے یعنی لا ازال اسیر ہمیشہ چلتا رہوں گا قرینہ حال پر اعتماد کر کے خبر محذوف کر دی گئی ہے جب آپ سفر مذکور کی طرف متوجہ ہوئے اور لقد لقینا من سفرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے اس سے مفتی سعدی کے وہم کا ازالہ ہو گیا انھوں نے فرمایا نظم قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے سفر کی کوئی دلیل نہیں ملتی ممکن ہے انھوں نے کسی ضعیف خبر یا کسی تاریخی واقعہ سے غلطی کھائی ہو اور آیت مذکورہ ان کے ذہن سے اتر گئی ہو ورنہ نص قرآنی کو کس طرح ٹھکرایا جا سکتا ہے

حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ مجمع البحرین بحر فارس و روم کے ٹکرنے کی شرقی جانب والا مقام مراد ہے اور یہ وہی جگہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کی ملاقات کا مقام بتایا

ف مفتی سعدی نے فرمایا کہ بحر فارس و روم محیط میں جمع ہوتے ہیں اس کی مزید تشریح سورت رحمٰن میں آئے گی انشاء اللہ

ف اس سے محیط غربی مراد ہے اس لیے دریاؤں کا ٹکراؤ یہیں پر ہے اور جسے دریاؤں کے ٹکرنے کا طریقہ معلوم ہے اس سے ہماری مراد مخفی نہیں اور ان کے ملنے کی جگہ وہی ہے جو شرقی جانب کو متصل ہے اور قاعدہ ہے جو شے کسی کو قریب تر ہو تو اس پر اسی قرب کا حکم لگایا جاتا ہے اور اسی قرب سے اس کی تعبیر کی جاتی ہے

فائدہ صوفیانہ البحرین سے خود موسیٰ و خضر علیہم السلام مراد ہیں ان کی کثرت علمی کی وجہ سے انھیں بحرین سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام علم ظاہر کے دریا تھے

---

[1] یار غار ہونا شیعوں نے بھی مانا ملاحظہ ہو فقیر کا رسالہ "چشمہ نور افزا شرح آئینہ شیعہ نما" ۱۲ ۔

[2] یہی رفاقت سفر ہجرت خلافت بلا فصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لیے اہل سنت کی بہترین دلیل ہے ملاحظہ ہو آئینہ شیعہ مذہب ۱۲ ۔

اگرچہ آپ میں بھی علم بطون کی کمی نہیں تھی لیکن چونکہ آپ شریعت کے پاسبان تھے اسی لیے آپ میں علم ظاہر کا غلبہ تھا اور خضر علیہ السلام علم باطن کے دریا تھے یعنی آپ پر علم بطون کا غلبہ تھا اور انبیاء علیہم السلام چونکہ صفت جمال و جلال کے مظاہر ہیں اسی لیے ان کے مراتب میں فرق ہوتا ہے اس کی مزید تحقیق ہم آگے چل کر بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ

ف ان حضرات کے اجتماع کا مقام متعین نہیں تھا بلکہ اس سے ان کا مطلق اجتماع مراد ہے۔ اَوْ اَمْضِیَ۔ مضی فی الامر سے ہے بمعنے نفذ و امضاہ بمعنی انفذہ۔ حُقُباً (بضم الکاف وسکونہ) اسی سال کا عرصہ۔ اب معنٰے یہ ہوا کہ میں ایک لمبی مدت تک چلتا رہوں گا یہاں تک کہ یقین ہوگا کہ مطلب کا حصول ناممکن ہے خادم سے اپنے سفر کی انتہا دو باتوں پر موقوف فرمائی

۱۔ مجمع تک پہنچنا

۲۔ عرصہ دراز تک چلتے رہنا یہاں تک کہ یقین ہوگا کہ اب مطلب حاصل ہوگا اور بعض تفاسیر میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ میں عرصہ دراز تک چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں اس عالم دین کو پالوں

ف کاشفی نے لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اگرچہ عرصہ دراز اسی سال تک سفر کرنا پڑے تب بھی اس بندۂ خدا کو تلاش کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ ع

دست از طلب ندارم تا کام من برآید

ترجمہ اس کی تلاش سے باز نہیں آؤں گا جب تک مطلب پورا نہ ہو۔

مثنوی شریف میں ہے ے

گر گراں و گر شتا بندہ بود

آنکہ جوینده است یابندہ بود

در طلب زن دائماً تو ہر دو است

کہ طلب در راہ نیکو رہبر است

ترجمہ اگر آہستہ چلیے یا دوڑے بالآخر تلاش کرنے پر مقصد حاصل ہو جاتا ہے مقصد کی طلب میں جدوجہد کیجیے اس لئے کہ طلب ہی بندے کی بہتر رہبر ہے

فائدہ طالبعلمانہ امام صاحب نے تفسیر میں لکھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نفس کو سفر کی کوفت اور اس کے دکھ اور تکلیف سے تسلی دلائی ہے تاکہ سفر کی تکالیف کو دیکھ کر نفس کو گھبراہٹ نہ ہو اور علم کی طلب میں ایسی مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اس میں طالب علم کو سبق دیا گیا ہے کہ اگر اسے صرف ایک مسئلہ کے حصول کے لیے مشرق سے مغرب تک جانا پڑے تو بھی علم کی شان میں معمولی امر ہے

حکایت : روضۃ الخطیب میں ہے کہ ایک بزرگ نے مدینہ طیبہ سے ملک مصر تک صرف ایک حدیث شریف سننے کے

لیے سفر کیا

قاعدہ صوفیانہ بندہ ولایت میں کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کسی کامل کے ہاں جاکر گھٹنے نہ ٹیکے اور منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا جب تک ہجرت نہ کرے

لطیفہ جو شخص استاد کے بغیر اپنی کارروائی سے مقصد کو پہنچنا چاہے یا پیرو مرشد کے بغیر اپنے دل کے پردے ہٹانا چاہے وہ اگرچہ کامیاب بھی ہو تب بھی اسے اس بچے کی طرح سمجھو جو راستہ میں پڑا ہوا ملے لیکن اس کا باپ کوئی نہ ہو کہ جس سے اس کا نسب بیان کیا جا سکے[1]

بے پیر شیطان کا چیلہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جس کا شیخ (پیرو مرشد) نہ ہو اس کا شیخ شیطان ابلیس ہے[2]

مثنوی شریف میں ہے ۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر
چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو
ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

ترجمہ پیر کا دامن پکڑ کر یہ سفر پیر کے بغیر بہت بڑا آفت اور خوف و خطرہ سے بھرپور ہے جب پیرو مرشد کا دامن پکڑا ہے تو ان کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے خضر کے سامنے سر تسلیم خم کیا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں سے چند فوائد حاصل ہوئے ۔

۱۔ مسافر پر لازم ہے کہ سفر سے پہلے رفیق سفر کی تلاش کرے

۲۔ سفر میں ایک کو امیر سفر مقرر کر لینا ضروری ہے تاکہ دوسرے اس کے ماتحت کام کریں اور اسی کے تبع رہیں البتہ مشورہ دیتے جائیں اور امیر پر لازم ہے کہ سفر میں ان کے مفید مشوروں کو ضائع نہ جانے دے ۔

۳۔ رفیق سفر کو اپنے سفر کے مقاصد سے باخبر کرے اور اسے بتا دے کہ اس سفر میں اتنا عرصہ لگے گا تاکہ رفیق اس کے حالات سے آگاہ ہو کر اگر مناسب ہوگا تو وہ اس کے ساتھ چلے گا ورنہ معذرت کرے گا

۴۔ مرید پر لازم ہے کہ شیخ کامل کو تلاش کرکے اس کی بیعت کے بعد اس کی اقتدا میں سر کی بازی لگا دے یہاں

---

[1] افسوس ہے کہ استاد کی قدر و قیمت دور دنیا نے گھٹا دی ۱۲ ۔

[2] اسے ہمارے جاہل واعظ حدیث شریف سمجھکر بیان کرتے ہیں اور اگر اس قول کو وہابی دیوبندی سمجھ جائیں تو میرے خیال میں ابلیسی شرارتوں سے محفوظ ہو جائیں گے

تک کر منزل مقصود تک پہنچ کر مقاصد میں کامیاب ہوا اس لیے شیخ کامل کی تلاش درحقیقت حق تعالیٰ کی تلاش ہے

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا بَلَغَا ۔ کاشفی نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن نون علیہ السلام سے فرمایا کہ تم اس بندہ کامل کی تلاش میں میری موافقت کرو یوشع بن نون علیہ السلام نے عرض کی کہ میں آپ کے نہ صرف موافق ہوں بلکہ آپ کی رفاقت کو غنیمت سمجھتا ہوں ۔ ع

خوشست آوارگی آنرا کہ ہمراہی چنین باشد

جب ایسے رفیق کی رفاقت نصیب ہے تو اگر کوئی اسے آوارگی کہے تو مجھے ایسی آوارگی بھلی ۔

یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کشکول اور ان کا زاد راہ جس میں مچھلی بھنی ہوئی بھی تھی اٹھا کر موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے ہو لیے فلما بلغا کی فا فصیحیہ ہے یعنی موسیٰ و یوشع علیہم السلام چل پڑے تو جب دونوں پہنچے مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا ۔ بینهما ظرف اور مجمع کا مضاف الیہ ہے اس کی وسعت کی وجہ سے اسے مضاف الیہ بنانا جائز ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ دونوں ایسی جگہ پہنچے جہاں دو دریاؤں کا طول میں جمع ہونے کا مقام تھا

چشمۂ آب حیات کاشفی نے لکھا کہ دریاؤں کے مجمع میں ایک پتھر چشمۂ آب حیات کے کنارے پر پڑا تھا وہاں آرام کرنے کے لیے اترے موسیٰ علیہ السلام آرام فرما ہوئے یوشع علیہ السلام نے وہاں سے وضو کیا آب حیات سے پانی کا قطرہ اسی بھونی ہوئی مچھلی پر پڑا تو مچھلی نے زندہ ہو کر دریا میں چھلانگ لگا دی یوشع علیہ السلام حیران ہو کر دیکھتے رہے جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع علیہ السلام سے حال پوچھے بغیر جلدی سے چلا ئیے نَسِيَا حُوتَهُمَا بعلت سفر میں مچھلی کو بھول گئے اور ان کا یہ بھولنا مطلوب کے حصول کی علامت تھی ۔

سوال مچھلی کا واقعہ تو یوشع بن نون علیہ السلام بھولے تھے لیکن آیت میں اس کا اسناد موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام ہر دونوں کی طرف کر دیا ؛

جواب موسیٰ علیہ السلام کا بھولنا بھی اس میں شامل ہے اس لیے کہ آپ چلتے وقت یوشع علیہ السلام کو بھنی ہوئی مچھلی و دیگر سامان اٹھانے کا نہ فرمایا اور یوشع علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کو بھنی ہوئی مچھلی کا عجیب کرشمہ نہ بتا سکے اس معنیٰ پر نسیان کی نسبت (مجمع) ہر دونوں کی طرف کی گئی

جواب الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ زاد راہ ہر دونوں حضرات کا مشترک تھا اسی معنیٰ پر نسیان کا اطلاق ہر دونوں پر ہوا ۔ اگرچہ بظاہر نسیان حضرت یوشع کو ہوا اس کی مثال یوں سمجھئے کہ عربی کہتے ہیں خرج القوم وحملوا الزاد سامان اگرچہ ان کے بعض افراد اٹھاتے ہیں لیکن اس کی نسبت سب کی طرف کی گئی ہے ہماری ان دونوں تقریروں سے وہ سوال اٹھ گیا کہ صحیحین کی روایت میں نسیان کا اسناد صرف یوشع کی طرف کیوں اور قرآن مجید میں ہر دونوں کی طرف اسناد کا کیا معنیٰ ۔

سوال فا تعقیب کے لیے آتی ہے یہاں اس کا لانا بے محل ہے اس لیے کہ مچھلی دریا میں پہلے گئی اور ان کو نسیان

بعد کو ہوا تھا

جواب یہ فاء فصیحہ ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جس معطوف علیہ پر فاء فصیحہ داخل ہے اس کا معطوف بھی فعل ہو بلکہ اس کا معطوف اور فعل ہے اس لیے کہ یہ عبارت یوں تھی حی الحوت فسقط فی البحر فَاتَّخَذَ (سَبِيْلَهٗ) یعنی مچھلی زندہ ہو کر دریا میں گری تو بنایا اس نے اپنا راستہ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا کا مفعول ثانی ہے اور فی البحر اسی سے حال ہے یعنی وہ راستہ سرنگ کی طرح بنایا سربٌ زمین کے اندر اس گھر کو کہتے ہیں جس کے نیچے سوراخ ہو یہ نفق کی نقیض ہے اس لیے کہ سرب میں کسی قسم کا سوراخ نہیں ہوتا اور جس میں سوراخ ہو اسے نفق کہتے ہیں

اعجوبہ جونہی مچھلی پانی میں داخل ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اجزا کو روک لیا اور اس کے ٹھہرنے کی جگہ طاق کی طرح ہوئی یعنی مکان کے اوپر ایسی جگہ بنانا جس کا اوپر کا حصہ مضبوط کر کے نیچے کی جگہ خالی رکھی جائے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مچھلی کی جگہ سے پانی روک دیا گیا اور پانی اس کے گرداگرد ایسے معلوم ہوتا تھا گویا وہ مچھلی ایک طاقچہ میں بیٹھی تھی اسی طرح حدیث شریف میں اس کی صورت بتائی گئی ہے

اعجوبہ وہ مچھلی جہاں سے گزرتی تھی اس جگہ سے پانی خشک ہو جاتا تھا اور وہ اسی زمین میں جا ٹھہری جس کے اوپر پانی اور نیچے خشک جگہ تھی بعض مفسرین جیسے قاضی اور اس کے متبعین نے لکھا ہے کہ سربا ہر اس گھر کو کہا جاتا ہے جس میں آنے جانے کی جگہ ہو ان کی اس تفسیر کی کوئی دلیل نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں سارب بالنھار کا محاورہ ہمارا مؤید ہے یعنے سارب کا معنے ہے ذاھب علی وجھہ فی الارض۔ فَلَمَّا جَاوَزَا جب مجمع البحرین سے گزر گئے حالانکہ وہی خضر علیہ السلام کی ملاقات کی جگہ تھی مروی ہے کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام سو کر اٹھے تو اسی دن اور آنے والی رات کو مسلسل چلتے رہے جب صبح ہوئی اور حوائج ضروریہ سے فراغت پائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذہن میں حوت کا خیال ڈالا تاکہ واپس لوٹ کر اپنے مطلب کو حاصل کریں چنانچہ فرمایا: قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ صبح کا کھانا لائیے الغداء بالفتح ہر وہ کھانا جو دن کو بھوک کے وقت کھایا جائے اور العشاء ہر وہ کھانا جو رات کی بھوک ہٹانے کے لیے کھایا جائے لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا بخدا کہ ہم نے اس سفر میں ہو کر مجمع البحرین کے متجاوز ہو کر کہیں دور پہنچ کر واپس لوٹے نَصَبًا ۝ تھکان اور کوفت۔

سوال انبیاء علیہم السلام میں نورانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر انہیں تھکان اور بھوک کیوں!

جواب چونکہ مقصد سے آگے متجاوز ہو چکے تھے اسی لیے انہیں واپس لوٹنا مطلوب تھا اسی لیے اب انہیں مچھلی بھی یاد دلائی گئی جس سے وہ بشری تقاضوں کی طرف متوجہ ہوئے تو بھوک اور تھکان محسوس ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت بھوک محسوس ہوئی جب منزلِ مقصود سے متجاوز ہو چکے تھے کذا قال النووی۔

سوال یہاں بھوک محسوس فرما رہے ہیں حالانکہ صرف ایک دو دن میں سفر کیا اور کوہ طور کے سفر میں تیس دن رات گذار دئیے

لیکن بھوک اور تھکان کا خیال تک نہ آیا حالانکہ اس وقت بھی بشری تقاضے موجود تھے

جواب: یہ سفر طلب علم اور تادیب کے طور تھا جس میں مشقت کا احساس لازمی امر تھا اور کوہ طور کا سفر ذات حق کی جانب تھا اسی لیے وہاں مشقت کا معاملہ نہیں تھا بلکہ راحت وسرور تھا (کذا فی الاسئلۃ المقمہ) خلاصہ یہ کہ اس سفر میں بشریت کا غلبہ تھا کہ من وجہ بشری معاملات کے لیے جار ہے تھے اب وہاں نورانیت کا غلبہ تھا اس لیے کہ وہاں ہم کلامی کا شرف حاصل ہونا تھا

ف یہ جملہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بھوک کی علت بتاتے ہوئے اظہار فرمایا ہے کہ تھکان کیوں ہوئی اس لیے کہ بھوک میں کام نہیں ہوسکتا اگر سفر جاری ہو تو تھکان محسوس ہونے لگتی ہے کیونکہ بھوک سے ضعف اور کمزوری صادر ہوتی ہے اور طعام سے استراحت جسمانی بھی مطلوب تھی اسی لئے کاشفی نے لکھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام صبح کے وقت تھکان اتارنے کے لیے تھوڑی دیر کہیں ٹھہرے تو اپنے خادم سے فرمایا کہ صبح کا کھانا لائیے تاکہ بھوک بھی دور کریں اور تھوڑا سا آرام بھی کرلیں جب یوشع علیہ السلام نے دسترخوان پیش کیا تو مچھلی کا واقعہ یاد آگیا تو عرض کی قَالَ موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے عرض کی اَرَاَیْتَ ابن الملک نے کہا کہ یہ اخبرنی کے معنے میں آتا ہے لیکن یہاں تعجب کے معنے میں مستعمل ہوا ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے اور وہی محذوف اِذْ اَوَیْنَآ اِلَی الصَّخْرَۃِ کا عامل ہے اب معنے یہ ہوا کہ تعجب ہے کہ مجھے یہ واقعہ پیش آیا تھا جب ہم پتھر پر پہنچ کر اترے تھے فانی نسیت الحوت تو بھول گیا کہ میں آپ کو مچھلی کا معاملہ عرض کرتا اس وقت تو میں نے عجیب وغریب معاملہ دیکھا تھا اس کے بعد معذرت کے طور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ وہ بھول مجھے شیطان کی طرف طاری ہوئی اگر وہاں میں آپ کو عرض کردیتا تو نہ آپ وہاں سے چلتے اور نہ سفر کی مشقت اور تکلیف اٹھاتے چنانچہ کہا وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اور مجھے شیطان نے ہی اپنے وسوسہ سے مچھلی کی بات بتانے سے مشغول کردیا اَنْ اَذْکُرَهٗ ۔ وما انسانی کی ضمیر متکلم سے بدل الاشتمال ہے یعنی شیطان کے بھولانے سے میں آپ کو مچھلی کا ذکر نہ بتا سکا وَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ عَجَبًا ○ اور مچھلی نے تو دریا میں عجیب راستہ لیا تھا جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا کہ مچھلی نے جونہی دریا میں چھلانگ لگائی تو دریا کا پانی ہٹ گیا تو اس کے اوپر پانی طاقچہ کی صورت اختیار کرگیا جس میں مچھلی آرام سے بیٹھ گئی اور یہی ایک عجیب منظر تھا جسے یوشع علیہ السلام نے آنکھوں سے دیکھا لیکن چلتے وقت موسیٰ علیہ السلام کو نہ بتا سکے تبھی تو انہیں معذرت کرنی پڑی

ترکیب عَجَبًا اتخذ کا مفعول ثانی اور فی البحر ظرف مفعول اوّل یا مفعول ثانی سے حال ہے مچھلی کا واقعہ سنانے میں یوشع علیہ السلام نے واقعہ کو دو طرفوں پر منقسم فرمادیا اور درمیان میں معذرت کے طور جملہ معترضہ لائے اور وہ وما انسانیه الا الشیطٰن ہے تاکہ وہی جملہ معترضہ ان کے مچھلی کے یاد نہ دلانے کی علت بن جائے ورنہ دراصل قصہ یوں سنانا تھا کہ مچھلی زندہ ہوکر چھلانگ لگاکر دریا میں چلی گئی لیکن قصہ کے درمیان میں جملہ معترضہ پیش کردیا تاکہ غلطی کے ساتھ سبب کا اظہار تو موسیٰ علیہ السلام

لے اس سے مسلک اہلسنت کو سمجھئے انبیاء علیہم السلام بشریت و نوریت کا جامع ہوتے ہیں ۱۲ -

کوناراضگی پیدا نہ ہو اور یہی یہاں پر زیادہ موزوں تھا

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں مچھلی کا زندہ ہونا عجیب امر تو ہے لیکن چونکہ یہی حالت عجیبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حصول مقصد کی ایک نشانی تھی اس سے انہیں خوشی ہوتی تھی یا کہ ناراضگی پھر یوشع علیہ السلام کی معذرت کا کیا معنیٰ۔

جواب ا چونکہ یوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بڑے معجزات دیکھے ہوئے تھے اسی لیے اس مچھلی کو عجیب وغریب طریق سے زندہ ہونے کی خرق عادت ان کے معجزات کے بالمقابل لاشی نظر آئی اسی لیے انہیں اپنے لیے اظہار معذرت کرنا پڑا۔

جواب ۲ صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا اس کا جواب میرے نزدیک اور طریقہ سے دینا چاہیے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے علم کو عظیم تر سمجھا تھا تو اللہ تعالےٰ نے آپ کے دل سے ایک واضح علم مٹا دیا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو کہ ہر علمی شان میں جب تک اللہ تعالےٰ کی عطا کو دخل نہ ہو وہ علم نہیں جہل ہے۔

صوفیانہ جواب ۳ بعض مشائخ نے فرمایا کہ دراصل معاملہ کچھ اور تھا وہ یہ کہ یوشع بن نون علیہ السلام نے جب آیات باہرہ مثلاً بھنی ہوئی مچھلی کا زندہ ہونا حالانکہ اس کا کچھ حصّہ کھایا بھی جا چکا تھا پھر اس کے لیے پانی کا جاری نہ ہونا بلکہ طاقچہ کی صورت اختیار کرنا اور اس کا سرنگ لگا کر چلا جانا وغیرہ کا مشاہدہ فرمایا تو مستغرق فی جناب القدس ہو گئے

سوال تم اسے استغراق باللہ سے تعبیر کر رہے ہو اور وہ خود شیطان کی طرف منسوب فرما رہے ہیں ہم ان کی بات مانیں یا تمھاری

جواب انھوں نے تو کسر نفسی کے طور فرمایا ہے تاکہ نفس دھوکہ نہ کھائے اور اسے اپنے لیے موجب افتخار نہ سمجھے اور یہی طریقہ بزرگوں کا عام ہے[۱]

آیات میں چند لطیف اشارات ہیں

۱۔ طالب صادق جب ارادہ کرے کہ وہ اپنے شیخ کامل کی خدمت کرے تاکہ وہ اسے سلوک کے منازل طے کرائیں تو اسے لازم ہے کہ توفیق ایزدی کو اپنا رفیق بنائے اس لیے کہ اس کے پاس مردہ مچھلی یعنی قلب ہے جو شہوات نفسانیہ (جس میں حب دنیا اور اس کی زینت کی ملاوٹ ہے) کے حملوں سے مردہ ہو چکی ہے اور

سے وہ ولایت مراد ہے جو مرید اور شیخ کامل کے مابین واقع ہے اس میں اشارہ ہے کہ مرید صادق شیخ کی صحبت سے اس وقت کامیابی کامرانی پا سکتا ہے جب مجمع ولایت تک پہنچے گا یاد رہے کہ مجمع ولایت کے قرب میں آبحیات کا چشمہ موجود ہے جسے حیات حقیقیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی سے ایک قطرہ مرید کے مردہ قلب پر پڑتا ہے تو وہ مرید کا قلب زندہ ہو کر ولایت کے دریا میں غوطہ زن ہو کر اپنا راستہ بنا لیتا ہے۔

لے[۱] ایسے تواضع کے مقامات ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار ظاہر فرمائے جسے وہابیوں، دیوبندیوں نے نقائص پر محمول کیا اور ہم نے استغراق پر۔ فرق خود سمجھ لیجیے۔ ۱۲۔

۲ - اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالےٰ بندے کے دل پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اپنے قلب کو بھی بھلا دیتا ہے لیکن یہ اس وقت نصیب ہوتا ہے جب کسی شیخ کامل کی نظر عنایت سے سرشار ہو مثنوی شریف میں ہے -

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد

در وجود زندہ پیوستہ شد

وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست

مردہ گشت و زندگی از وے برست

ترجمہ خوش وہ مردہ ہے جو اپنی ہستی کو مٹا کر کسی زندہ سے جا ملا اور بدقسمتی ہے اس زندہ کی جو کسی مردہ دل کے ہاں بیٹھا تو وہ خود مر گیا اور زندگی سے نجات پا گیا -

۳ - بہت سے مریدین کو اثنائے طے راہ سلوک میں توہمات گزرتے ہیں کہ خواہ مخواہ ایک اپنے جیسے انسان کے احسانات اٹھا رہا ہوں اور اس کی وجہ سے بہت سے مصائب و تکالیف برداشت کرتا ہوں کیوں نہ ہو کہ اسے چھوڑ کر اللہ تعالےٰ کی عبادت میں لگ جاؤں اور شب و روز اسی کی یاد میں مشغول رہوں اسی طرح سے منزل مقصود کو پہنچ جاؤں گا یہ خیال اس کا غلط اور سراسر غلط ہے اس راستہ کے لیے جب تک شیخ کامل کی نگاہ کرم نہ ہو گی منزل پر پہنچنا محال اور سخت محال ہے بلکہ الٹا زندگی ضائع ہو گی اور عبادت کی کلفت اور عبادت و ریاضت کی تکالیف و مشقت بے سود اور شیخ کی رہبری کے بغیر سیدھے راستے پر چلنے کا خطرہ اور راہ حق سے بہت دور ہونے کا یقین ہاں عنایات الٰہی کی دستگیری وہ علیحدہ بات ہے لیکن یہ کسی خوش قسمت کو نصیب ہوتا ہے عام قاعدہ یہی ہے کہ راہ سلوک میں مرشد کامل کی رہبری ضروری ہے - مثنوی شریف میں ہے - ع

آں رہے کہ بارہا تو رفتۂ

بے قلاوز اندر ان آشفتۂ

پس رہے را کہ نرفتی تو ہیچ - ہیں مرو تنہا ز رہبر میپیچ

ہین مپر الا کہ باپر ہائے شیخ - تا ببینی عون و لشکرہائے شیخ

ترجمہ ایسے راستے کہ تو نے بارہا طے کیے رہبر کے بغیر پریشان نہ ہو گا ہاں وہ راستے جو تو نے کبھی دیکھے ہی نہیں ایسے راستوں میں رہبر کے بغیر اکیلا مت جا اور ایسے راستوں پر اپنے پروں نہ چل ہاں شیخ کے پروں سے اڑے گا تو کامیابی ہو گی -

۴ - شیخ کامل کی صحبت مرید کے لیے بمنزلہ صبح کے کھانے کے ہے اس لیے کہ شیخ کے ملفوظات سننا اور اس کے افعال و اعمال دیکھ کر پیروی کرنا اس کی روحانی غذا ہے اور صحبت سے محروم ہو گا تو حصول و مقصد سے محروم رہے گا الٹا نفس میں تھکاوٹ محسوس کرے گا اور شیطان کا کام ہے کہ وہ رسوائی کی طرف رغبت دلائے اسی لیے سالک پر لازم ہے

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝

ترجمہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہی تو تھا جسے ہم تلاش کر رہے تھے پھر دونوں پیچھے لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپسی پر میرے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی طرف سے خاص رحمت سے نوازا اور اسے اپنا علم لدنی عطا فرمایا اس سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا میں آپ کے ہاں رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ آپ مجھے اس علم کی رہبری فرمائیں جس کی آپ کو تعلیم دی گئی ہے ۔

(بقیہ صفحہ ۴۲۰)

کہ صحبت شیخ کی طرف رجوع کرے اور شیخ کی خدمت کرتے ہوئے توفیق ایزدی کو اپنا رفیق بنائے جیسے موسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام واپس لوٹے تو منزل مقصود کو پایا اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا: "الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین" یعنے سچے لوگوں کی صحبت حاصل کرو اور جھوٹے لوگوں سے دور بھاگو ۔ مثنوی شریف میں ہے ۔

ہر طرف غولے ہمی خواند ترا
کائے برادر راہ خواہی ہین بیا
راہنمایم ہم رہت باشم رفیق
من قلا وزم دریں را دقیق
نے قلا وزست نے راہ داند او
یوسفا کم رو سوئے آن گرگ خو

ترجمہ ہر طرف غول تمہیں بلائیں گے اے بھائی کہیں نہ جانا تجھے میری طرف آنا ضروری ہے میں تیرا رہبر ہوں اچھا ساتھی ہوں ایسے پیچیدہ راہ کا صرف میں ہی تیرا رہبر ہو سکتا ہے دوسرے لوگ نہ تیرے راہبر ہیں نہ دوست فلہذا اے میرے پیارے گرگ صفت لوگوں کو چھوڑ دے اور ہمارے پاس آ جا ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت توفیق کی التجا کرتے ہیں

تفسیر عالمانہ قَالَ ذٰلِكَ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے فرمایا کہ جس واقعہ مچھلی کو تو نے بیان کیا ہے وہی تو تھا مَا كُنَّا نَبْغِ نبغ دراصل نبغی تھا اس کی ضمیر جو اس کے اسم موصول کی طرف لوٹتی ہے وہ محذوف ہے یہ عبارت دراصل نبغیہ تھی یعنے جس کی ہمیں تلاش تھی اور جس کی طلب میں ہم گھر سے روانہ ہوئے تھے وہ یہی مقام تھا اس لیے کہ خضر علیہ السلام کی ملاقات کے موقعہ کی علامت یہی بتائی گئی تھی فَارْتَدَّا جہاں تک پہنچے وہاں سے واپس لوٹے

اور وہ ایک نہر تھی وہ اسی دریا سے نکلتی تھی جس میں مچھلی چھوڑ آئے تھے عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا یعنی اسی راستے سے واپسی ہوئی جسے طے کر کے گئے تھے الآثار بمعنے الاعلام نشانات اثر کی جمع ہے مثلاً کہا جاتا ہے خرج فی اثرہ وانثرہ یعنی وہ اس کے بعد یا اس کے پیچھے نکلا آثار بمعنے اقدام بھی آیا ہے فَوَجَدَا عَبْدًا اس کی تنوین تنکیر کی ہے مِّنْ عِبَادِنَآ یہ اضافت تشریفی ہے یعنی ہمارے نیک بندوں نے ایک عظیم الشان بندہ پالیا جو ایک کپڑے سے چھپے بیٹھے تھے حضرت موسٰی علیہ السلام نے السلام علیکم کہہ کر اپنا تعارف کرایا اور فرمایا کہ میں آپ کے ہاں عرفانی علوم حاصل کرنے آیا ہوں اور ایک عرصہ رہ کر استفادہ کروں گا جمہور کا مذہب ہے کہ اس عبد من عبادنا سے حضرت خضر علیہ السلام مراد ہیں

ف خضر بفتح الخاء المعجمۃ وکسر الضاد یہ ان کا لقب ہے

وجہ تسمیہ خضر علیہ السلام خضر علیہ السلام کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ صحیحین میں ہے کہ آپ کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ آپ خشک زمین پر بیٹھے تو آپ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ خشک زمین سرسبز و شاداب ہو گئی ۔

ف الفروۃ خشک زمین کا اوپر کا حصہ بعض نے کہا فروہ وہ خشک گھاس جو گٹھڑی کی صورت میں پڑا ہوا و بیضا وہ زمین جو خالی پڑی ہو جس پر نہ انگوری ہو نہ گھاس اور درخت وغیرہ اور اسے بیضا بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انڈے کی طرح صاف ستھری اور سفید ہوتی ہے اہتزاز النبات بمعنے انگوری کا متحرک یعنی تر و تازہ اور شاداب ہونا ۔

خضر علیہ السلام کا اسم گرامی خضر علیہ السلام کی کنیت ابو العباس اور اسم گرامی بلیا ہے بباء موحدہ مفتوحہ پھر لام ساکنہ اس کے بعد یا ابن ملکان بفتح المیم واسکان اللام ابن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام ۔

ف ابو اللیث نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضر علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ کسی بادشاہ کے صاحبزادے تھے اس کا خیال ہوا کہ اسے اپنا جانشین بنائے لیکن خضر علیہ السلام نے ایسی جانشینی قبول نہ کی اور وہاں سے بھاگ کر کسی جزیرے میں ایسے چھپے کہ بادشاہ تلاش کرتا رہ گیا ۔

خضر علیہ السلام کا تعارف کتاب التعریف والاعلام للامام السہیلی میں ہے کہ خضر علیہ السلام کے والد بادشاہ اور والدہ فارس کی تھیں اور ان کا نام "الہا" تھا خضر علیہ السلام کو ایک غار میں جن کر کہیں چلی گئیں روزانہ آپ کو ایک بکری دودھ پلاتی رہی کچھ بڑے ہوئے تو آپ کو ایک مرد لے گیا اور اسی نے آپ کو پالا جب آپ نوجوان ہو گئے تو بادشاہ یعنی آپ کے والد نے اعلان کیا کہ کاتبین جمع ہوں تاکہ ان سے ابراہیم و شیث علیہما السلام کے صحیفے لکھوائے جائیں جب کاتبیں جمع ہوئے تو ان میں خضر علیہ السلام بھی تھے آپ کے والد بادشاہ کو پہچان نہ تھی جب آپ نے کتابت کی تو آپ کے حسن خط اور بہتر عادات اور اچھی خصلت کو دیکھ کر بادشاہ متاثر ہوا اور پوچھا آپ کون ہیں آپ نے اپنا تعارف کرایا تب اسے معلوم ہوا کہ یہ تو اس کے صاحبزادے ہیں انہیں اپنے ساتھ لے گیا اور بادشاہی کے جملہ امور اس کے سپرد کر دیے لیکن خضر علیہ السلام کو یہ بات

پسند نہ آئی اسی لیے بادشاہ سے آنکھ چرا بھاگ نکلے اور دنیا کو طلاق دے کر سیر و سیاحت کو چلے یہاں تک کہ چشمہ آبحیات پر پہنچے تو وہاں سے پانی پی لیا۔

خضر علیہ السلام بلا واسطہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خضر آدم علیہ السلام کے بلا واسطہ بیٹے ہیں انہیں اللہ تعالےٰ نے طویل عمر بخشی ہے یہاں تک کہ آپ دجال کی سرکوبی کریں گے اس میں اشارہ ہے کہ ہر زمانے میں دجال ہوتا ہے اور ہر دجال کی سرکوبی کرنے والا پیدا ہوتا رہتا ہے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

کجاست صوفیٔ دجال فعل ملحد شکل

بگو بسوز کہ مہدیٔ دین پناہ رسید

ترجمہ دجال فعل اور ملحد شکل والا صوفی کہاں ہے اسے کہہ دو کہ جل مر تیری سرکوبی کے لیے مہدی دین پناہ تشریف لا چکا ہے

آدم علیہ السلام کی دُعا اور خضر علیہ السلام کی درازیٔ عمر ابن عبا کرنے روایت کی ہے کہ جب آدم علیہ السلام کا وصال قریب ہوا تو آپ نے اپنے صاحب زادوں کو وصیت فرمائی کہ ان کا جسم اطہر غار میں ساتھ لے جانا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب نوح علیہ السلام کے طوفان کا غلبہ ہوا تو آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کو اپنی کشتی میں ساتھ لے گئے جب نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو فرمایا کہ آدم علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی کہ جو انہیں دفنائے گا تو وہ قیامت تک زندہ رہے گا یہ سن کر آپ کی اولاد آدم علیہ السلام کے جسم اطہر کو دفنانے کے لیے غار میں لے گئے ان میں خضر علیہ السلام بھی تھے اور یہ سعادت صرف انہیں نصیب ہوئی اس پر اللہ تعالےٰ نے وعدہ پورا فرمایا کہ خضر علیہ السلام کو تا قیامت زندہ رکھا اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا زندہ رہیں گے بعض کے نزدیک خضر علیہ السلام بلا واسطہ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں لیکن بعض نے یہ بھی کہا کہ خضر علیہ السلام فرشتے ہیں لیکن یہ قول سراسر غلط ہے

اعجوبہ عجیب و غریب قول یہ ہے کہ خضر علیہ السلام فرعون کا بیٹا ہے یعنی وہ فرعون جو موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمان تھے (کذا فی تواریخ مصر) بعض روایت میں ہے کہ ذوالقرنین کے خالہ زاد ہیں اور وہ ان کے ہمسفر تھے اور آبحیات کا پانی پی لیا تھا اسی لیے اللہ تعالےٰ نے ایک مدت معلوم انہیں زندہ رکھا ہے اور ان کا طویل العمر ہونا عقلاً بھی محال نہیں اس لیے کہ بہت سے آدم زادے تین ہزار سال سے زائد عمر پا کر فوت ہوئے۔

خضر علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں بعض علماء کا خیال ہے کہ خضر علیہ السلام اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں ان کا نسب نامہ یوں ہے خضر بن عامیل بن شمالخین بن ارما بن علقما بن عیصو بن اسحاق النبی علیہ السلام اور عامیل خضر علیہ السلام کے والد بادشاہ تھے۔

خضر نبی تھے یا ولی؟ خضر علیہ السلام کے متعلق جمہور کی رائے ہے کہ وہ نبی تھے لیکن کسی قوم کی طرف رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے اور صوفیا محققین کی رائے ہے کہ نبی نہیں تھے بلکہ ولی تھے۔

خضر کے زندہ موجود ہونے پر دلائل اگرچہ آپ کے زندہ موجود ہونے میں اختلاف ہے لیکن اکثر علما کی رائے ہے کہ وہ زندہ موجود ہیں اور اسی دنیا میں زمین پر رہتے ہیں اور صوفیہ کرام کا تو اس میں اتفاق ہے کسی سے بھی اختلاف منقول نہیں بلکہ ان کی ملاقات کی حکایات بے شمار ہیں اور بے شمار بزرگوں نے ان کو دیکھنے اور ان سے گفتگو کرنے کا دعویٰ فرمایا ہے ایسی حکایات حضرت شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں اور حضرت ابوطالب مکی نے اپنی تصانیف میں اور حضرت حکیم ترمذی نے اپنی نوادر میں و دیگر مشائخ نے اپنی تصانیف میں نقل فرمائی ہیں اور ناقلین اور خضر علیہ السلام کی ملاقات کرنے والے اور ان کو دیکھنے والے محققین سادات مشائخ عظام قدست اسرارہم ہیں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا ناممکن نہیں بلکہ محال ہے اور ان سے ایسی غلط نقل کا تصور ہی نہیں ہو سکتا ان کے وجود و ثبوت کے دلائل تو ملتے ہیں لیکن ان کے مرنے کی ایک دلیل بھی کسی کے پاس موجود نہیں نہ قرآن میں نہ حدیث میں اور نہ اجماع امت میں اور نہ ہی کوئی ایسی نقل ملتی ہے کہ خضر علیہ السلام فلاں وقت فوت ہوئے اور فلاں جگہ مدفون ہیں اور نہ ہی پتہ چلتا ہے کہ وہ فلاں بادشاہ کی بادشاہی کے وقت فوت ہوئے تھے۔

چار انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں تفسیر بغوی میں ہے کہ چار انبیا علیہم السلام تا قیامت زندہ رہیں گے دو زمین پر دو آسمان پر وہ جو زمین پر ہیں الیاس علیہ السلام جنگلوں میں اور خضر علیہ السلام دریاؤں میں وہ ہر رات ذوالقرنین کی سد سکندری (دیوار) میں جمع ہوتے اور ان کی نگرانی کرتے ہیں اور ان کی خوراک کرفہ۔ کماہ اور جو دو آسمانوں پر ہیں وہ ادریس و عیسیٰ علیہم السلام ہیں

خضر علیہ السلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعزیت کے لئے حاضر ہوتے امام الحدیث فی وقتہ حضرت ابو عمر کتاب التمہید میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو غسل دینے اور کفنانے کے بعد کسی سے سنا گیا وہ کہہ رہا تھا کہ السلام وعلیکم اے اہل بیت بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ لیتا ہے اس کے بدلے نیک نصیب بخشتا ہے اور جو شے ضائع کرتا ہے اس کا عوض عنایت فرماتا ہے ہر مصیبت پر صبر ضروری ہے فلہذا تم بھی صبر کرو اور اس صبر میں صرف رضائے الٰہی سامنے رکھو پھر ان سب کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ اہل بیت آواز تو سن رہے تھے لیکن بولنے والا نظر نہیں آتا تھا اس سے صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم نے دعویٰ کیا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے

حضرت خضر نے حضرت علی کو دعا سکھائی کتاب الہواتف میں ہے کہ خضر علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملے اور انھیں مندرجہ ذیل دعا سکھائی اور فرمایا کہ اس کے پڑھنے کا ثواب اور مغفرت و رحمت ہے اس شخص کے لیے جو اسے ہر نماز کے بعد پڑھتا ہے وہ دعا یہ ہے:

یامن لا یشغلہ سمع عن سمع ویامن لا تغلطہ المسائل ویامن لا یتبرم من الحاح الملحین اذقنی برد عفوک وحلاوۃ المغفرتک

ترجمہ اے وہ ذات کثرت آوازیں اس کے سننے کو حائل نہیں اور نہ اسے کثرت سوال غلطی میں ڈالتے ہیں اور وہ ذات زاری کرنے والوں کی زاری اسے نہیں اکتاتی مجھے معافی و مغفرت عطا فرما۔

ف بہ روی نے فرمایا کہ خضر علیہ السلام حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار ہا حاضر ہوئے۔

سوال حدیث شریف میں ہے لو کان حیا لزارنی اگر خضر زندہ ہوتے تو میرے پاس ضرور حاضر ہوتے اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ خضر علیہ السلام زندہ نہیں ؛

جواب یہ حدیث شریف ان کے زندہ ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ حضور سرور عالم کا یہ ارشاد گرامی ان کی آپ سے ملاقات سے پہلے کا ہے[1]

خضر علیہ السلام ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کے راوی ہیں فصل الخطاب میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار ہا حاضر ہو کر شرف صحبت سے مشرف ہوئے اور آپ نے متعدد احادیث بھی روایت کی ہیں منجملہ ان کے ایک انگوٹھے چومنے کی روایت بھی ہے تفصیل فقیر اویسی غفرلہ کے رسالہ "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" دیکھئے ؛

غزوۂ تبوک میں حضرت الیاس کی حاضری الخصائص الصغریٰ میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں حضور نبی علیہ السلام کی خدمت میں حضرت الیاس علیہ السلام حاضر ہوئے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ پہ ساتھ تھے حجر کے نزدیک فج الناقہ کے مقام پر ایک غیبی آواز سنی کہنے والا کہہ رہا تھا

اللهم اجعلنی من امة محمد المرحومة المغفور لها المستجاب لها ۔ اے اللہ مجھے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے بنا دے وہ امت ہے کہ جس کے گناہ معاف اور ہر دعا قبول ہوتی ہے ۔

حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آواز کو دیکھئے کون بول رہا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ میں آواز کی طرف بڑھا پہاڑ کے اندر ایک بزرگ کو بیٹھا دیکھا جس کے کپڑے سفید ہیں اور سر اور داڑھی مبارک کے بال بھی سفید تھے ان کا قد مبارک تقریباً تین سو گز تھا جب مجھے دیکھا تو فرمایا آپ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہیں میں نے کہا ہاں جی انہوں نے فرمایا آپ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس جا کر میرا سلام عرض کیجیے اور کہنا آپ کا بھائی الیاس پیغمبر علیہ السلام آپ کے دیدار کا مشتاق ہے حضرت انس نے فرمایا میں نے واپس جا کر بارگاہ رسالت میں الیاس علیہ السلام کا سلام و پیغام پہنچایا تو حضور علیہ السلام الیاس علیہ السلام کے ہاں تشریف لے گئے میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا جب آپ الیاس علیہ السلام کے قریب پہنچے تو آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور میں پیچھے ہٹ گیا دونوں حضرات کافی دیر تک گفتگو کرتے رہے اسی اثنا میں کوئی دسترخوان آسمان سے اترا اس میں کھانے کی چند اشیاء تھیں آپ نے مجھے کھانے کے لیے بلا لیا اس میں کماۃ، انار، مچھلی، کھجوریں، کرفہ تھا میں نے کھا کر اجازت مانگی اور پیچھے ہٹ گیا اس کے بعد آسمان سے بادل کی شکل میں کوئی شے اتری اور دسترخوان کو اٹھا کر لے گئی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یہ طعام کیسا تھا جو آسمان سے اترا آپ نے فرمایا

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ارشادات سابقہ سے بعد کے اثباتی ارشادات کے منافی نہیں ہوتے یہی قاعدہ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے علم غیب و اختیارکی کے اعتراضات میں بتایا ہے جسے وہابیہ نے نہ مانا ۔ ۱۲

میں نے اس کے متعلق الیاس علیہ السلام سے پوچھا تھا انھوں نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام ہر چالیسویں روز اسی طرح کا طعام اور سال کے بعد آبِ زمزم لاتے ہیں اور بہت بار ایسے ہی ہوتا ہے کہ وہ بڑے مٹکے میں لاتے ہیں اور کبھی چھوٹے سے بوکے میں بھی مجھے پلاکر چلے جاتے ہیں

ف بعض محدثین قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پا گئے ہیں (وفات خضر علیہ السلام کے دلائل)
امام بخاری سے سوال ہوا کہ حضرت الیاس اور خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا کیوں کر انھوں نے فرمایا کہ ان دونوں کی وفات قرآن مجید اور حدیث شریف سے ثابت ہے

۱۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا کہ؛ (وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد) ہم نے کسی بشر کو ہمیشگی نہیں بخشی۔

۲۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے بعد سو سال تک کوئی بھی زمین پر رہنے والا زندہ نہیں رہے گا اس میں خضر والیاس علیہم السلام بھی ضمناً شامل ہو گئے

جواب ۱۔ حدیث شریف میں کلی حکم نہیں بلکہ اکثری ہے اس لیے کہ نوادر ایسے کلمات سے مستثنٰی ہوتے ہیں چنانچہ حضرت سلمان فارسی معدیکرب ابوطفیل سو سال کے بعد تک زندہ رہے حالانکہ جس وقت حضور سرورِ عالم نے یہ اشارہ گرامی فرمایا مذکورہ بالا حضرات اس وقت موجود تھے اگر حدیث شریف سے ان حضرات کو مستثنٰی کیا جاسکتا ہے تو حضرت خضر والیاس علیہم السلام کو بھی مستثنٰی کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ آیت کا جواب بھی ظاہر ہے کہ آیت میں خلود سے تا ابد دائمی زندگی مراد ہے اور وہ حضرت الیاس و خضر علیہم السلام کے لیے ثابت ہے جب کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ نفخ صور سے پہلے ضرور فوت ہوں گے۔

سوال حضرت خضر کو نبی مانا گیا ہے اگر انہیں زندہ بھی مانا جائے تو ختم نبوت کے مسئلہ پر حرف آتا ہے حالانکہ حضور علیہ السلام کے بعد نبوت ختم ہے۔

جواب یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے نبی کا آنا محال ہے اور وہ تو آپ کے ظہور سے پہلے کے نبی ہیں جیسے عیسٰی علیہ السلام نبی ہیں لیکن زندہ بھی ہیں اور ان کی نبوت ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے متصادم نہیں اس لیے کہ یہ حضرات بحیثیت نبی کے حضور علیہ السلام کی امت میں زندہ موجود نہیں بلکہ بحیثیت امتی ہونے کے ہیں یہی وجہ ہے کہ قربِ قیامت میں جب قرآن مجید زمین سے اٹھا لیا جائے گا تو ان حضرات کو پہلے موت دی جائے گی

عجائبات ۱۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بعض تصانیف میں فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام آخری زمانہ میں اصحاب کہف کے ساتھ ظاہر ہوں گے۔ اور امام مھدی کے ساتھ تعاون کریں گے بلکہ ان کے لشکریوں میں سے یہی حضرات بہترین عسکری متصور ہوں گے۔

۲۔ مسلم شریف میں دجال کی احادیث کے آخر میں لکھا گیا ہے کہ دجال ایک عالم دین کو شہید کر کے زندہ کرے گا ابراہیم بن سفیان امام مسلم کے شاگرد بتاتے ہیں کہ یہ عالم دین یہی حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام موسم حج میں ہر سال ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ہر دونوں ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں اور یہ کلمات کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔ ماشاء اللہ لا یسوق الخیر الا اللہ ماشاء اللہ لا یصرف السوء الا اللہ ماشاء اللہ ما کان من نعمة فمن اللہ ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ف جو ان کلمات کو تین تین بار صبح و شام پڑھے گا اسے اللہ تعالیٰ آگ کے جلانے اور پانی کے غرق ہونے اور مال کے چوری ہونے اور شیطان کے وسوسہ سے محفوظ فرمائے گا بلکہ سانپ اور بچھو کی ایذا رسانی سے بھی بچا رہے گا۔

۴۔ امام احمد کتاب الزہد میں لکھا ہے کہ وہ دونوں حضرات رمضان شریف کے روزے بیت المقدس میں رکھتے ہیں۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت خضر کا مسکن بیت المقدس میں باب الرحمٰن وارباب الاسباط کے درمیان رہتا ہے۔

صوفیانہ فائدہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خضر سے بسط اور الیاس سے قبض مراد ہے لوگوں کا خیال غلط ہے کہ خضر علیہ السلام کسی شخص کا نام ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے یا ان کی کوئی صورت مثالی تھی جس نے موسیٰ علیہ السلام کی رہبری کی یہ خیال غیر متحقق ہے بلکہ یہ ایک خیالی مثالی معنیٰ تھا جو حضرت خضر کے نام سے ظاہر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کی رہبری کر کے پھر مٹ گیا اور یہ عموماً ایسے ہوتا رہتا ہے پھر وہ معنیٰ یا اسی شخص معین کی روح متمثل ہوتی ہے یا روح القدس[1]

مسئلہ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ روح اپنی صفت غالبہ کے مطابق متمثل ہوتا ہے اور اس طرح اولیاء اللہ کے لیے ان گنت بزرگوں سے ہوا لیکن یہ ضروری ہے کہ بیداری میں ہر صورت متمثل نہیں ہوتی ہے بلکہ اکثر اصلی اور حقیقی صورت بھی ہوتی ہے البتہ خواب میں کبھی خیالی صورت سامنے آتی ہے اور کبھی حقیقی اور اصلی اور اللہ تعالےٰ کے ہر معاملہ میں حکمت ہوتی ہے وہ قادر ہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے[2]

اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اور ہم نے انھیں اپنی طرف سے رحمت عنایت فرمائی۔ اس رحمت سے نبوت و وحی مراد ہے جیسا کہ نون کی تنکیر سے معلوم ہوتا ہے اور اسے اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا تو اس خصوصیت سے بھی صرف نبوت اور وحی مراد ہے امام مسلم نے فرمایا کہ رحمت بمعنے نبوت قرآن مجید میں مستعمل ہوئی ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اھم یقسمون رحمة ربك لیکن ضروری نہیں کہ ہر جگہ رحمت بمعنے نبوت ہو اور یہاں خضر علیہ السلام کے معاملہ میں طول العمر مراد ہے یہ اس مذہب پر جنھیں حضرت خضر

---

[1] یہ قاشانی صاحب کا اپنا خیال ہے جو جمہور کے خلاف ہے۔ ۱۲

[2] اس پر فقیر اویسی نے ایک کتاب لکھی ہے۔ "الانجلاء فی تطور الاولیاء" ۱۲۔

علیہ السلام کو نبی نہیں مانا بلکہ صرف ان کی ولایت کے قائل ہیں وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ اور ہم نے انھیں علم لدنی عنایت فرمایا صاحب روح البیان نے یہاں پر علماً سے علم غیب مراد لیا ہے ان کی اصل عبارت یہ ہے ۔

عِلْمًا ۔ خاص ھو علم الغیوب والاخبار عنھا باذنہ تعالیٰ علی ما ذھب الیہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما او علم الباطن ۔	علم خاص یعنی علوم غیب اور غیوب کی خبریں دینا باذنہ تعالیٰ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے یا اس سے علم باطن مراد ہے ۔

روح البیان صـ۲۷ ج ۴ تحت آیت ہذا ۔

علم لدنی کا ثبوت اور اس کے دلائل علم لدنی کے دیوبندی وہابی قائل ہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ علم لدنی کوئی شے نہیں اور یہ اصطلاح بدعت ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں صاحب روح البیان ان کے رد میں صدیوں پہلے لکھ گئے کہ

قال فی بحر العلوم انما قال من لدنا مع ان العلوم کلھا من لدنا ان بعضھا بواسطہ تعلیم الخلق فلا یسمی ذالک علما لدنیا بل العلم اللدنی ھو الذی ینزلہ فی القلب من غیر واسطۃ احد ولا سبب مالوف من خارج کما کان لعمر وعلی وکثیر من اولیاء اللہ تعالیٰ المرتاضین الذین فاقوا بالشوق والزھد علی کل من سواھم	بحر العلوم میں لکھا ہے کہ من لدنا کیوں کہا باوجودیکہ تمام علوم اسی سے ہیں لیکن بعض علوم مخلوق کے واسطے سے ہوتے ہیں اسے علم لدنی نہیں کہا جائے گا بلکہ علم لدنی وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی بندے کے قلب پر نازل فرمائے اور اس میں واسطہ نہ ہو اور نہ ہی کسی شخص کا وسیلہ ہو اور نہ ہی کسی دوسرے خارجی سبب کی اسے محتاجی ہو جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے ہی بہت سے برگزیدہ اولیا کرام کو نصیب ہوا ۔

سواہم د روح البیان صـ۲۷ ج ۴ تحت آیت ہذا ۔

ایسے لوگوں کے لیے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

نفس من انفاس المشتاقین خیر من عبادۃ الثقلین ۔	مشتاق انسان کی صرف ایک گھڑی ثقلین کی عبادت سے افضل ہے ۔

اور فرمایا :

رکعتان من رجل زاھد قلبہ خیر واحب الی اللہ زاہد کا دوگانہ بہتر اور اللہ کے ہاں محبوب ترین ہے دوسرے

ل اس سے دیوبندیوں وہابیوں کا رد اور اہلسنت بریلویوں کی تائید ہوئی دیوبندی وہابی کہتے ہیں علم غیب اولاً تو انبیاء علیہم السلام کو ملتا نہیں اگر کچھ دیا گیا ہے تو اس پر علم غیب کا اطلاق شرک ہے اور اہلسنت بریلوی ہر دونوں (باذنہ تعالیٰ) کے قائل ہیں الحمدللہ کئی صدیاں پہلے بھی اکابر علماء کا یہی عقیدہ تھا ۔ ولکن الوہابیہ قوم لا یعقلون ۔ اویسی غفرلہٗ

من عبادۃ المتعبدین الی اٰخر الدھر
عبادت گزاروں کی تمام زندگی کی عبادت سے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا لیکن ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا، و قلیل من عبادی الشکور اور فرمایا: ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

صحابہ کرام کی شان اس سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم کی شان بہت بلند تھی اور وہ معرفت الٰہی میں اونچا مرتبہ رکھتے تھے اس لیے کہ وہ تمام اولیا مشتاقین وعشاق کے امام تھے بلکہ وہ ہدایت کے ستارے اور سرچشمہ تھے (لکن الشیعہ قوم لا یعقلون)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مراد وہ عبد جو عبودیت میں غیروں سے بالکل آزاد ہے اور ان آزاد بندوں سے ہے جنھیں ہم نے غیروں سے آزاد فرمایا اور پسندیدہ بندوں سے انھیں بنایا، و اٰتینٰہ رحمۃ من عندنا اور وہ بندے جنھیں ہم نے انوار صفات کے فیوض کی استعداد قبول کرنے کی صلاحیت رکھی اور اس میں انھیں کوئی واسطہ کی بھی ضرورت نہیں وعلمناہ من لدنا علماً اور انھیں ذات وصفات کی معرفت کے وہ علوم عنایت فرمائے جنھیں ہماری تعلیم سے صرف انہیں وہ علوم نصیب ہوئے

علم لدنی کی پہچان ہر وہ علم جو اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو عطا فرمائے لیکن وہ ایسا علم ہو کہ جو غیروں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہو اسے علم لدنی نہیں کہا جاتا جیسے اللہ تعالٰی نے فرمایا، وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم زرہ بنانے کا علم اگرچہ اللہ تعالٰی نے داؤد علیہ السلام کو عنایت فرمایا بلکہ یہ ایسا علم ہے جسے بندوں سے بھی حاصل کیا جا سکتا ہے فلھذا اسے علم لدنی نہیں کہا جائے گا اس لیے کہ اس میں احتمال ہے کہ اسے بندوں سے سیکھا جا سکتا ہے ہاں علم معرفت ذات وصفات ایک ایسا علم ہے کہ اسے سوائے اللہ تعالٰی کے اور کسی سے حاصل نہیں کیا جا سکتا اسی لیے علم لدنی صرف ایسے علوم کو کہا جائے گا۔
حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علم لدنی وہ ہے کہ اس کے حصول کے بعد پختہ یقین ہو اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو۔ اس میں کسی کو خلاف نہیں البتہ یہ مکنونات الغیب کے مکاشفات الانوار ہیں اور بس اور یہ ہر اس بندے کو نصیب ہوتے ہیں جو اپنے تمام اعضا کو مخلوق کے تعلقات سے فارغ کر دے بلکہ اپنے جمیع ارادات اور حرکات وسکنات کو فنا کر دے اور اپنے آپ کو ہر تمنا اور آرزو سے فارغ کر کے بارگاہ حق کے سپرد کر دے

ف حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ الملکوت والمعارف کا ایک ایسا دروازہ ہے کہ یہ کسی پر نہیں کھلتا (الا ماشاء اللہ) اور قلب میں اس دروازے کے کھلنے کی خواہش رہتی ہے اور مشاہدۂ حق بھی علم سے نہیں وہ کسی اور خصوصیت سے نصیب ہوتا ہے جب قلب پر ایسے واردات ہوتے ہیں تو ملک وملکوت میں سما جاتے ہیں۔

ف سلطان العارفین سے فتوحات میں لکھتے ہیں کہ عرفا فرماتے ہیں کہ تم علوم مردگان سے حاصل کرتے ہو اور ہم حی لا یموت سے لیتے ہیں۔

گلشنے کز نقل روید یکدمست
گلشنے کز عشق روید خرمنست
گلشنے کز گل دمد گردد تباہ
گلشنے کز دل دمد وافرحتاہ
علم چوں بر دل زند یارے شود
علم چوں بر گل زند بارے شود

ترجمہ وہ باغ جو علم سے پیدا ہو وہ صرف ایک پل رہے گا اور وہ گلشن جو عشق سے پیدا ہوگا وہی ذخیرہ ہے وہ گلشن جو مٹی سے تیار ہو وہ جل کر مٹ جائے گا اور وہ باغ جو دل سے پیدا ہوگا واہ، واہ وہ علم جسے دل پر مارا جائے وہ حامی و مددگار ہوگا وہ علم جو صرف جسم پر مارا جائے وہ ضرر رساں ہوگا۔

ف وہ علوم جو مکاشفات کے ذریعے حاصل ہوں اسے صوفیائے کرام علم لدنی سے تعبیر کرتے ہیں اس کی تفصیل یوں ہے کہ امر یا حقیقت کا ادراک کا تصور مع الحکم ہو تو اس کا نام تصدیق ہے اگر بلا حکم ہو تو اسے تصور کہا جائے گا یہ ہر دونوں بلا کسب وطلب حاصل ہو تو اسے علم ضروری سے تعبیر کرتے ہیں اگر کسب وطلب سے حاصل ہو تو اسے کسبی کہا جائے گا اور علم ضروری اگر نفس و عقل میں کسب وطلب کے بغیر حاصل ہوتا ہے جیسے درد و لذات اور وجود و عدم یا ہم کہتے ہیں اثبات و نفی کا نہ اجتماع ہو سکتا ہے نہ ارتفاع اور واحد دو کا نصف ہے اور کسبی علوم وہ ہیں جو ہر نفس میں ابتداءً موجود نہیں ہے بلکہ ان کے حصول کے لیے کوئی ذریعہ اور سبب بنایا جاتا ہے اگر بدیہیات کے ذریعے سے مجہولات کو معلوم کرنا ہو تو اسے نظر و فکر سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر قلب کو ماسوی اللہ سے فارغ کر کے مشغول باللہ بنایا جائے تو اسے کشف کہا جاتا ہے اور علوم کشفیہ کا اعلیٰ اور بہتر علم وہ ہے جو اسرار ذاتی و انوار صفات و آثار افعال الٰہی سے متعلق ہو اسے صوفیہ کرام علم الٰہی شرعی کہتے ہیں اور علم حقائق سے بھی تعبیر کرتے ہیں یعنی بندے اور مولیٰ کے تعلق و ارتباط سے یہ علم حاصل ہوتا ہے لیکن بندے کی طاقت بشریہ کے مطابق یہی وجہ ہے کاملین ورطۂ حیرت میں مستغرق ہو کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کما حقہا کسی کو نصیب نہیں ہوئی باقی علوم کو اس علم سے وہی نسبت ہے جو ذرّات کو سورج سے یا قطرات کو سمندر سے۔ خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ کے علوم کشف و عیان پر مبنی ہیں اور دوسرے لوگوں کے علوم اذہان و خواطر فکریہ سے ہوتے ہیں اولیائے کرام کے علوم کا آغاز تقویٰ اور عمل صالح سے ہوتا ہے اور دوسروں کے علوم کا آغاز دنیوی جاہ و جلال اور مراتب مناصب کے جنھیں ذرہ برابر بھی بقا نہیں۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا ؎

جان زاہد ساحل وہم وخیال
جان عارف غرقۂ بحر شہود

ترجمہ زاہد کی روح وہم و خیال کے ساحل پر ہے اور عارف کی روح بحر شہود میں مستغرق ہوتی ہے۔

ف صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہ نے فرمایا آیت میں رحمت سے علم العبادۃ اور تعلیم وتدریس اور ظاہری علوم اور شریعت مراد ہے اور انھیں رحمت سے تعبیر کرنا محض ان کے عموم کی وجہ سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وسعت رحمتی کل شیٔ اور چونکہ اس علم کا مقام قرب صفاتی ہے اسی لیے اس کے لیے وہ کلمہ ارشاد فرمایا جو اس کے لائق ہے چنانچہ فرمایا من عندنا یعنی ہمارے صفات مقام واحدیت اور اس کے مرتبۂ قرب سے ہے اور علم سے علم الوراثۃ والاشارۃ اور باطن وحقیقۃ مراد ہے اسی لیے اسے علم سے تعبیر کیا اس لیے کہ قاعدہ ہے جب شے کو مطلق بلا قید استعمال کیا جائے تو اس سے اس کا فرد کامل مراد ہے اور فرد کامل علم باطن کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کیونکہ علم ظاہری بمنزلہ جسم اور علم باطن بمنزلہٗ روح کے ہے یا یوں کہو کہ ظاہری علوم بمنزلہ چھلکے کے اور علوم باطنی بمنزلہ مغز کے ہیں یا یوں کہو کہ علم ظاہری شے کی صورت اور علوم باطن بمنزلہ معنٰی کے ہیں بہرحال علم باطن فرد کامل اور علم ظاہر فرد ناقص ہے یاد رہے کہ علم ظاہری کو ناقص نقصان عرفی کے لحاظ سے نہیں کہا جا رہا بلکہ اس کی اس نسبت سے جو اسے علم باطن سے ہے گویا یہ اضافی نقصان ہے اور یہ شے کے لیے عیب نہیں ہوتا اس لیے کہ اعلیٰ و ادنیٰ کے مابین مقام کے امتیاز کے طور صورۃً ایسا نقص نہ ہو تو پھر اعلیٰ و ادنیٰ کا امتیاز کیسے ہوسکتا ہے اسی لیے علم ظاہری کا یہ نقص ذاتی نہیں بلکہ اضافی ہے اس لیے کہ اس کے یہی کمال کو سامنے رکھ کر اسے علم ظاہری کے مقام سے ممتاز کیا جاسکتا ہے اگر اس طرح نقص وکمال کا فرق نہ کیا جائے تو امتیاز کیسے کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ یہ فرق بوجہ تعین کے ہے نہ صاحب کمال کا کمال ذاتی حقیقی ہے نہ ناقص کا نقص ذاتی وحقیقی ہے بلکہ بحیثیت اضافت ونسبت کے ہے اور ایسی حیثیات اشیاء کے مقامات وتعلقات کے لیے عموماً ہوتے ہیں اس اعتبار سے علم ظاہر کا نقصان عیب نہیں بلکہ یہ نقص بھی اس کا کمال ہے اسے یوں سمجھئے کہ جیسے جہل وغفلت میں نقصان حقیقی ہے ایسے ہی علم ظاہری یا باطنی یعنے معرفت میں کمال ہی کمال ہوتا ہے اور ان کا یہی کمال حقیقی کمال متصوّر ہوتا ہے ہم نے اعتباری لحاظ سے انھیں کمال اضافی کہا تھا اور احکام کے اجرا کے لیے اعتبارات کا اعتبار ہوتا ہے اگر اعتبارات نہ ہوں تو احکام باطل ہو جائیں چنانچہ اہل فن کا مقولہ مشہور ہے لولا الاعتبارات لبطلت الحقائق اعتبارات سے اضافات اور نسبتیں مراد ہیں اور ایسی اضافات اشیاء میں ضروری ہیں

ف چونکہ مقام باطنی قرب ذاتی کے مقام کا نام ہے اسی لیے اس مقام قرب ذاتی کو من لدنا سے تعبیر فرمایا ہے یعنی اس بندۂ محبوب کو ہم نے اپنی ذات احدیت کا مقام عطا فرمایا ہے یہی وجہ ہے صوفیہ کبار رحمۃ اللہ نے وہ علوم جو اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کسی کو عطا ہوں انھیں علم لدنی سے تعبیر کیا ہے اور یہی علم باطن ہے اسی لیے کسی صوفی شاعر نے کہا ؎

تعلمنا بلاحرف وصوت

قرأناہ بلاسہو و فوت

ترجمہ: ہم نے علوم وحرف وصوت کے بغیر پڑھا اور ایسا پڑھا کہ اس میں نہ سہو کا خطرہ ہے نہ فوت ہونے کا۔
یعنی ہمیں وہ علوم فیض الٰہی اور الہام ربّانی سے نصیب ہوئے ہیں ہم نے انھیں تعلیم لفظی اور تدریس قولی سے حاصل نہیں کیے۔

ف علم ظاہری کو علم باطنی سے وہی تعلق ہے جو ظاہری کو باطن سے ہوتا ہے اسی لیے ظاہری امور کی پابندی کو علم شریعت سے تعبیر کرتا ہے اور علم شریعت علم باطن کے لیے ایسے ہے جیسے گھر سے دروازے کو تعلق ہوتا ہے اسی لیے صوفیہ کرام کے نزدیک شریعت کی پابندی ضروری[2] ہے اس لیے کہ جو گھر کے اندر آتا ہے تو اسے دروازہ سے جانا ہوتا ہے۔

نبی و علی صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہ علوم الٰہیہ کا گھر بلکہ شہر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کا دروازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1]

گر تشنۂ فیض حق بصدقی حافظ

سرچشمۂ آن زساقی کوثر پرس

ترجمہ اگر تم فیض حق کے پیاسے ہو اے حافظ تو اس کا سرچشمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھ

تحقیق انیق حضرت موسیٰ علیہ السلام جس علم کو حضرت خضر علیہ السلام کے ہاں حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے وہ اشارات کے طریق سے حاصل ہوتا تھا وہ علم باطن جو مکاشفہ کے طور حاصل ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں اور نہ ہی علم ظاہری جسے الفاظ کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے اس کی دلیل ظاہر ہے کہ اگر وہ ظاہری باطنی علم ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے ہاں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ خود بلا واسطہ یا بواسطہ جبریل علیہ السلام ایسے علوم عطا فرماتا انہیں حضرت خضر علیہ السلام اس لیے بھیجا تھا تاکہ معلوم ہو کہ وہ خصوصی علم ہے جسے اشارہ کے طور سکھایا جاتا ہے اگرچہ وہ بھی وہی علوم مذکورہ تھے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل بھی تھے لیکن چونکہ ان پر علوم ظاہری غالب تھے اور وہ انہوں نے عبارات کے طریق سے حاصل کیے تھے اور یہاں اشارات کے طور سکھایا جانا تھا اسی لیے خضر علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

انک لن تستطیع صبرا وکیف تصبر علی مالم تحط بہ خبرا اور خضر علیہ السلام پر اشارات کا غلبہ تھا اسی لیے عبارات کے علوم والے یعنی موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رہنے کا عدم امکان کا اظہار فرمایا صدق اللہ تعالیٰ ولکل وجھۃ ھو مولیھا اور فرمایا، قل کل یعمل علی شاکلتہ۔

امام اعظم و حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا موازنہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو موسیٰ علیہ السلام

---

[1] اس حدیث شریف سے شیعہ دھوکہ دیتے ہیں اور جاہل سنی بھی حقیقت سے بے بہرہ ہیں حالانکہ حدیث شریف میں چاروں یاروں کے نام اسی ترتیب سے ہیں جیسے ہم مانتے ہیں اس کی تفصیل فقیر کی کتاب شرح آئینہ شیعہ نما میں ہے اویسی غفرلہ

[2] شریعت سے بے بہرگی اور طریقت کا دم بھرنے والو جاہلو سمجھو اور اے جاہل عوام بھائیو ایسے مکاریوں سے بچو جو شریعت پر عمل نہیں کرتے اور پھر بھی وہ تمہارے پیرو مرشد ہیں ہم اہلسنت بریلویوں کو بدنام نہ کرو پیرو مرشد صرف اسے مانتے ہیں جو عقائد حق کے بعد شریعت کا پابند ہو۔

کے طور اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بمنزلہ حضرت خضر علیہ السلام کے سمجھے اور قاعدہ ہے کہ جس پر جس شے کا غلبہ ہوتا ہے اسی کا ظہور ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا غلبہ پر ظاہری علم تھا اسی لیے ان سے علوم ظاہرہ اور شریعت ظاہرہ کا ظہور ہوا ورنہ ان میں علوم باطن اور طریقت ومعرفت وحقیقت کی کمی نہیں تھی آپ نے زندگی بھر علوم شرعیہ کی خدمات سرانجام دیے اگرچہ گا ہے گا ہے آپ سے علم باطن بھی صادر ہوجاتا تھا اور حضرت حسن بصری پر علم بطون کا غلبہ تھا اسی لیے ان سے باطن کی باتیں ظاہر ہوئیں امام اعظم شمسی المشرب اور حضرت حسن بصری قمری المشرب ہیں یہی وجہ ہے کہ امام اعظم کا فلک حضرت حسن بصری کے فلک سے وسیع تر ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ عوام کی رحمت عامہ تھے اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ خواص کے لیے رحمت خاصہ امام اعظم اسم رحمٰن کے مظہر تھے اور حضرت حسن بصری اسم رحیم کے مظہر اس سے خود اندازہ لگائیں کہ امام اعظم کا مشرب شرقاً غرباً شمالاً جنوباً کونے کونے میں پھیل گیا آپ کی مذہب مثال ایسے ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی نبوت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی جیسے ولایت کا خاتمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوگا ایسے ہی امام اعظم کا مذہب خاتم المذاہب ہے اس معنے پر آپ کا مذہب شمس المذاہب ہے اور آپ کو اسی لیے سراج الامہ کاشف الغمہ رافع الظلمہ دافع البدعہ، محی الدین حافظ الشریعۃ بالکتاب والسنۃ کہا جاتا ہے۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کا مذہب ومشرب قمری تھا اسی لیے آپ کی برکت سے قلوب ونفوس طبائع کو ظلمت غفلت وہوئی سے انوار ومعرفت واسرار الحقیقت والہدیٰ کے ساتھ نورانی بنا یا سبحان اللہ کیا ہی وہ ذات برکت والی ہے جس نے آسمان میں بروج پیدا فرما کر اس میں سورج نورانی اور چاند چمکیلا بنایا آیت میں شمس کی تقدیم سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم کا مرتبہ حضرت حسن بصری سے بلند وبالا ہے اس لیے کہ امام اعظم اسم اوّل وظاہر کے اور امام حسن بصری رضی اللہ عنہ اسم آخر اور باطن کے مظہر ہیں اور آیت ھوالاول والآخر والظاھر والباطن میں اسم اوّل وظاہر اسم آخر اور باطن سے مقدم ہیں یاد رہے کہ اس مرتبہ کا فرق ہم نے مراتب کی ترتیب کا اعتبار کیا ہے ورنہ ان کا اصلی کمال اور حقیقی فضل خدا جانے ہم ان کے متعلق انگشتری کے حلقہ کی مثال دے سکتے ہیں کہ جس طرح حلقہ کے لیے نہیں جانتے کہ اس کا اوّل کہاں اور آخر کہاں ایسے ہم ان حضرات کے متعلق کچھ نہیں جانتے کہ ان میں افضل واکمل کون ہے ہاں ہماری اس بات کا اعتبار وہی کرے گا جو ان حضرات سے عقیدت رکھتا ہے اور جو ان کا مخالف ہے وہ تو ہے ہی مخالف۔

ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم احناف کے ذاکرین وشاغلین کے مقتدا امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ اور شوافع کے امام شافعی اور مالکیوں کے امام مالک اور حنبلیوں کے امام احمد حنبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں۔

غیر مقلدین وہابیہ کا رد یہ ائمہ اربعہ خلفاء راشدین کی طرح ہیں جو بھی ان حضرات کی اقتدا کرے گا ہدایت پائے گا کیونکہ ہدایت کے ستارے بلکہ چاند بلکہ سورج ہیں وہ دین کے گھر کے چار ستون ہیں جیسے کوئی مکان ستونوں کے بغیر نہیں ہوسکتا اسی طرح ان حضرات کی اقتدا کے بغیر دین سے بہرہ وری نصیب نہیں ہوگی

غلطی کا ازالہ بعض جہال سمجھتے ہیں کہ ائمہ شرع علم معرفت وحقیقت طریقت سے فارغ ہوتے ہیں (معاذاللہ) بلکہ وہ تمام

مشائخ طریقت کے لیے بمنزلہ سورج کے ہیں چنانچہ صاحب روح البیان نے تصریح فرمائی ہے کہ

وھم ابیض من سائر الاقطاب والاولیاء کالعرش والشمس من الافلاک والنجوم ولیس یفرھم ممن بعدھم الی یوم القیمۃ بدون الاقتداء بھم اھتداً الی طریق الجنۃ والرؤیۃ ومن اقتدیٰ بھم فی الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ وعلم علومھم وعمل اعمالھم وتأدب باٰدابھم علی نھذھب ایھم کان بحسب وسعہ فلا شک انہ اقتفی اثر رسول اللہ علیہ السلام ومن لم یقتد بھم فی ذالک فلا شک انہ ضل عن اثر الرسول وخرج عن دائرہ القبول ھذا کلہ من کلام حضرت شیخی وسندی مع اختصار

وہ دوسرے اقطاب واولیاء کی طرح عرش کی طرح اور ایسے ہیں جیسے آسمان پر سورج اور ستارے ہیں اور یہ شرف ومرتبہ قیامت تک آنے والے اولیاء کو حاصل نہ ہوگا جب تک ان کی اقتداء نہ کرے یعنی شریعت وطریقت وحقیقت اور علم واعمال اور ان کے آداب سے متاؔدب ہو ۔ اس لیے کہ ان کی اتباع درحقیقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو ان کی اقتداء نہیں کرتا وہ رسول اللہ صلی اللہ کے راستہ سے دور بھٹک گیا اور دائرہ قبول سے محروم ہوگیا ۔

سوال بعض مشائخ طریقت سے منقول ہے کہ

ان المجتھدین لم ینالوا العشق — مجتہدین کو منازل عشق کی کیا خبر

جواب صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اس عبارت کے متعدد جواب ہیں جنھیں میں نے اپنی تصنیف "تمام الفیض" میں بیان کیا ہے ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ جن مشائخ سے یہ کلمات صادر ہوئے ان سے وہ حالت سکر میں نکلے ہیں جب ان پر مستی کا غلبہ ہوتا ہے تو ان کے ایسے کلمات قابل اعتماد نہیں ہوتے جیسے بایزید قدس سرہٗ کے غلبۂ حال سے سبحانی ما اعظم شانی صادر ہوا ۔

سبق ہر کلمہ گو مسلمان کا فرض ہے کہ ان حضرات ائمہ مجتہدین کے حق میں لب کشائی نہ کرے بلکہ ان کی مدح سرائی کرے تاکہ اسے دارین کی سعادت حاصل ہو ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ لَهٗ مُوْسٰی یہ جملہ مستانفہ اور سوال کا جواب ہے کلام سابق سے سوال پیدا ہوا گویا کسی نے پوچھا کہ ان دونوں حضرات کی آپس میں کیا گفتگو ہوئی تو جواب ملا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا هَلْ اَتَّبِعُكَ کیا میں آپ کی صحبت میں رہ سکتا ہوں عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ اس شرط پر کہ مجھے آپ سکھائیں یہ جملہ کاف سے حال ہے اس میں موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے صحبت میں رہنے کی اجازت چاہی ہے اور کہا ہے کہ میں آپ کی صحبت میں صرف حصول تعلیم کے لیے رہنا چاہتا ہوں اس سے شرف صحبت کی دلیل ظاہر ہوئی مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ اس علم ذی رشد سے جو آپ کو عطا ہوا ہے تاکہ میں آپ سے وہی علم حاصل کرکے اپنے دینی معاملہ میں رشد حاصل کروں رشد بمعنے اصابۃ الخیر۔ کاشفی نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا کہ مجھے وہ علم سکھایئے جو مبنی بر رشد ہو خیر کی اصابت کا علم ۔

ف موسیٰ علیہ السلام نے جلالت شان کے باوجود تواضع وانکسار سے بات کی اس سے شاگردوں اور مریدوں کو تنبیہ ہے کہ وہ ان سے استفادہ واستفاضہ یا اپنے سے بڑے عالم کے سامنے تواضع وانکسار سے پیش آئیں۔[1]

---

[1] لیکن ہمارے دور میں یہ طریقہ مفقود ہوتا جارہا ہے افسوس بزرگوں اور اپنے سے بڑوں کی وقعت دلوں سے اٹھتی جارہی ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

سوال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تواضع وانکساری آپ نے کہاں سے سمجھی ؛

جواب ھَلْ اَتَّبِعُكَ میں موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کو اپنا تابعدار ظاہر فرمایا ہے اور واضح کیا کہ جو علم آپ سے سیکھوں گا اس سے میں ناواقف ہوں آپ مجھے اپنے ساتھ رکھ کر وہی علم سکھائیے یہ بات انھوں نے مما علمت سے ظاہر فرمائی یہ من تبعیضیہ ہے اس سے ایک اور بات ظاہر ہوئی وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام کو یقین دلایا کہ میں آپ کی مساوات کا دم نہیں بھرتا بلکہ مجھے آپ کے علوم سے بھی حصہ مل جائے تو غنیمت ہے گویا فرمایا کہ میری مثال اس فقیر جیسی ہے جو دولت مند کے مال سے تھوڑا سا حصہ طلب کرتا ہے مما علمت میں تصریح فرمائی ہے کہ میرا عقیدہ[1] ہے کہ آپ کا علم عطائے الٰہی ہے رشدا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واضح فرمایا ہے کہ اس کے بغیر انسان گمراہی کے گھاٹ اترتا ہے - اور خضر علیہ السلام سے استدعا کی کہ مجھے وہ علوم سکھائیے جو اللہ تعالیٰ سے آپ کو عطا ہوئے ہیں اسی طرح سے آپ اللہ تعالےٰ کی نعمت کا شکرانہ کریں حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا

اے صاحب کرامت شکرانہ سلامت
روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ اے صاحب کرامت شکرانہ سے ہی سلامت نصیب ہوگی تم دولت کے موجود ہونے پر فقیر بے نوا کی مدد فرمائیے

علم کی فضیلت حضرت با قتادہ نے فرمایا کہ اگر علم ضروری نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم کے لیے اتنی مشقت نہ اٹھانی پڑتی تبھی تو خضر علیہ السلام سے تابعداری کی پیشکش کی کما قال

طالب علمی کی فضیلت زجاج نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے طریقۂ کار سے معلوم ہوا کہ باوجود جملہ انبیا علیہم السلام ہونے کے علم کی طلب میں دور دراز اور مشقت بھرا اختیار فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ انسان ظاہری طور کتنا ہی بلند قدر ہو جائے لیکن اس کے لیے لازم ہے علم دین کے حصول میں کوتاہی نہ کرے۔

حدیث شریف : اطلبوا العلم من المهد الى اللحد - گہوارے سے لے کر قبر کے اندر داخل ہونے تک علم حاصل کرتے رہو مثنوی شریف میں ہے - ؎

خاتم ملک سلیمان است علم
جملہ عالم صورت وجانست علم

ترجمہ سلیمان علیہ السلام کے ملک کی انگشتری علم ہے جملہ عالم جسم اور اس کی روح علم ہے -

ازالۂ وہم یہود : حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور اس جلالت شان کے منافی نہیں کہ انہوں نے اپنے

---

[1] الحمدللہ یہی عقیدہ ہم اہلسنت (بریلویوں) کو نصیب ہوا کہ ہم انبیاءؑ علیہم السلام کے علوم غیبیہ کو علم عطائی سے تعبیر کرتے ہیں جسے وہابی دیوبندی شرک کہتے ہیں ۰ ۱۲

سے کم درجہ کے نبی سے کسب فیض فرمایا اس لیے کہ ان کے علوم کا تعلق علم شریعت اور ظاہری احکام پر تھا اور خضر علیہ السلام کے علم کا تعلق علم باطن سے تھا اور ایسے حصول فیوض کے منافی کی کوئی دلیل بھی نہیں علاوہ ازیں وہ مامور من اللہ تھے اور انبیاء علیہم السلام امر الٰہی نہ بجا لائیں تو اور کون لائے گا۔

صاحب روح البیان کے پیرو مرشد کی تقریر صاحب روح البیان نے لکھا ہے کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہ نے فرمایا کہ اکمل کامل سے تربیت و تعلیم پائیں تو اس میں حرج کیا ہے اس لیے کہ کبھی کامل کو اللہ تعالیٰ ایسے اسرار و رموز سے نوازتا ہے جو اکمل کو وہ نصیب نہیں ہوتے پھر اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کبھی اسرار و رموز اکمل کو عطا فرمائے تو کبھی بلا واسطہ عنایت فرماتا ہے اور کبھی اس سے کم درجہ کے کامل سے اور یہ کب ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اکمل کو اکمل سے یا اس کے ہمدرجہ کے واسطہ سے عنایات فرمائے وہ مالک ہے چاہے اکمل کے واسطہ سے عنایت فرمائے چاہے اس سے کم درجہ کے کامل سے اور ویسے کامل مطلقاً کامل ہے اس کے کمال علی الاطلاق کے لیے کاملیت و اکملیت کی قید کیسی اکملیت کسی کو حاصل ہے تو عارضی اصل میں تو وہ بھی کامل ہے اسی لیے بھو دیلوں کے ایسے وساوس و اوہام کو کسی شمار میں نہ رکھا جائے۔

ف خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ ایسے علم پر ہیں جسے آپ نے اللہ تعالیٰ سے حاصل فرمایا ہے اور میرے ہاں بھی ایک علم ہے جو مجھے بھی اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوا ہے اس سے خضر علیہ السلام کی امتیازی شان کا اظہار مطلوب تھا کہ آپ بھی اگرچہ عالم من اللہ ہیں لیکن آپ کی علمی حیثیت اور ہے اور میرے علم کی حیثیت دیگر۔

سوال تم اعتراف کر رہے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام سے اعلم تھے لیکن حدیث شریف اس کے خلاف ہے وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو مجمع البحرین کی طرف روانہ فرمایا تو ساتھ ہی یہ فرمایا ھو اعلم منك وہ آپ سے زیادہ عالم ہیں۔

جواب ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ خضر علیہ السلام اسی علم خاص میں موسیٰ علیہ السلام سے اعلم تھے لیکن اس سے کب ثابت ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے من کل الوجوہ اعلم تھے یہ تو اجماع امت کے خلاف ہے کون نہیں مانتا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے اعلم ہیں لیکن اس کے آپ نے ایک موقعہ پر باغبانوں سے فرمایا: انتم اعلم بامور دنیاکم تم میرے سے اپنے دنیوی امور میں زیادہ عالم ہو

لے اس حدیث کو لے کر دیوبندی وہابی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر سخت چوٹ کرتے ہیں اور کلیہ کے طور کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام دنیوی امور میں یکسر بے خبر تھے اسی قاعدہ پر براہین قاطعہ میں لکھا کہ حضور علیہ السلام سے شیطان و ملک الموت کا علم زائد ہے اسی قاعدہ پر اشرف علی تھانوی نے الافاضات الیومیہ میں لکھا کہ آپ سے سیاسی لوگ سیاست میں زائد علم رکھتے ہیں (معاذ اللہ) حالانکہ ادھر خود اقراری کہ حضور علیہ السلام علے الاطلاق جمیع مخلوق سے اعلم ہیں لیکن جب تفصیل کا موقعہ آتا ہے تو دنیوی معاملات میں حضور علیہ السلام یکسر بے خبر ثابت کرتے ہیں ان کا استدلال حدیث مذکور سے ہے واقعہ یوں ہے کہ مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نر درخت کی شاخ مادہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور علیہ السلام نے منع فرمایا (اس کام کو عربی میں تلقیح کہتے ہیں) انصار نے ←

ف قصص الانبیاء میں ہے کہ حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہم السلام دریا کے کنارے پر بیٹھے تھے کہ ایک پرندہ اڑتا ہوا دریا کے کنارے بیٹھ کر اپنی چونچ دریا میں ڈال کر چونچ کے پانی کو اپنے پروں پر مل دیا اس کے بعد پہلے مشرق اور پھر مغرب کی طرف اڑتا ہوا کچھ اپنی بولی میں کہتا چلا گیا حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کچھ معلوم ہے کہ یہ پرندہ کیا کہتا ہے آپ نے کہا مجھے معلوم نہیں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا وہ کہتا تھا کہ تمام بنو آدم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں یہی نسبت ہے جو میرے چونچ کے پانی کو سمندر سے ہے۔

تلقیح چھوڑ دی خدا کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرور عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا انتم اعلم بامور دینا کم اپنے دنیاوی معاملات تم خوب جانتے ہو وہابی کہتے ہیں کہ آپ کو علم نہ تھا کہ تلقیح روکنے سے پھل گھٹ جاویں گے اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا

جواب حضور علیہ السلام کا فرمانا انتم اعلم بامور دینا کم اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جان اس سے نفی علم مقصود نہیں شرح شفا ملا علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں

وخصه الله من الاطلاع على جميع مصالح الدنيا والدين وانتشكل بانه عليه السلام وجد الانصار يلقحون النخل وقال لو تركتموه فتركوه فلم يخرج شيئا اوخرج شقيصا فقال انتم اعلم بامور دينا كم قال الشيخ السنوسي اراد ان يحملهم على خرق العوائد في ذالك الى باب التوكل واما هنالك فلم يمتثلوا فقال انتم اعرف بدنيا كم ولو امتثلوا وتحملوا في سنة او سنين تكفوننر۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلقیح کرتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انھوں نے چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے دنیاوی معاملات تم جانو شیخ سنوسی نے فرمایا کہ آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلاف عادت کام کر کے باب توکل تک پہنچا دیں انھوں نے نہ مانا تو فرما دیا کہ تم جانو اگر وہ یہ مان جاتے اور دو ایک سال نقصان برداشت کر جاتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔ ملا علی قادری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۴۳۳ میں فرماتے ہیں ولو ثبتوا على كلامه في الفن ولا تفع عنهم كلفة الحاجة اگر وہ حضرات حضور علیہ السلام کے فرمان پر ثابت قدم رہتے تو اس فن میں فوقیت لے جاتے اور ان سے تلقیح کی محنت دور ہو جاتی فصل الخطاب میں علامہ قیصری سے نقل فرمایا : ولا يعزب عن علمه عليه السلام مثقال ذرة في الارض ولا في السماء من حيث مرتبته وان كان يقول انتم اعلم بامور الدنيا كم حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ برابر چیز بھی پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے کہ دنیاوی کام تم جانو۔ اس کی مزید تشریح ہم نے "رد سیف یمانی" میں لکھی ہے اور کچھ تفصیل تفسیر اویسی میں کر دی ہے۔

از علم تو نکتہ ایست عالم

زان دائرہ نقطہ ایست آدم

ترجمہ : تمام عالم تیرے علم کا نکتہ ہے اسی دائرہ کا ایک نقطہ ہیں آدم۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید کو جب شیخ کامل کا دامن نصیب ہو تو اس پر لازم ہے کہ ان کی صحبت میں رہنے کی اجازت نہایت ادب اور عجز تواضع سے طلب کرے اور دل میں شیخ کی تعظیم و تکریم ہو اس میں اپنے جلیل القدر مراتب و کمالات کو دخیل نہ بنائے اور تصوّر تک دل سے ہٹا دے کہ میرے نوکر چاکر ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا۔ کہ باوجود جلالت و شان اور کلیم خدا ہونے کے بعد حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے طفل مکتب بن کر رہے تھے هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشداً یعنی مجھے اسی طرح علوم سکھائے جیسے آپ کو اللہ تعالیٰ نے سکھائے ہیں جن میں نہ جبریل علیہ السلام کا واسطہ ہو نہ کسی کتاب کا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے سے کیوں اسی طرح کے علوم تو موسیٰ علیہ السلام کو پہلے حاصل تھے

سوال : کمالات کے تو صرف یہی تین طریقے ہیں اور وہ موسیٰ علیہ السلام کو پہلے حاصل تھے پھر خضر علیہ السلام سے حاصل کرنے کا کیا فائدہ

جواب : واقعی ایسے مراتب جلیہ کچھ کم نہیں تھے لیکن ان میں پھر واسطہ تھا مثلاً جبریل علیہ السلام بھی ایک واسطہ تھے اور کتاب بھی اور مکالمہ الٰہی سے دوئی کی بو آتی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ اس امر میں نور الٰہی کے فیض کے حصول کا وہ طریقہ نصیب ہو کہ جلال و جمال کے جلوے بلا واسطہ حاصل ہوں گویا محویت تامہ اور استغراق تام چاہتے تھے جیسے ارنی انظر الیك میں استدعا کی تھی کہ اے اللہ تعالیٰ درمیان میں میرے سے دوئی کو ہٹا دے اور وحدت کو وحدت عطا فرما دے یعنی وہ مرتبہ کہ جس میں نہ ملک و مقرب کو گنجائش ہو نہ نبی مرسل کو نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کسی کامل شیخ کا دامن نصیب ہو جائے اور ان کی خدمت و صحبت میں رہنے کی اجازت حاصل ہو تو پھر نہ حسب کو دیکھے نہ نسب کو نہ جاہ و جلال کو اور نہ منصب و کمال کو اور اپنے جمیع علوم و فضائل ایسے فراموش کر دے کہ گویا وہ ایسا جاہل ہے کہ اسے نہ نیکی کا علم ہو نہ برائی کا نہ وہ دکھ کو جانتا ہے نہ سکھ کو نہ کراہت کا علم رکھتا ہے نہ عظمت کا حضرت حافظ نے فرمایا:

خاطرت کے رقم فیض پذیر د ہیہات

مگر از نقش پراگندہ ورق سادہ کنی

تیرا دل فیض کو قبول کر سکتا ہے صرف یہی ہو گا کہ اوراق کو نقوش سے پراگندہ کریگا ۔

مرید پر لازم ہے کہ وہ شیخ کے ہر اوامر و نواہی کے سامنے سر جھکا دے جیسے موسیٰ علیہ السلام کا حال تھا۔ کہ جب حضرت خضر علیہ السلام کے حلقہ بگوش ہوئے تو انھیں اپنی نبوت یاد رہی نہ رسالت کا خیال رہا کہ میرے ہاں جبریل علیہ السلام جیسا مقرب فرشتہ آتا ہے اور میں کلیم خدا ہوں اور میرے ہاں کتاب الٰہی تورات اتری اور بنی اسرائیل میرے تابعدار تھے یہ تمام کمالات بھول کر خضر علیہ السلام کی نیازمندی اور خدمت گذاری میں کمربستہ ہو گئے بلکہ اپنے تمام ارادات کو حضرت خضر علیہ السلام کے ارادہ میں گم کر دیے ۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝

ترجمہ: کہا آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے اور آپ اس بات پر صبر بھی کیسے کر سکیں گے جسے آپ اپنے معلومات کے لحاظ سے محیط نہیں ہوئے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود آپ کو اس سے کچھ بتاؤں پس دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں دونوں سوار ہوئے تو اس نے کشتی کو چیر ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا آپ نے کشتی کو اس لیے چیرا کہ اس کے سواروں کو ڈبو دیں بے شک آپ نے یہ اچھا کام نہیں کیا کہا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز نہیں ٹھہر سکیں گے کہا مجھے میری بھول پر گرفت نہ کیجیے اور میرے کام میں مشکل نہ ڈالیے پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے دونوں کی ملاقات ہوئی تو اس نے اسے قتل کر دیا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے ایک پاکیزہ نفس کو بغیر کسی دوسری جان کے بدلے کے قتل کر ڈالا بے شک آپ نے برا کام کیا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ خضر علیہ السلام نے کہا اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ آپ میرے ساتھ ہرگز نہیں گزار سکیں گے اس میں موسیٰ علیہ السلام کے گزارہ نہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے گویا خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ کا میرے ساتھ رہنا نامناسب اور نادرست ہوگا اور اس سے صرف صبر کی نفی مطلوب نہیں بلکہ اصل مقصد یہی ہے کہ آپ کو چونکہ اس علم سے تعلق نہیں اسی لیے آپ کا رہنا نہ رہنے کے برابر ہوگا ہم نے یہ معنیٰ اس لیے کیا ہے کہ نفی النفی سے اثبات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

مسئلہ استطاعت مع الفعل کا ثبوت ملا یہی مذہب اہلسنت کا ہے (خلافاً للمعتزلہ)

ف موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں کیوں صبر نہ کرسکوں گا اس کی کوئی وجہ بھی ہونی چاہیے اس کے جواب میں خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ چونکہ آپ پیغمبر ہیں آپ کے احکام بنی برظاہر ہیں ممکن ہے کہ مجھ سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جو آپ کو خلاف نظر آئے حالانکہ درحقیقت بنی برحق ہو آپ اپنی شریعت کے قانون کے مطابق میرے ساتھ معاوضہ پر مجبور ہو جائیں گے اس لیے آپ کا اور میرا اکٹھا رہنا محال ہو جائے گا

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا خبر آمیز ہے از خبر کے باب کے وزن پر مستعمل ہوتا ہے اور علم بمعنی عرف ہے یعنی خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ کیسے صبر کر سکتے ہیں جب کہ میرے علم کو آپ احاطہ نہیں

کر سکیں گے اس میں خضر علیہ السلام نے تنبیہ فرمائی کہ میرا علم ایسے امور مخفیہ پر مبنی ہے جس سے ظاہری علم کو برا لگے گا او نیک آدمی بالخصوص صاحب شریعت ایسے امور کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکے گا اسی لیے آپ نے قبل از وقت موسیٰ علیہ السلام سے فرما دیا۔

طالب علم دو قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ بعض تو کامل و مکمل اور اعلیٰ مہارت کے مالک ہوتے ہیں۔

۲۔ بعض علوم میں اتنا مہارت نہیں رکھتے۔

ایسے طالب علم جب اپنے سے بڑے علم سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ان کے علم سے اونچی ہوتی ہیں تو وہ اپنے استاذ اور بڑے علم والے پر اعتراض کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ نفرت پیدا ہو کر جس سے استاذ و شاگرد کی ناچاقی ہو جاتی ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے اس لیے کہ شاگرد اور تھوڑے علم والے کم علمی کی وجہ سے استاذ اور بڑے علم پر غلط فہمی میں مبتلا ہو کر بسا اوقات نزاع اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے چنانچہ اس بات کو حضرت خضر علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ انک لن تستطیع معی صبرا۔ اے موسیٰ علیہ السلام آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔

ف صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہ نے "اللائحات البرقیات" میں تحریر فرمایا کہ ہر دونوں علم یعنی ظاہر و باطن موسیٰ و خضر علیہم السلام میں موجود تھے فرق صرف اتنا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پر علم ظاہر کا غلبہ تھا چنانچہ اس کی نبوت و رسالت ان کے اس غلبہ پر دلالت کرتا ہے۔

سوال هل اتبعك على ان تعلمن مما علمت رشدا سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام علم باطن سے بے خبر تھے ورنہ وہ خضر علیہ السلام سے حصول علم کی استدعا نہ کرتے؛

جواب دراصل بات یہ ہے کہ وہ متعلم جو علوم ظاہری پڑھتا ہے تو وہ حروف و الفاظ کا محتاج ہوتا ہے اور علم باطنی چونکہ اللہ تعالیٰ سے نصیب ہوتا ہے اور اس کے علم میں حروف والفاظ نہیں بلکہ وہ ذوق اور وجدان و عیان حاصل ہوتا ہے وہاں دلائل براہین کو کوئی تعلق نہیں بلکہ اس علم کے لیے ذوق و کشف الٰہی اور القاء والہام سبحانی چاہیے اس لیے کہ جمیع علوم باطنہ ایسے ہی حاصل ہوتے ہیں اسی لیے انہیں ذوقیات سے تعبیر کیا جاتا ہے نظریات کو ان میں کسی قسم کا دخل نہیں کیوں کہ نظریات کا قانون ہے کہ معلومات سابقہ یا تعمل باللواحق سے مبادی و مقدمات کو مرتب کر کے حاصل کیا جاتا ہے یعنی ایک شے کو منتقل کر کے دوسری شے کو حاصل کرنا علم نظریات میں ضروری ہے اور علم باطن ذوق سے حاصل ہوتا ہے اس میں کسی شے کو واسطہ نہیں بنانا پڑتا اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی بھی ذوق حاصل تھا لیکن حکمت ربانی کا تقاضا ہوا کہ بندوں کو معلوم ہو کہ انسان کو ظاہری علم سے کتنا ہی وافر حصہ نصیب ہو تب بھی علم باطن کو حاصل کرے ورنہ وہ نامکمل رہے گا۔

ف خضر علیہ السلام پر علم باطن کا غلبہ تھا چنانچہ ان کی ولایت علاوہ ازیں تھی اگر ان کی نبوت بھی ثابت ہے تب بھی ان پر غلبہ بطون تھا اسی بنا پر موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا انک لن تستطیع معی صبرا وکیف تصبر علی مالم تحط بہ خبرا کہ آپ پر علم ظاہر کا غلبہ ہے

اور آپ رسالت کے احکام کے پابند ہیں اور میرے احکام علم باطن سے متعلق ہیں اور میں ان کے مقتضیات کا پابند ہوں اور معاملات غلبہ پر مربوط ہے اسی لیے ہمارا اور آپ کا ساتھ رہنا مشکل ہو جائے گا

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید پر لازم ہے کہ وہ ارادات میں پختہ ہو اگرچہ ان کو پیر و مرشد امتحان کے طور یا ویسے ہی اپنے سے بار بار ہٹائے تب بھی شیخ کا دروازہ نہ چھوڑے مکھی کی طرح ضدی بن جائے کہ اسے جتنی بار بھگاؤ بار بار واپس لوٹتی ہے اسے یہ سبق موسیٰ علیہ السلام سے سیکھنا چاہیے کہ انھیں جتنا بار خضر علیہ السلام نے اپنے ساتھ نہ رہنے کا فرمایا تب بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان کی ایک نہ مانی چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ انک لن تستطیع معی صبرا۔ و کیف تصبر علی مالم تحط بہ خبرا یعنی آپ میرے ساتھ کیسے گزار سکیں گے حالانکہ میرے اور آپ کے مذہب میں فرق ہے اس لیے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم ظاہر اور شرع کے احکام کا پابند فرمایا ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ نے علم باطن اور احکام طریقت کا پابند فرمایا ہے[1] اور میں اسی کے مطابق عملدرآمد کروں گا اور علم لدنی و کشف حقائق کے اجرا کروں گا وہ اس لیے کہ میں ہویت حق میں محو و فنا ہوں اور اس کی الوہیت سے مجھے بقا نصیب ہوئی اسی سے میں دیکھتا اور سنتا اور بولتا ہوں اور اسی کی طاقت سے لیتا دیتا ہوں بلکہ میرا ہر کام اس میں فانی ہے میرا علم اسی کا علم ہے میں وہی جانتا ہوں جو اس کا علم ہے میرا اپنا کچھ نہیں

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا سَتَجِدُنِیْٓ آپ مجھے پائیں گے (انشاء اللہ صابرا)

تفسیر عالمانہ انشاءاللہ صبر کرنے والے یعنی میں آپ کی رفاقت میں صبر کروں گا آپ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کروں گا الصبر بمعنے الحبس یعنی نفس کو آپ کے تابع رکھوں گا مثلاً کہا جاتا ہے۔

انشاءاللہ کہنے کا نکتہ: موسیٰ علیہ السلام نے انشاءاللہ یا تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلبی یا توفیق کے لیے یا تبرک کے طور یا انھیں معلوم تھا کہ یہ کام بہت سخت مشکل ہے بالخصوص ایسے امور میں جہاں فساد کا ظہور ہو تو موسیٰ علیہ السلام کو خاموش رہنا اور زیادہ سخت تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ کی امداد ضروری امر تھا بعض نے کہا کہ انشاءاللہ اس لیے کہا کہ انھوں نے اپنے پر بھروسہ نہ کیا جیسا کہ صلحا کی عادت ہے

الجوبہ: تمام انبیاء علیہم السلام کے مزاج گرامی بلغمی تھے سوائے موسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کا مزاج اقدس صفراوی تھا۔

سوال: موسیٰ علیہ السلام نے ستجدنی انشاءاللہ صابرا، کہنے کے باوجود نہ صبر کیا اور اسماعیل علیہ السلام نے ستجدنی انشاءاللہ من الصابرین کہا اور صبر بھی کیا؟

---

[1] بعض لوگ سمجھتے ہیں علم شریعت و طریقت علیحدہ علیحدہ ہیں یہ ان کی غلطی ہے اس لیے کہ وہ ایک تھے ہیں امر الٰہی سے بندے مامور ہوتے ہیں ہم سب عوام علم ظاہر یعنے شرع پر چلنے پر مامور ہیں اس لیے جو لوگ شرع کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ جاہل ہیں۔ ۱۲۔

جواب ۱: موسیٰ علیہ السلام چونکہ طالب علم کی حیثیت سے خضر علیہ السلام کے ہاں حاضر ہوئے اور طالب علموں کی فطرت ہے کہ جب تک اپنے استاذ سے کوئی شے سمجھ نہ لیں وہ صبر نہیں کرتے پوچھتے ہی رہتے ہیں اور اسماعیل بحیثیت متعلم ہونے کے نہیں تھے بلکہ ان کا مقام تسلیم و تفویض تھا اسی لیے ان کو صبر ضروری تھا ہر دونوں حضرات اپنے اپنے مقام پر حق پر تھے

جواب ۲: حضرت موسیٰ علیہ السلام مقام غیرت وحدت پہ تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام حکم و صبر کے مقام پر اسی لیے انہوں نے اپنے اپنے مقام کا حق ادا کیا۔

لطیفہ: اسماعیل علیہ السلام نے اس لیے صبر کیا کہ انہوں نے یہ من الصابرین کہہ کر اپنے آپ کو صابرین میں داخل فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام صابراً کہہ کر اپنے آپ کو منفرد کر کے صابرین سے علیحدہ کر لیا اگرچہ تفویض الی اللہ منفرد ہونے سے احسن اور تحصیل مقام اور وصول مرام کے لیے اوفق ہے ولا اعصی لك امرا اس کا صابرا پر عطف ہے یعنی مجھے صابر اور غیر عاصی پاؤ گے یعنی میں آپ کے ہر حکم کا پابند رہوں گا اور آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

نکتہ: صرف انشاء اللہ کہہ دیتے اور وعدہ دینے سے خضر علیہ السلام کو اس طرح کا اعتماد پیش کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید پر لازم ہے کہ شیخ کے کسی فعل و قول بلکہ ان کی جملہ حرکات و سکنات میں کسی شے پر معترض نہ ہو بلکہ ان کے ہر معاملہ میں پختہ اعتقاد رکھے اگر ان سے کوئی عمل غیر شرع و عقلاً پسندیدہ نہ دیکھے تو نہ ان پر اعتراض کرے اور نہ ہی ان سے بدگمانی کرے بلکہ یہ سمجھے کہ میری غلطی ہے ورنہ وہ اپنے معاملہ میں حق پر ہیں کیونکہ میرے علم و عقل میں کوتاہی ہو سکتی ہے ان کے معاملات میں کسی قسم کی خامی نہیں ہے (قال فان اتبعتنی) خضر علیہ السلام نے فرمایا اگر آپ میرے ہاں حصول علم کے لیے میری اتباع کریں گے فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ تو میرے سے کسی قسم کا سوال نہ کرنا اگرچہ آپ کو میرے سے کوئی معاملہ آپ کی شرع کے خلاف نظر آئے تو نہ میرے سے اس کا سوال کرنا اور نہ اس کی حکمت پوچھنا چہ جائے کہ معاوضہ یا مخالفت کریں۔

ف اس سے خضر علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام کو ساتھ رہنے کا اذن ثابت ہوا اور بعد از بحث و تمحیص اجازت بخشی۔

فان اتبعنی کی فا موسیٰ علیہ السلام کے صبر وغیرہ کے وعدہ سے متفرع ہے حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا یعنی آپ کو میرے امور سے سوال کرنے کی اجازت نہیں جب تک میں خود ان کا اظہار نہ کروں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام کا ہر امر مبنی بر حکمت اور راز مخفی تھا

مسئلہ: طالب علم کو اپنے استاذ گرامی اور مرید کو اپنے شیخ سے ایسے ہونا لازمی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا۔

مسئلہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مرید اور شاگرد پر لازم ہے کہ استاذ اور شیخ کے کسی معاملہ پر لب کشائی نہ کرے جب تک وہ خود نہ بتائیں خواہ زبان قال سے یا زبان حال سے۔

حکایت: حضرت لقمان داؤد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت داؤد علیہ السلام زرہ بُن رہے تھے چونکہ لقمان نے زرہ نہیں دیکھی تھی اسی لیے متعجب ہوئے اور ارادہ کیا کہ داؤد علیہ السلام سے اس کے متعلق پوچھیں لیکن اپنی حکمت سے سوال مناسب نہ سمجھا خاموش رہے یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام نے زرّہ بنا کر پہن لی اور فرمایا نعم الدرع للحرب یہ جنگی چولہ کیسا بہتر ہے بعض نے فرمایا کہ لقمان نے اس پر سال بھر سوچ بچار فرمائی اور داؤد علیہ السلام سے پوچھا بھی نہ۔

خاموشی کے فوائد: ۱۔ حکماء کا فرمودہ ہے کہ بولنا چاندی اور خاموشی سونا

۲۔ بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ خاموشی دو قسم ہے ۱۔ غیر اللہ کے ساتھ غیر اللہ کے کلام سے خاموش رہنا (۲) کونین کی باتوں کو قلب پر نہ آنے دینا۔

۳۔ کسی کی صرف زبان خاموش اور قلب کو خاموشی نہ ہو تو صرف اس کے گناہ ہلکے ہوتے ہیں۔

۴۔ جس کا دل خاموش ہو اور زبان خاموش نہ ہو تو اس کی زبان سے حکمت کی باتیں صادر ہوں گی

۵۔ جس کی زبان اور قلب دونوں خاموش ہو تو اسے اسرار الٰہی نصیب ہوں گے اور تجلی حق سے نوازا جاتا ہے

۶۔ جس کا نہ دل خاموش ہو اور نہ زبان وہ شیطان کا کھلونا ہے

سبق عاقل کو چاہیے کہ قلب کو انقباض اور زبان کو اعتراض سے بچائے اور ماسوی اللہ کو بالکل فراموش کرنے کی کوشش کرے اور پریشان افکار سے ذہن اور قلب کو صاف رکھے صبر و استقامت کا دامن مضبوط پکڑے اور بارگاہ حق میں سر تسلیم خم رکھے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں ہوتی ہیں اگر کسی شے کو ضائع کرتا ہے تو اس کا اعلیٰ اور بہتر صلہ عطا فرماتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

لا نسلم و اعتراض از ما برفت
چوں عوض می آید از مفقود رفت
چونکہ بے آتش مرا گرمی رسد
راضیم گر آتش ما را کشد
بے چراغی چوں دہد از روشنی
گر چراغت شد چہ افغان میکنی
دانہ پر مغز با خاک دژم
خلوتی و صحبتی کرد از کرم
خویشتن در خاک کلی محو کرد
تا نماندش رنگ و بوی سرخ زرد

از پسی لذ تو قبض رو نماند

بر کشا د وابست شد مرکب براند

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنے اہل خلوت سے بنائے ان حضرات کی صحبت عطا فرمائے جو صحبت کے لائق اور سر تسلیم خم کرتے ہیں

تفسیر عالمانہ: فَانْطَلَقَا پس وہ دونوں یعنی خضر و موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے چل پڑے انھیں کسی کشتی کی تلاش تھی۔

ف: یوشع علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف واپس بھیجا اور کاشفی نے لکھا کہ وہ ان دونوں کے پیچھے پیچھے ہولیے

سوال: کاشفی کا قول بغیر صحیح معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ یوشع علیہ السلام ان دونوں حضرات کے ساتھ ہوتے تو قرآن مجید میں فانطلقوا جمع کا صیغہ ہوتا فانطلقا تثنیہ کا صیغہ بتاتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں تھے

جواب: صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت کا قصہ اب خضر علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا ہے اسی لیے صیغہ تثنیہ لایا گیا ہے اور چونکہ یوشع علیہ السلام ان دونوں کے تابع ہو کر ان کے پیچھے پیچھے تھے اسی لیے تابع کے ذکر کو غیر معتبر قرار دے کر اصل کا ذکر کیا جاتا ہے

جواب ۲: حدیث شریف میں ہے: مرت سفینة فکلموهم ان یحملوهم فعرفوا الخضر فحملوا بغیر نول۔ (کذا فی المشارق) یعنی ان کے قریب سے کشتی گزری تو انھوں نے اس میں سوار ہونے کا کہا تو ملاحوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا خضر علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو مفت سوار کر لیا اس حدیث شریف کی ضمیر جمع سے کاشفی کے قول کی تائید ملتی ہے اور جنھوں نے کہا ہے کہ یوشع علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے ہاں واپس بھیجا گیا ہے یہ غیر معتبر بایں معنی ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے جب ہارون علیہ السلام موجود تھے تو یوشع علیہ السلام کی ضرورت کیوں۔ واللہ اعلم۔

اِذَا رَكِبَا یہاں تک کہ سوار ہوئے فِي السَّفِيْنَةِ کشتی پر۔ بعض روایت میں ہے کہ یہ دونوں یعنی موسیٰ و خضر علیہم السلام جب کشتی تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچے تو کشتی والوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان کر ان دونوں کو کشتی میں مفت سوار کر لیا۔

ف: حدیث شریف میں لفظ نول واقع ہوا بفتح النون بمعنے بلا اجرت۔

خَرَقَهَا کشتی پر بیٹھتے ہی خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ نکال کر کشتی میں سوراخ کر دیا وہ بھی دریا کی موج میں مروی ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی سے کلہاڑا اٹھا کر لوگوں سے چشم چرا کر کشتی سے دو تختے نکال لیے جو پانی کی سطح کو قریب تر تھے موسیٰ علیہ السلام کشتی کے سوراخ کپڑے سے بند کرتے اور خضر علیہ السلام اسے دوشیشے سے چیرتے بعض روایت میں ہے کہ اگرچہ خضر علیہ السلام نے کشتی کو چیر دیا تھا لیکن اس میں پانی داخل نہیں ہوا تھا بعض روایت میں ہے کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کے کنارے سے چند ایسے تختے نکالے جو صرف کشتی کے لیے عیب تو بن سکتے تھے لیکن اس کے اندر پانی داخل نہیں ہو سکتا تھا اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے بطور انکار کہا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا اے خضر علیہ السلام آپ نے کشتی کو اس لیے چیرا تاکہ کشتی والے لوگ

غرق ہو جائیں اسی لیے کہ کشتی چیر جائے گی تو اس میں لازماً پانی داخل ہوگا جب پانی داخل ہوگا تو کشتی والے لازماً غرق ہوں گے اور یہ انصاف کے خلاف بھی ہے کہ کشتی والوں نے بلا اجرت ہمیں کشتی میں بٹھایا اور ہم ان کی کشتی توڑیں اس معنٰی پر لتغرق کی لام عاقبت کی ہوگی۔

ف : سعدی مفتی نے فرمایا کہ یہ لام تعلیل کی ہونی چاہیے اس لیے کہ یہ مقام انکار ہے اور انکار کے مقام پر لام تعلیل زیادہ موزوں ہے

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ○ بے شک آپ نے ایک ایسا عجیب کام کیا ہے جس سے دل گھبراتا ہے قاموس میں ہے۔ امر (بکسر الہمزہ) امر منکر عجیب ہر کام جو اجنبی اور عجیب ہو زمخشری کے بلاغات میں ہے کم احدث بک الزمان امرا امرا کما لم یزل یضرب زید عمرا یعنی جتنا زید کی عمر کو مارکو دوام ہے ایسے ہی دنیا میں تیرے رہنے کا حال ہے

ف : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر لازم تھا کہ وہ خاموش رہتے اگرچہ ان کے ظاہری علم کا تقاضا تھا کہ وہ اپنی شرع کے خلاف امر دیکھ کر انکار کرتے اس لیے کہ محبوب پر انکار نہ کرنا ضروری ہے حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

مزن زچون وچرا دم کہ بندۂ مقبل
قبول کرد بجاں ہر سخن کہ جاناں گفت

ترجمہ: چوں وچرا نہ کرنا لازمی ہے اس لیے مقبول بندہ وہی ہے کہ محبوب کے سخن کو بدل وجان قبول کرے۔

قَالَ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اَلَمْ اَقُلْ کیا میں نے آپ کو کہا تھا اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا کہ آپ میرے ساتھ رہنے پر صبر نہیں کرسکیں گے خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سابقہ انکار کی یاد دہانی کرائی کہ میں نے آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ تادیر نہیں رہ سکیں گے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے دل سے یہ بات اتر گئی کہ میں نے آپ سے کوئی وعدہ کیا تھا لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ فلہٰذا آپ میرے نسیان پر مواخذہ نہ فرمایئے اور یقین فرمایئے کہ مجھے آپ کی وصیت بھول گئی جب کہ آپ نے فرمایا تھا کہ قبل از بیان کسی بات پر اعتراض نہ کرنا۔ اب کی بار مجھ سے بھول ہوگئی اور بھول پر گرفت نہیں ہوتی۔

حدیث شریف پہلی بار موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہوگئی دوسری بار خطا ہوئی تیسری بار آپ نے عمداً کیا۔ (بخاری شریف)

وَلَا تُرْهِقْنِيْ۔ رھق بر وزن فرح بمعنی غشی ارھق از ارھاق انسان پر ایسا بوجھ ڈالنا جس کا وہ متحمل نہ ہو اہل عرب کہتے ہیں ارھقہ عسرا یعنی فلاں کو اس نے دکھ میں ڈالا اور قاموس میں لا ترھقنی بمعنے ولا تغشنی ولا تکلفنی و لا تحملنی لکھا ہے کاشفی نے ترجمہ کیا کہ "در مرسان مرا" یعنی نہ پہنچایئے مِنْ اَمْرِيْ میرے معاملہ کو یعنی میرے ساتھ رہنے کو عُسْرًا دشواری میں لا ترھقنی کا مفعول ثانی ہے یعنی رفاقت کا معاملہ میرے اوپر مشکل نہ بنایئے بلکہ آسانی فرمایئے اور چونکہ مجھے آپ کے ساتھ رہنے کا ارادہ ہے فلہٰذا ایسے معاملات میں میرے ساتھ چشم پوشی فرمایئے بلکہ ایسی غلطیاں معاف فرما کر میرے ساتھ جھگڑا نہ فرمایئے۔

بپوشش دامن عفوے بروئی جرم مرا
مرید آب زخ بندہ بدین چوں وچرا

ترجمہ: میرے جرم پر پردہ ڈالیے غلام کے چوں چرا پر اس کی عزت نہ گھٹائیں

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیخ کے لیے ضروری ہے بلکہ اس کی شرائط میں داخل ہے کہ اپنی ہر بات مرید سے منوانے کی کوشش نہ کرے بلکہ پہلے اسے آزمائے پہلے اسے راہ سلوک کی صعوبتیں اور مقصود راہ کی فضیلتیں پھر اس کی مشقتیں بتائے اور وہ بھی بشارتوں کے رنگ نہ اسے ڈرائے اور نہ ایسے طور طریقے بتائے کہ جس سے اسے نفرت پیدا ہو جب یقین کرے کہ وہ اس راہ پر چلنے کا اہل ہے بلکہ حصول مقصد میں صادق ہے اور صرف ذات حق کی طرف متوجہ ہونے کے لائق ہے اور غیر اللہ کی طرف اس کا جی نہیں لگتا تو ایسے مرید کو اپنی خدمت وصحبت کے لیے قبول کرے بلکہ جتنا ہو سکے اس کی تربیت میں جد وجہد کرے اور اسے اپنے مولیٰ کی طرف راغب کرنے میں کوشاں ہو اور اس کی روحانی تربیت میں ویسے محنت کرے جیسے اپنی اولاد کی تربیت کی جاتی ہے غرضیکہ عبودیت کے بہترین طور اطوار جتنا اسے آتے ہیں مرید کو سکھائے نیز شیخ پر لازم کہ مرید پر شفقت ورحمت کے پیش نظر اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کرے وہ غلطیاں اس سے عملاً سرزد ہوں یا خطاً یا نسیانہ خواہ اس کے اپنے متعلق ہوں یا شیخ کے عہد کے متعلق ہاں اوامر و نواہی الٰہیہ کی کوتاہی میں چشم پوشی کے بجائے اس کا حسن اسلوب سے مواخذہ کرے یا اپنے شیخ پر اعتراض وانکار کرتا پائے تو بھی چشم پوشی نہ کرے بلکہ اسے آداب شیخ سمجھائے اگر وہ ایسے امور یعنی اوامر و نواہی کی پابندی کرے اور شیخ کے اقوال احوال پر اعتراض وانکار سے باز آ جائے تو بلکہ اس سے توبہ واستغفار کرائے اور نادم ہو کر آئندہ غلطیوں کے ارتکاب سے بچنے کا پختہ عہد کرائے تو اسے اپنے ساتھ رکھے جیسے موسیٰ علیہ السّلام نے خضر علیہ السلام سے معذرت طلب کرتے ہوئے کہا لا تؤاخذنی بما نسیت و لا ترھقنی یعنی آپ مجھے تنگی میں نہ ڈالئے اس لیے کہ مجھ سے ایسی تنگی اٹھائی نہیں جائے گی۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیا علیہم السلام پر نسیان طاری ہوتا ہے (لیکن اسے عدم التفات سے تعبیر کیا جاتا ہے)[1] تاکہ معلوم ہو کہ ہر عیب سے منزہ اور پاک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن ان کے نسیان کا عصیان انبیاء علیہم السلام سے اکثر معاف ہو جاتا ہے بالخصوص جب وہ خود اس پر اظہار معذرت فرمائیں کسی نے کہا ہے

اقبل معاذیر من یاتیک معتذرا
ان بر عندک فیما قال او فجرا

ترجمہ: جو تمہارے ہاں معذرت کرے اسے معاف کر دے وہ سچی معذرت کر رہا ہے یا جھوٹی۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ اور اولیا کی آزمائش سخت تر ہوتی ہے اس میں سالک کو صبر اور تسلیم ورضا کو مدنظر رکھنا ضروری ہے

---

[1] اس کی تفصیل فقیر کے رسالہ فضل الرحمٰن فی نسیان سید الانس والجان میں دیکھئے ۱۲ اویسی غفرلہٗ۔

قفل زفتست وکشایند خدا

دست درتسلیم زن اندر رضا

ترجمہ: تالہ بند ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کھولتا ہے تمھارا کام ہے تسلیم ورضا

جناب خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے

بجفا دوشدن ازتو بناشد محمود

ہر کجا پائے ایازست سر محمود ست

ترجمہ: تجھے اپنے محبوب کی سختیوں سے اظہار غم نامناسب ہے اس لیے کہ جہاں یار کا قدم ہو تو وہاں عاشق کو سر پیش کرنا لازمی ہے

حکایت حضرت شیخ ابی عبداللہ بن خفیف قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں حج کو جاتے ہوئے بغداد میں پہنچا اس وقت مجھ پر صوفیت کا غلبہ تھا یعنی ارادات اور شدت مجاہدہ وماسوی اللہ کے تصورات کی گمشدگی غالب تھی یہاں تک کہ چالیس روز تک کھانا نہیں کھایا اور حضرت جنید قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری بھی نہ دی بغداد سے نکل کر جنگل کی طرف روانہ ہوا کئی دن سے پانی نہ پیا تھا اسی جنگل میں ایک کنواں دیکھا کہ اس سے ہرنی پانی پی رہی ہے اور پانی کنوئیں سے باہر نکل رہا ہے میں پیاس کے مارے کنوئیں کے قریب پہنچا تو ہرنی پانی سے سیر ہو کر روانہ ہو چکی تھی لیکن میں جونہی قریب پہنچا تو کنوئیں کا پانی بہت نیچے چلا گیا میں نے حیران ہو کر بارگاہ حق میں عرض کی کہ یا اللہ میرے سے اس ہرنی کی شان اونچی کیوں جواب ملا کہ وہ صرف میرے اوپر سہارا کر کے کنوئیں سے پانی پینے آئی تھی اور تو پانی پینے آیا تھا تو رسی اور ڈول لے کر میں نے اپنی اس غلطی کا احساس کیا اور واپس لوٹا تو پھر کنواں پہلے کی طرح پر ہو گیا میں نے اپنا برتن پانی سے بھر لیا اور اسی سے پیا اور وضو کرتا رہا اور مدینہ طیبہ پہنچنے تک مجھے وہی پانی کام دیتا رہا ذرہ بھر بھی اس میں کمی نہ آئی جب میں حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹا تو بغداد سے گزرا حضرت جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اگر تم صبر کرتے تو پانی تمھارے پاؤں سے چشمہ کی طرح ابلتا تیرے صبر کا جام لبریز ہو کر چھلک پڑا کاش تم تھوڑی سی دیر صبر کرتے۔

اے اللہ ہمیں اہل عنایت سے بنا (آمین)

تفسیر عالمانہ فَانْطَلَقَا یہ فاء فصیحہ ہے الانطلاق بمعنے الذہاب یعنی چلنا یعنی جب موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے معذرت قبول فرمائی تو کشتی سے اتر کر چل پڑے حَتّٰی اِذَا لَقِیَا یہاں تک کہ ایک بستی کے باہر غُلٰماً ایک لڑکا ملا جو نہایت حسین وجمیل اور بلند قامت تھا حضرت خضر علیہ السلام اسے ایک دیوار کی اوٹ میں لے گئے فَقَتَلَہٗ اور اس نوجوان کو قتل کر دیا اس کا عطف لقیا پر ہے یعنی اس نوجوان کو ملنے کے بعد اسے خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا اس نوجوان کا نام جیسور تھا بالجیم یا حیسور بالحاء یا حینون تھا۔ کذا فی قال السہیلی،

اعجوبہ: حضرت خضر علیہ السلام نے اس نوجوان کو کسی چاقو یا چھرے وغیرہ سے قتل نہیں کیا بلکہ صرف تین انگلیوں سے ابہام یعنی انگوٹھے، اور سبابہ یعنی شہادت کی انگلی اور وسطی یعنی درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا تو نوجوان کا سر جسم سے علیحدہ ہو گیا۔ کذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

حدیث شریف خضر و موسیٰ علیہ السلام کشتی سے نکل کر دریا کے کنارے پر چل پڑے راستے میں ایک لڑکا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اسے خضر علیہ السلام نے سر سے پکڑ کر ایک ہی جھٹکے سے اس کا سر دھڑ سے جدا کر دیا۔ (کذا فی الصحیحین بر روایت ابی بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ)

قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا یہ شرط مذکورکی جزا ہے اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً آپ نے ایسے بچے کو قتل کیا ہے جو گناہوں سے پاک ہے اس لیے یہ ابھی غیر بالغ ہے اکثر مفسرین کی رائے یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے زکیۃ سے گناہوں سے پاک مراد لیا ہے

ف : ابن کثیر و نافع وابو عمرو نے زاکیۃ پڑھا باقی تمام قراء نے اسے زکیۃ بروزن فعیلۃ پڑھا ہے اس سے اس کی پاکی او طہارت میں مبالغہ مراد ہے

ف : ابو عمرو نے فرمایا کہ زاکیۃ وہ جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو اور زکیۃ وہ جس نے گناہ کر کے توبہ کر لی ہو۔ بِغَيْرِ نَفْسٍ یعنی اس بچے کو کسی نقائص میں بھی نہیں قتل کیا گیا۔

سوال : موسیٰ علیہ السلام نے ایسا کیوں فرمایا اس لیے کہ چھوٹے بچوں سے قصاص نہیں لیا جاتا؟

جواب ۱ : وہ اتنا چھوٹا نہیں تھا بلکہ وہ بالغ تھا لیکن چونکہ نئی جوانی چڑھا تھا اسی لیے اسے غلام سے تعبیر کیا گیا۔

جواب ۲ : مسائل شرعیہ میں امم میں اختلاف رہا ہے ممکن ہے موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں غیر بالغوں سے قصاص لیا جاتا ہے اس جواب نمبر دو کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے جسے امام بیہقی نے کتاب المعرفت میں درج فرمایا کہ صرف بالغوں سے احکام کا تعلق ہجرت نبویہ کے بعد ہوا۔

ف : شیخ تقی الدین سبکی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بلوغ سے احکام کا تعلق غزوۂ احد کے بعد ہوا۔

خارجیوں کا رد اسی قانون کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اسلام قابل قبول ہے باوجودیکہ اجماع امت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب اسلام قبول فرمایا تو اس وقت آپ بالغ نہیں تھے چنانچہ آپ سے ایک شعر منقول ہے

سبقتكم الى الاسلام طرا

صغيرا ما بلغت اوان حلمی

ترجمہ : میں نے تم سب میں سے اسلام میں سبقت کی درانحالیکہ اس وقت میں بچہ تھا یعنی بلوغ کو نہیں پہنچا تھا

ف : اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی اس سے ثابت ہوا قبل از ہجرت چھوٹے بچے بھی احکام و عقائد اسلام کے مکلف تھے اس لیے کہ احکام شرعیہ سے بچوں کو خیبر کے بعد مرفوع القلم بنایا گیا۔

سوال : اس غلام کے لیے زکیۃ کی قید کا کیا فائدہ؟

جواب : چونکہ نوجوان جب جوانی چڑھتا ہے تو گناہوں کی طرف طبعاً زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔

حدیث شریف : جس غلام کو خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا وہ طبعاً فطرۃً ہی کافر پیدا کیا گیا تھا ۔

سوال : یہ حدیث شریف دوسری حدیث شریف مشہور کے خلاف ہے وہ کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا کیا جاتا ہے

جواب۱ : فطرت سے مراد یہ ہے کہ ہر نومولود بچے میں اسلام کے قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے اور ایسے بچے میں فطری کفر کا ہونا استعداد کے منافی نہیں ۔

جواب۲ : فطرت سے مراد الست بربکم کا ابتدائی قول مراد ہے ۔

سوال : نووی نے فرمایا کہ مذکورہ بالا جوابات صحیح نہیں اس لیے کہ اس بچے کے والدین مومن تھے اس معنیٰ پر اس بچے کا مومن ہونا بھی لازمی امر ہے ۔

جواب : اس کا یوں جواب دیا جائے کہ اگر وہ بچہ سن بلوغ کو پہنچتا تو لازماً کافر ہوتا ۔ (واللہ علم)

لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا اے خضر علیہ السلام آپ نے ایک ایسا کام کیا ہے جسے شرعاً کسی طریق سے بھی جائز نہیں کہا جا سکتا یہ فعل تو پہلے فعل یعنی کشتی کے توڑنے سے بھی زیادہ برا ہے اس لیے کہ کشتی کے توڑنے کے بعد تو جوڑنا ممکن ہے لیکن اس بچے کو قتل کرنے کے بعد بظاہر ناممکن ہے ۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ پہلا فعل یعنی کشتی کا توڑنا اس بچے کے قتل کرنے سے زیادہ برا تھا اس لیے کہ یہاں تو صرف ایک بچے کو قتل کیا گیا وہاں تو کشتی کے غرق ہونے پر تمام کشتی والوں کے مرجانے کا خطرہ تھا ۔ (لیکن یہ قول غیر معتبر ہے اس کا غیر معتبر ہونا ظاہر ہے)

ف : بعض حفاظ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کا نصف اسی جملہ لقد جئت شیا نکرا پر ختم ہوا آج کل اسی پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے ۔ بحمد اللہ فقیر اویسی غفرلہٗ کو یہاں تک تفسیر کے ترجمہ کی توفیق نصیب ہوئی یعنی ہفتہ کی شب قبل نماز عشاء ۲۷ ذیقعد ۱۳۹۶ھ کو اس پارہ نمبر ۱۵ کے ترجمہ سے فراغت نصیب ہوئی ۔ و الحمد للہ علی ذالک ۔

و الصلوۃ و السلام علی حبیبہ الاعلیٰ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ دار التصنیف جامعہ اویسیہ رضویہ بہاولپور پاکستان ۔ ۲۷ ۱۱/۹۶ھ

فہرست مضامین پارہ نمبر ۱۵